بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ث

۱۔ ثاقب

ثاقب اس مادہ (ث۔ق۔ب) کے بنیادی معنی کسی شے میں چھید کرنے کے ہوتے ہیں۔ اہلِ عرب نہایت چمکدار ستارہ کو نجمِ ثاقب کہتے تھے کیونکہ وہ تاریکی کی چادر میں چھید کر کے باہر نکل آتا تھا۔ قرآن کریم میں شہابِ ثاقب (۳۷ : ۱۰) اور النجم الثاقب (۸۶ : ۳) آئے ہیں۔

—(۰)—

۲۔ ثبات

ثبات (مادہ ث۔ب۔ت) کے بنیادی معنی ہیں۔ ایک حالت پر قائم اور مستحکم رہنا، خواہ وہ حالت، ایک مقام پر کھڑے رہنے کی ہو یا حرکت کی۔ اس میں دوام کا مفہوم غالب ہوتا ہے۔ جماعتِ مومنین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدا کے متعین کردہ نظریۂ حیات اور نظامِ زندگی پر جم کر کھڑی رہے اور مخالفتوں کا ہجوم کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو، اس کے پائے استقامت میں ذرا سی لغزش نہ آئے۔ اسی لئے اس نے کہا ہے کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ..... (۴۱ : ۳۰) — (۴۶ : ۱۳)

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اپنے اس دعوے پر جم کر کھڑے ہو گئے ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ اسی سے لفظ ثابت ہے جس کے معنی جم کر کھڑا ہو جانے والا ہیں۔

---

(۱) جماعت مومنین کو ثبات کی تاکید۔ (۸:۴۵)

(۲) دنیا اور آخرت میں یہ ثبات، محکم نظریۂ حیات کی رو سے حاصل ہوتا ہے۔ (۱۴:۲۷)

(۳) یہ نظریۂ حیات قرآن کریم میں عطا کیا گیا ہے (۱۶:۱۰۲)

(۴) اس کا عملی طریق یہ ہے کہ تم دینِ خداوندی کی حمایت کے لئے اٹھو خدا تمہاری حمایت کرے گا اور تمہیں ثبات عطا کر دے گا۔ (۴۷:۷)

(۵) ملائکہ، میدان جنگ میں ثبات عطا کرنے کے لئے نازل ہوتے تھے۔ (۸:۱۲)۔ اس کی ایک شکل عین وقت پر بارانِ رحمت کا نزول تھا (۸:۱۱)۔

(۶) مؤمنین کی ثباتِ قدم کے لئے دعائیں۔ (۲:۲۵۰)—(۴۷:۳)

(۷) قرآن کریم میں انبیاء سابقہ کی سرگذشتیں اس لئے بیان کی گئی تھیں کہ ان سے حضور نبی اکرمؐ کو ثباتِ قلب حاصل ہو (۱۱:۱۲۰) قرآن کریم کے بتدریج نازل کرنے سے بھی یہی مقصد تھا (۲۵:۳۲)

(۸) مخالفین کی انتہائی کوشش تھی کہ حضورؐ اپنے مقام سے ہل جائیں اور ان کے ساتھ مفاہمت کر لیں۔ لیکن نصرتِ خداوندی نے ان کی کوششیں ناکام بنا دیں۔ (۱۷:۷۴)

(۹) خدا کا عطا کردہ نظریۂ حیات اس شجرِ طیب کی طرح ہے جس کی جڑیں زمین میں محکم ہوں (اصلھا ثابت) اور شاخیں فضا کی پہنائیوں میں جھوم رہی ہوں (۱۴:۲۷)

(۱۰) خدا کا قانون محو و ثبات ساری کائنات میں کارفرما ہے۔ اس قانون کی اصل و بنیاد، علم خداوندی ہے۔ اسے اُم الکتاب کہا گیا ہے۔ (۱۳:۳۹)

(۱۱) اپنی جھوٹی قسموں کو فریب دہی کی سپر مت بناؤ۔ اس سے تمہارا جما ہوا قدم اکھڑ جائے گا۔ (۱۶:۹۴)

تثبیتِ نفس

سورہ بقرہ میں ہے کہ انفاق مال سے تمہیں تثبیتِ نفس حاصل ہو جائے گی۔ اس کے معنی بھی استحکامِ ذات کئے جاتے ہیں لیکن تثبیت

کا مادہ (ث۔ب۔ی) ہے جس کے معنی منتشر اور متفرق اجزا کو اکٹھا کرکے ان میں تقویت پیدا کرنا، تکمیل تک پہنچانا ہیں۔ لہٰذا تثبیتِ نفس کے معنی انسانی ذات کی (INTEGRAATION) اور مناسب نشو و نما سے تکمیل ہوں گے۔ یہ لفظ (۲:۲۶۵) میں بھی آیا ہے۔ فوج کی مختلف ٹکڑیوں کو بھی ثبات کہا گیا ہے (۴:۷۱)

———(۰)———

۳۔ ثعبان

ثعبان۔ اس مادہ (ث۔ع۔ب) کے بنیادی معنی پانی کی طرح بہنے اور پھیلنے کے ہیں۔ اس سے لفظ ثعبان ہے جس کے معنی بڑے موٹے سانپ کے ہیں۔ داستانِ حضرت موسیٰ میں عصاءِ موسےٰ کو ثعبان سے تشبیہہ دی گئی ہے (۷:۱۰۷)—(۲۶:۳۲)

———(۰)———

۴۔ ثقیل

(۱) جب دو چیزوں کے درمیان موازنہ کیا جائے تو ان میں سے بھاری کو ثقیل اور ہلکی کو خفیف کہا جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ جس کا تعمیری اعمال (نیکیوں) کا پلڑا بھاری ہوگا وہ بامراد (مستحقِ جنت) ہوگا۔ جس کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ نامراد رہے گا (داخلِ جہنم ہوگا)۔ (۷:۸)—(۲۳:۱۰۲)—(۱۰۱:۶)

(۲) انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے ذمہ داریوں کے بوجھ کے لئے لفظ اثقال آیا ہے۔ یعنی اعمال کے نتائج۔ (۲۹:۱۳) عام بوجھ کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ (۱۶:۷)—(۹۹:۲)

(۳) مثقال۔ خفیف سے وزن کو کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ انسانی اعمالِ خیر و شر کا مثقال ذرّہ تک سامنے آجائے گا۔ (۲۱:۴۷)—(۳۱:۱۶)—(۹۹:۷)۔ ارض و سما میں مثقال ذرہ تک علمِ خداوندی سے پوشیدہ نہیں۔ (۱۰:۶۱)—(۳۴:۳)۔

خدا کسی پہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا (۴:۴۰)

(۴) ثقلان۔ جن و انس کے دو گروہوں کو ثقلان کہا گیا ہے (۵۵:۳۱)

———

۵- ثمر

ثمر کے بنیادی معنی درخت کے پھل کے ہیں۔ اس کے بعد اسے ہر قسم کے مال و متاع کے لئے استعمال کرنے لگے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ (جمع ثمرات) پھل اور فصل سب کے لئے آیا ہے۔

(۱) درختوں کے پھل اور فصلوں کے اناج وغیرہ۔(۲۲ : ۲)—(۲:۱۲۶)—(۶:۹۹)—(۷ : ۵۷)—(۱۳۰ : ۷)—(۱۴:۳۲)—(۱۶:۱۱)—(۱۶:۶۷)—(۳۵ : ۲۷)—(۳۶ : ۳۵)—(۴۷ : ۴۱)۔

(۲) فصل کاٹنے کے وقت "خدا کا حق" بھی ادا کر دیا کرو۔ (۶ : ۱۴۱)۔ قرآن میں "حقوق اللہ" کا ذکر صرف اس مقام پہ آیا ہے۔

(۳) باغ والوں کی مثال جن کے ثمرات ضائع ہو گئے کیونکہ انہوں نے محتاجوں کا حق ادا نہیں کیا تھا۔ (۱۸:۳۲ - ۴۲)۔

(۴) بڑھاپے میں کھیتیاں جل جائیں تو رزق کیسے حاصل ہو، اس کی فکر کر لینی چاہیئے۔ (۲ : ۲۶۶)۔

(۵) جنت کے پھل۔ (۲ : ۲۵)—(۴۷ : ۱۵)

(۶) دعائے ابراہیمی کہ جس اولاد کو میں نے تولیت کعبہ کے لئے اس بے برگ و گیاہ زمین میں بسا دیا ہے، انہیں ثمرات کا رزق حاصل ہوتا رہے۔ (۱۴ : ۳۷)—(۲۸ : ۵۷)

(۷) حق و باطل کی کشمکش و تصادم میں جماعت مومنین کا نقصان ثمرات (۲:۱۵۵)

(۸) شہد کی مکھی ثمرات کا رس چوس کر شہد بناتی ہے۔ (۱۶:۶۹)

(۹) ہر ثمر کی زوجین (جوڑے)۔ (۱۳ : ۳)

———(٠)———

۶- ثمود

قرآن کریم نے جن اقوام سابقہ کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے ان میں قوم ثمود کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ ان کا دارالحکومت حجر تھا اس لئے انہیں اصحاب الحجر کہہ کر بھی پکارا گیا ہے۔ حضرت صالحؑ ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کا جرم یہ تھا کہ یہ خدا کے عطا کردہ ذرائع رزق کو ذاتی ملکیت بنا بیٹھے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ غریبوں اور کمزوروں کے مویشی پانی تک سے محروم رہ جاتے تھے۔ انہوں نے حضرت صالحؑ کے ساتھ معاہدہ کیا کہ تمام لوگوں کے مویشی اپنی اپنی باری پر پانی پیا کریں گے۔ لیکن وہ اس معاہدہ پہ قائم نہ رہے اور تباہ ہو گئے۔ ذیل میں اُن آیات کے حوالے دیئے جاتے ہیں جن میں ان کا تذکرہ آیا ہے۔ (تفصیل میری کتاب جوئے نور

میں ملے گی) اس سلسلے میں عنوان" صالح" بھی دیکھئے اور اصحاب الحجر بھی۔

(۱) تفصیلی تذکرہ

(۷:۷۳)—(۱۱:۶۱-۶۸)—(۱۷:۵۹)—(۲۶:۱۴۱-۱۵۹)—(۲۷:۴۵)—(۹۱:۱۱-۱۵)

(۲) ضمنی تذکرہ

(۹:۷۰) (۱۱:۹۵)—(۱۴:۹)—(۲۲:۷۲)—(۲۵:۳۸)—(۲۹:۳۸)—(۳۸:۱۳)—(۴۰:۳۱)—
(۴۱:۱۳)—(۴۱:۱۷)—(۵۰:۱۲)—(۵۱:۴۳)—(۵۳:۵۱)—(۵۴:۲۳)—(۶۹:۴)—(۶۹:۵)
(۸۵:۱۸)—(۸۹:۹)۔

—(۰)—

۷۔ ثمن

(۱) ثمن کے عام معنی قیمت کے ہیں لیکن اس میں اور قیمت میں ایک فرق ہوتا ہے۔ قیمت اس بدل کو کہتے ہیں جو کسی شے کے برابر ہو۔ اور ثمن اس بدل کو جس پہ بائع (خریدار) اور مشتری (فروخت کنندہ) باہمی رضامند ہو جائیں۔

(۲) مذہب کو ذریعہ معاش بنا لینے والوں کے متعلق کہا کہ وہ آیات اللہ کو ثمن قلیل کے عوض فروخت کرتے رہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انہیں چاہیئے کہ وہ ثمنِ قلیل (تھوڑی سی قیمت) کے عوض نہ بیچا کریں یا بہت زیادہ قیمت لیا کریں۔ قرآن کریم نے دنیا کی ہر متاع کو آخرت کے مقابلہ میں قلیل کہا ہے (۴:۷۷)—(۹:۳۸)۔ لہٰذا اس کے معنی یہ ہوئے کہ دنیاوی مفاد کی خاطر دین فروشی مت کرو۔

(۳) یہودیوں کے مذہبی پیشوا دین فروشی کرتے تھے (۲:۴۱)—(۲:۷۹)۔ جو ایسا نہیں کرتے ان کے لیے اجر عظیم ہے (۳:۱۹۸)

(۴) کتمانِ حقیقت کرنے والے دین فروش ہیں۔ (۲:۱۷۴) (۳:۱۸۷)

(۵) عہدِ خداوندی اور اپنی قسموں کو بیچنے والے۔(۳:۷۷)۔ ایمان کے بدلے کفر خریدنے والے (۳:۱۷۷)

(۶) دین فروشی مت کرو۔ (۵:۴۴)—(۱۶:۹۵)

(۷) سچی گواہی کو ثمنِ قلیل کے عوض مت بیچو (۵:۱۰۶

(۸) مشرکینِ مکہ بھی دین فروشی کرتے تھے (۹ : ۹)

۸۔ ثواب

ثواب ۔ یہ لفظ وہ ہے جو دنیائے مذہب میں سب سے زیادہ استعمال ہوتا ہے لیکن جس کا متعین مفہوم بہت کم سامنے آتا ہے۔ مثلاً ایسا کہا جائے گا کہ تم ایسا کرو۔ اس سے بہت ثواب ہوگا۔ لیکن اگر پوچھا جائے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ اس سے کیا ہوگا۔ اس سے کیا ملے گا، تو اس کا جواب صرف اتنا دیا جائیگا کہ اس سے ثواب ہوگا۔ اس سے ثواب ملے گا۔ یعنی ہمارے ہاں یہ لفظ ایسا مجرد (ABSTRACT) بن کر رہ گیا ہے جس کا کوئی محسوس (CONCRETE) مفہوم سامنے نہیں آتا۔ بنا بریں، اس کے صحیح مفہوم کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

اس لفظ (ثواب) کا مادہ (ث - و - ب) ہے جس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کے چلے جانے کے بعد اس کا پھر واپس آجانا ۔ بیماری سے انسان کمزور ہو جاتا ہے ۔صحت یاب ہونے کے بعد اس کی زائل شدہ توانائی کے واپس آجانے کے لئے کہتے ہیں ثَابَ جِسْمُهٗ۔ اس کا جسم پھر اپنی پہلی حالت پر آگیا۔ اگر کسی حوض کی یہ صورت ہو کہ اس سے جس قدر پانی نکل جائے اتنا ہی واپس آجائے تو اس کے لئے کہیں گے ثَابَ الْمَاءُ۔

آپ کوئی کام کریں۔ اس میں آپ کا وقت، روپیہ، توانائی وغیرہ صرف ہوں گے۔ اس کے بعد اگر اس کا نتیجہ ایسا مرتب ہو جس سے یہ سب کچھ واپس لوٹ آئے تو اسے اس کام کا ثواب کہا جائے گا۔ یہ ہے اس لفظ کا بنیادی مفہوم۔ (کاروباری دنیا میں انگریزی زبان کا لفظ (RETURN) اس کا مفہوم سامنے لے آتا ہے۔ اس کے بعد اسے مکافاتِ عمل۔ یعنی اعمال کے نتائج کے لئے بھی استعمال کرنے لگ گئے۔

(۱) اعمال کے نتائج کے معنوں میں

کفار کے اعمال کے نتائج۔ (۳۶ : ۸۳)

ایمان و اعمالِ صالح کے نتائج۔ (۳ : ۱۹۵) (۵ : ۸۵)۔(۱۸ : ۳۱)۔(۱۸ : ۴۴)۔(۱۸ : ۴۶)۔(۱۹ : ۷۶)

(۲) **ثوابُ اللہ** (۲۸ : ۸۰)

(۳) ہمارے ہاں عام تصور یہ ہے کہ ثواب آخرت میں جا کر ہی ملے گا۔ لیکن قرآن کریم میں ثوابُ الآخرۃ اور ثوابُ الدنیا دونوں آئے ہیں۔ یعنی اعمالِ صالح کا نتیجہ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

جو ثواب الدنیا چاہے گا اُسے ثوابِ دنیا مل جائے گا۔ جو ثوابِ آخرت چاہے گا اسے ثوابِ آخرت مل جائے گا۔ (۳:۱۴۴)۔
خدا کے ہاں ثواب الدنیا اور ثواب الآخرت دونوں ہیں (۴:۱۳۴)۔ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو ثواب الدنیا اور ثواب الآخرۃ
دونوں ملتے ہیں (۳:۱۴۷) خدا کے ہاں سے حسن الثواب ملتا ہے۔ (۳:۱۹۴)

فتح قریب، ثواب الدنیا ہے جو مومنوں کو عطا ہوتا ہے۔ (۴۸:۱۸)

لہٰذا ثواب، انسانی اعمال کا وہ نتیجہ ہے جو محسوس شکل میں اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ اور آخرت میں بھی ملے گا۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ جو ہمارے ہاں ایصالِ ثواب کا عقیدہ رائج ہے۔ قرآن سے اس کی سند نہیں ملتی۔ جب ثواب کے معنی اپنے اپنے عمل کا نتیجہ ہیں، تو ایک شخص کے اعمال کے نتائج کسی دوسرے کی طرف منتقل کیسے ہو سکتے ہیں (تفصیل کے لیے دیکھئے عنوان مکافاتِ عمل۔ نیز میری کتاب "جہانِ فردا")

(۴) اَلثَّوْبُ بھی اسی مادہ سے ہے جس کے عام معنی کپڑے ہیں لیکن عربوں کے ہاں ثیاب سے مراد انسان کی شخصیت بھی لیتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ فُلَانٌ دَنِسُ الثِّیَابِ ۔ وہ شخص بڑی خبیث فطرت کا ہے۔ اس کی شخصیت بڑی خراب ہے۔ (۵:۱۱) اور (۷:۱۱) میں یہ لفظ انہی معنوں میں آیا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کریم میں جو نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے کہ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ (۷۴:۴) تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اپنی سیرت و کردار کو پاکیزہ رکھو۔

لیکن تَثْوِیْبٌ کے معنی ہیں لوگوں کو آواز دے کر بلانا۔ اکٹھا کرنا۔ اس اعتبار سے ثِیَابَکَ فَطَھِّرْ کے معنی ہوں گے اپنی دعوت و پکار کو پاک اور صاف رکھو۔ اس میں نہ تو غلط تصورات و مقاصد کی آمیزش ہونے دو، نہ غلط قسم کے لوگوں کو اس میں گھسنے دو۔

(۵) عام کپڑوں کے معنوں میں بھی یہ لفظ (ثیاب) آیا ہے (۲۴:۵۸)—(۲۴:۶۰)

ج

۱۔ جالوت

فلسطین کا ایک سرکش سردار جس کے خلاف بنی اسرائیل نے زیرِ سرکردگی حضرت طالوت لشکر کشی کی تھی اور جسے حضرت داؤدؑ نے قتل کیا تھا۔ سورہ بقرہ کی آیات (۲۵۱ — ۲۴۶ : ۲) میں اس معرکہ کا تفصیلی بیان ہے۔

۲۔ جبر

جبر۔ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کی اس طرح اصلاح کرنا کہ اس میں کچھ قوت صرف کرنی پڑے۔ چنانچہ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے کے لئے انہیں جن لکڑیوں میں کس کر باندھا جاتا ہے انہیں الجبائر کہتے ہیں اور اس طرح ہڈیوں کے جوڑنے والے کو الجابر۔ خدا کی صفت الجبّار انہی معنوں میں آئی ہے۔ (۵۹:۲۳)

لیکن جب انسان حدودِ خداوندی سے تجاوز کر کے مظلوموں اور کمزوروں پہ جبر و استبداد کرے، تو یہ لفظ مذموم معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کسی پر ظلم و ستم کرنے والا۔ قرآن میں انسانوں کے لئے جبّار کا لفظ ایسے ہی لوگوں کے لئے آیا ہے۔ (۵۹ : ۱۱) — (۱۴:۱۵) — (۲۸ : ۲۶) — (۱۹ : ۲۸) — (۳۵ : ۴۰)۔

(۲) رسول اللہ سے کہا گیا کہ تو ان پہ جبّار نہیں ہے کہ زبردستی اپنی بات منوائے۔ (۴۵ : ۵۰)۔ اس کے لئے لفظ مصیطر بھی آیا ہے۔ (۲۲: — اور وکیل بھی (۱۰۸ : ۶)

(۳) حضرت یحییٰؑ کی دعا کہ مجھے جبّار نہ بنایا جائے (۱۴ : ۱۹) حضرت عیسیٰؑ کی دعا (۳۲ : ۱۹)

(۴) بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہم ارضِ فلسطین نہیں ہوں گے کیوں کہ وہاں بڑے بڑے جبّار ہیں (۵:۲۲)

(۰)

(اس سلسلہ میں دیگر متعلقہ عنوانات مثل اکراہ - جور - ظلم وغیرہ بھی دیکھئے)۔

۲۔ جرم و سزا

کسی قانون کی خلاف ورزی کا نام جرم ہے اور اس کے لئے جو پاداش عدالت کی طرف سے عائد ہو اُسے اس جرم کی سزا کہا جائے گا۔ اس کی تفصیل کے لئے عنوان عدل دیکھنا چاہیئے۔ لیکن چونکہ قرآن کریم نے جرم اور اس کی سزا کے متعلق خصوصیت سے کچھ ہدایات دی ہیں اس لئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ ان کا ذکر زیرِ نظر عنوان کے تحت الگ بھی کر دیا جائے۔

۲۔ اسلامی مملکت میں چونکہ قوانینِ خداوندی نافذ ہوں گے اس لئے ان قوانین کی خلاف ورزی کا دوہرا اثر پڑے گا۔ ایک اثر معاشرہ کے خلاف اور دوسرا خود اس مجرم کی اپنی ذات کے خلاف۔ قرآن نے اس اثر کو بڑی اہمیت دی ہے (۱۱۱:۴) اس کا جو نقصان انسان کی ذات پر پڑتا ہے اس کا ازالہ عدالتی سزا سے نہیں ہو سکتا۔ اس کا ازالہ اس شخص کو آپ کرنا ہوگا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ شخص اپنے کئے پر نادم ہو اور اس کے بعد ایسے اچھے کام کرے جن کا وزن اس بُرے کام سے کہیں زیادہ ہو۔ اس سے اس نقصان کی تلافی ہو جائے گی (۱۱۴:۱۱)۔

۳۔ عدالت کے حیطۂ اقتدار یا گرفت میں وہی جرائم آ سکتے ہیں جو کسی سے عملاً سرزد ہوں۔ لیکن قرآن کی رو سے دل کے ارادے اور نگاہ کی خیانتیں بھی جرم میں داخل ہیں۔ (۱۹:۴۰)۔ ظاہر ہے کہ ان جرائم کی وجہ سے پیدا شدہ نقصان کا ازالہ بھی انسان خود ہی کر سکتا ہے، عدالت نہیں۔

۴۔ جرم درحقیقت وہی ہے جس میں انسان کے دل کا ارادہ شامل ہو۔ (۵:۳۳) جہالت سے اگر کوئی غلط قدم اٹھ جائے اور وہ شخص اس سے تائب ہو جائے تو اُسے معاف کیا جا سکتا ہے۔ (۵۴:۶) لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ لوگ قانون کی پابندی کی طرف سے لاپرواہی برتنے لگ جائیں۔ لاپرواہی بھی جرم میں شامل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے قتلِ خطا کی بھی سزا تجویز کی ہے۔ (۹۲:۴)

۵۔ کسی سے کوئی جرم جبراً کرایا جائے تو اُسے مجرم تصوّر نہیں کیا جائیگا۔ (۱۰۶:۱۶)

۶۔ بڑے بڑے جرائم سے مجتنب رہنے والوں سے اگر کبھی کوئی ہلکی سی لغزش سرزد ہو جائے تو وہ قابلِ معافی قرار دی جا سکتی ہے (۳۷:۴۲)——(۳۲:۵۳)

۷۔ جو کسی کو غلط راستے پر ڈالتا ہے۔ اس کے جرائم میں وہ بھی شریک ہوتا ہے (۲۵:۱۶)——(۱۳:۲۹)

۸۔ سزا تجویز کرتے وقت مجرم کے ماحول۔ تربیت۔ ذہنی سطح۔ نفسیاتی کیفیت اور معاشرہ کے عام حالات کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ وجہ ہے کہ لونڈی کے جرم زنا کی سزا آزاد عورت کی سزا سے نصف رکھی گئی ہے (۲۵:۴) اور ازواجِ رسول اللہ کے

سلے دگنی۔ (۳۳ : ۳۰)

(اس سے مراد ایک اصول بیان کرنا ہے۔ یہ نہیں کہ ازواجِ رسول اللہؐ سے کوئی جرم سرزد ہوا تھا اور اس کی دگنی سزا دی گئی تھی)

۹۔ مجرم کا پیچھا کرکے اسے جرم کی سزا دینا حکومت کا فریضہ ہے۔ اسے قصاص کہا جاتا ہے۔ اسی میں قوم کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔ (۲ : ۱۷۹) قصاص میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ (۲ : ۱۷۸) حتیٰ کہ (اور تو اور) خود رسول اکرمؐ سے بھی اعلان کرایا گیا کہ "اگر میں بھی قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کروں تو اس کی پاداش سے محفوظ نہیں رہ سکتا"۔ (۶ : ۱۵)

۱۰۔ جرم کی سزا خود مجرم بھگتے گا۔ کوئی دوسرا نہیں۔ (۶ : ۱۶۵)

۱۱۔ مجرم کے حق میں نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی۔ نہ ہی مجرم سے کچھ لے کر اسے چھوڑا جائے گا۔ نہ ہی کوئی اُسے سزا سے بچانے کے لئے اس کی کوئی مدد کر سکے گا۔ (۲ : ۴۸)

۱۲۔ جرم ثابت ہونے سے پہلے ملزم کو بے گناہ سمجھا جائے گا اور اس کے متعلق نیک ظن رکھا جائے گا۔ لہٰذا تفتیش کے دوران ملزم پر کسی قسم کی زیادتی کرنا یا اسے قصوروار تصور کر لینا، قرآنی ضابطۂ عدل کے خلاف ہوگا (۲۴ : ۱۲ - ۱۴)۔

۱۳۔ کسی بات کو قانوناً جرم قرار دینے سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہو۔ اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ بالفاظِ دیگر قانون کا نفاذ کسی سابقہ تاریخ سے نہیں ہوگا۔ (۲ : ۲۷۵) (۵ : ۹۵) (۴ : ۲۳)

۱۴۔ سزا، جرم کی نوعیت کے مطابق ہوگی۔ اس سے زیادہ نہیں۔ (۲ : ۱۹۴) (۱۰ : ۲۷) (۱۶ : ۱۲۶) (۲۲ : ۶۰) (۴۰ : ۴۰) (۴۲ : ۴۰)

۱۵۔ مجرم میں اگر اصلاح کا امکان ہو تو اسے معاف کر دینا چاہیے۔ (۴۲ : ۴۰)

۱۶۔ عدل سے مقصود صرف مجرموں کو سزا دینا ہی نہیں، بلکہ مظلوم کے نقصان کو پورا کرنا بھی ہے (۱۷ : ۳۳) اصل یہ ہے کہ حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے حدودِ مملکت میں بسنے والے افراد کی جان۔ مال۔ عزت۔ آبرو وغیرہ کی حفاظت کرے۔ لہٰذا اگر حکومت کسی کی حفاظت نہیں کر سکی تو اس کے نقصان کی تلافی حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔ لہٰذا جسے اس طرح نقصان پہنچا ہے، وہ درحقیقت حکومت کے خلاف مستغیث ہوگا۔ حکومت کا اولین فریضہ اس کے نقصان کی تلافی ہوگا اور اس کے بعد یہ دیکھنا کہ کس قسم کے انتظامات کئے جائیں جن سے معاشرہ اس قسم کے نقصانات سے محفوظ رہے۔ جرم کی سزا انہی انتظامات کی ایک شق ہے تاکہ معاشرہ میں لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون کی فضا پیدا ہو جائے۔ اس مقصد

کے حصول کا بہترین طریق یہ ہے کہ قوم کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کی جائے کہ قانون کا احترام ان کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے۔ اس صورت میں جرائم خود بخود مٹتے جائیں گے اور تعزیر کی ضرورت مستثنیات کے لئے پڑے گی۔ یعنی ان کے لئے جن کا ذہنی اور نفسیاتی مرض اس قدر شدید ہو گیا کہ سزا کے خوف کے علاوہ اس کا علاج ممکن نہ ہو۔

۱۷۔ قرآن کریم نے معدودے چند جرائم کی سزائیں خود تجویز کی ہیں ــــ قتل۔ زنا۔ بہتان۔ شریف زادیوں کو تنگ کرنا۔ چوری اور بغاوت۔ (ان کی تفصیل متعلقہ عنوانات میں ملے گی)۔ یہ ان جرائم کی انتہائی سزائیں ہیں۔ جن حالات میں یہ سزائیں تجویز کی گئی تھیں، یہ انہی جیسے حالات میں دی جائیں گی۔ اگر حالات ایسے نہیں رہیں گے تو اسلامی حکومت، حالات کے مطابق ان میں تبدیلی کر سکتی ہے۔ اس کی نظیر خود قرآن میں موجود ہے۔ اسلامی مملکت میں بغاوت کی سزا۔ (۱) قتل۔ (۲) صلیب (۳) ہاتھ پاؤں قطع کرنا۔ (۴) جلاوطن (یا نظر بند) کر دینا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس قسم کے حالات ہوں ان کے مطابق سزا دی جائے۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ قرآن کی تجویز کردہ سزائیں منسوخ کر دی جاسکتی ہیں۔ مطلب صرف یہ ہے کہ یہ سزائیں مشروط بہ حالات ہیں۔ جن جرائم کی سزائیں قرآن نے خود تجویز نہیں کیں، ان کی سزائیں اسلامی حکومت متعین کریگی

۱۸۔ قرآن کریم نے جرائم کی بدنی سزائیں تجویز کی ہیں۔ قید بطور سزا کا ذکر قرآن میں نہیں آیا۔ (جس عورت میں کوئی عام بے حیائی کی بات پائی جائے اُسے گھر میں محبوس کرنے کا ذکر آیا ہے۔ (۴:۱۵) یا بغاوت کی ایک سزا نظر بندی تجویز کی گئی ہے۔ (۵:۳۳-۳۴) ملک بدر کر دینے کی طرف (۶۰ : ۳۲) میں اشارہ ملتا ہے۔

۱۹۔ معافی کے لئے عفو کا عنوان دیکھئے۔

ــــــــ(۰)ــــــــ

ہم نے اس عنوان میں صرف عدالتی جرم کا ذکر کیا ہے۔ قرآن میں ان مجرمین کا بھی ذکر ہے جو اس حیثیت سے "خدا کی عدالت" میں پیش ہوں گے اور مجرم اقوام کا بھی جن کی تباہی اس دنیا میں ہوئی تھی۔ اول الذکر کے متعلق "مکافاتِ عمل" اور "قیامت" وغیرہ سے متعلق عنوانات دیکھئے اور ثانی الذکر کے متعلق "اقوامِ سابقہ" کا عنوان۔

ــــــــ(۰)ــــــــ

۴۔ جزیہ

جو غیر مسلم، اسلامی مملکت کے اقتدار کو تسلیم کر کے اس کی حفاظت میں آجاتے تھے، یہ مملکت ان کی جان و مال، عزت،

مذہب، پرستش گاہوں کی حفاظت کا ذمہ لیتی تھی۔ اس کے لئے ان سے معمولی سا ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ اسے جزیہ کہتے ہیں۔
قرآن مجید میں یہ لفظ صرف ایک مقام پر آیا ہے۔ (۹:۲۹) میں۔

———(۰)———

۵۔ جن

جن ۔ (مادہ ج ۔ ن ۔ ن)۔ ہر شے جو نگاہوں سے پوشیدہ ہو۔

جہاں تک جن کا تعلق ہے، قرآن کریم نے اس لفظ کو متعدد مفاہیم کے لئے استعمال کیا ہے۔

(۱) زمین پر انسانی آبادی سے پہلے، کوئی مخلوق تھی جو اب ناپید ہو چکی ہے۔ انسان (یا آدم) اس مخلوق کا جانشین (SUCCESSOR) ہے۔ نظریۂ ارتقاء کے مغربی حاملین اسے (MISSING LINK) سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ اس وقت زمین کی حرارت مقابلۃً زیادہ شدید تھی۔ اس لئے اس مخلوق کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کی پیدائش آگ سے ہوئی تھی۔

(۲) فطرت کی غیر مرئی قوتیں جنہیں انسان اپنے دورِ جہالت میں دیوی۔ دیوتا سمجھ کر ان کی پرستش کرتا تھا۔ عربوں کے ہاں بھی ان کی پرستش ہوتی تھی۔

(۳) خود انسان کے سرکش جذبات جو محسوس شکل میں سامنے نہیں آتے بلکہ اعماقِ قلب میں تہ نشین ہوتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ابلیس، جنات میں سے تھا۔

(۴) وحشی قبائل کے لوگ جنہیں حضرت سلیمانؑ نے ایسے کاموں پر لگا رکھا تھا۔ جن میں بڑی جسمانی قوت کی ضرورت ہو۔

(۵) عربوں کے ہاں شہری آبادی بہت کم تھی۔ باقی لوگ صحراؤں اور بیابانوں میں رہتے تھے۔ خانہ بدوشوں کی سی ان کی زندگی تھی — شہروں سے دور۔ نگاہوں سے اوجھل۔ وہ حضریت کی تمدنی زندگی سے ناواقف تھے۔ ان کے اپنے عقائد اور رسوم تھے اور نفسیاتی طور پر بھی وہ شہروں کی متمدن دنیا سے ایک مختلف مخلوق معلوم ہوتے تھے۔ آجکل اگرچہ ذرائع رسل و رسائل کی کثرت کی وجہ سے شہری اور اس قسم کی بیرونی زندگی کے امتیازات بڑی حد تک کم ہوتے جا رہے ہیں۔ بایں ہمہ اب بھی وحشی قبائل کی زندگی اور شہروں کی مہذب زندگی میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ عربوں کے ہاں شہری آبادی کو انس اور اس قسم کے خانہ بدوشوں کی آبادی کو جن کہہ کر پکارتے تھے۔ قرآن کریم میں "جن و انس" کی اصطلاح انہی معانی میں آئی ہے۔

(۶) یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ جن انسانوں کا روپ دھار کر مختلف مقامات پر پھرتے رہتے ہیں یا وہ (بالخصوص) عورتوں کو چمٹ جاتے ہیں اور انہیں جھاڑ پھونک اور عملیات کے ذریعے نکالا جاتا ہے۔ یہ سب توہم پرستی ہے۔ قرآن کریم

میں اس قسم کا کوئی ذکر نہیں۔ انسان اپنے دورِ جہالت میں ایسی اعصابی بیماریوں (مثل ہسٹریا وغیرہ) کو جن کی توجیہہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ نہ ہی وہ ان کی تشخیص کر سکتا تھا۔ بھوت۔ پریت۔ جن۔ چڑیل وغیرہ کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ اب طبی تحقیقات، اور نفسیاتی مطالعہ نے ان کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے اور رفتہ رفتہ وہمِ انسانی کے پیدا کردہ یہ جنات، انسانی ذہنوں سے نکلتے چلے جا رہے ہیں۔

انسانوں سے پہلی مخلوق

۱۔ انسانوں سے پہلے ہم نے جنات (جآن) کو تیز گرم آگ سے پیدا کیا۔ (۱۵:۲۶)

۲۔ جنات کو آگ سے پیدا کیا (۱۵ : ۵۵)

شیطانی جنات (یعنی انسان کے سرکش جذبات)

۱۔ ابلیس، جنوں میں سے تھا۔ (۱۸ : ۵۰)

عربوں کے جناتی دیوی دیوتا

۱۔ یہ جنات کی پرستش کرتے تھے۔ (۳۴:۴۱)

۲۔ یہ اللہ کے ساتھ جنوں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ (۶ : ۱۰۱)

۳۔ یہ خدا اور جنوں میں رشتے جوڑتے ہیں۔ (۳۷ : ۱۵۸)

وحشی قبائل کے قوی ہیکل افراد

۱۔ حضرت سلیمانؑ کے زمانے کے جناتی قبائل۔ ان کے جانشین کے زمانے میں سرکش ہو گئے۔ (۳۴:۱۴)

۲۔ سلیمانؑ نے جن و انس کے لشکر اکٹھے کر رکھے تھے۔ (۲۷:۱۷)

۳۔ جنوں کے ایک عفریت نے حضرت سلیمانؑ سے کہا کہ میں ملکہ سبا کا تخت طرفۃ العین میں لے آؤں گا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان "سلیمانؑ"۔ (۲۷ : ۳۹)

۴۔ حضرت سلیمانؑ کے مطیع کردہ وحشی قبائل ان کے لئے قسم قسم کے کام کرتے تھے۔ وہ سرکشی برتتے تھے تو انہیں سخت سزا دی

جاتی تھی - (۳۴ : ۱۲-۱۳)

رسول اللہ کے زمانے کے جن

۱۔ جنات (وحشی قبائل) کے ایک گروہ نے قرآن سنا اور اپنے قبیلے میں جا کر اس کی تبلیغ کی۔ (۴۶ : ۲۹ - ۳۲)

۲۔ اس گروہ کے متعلق مزید تفصیل۔ (۷۲ : ۱ - ۱۶)

جن وانس

۱۔ جنت کی پاکیزہ بیبیاں، جنہیں اس سے قبل جن وانس میں سے کسی نے چھوا تک نہیں۔ یہ ان کی عصمت اور پاک بازی کا بیان ہے۔ (۵۵ : ۷۴)

۲۔ اس دن (یومِ مکافات کو) جن وانس میں سے کسی سے اس کے جرائم کے متعلق پوچھنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ ہر ایک کا جرم از خود نمایاں ہو کر سامنے آجائے گا۔ (۵۵ : ۳۹)

۳۔ خدا نے جن وانس کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ یہ اسی کے قوانین کی اطاعت اختیار کریں۔ (۵۱ - ۵۶)

۴۔ اُس دن جن وانس کے گروہوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ جنوں سے کہا جائے گا کہ تم نے انس سے بہت فائدہ اٹھایا۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے فائدے اُٹھاتے تھے۔ (۶ : ۱۲۹)

۵۔ اے گروہِ جن وانس! اگر تم میں استطاعت ہے تو اقطار السمٰوٰت والارض سے آگے نکل جاؤ۔ تم سلطان کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے۔ (۵۵ : ۳۳ - ۳۴)

۶۔ جن وانس کی متعدد اقوام جہنم میں داخل ہوں گی۔ (۷ : ۳۸)

۷۔ جن وانس کی اکثریت اپنے آپ کو جہنم کا مستوجب بنا لیتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ عقل وفکر سے کام نہیں لیتے۔ محض حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۷ : ۱۷۹)

۸۔ ان مخاطبین (کفار) سے پہلے جن وانس کی اقوام گزر چکی ہیں۔ (۴۱ : ۲۵) — (۴۶ : ۱۸)

۹۔ جہنم میں کفار کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اُن جن وانس کو دکھا، جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ (۴۱ : ۲۹)

۱۰۔ جن وانس ایک دوسرے کی پناہ لیتے تھے۔ (۷۲ : ۵ - ۶)

۱۱۔ جن وانس کے سرغنے (شیاطین) ہر نبی کے پیغام کے دشمن ہوتے تھے۔ ملمع کاری کی باتیں کر کے لوگوں کو بہکاتے

تھے۔ (۱۱۳ : ۶)

۱۲۔ جن و انس جمع ہو کر بھی اس قرآن کی مثل دوسرا قرآن نہیں بنا سکتے۔ (۱۷ : ۸۸)

۱۳۔ جہنم جن و انس سے بھری جائے گی۔ (۱۱ : ۱۱۹)—(۳۲ : ۱۳)

۱۴۔ جن و انس لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ (۱۱۴ : ۵-۶)

۱۵۔ جن و انس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تمہاری طرف ہمارے رسول نہیں آئے تھے؟ (۶ : ۱۳۰)

۱۶۔ حضرت سلیمانؑ کے جنود جن و انس (۲۷ : ۱۷)

——(۰)——

۶۔ جنت

(ارضی و اخروی)

جنت ۔ (مادہ ج۔ن۔ن) جَنّ کے معنی ہیں چھپا لینا۔ نگاہوں سے اوجھل کر دینا۔ عربوں کے ہاں جَنَّۃ اس باغ کو کہتے تھے جس کی زمین درختوں کی کثرت کی وجہ سے نظر نہ آئے۔ چونکہ عرب کی بے برگ و گیاہ صحرائی زمین میں جہاں دور دور تک پانی اور سبزہ کا نام و نشان تک دکھائی نہیں دیتا تھا، جنت (باغ) ۔ یعنی پانی۔ سبزہ۔ درخت۔ ان کے پھل اور سایہ۔ بے بہا نعمت تھی، اس لئے ان کے ہاں زندگی کی انتہائی کامرانیوں اور کامیابیوں۔ شگفتگیوں اور شادابیوں۔ راحتوں اور شادمانیوں کو اسی اصطلاح سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی مفہوم کے لئے قرآن حکیم نے بھی اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نے انسانی زندگی کے تین گوشوں یا تین مراحل کا ذکر کیا ہے۔ مرحلۂ اول، انسان کی اس زندگی سے متعلق ہے جب ہنوز اس کی تمدنی زندگی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اس وقت سامانِ زیست کی فراوانی تھی اور انسان "میری اور تیری کی تمیز" سے ناآشنا تھا، لیکن زندگی خور و نوش کی سطح سے بلند نہیں تھی۔ قرآن کریم نے اسے جنتِ آدم کے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔

اس کے بعد اس کی تمدنی زندگی شروع ہوئی تو انسانوں کے مفادمیں باہمی تصادم واقع ہوا جس سے ان کی جنتی زندگی ان سے چھن گئی۔ اس کے لئے اسے وحی کی راہ نمائی دی گئی تاکہ یہ اپنے معاشرہ کو جنّتی بنائے۔ یہ ارضی جنت ہے جو قرآنی معاشرہ کا دوسرا نام ہے۔ اس معاشرہ میں نہ صرف سامانِ زیست، بلا جگر پاش مشقتوں کے نہایت فراوانی سے میسر ہوگا، بلکہ انسانی ذات کی نشوونما بھی ہوتی جائے گی۔

موت کے بعد، طبیعی زندگی سے متعلق ساز و سامان تو یہاں رہ جائے گا اور نشوونما یافتہ ذات آگے بڑھے گی تاکہ زندگی کی مزید

ارتقائی منازل طے کر سکے۔ اس انداز کی حیاتِ بعد الممات کو بھی قرآن نے جنت سے تعبیر کیا ہے۔ چونکہ انسان اپنے شعور کی موجودہ سطح پر یہ سمجھ نہیں سکتا کہ اُخروی زندگی کی کنہ و حقیقت کیسی ہوگی، اس لئے قرآن کریم نے اس کی کیفیات و ماجریات کو تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔ الفاظ وہی ہے جو جنتِ ارضی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن ان کا استعمال تشبیہی انداز میں ہوا ہے۔ اس لئے ان کا مفہوم حقیقی نہیں بلکہ مجازی لیا جائے گا۔ اُخروی جنت کی زندگی بھی انسانی سفر کی آخری منزل نہیں۔ وہ صرف راستے کی ایک منزل ہے جہاں سے انسان آگے بڑھتا جائے گا۔ اس جنت سے اگلی منزل کیا ہوگی، اس کے متعلق یہاں ہیں کچھ نہیں بتایا گیا۔ یہ اس جنت کی زندگی میں پہنچ کر معلوم ہوگا۔

انسانی ذات کی نشو و نما کی تکمیل معلوم نہیں کہاں پہنچ کر ہوگی۔ (جن افراد کی ذات کی نشو و نما رک چکی ہوگی، وہ جہنم کی زندگی بسر کریں گے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان جہنم) بہر حال اتنا واضح ہے کہ اس دنیا میں جہنم اور جنت کی زندگی تو زمان اور مکان کی حدود کے اندر ہوتی ہے لیکن مرنے کے بعد کے جہنم اور جنت، مقامات نہیں، بلکہ کیفیات ہیں، جن کا اندازہ اُسی زندگی میں جا کر ہو سکے گا۔ ان کے سمجھانے کے لئے قرآن نے تشبیہی اندازِ بیان اختیار کیا ہے، اور یہی انداز اس کے لئے موزوں بھی ہو سکتا تھا۔ غیر مرئی اور غیر محسوس حقائق کو تشبیہی انداز ہی سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

اس دنیا کی زندگی میں انسان کا نصب العین یہ ہے کہ وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں وحئِ خداوندی (قرآن کریم کی مستقل اقدار) کی روشنی میں نوعِ انسان کی بہبود کے لئے استعمال کرے۔ تاکہ ہر انسان کی زندگی خوشحالی اور سرفرازی کی ہو۔ اور اس سے افرادِ معاشرہ کی ذات نشو و نما حاصل کرتی جائے۔ اس قسم کی جنتِ ارضی کا نتیجہ اُخروی جنت کی زندگی ہوگا۔

جن لوگوں کی ذات کی نشو و نما رک جائے وہ ایک مقام پر جامد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس لئے قرآن میں جہنم (یا جحیم) کا لفظ واحد کے صیغے میں آیا ہے۔ لیکن جن کی آگے بڑھنے کی صلاحیتیں بیدار ہو چکی ہوں، ان کی ارتقائی منازل بے شمار ہو سکتی ہیں۔ اس لئے قرآن میں جنت بھی آیا ہے اور اس کی جمع جنات بھی (دو ایک مقام پر جنتان۔ تثنیہ کے صیغے میں بھی آیا ہے)

جنت کی ابدیت کے متعلق بھی دو ایک نکات سمجھنے کے قابل ہیں۔ اس دنیا میں جنتی معاشرہ کی صورت یہ ہے کہ جب تک اس معاشرہ کے افراد، قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتے رہیں گے وہ معاشرہ قائم رہے گا۔ قرآن کریم نے اسے ایسے باغ سے تشبیہہ دی ہے جو خزاں نا آشنا ہو اور ہر موسم میں پھل دیتا رہے۔ اس کیفیت کو اس نے " تجری من تحتھا الانھار " سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یعنی ایسے باغات جن میں پانی کی نالیاں ہر وقت رواں دواں رہیں۔ اور اس طرح اس کی سیرابی اور شادابی میں فرق نہ آنے پائے۔

جہاں تک اُخروی جنت کا تعلق ہے اس کے لئے "ابداً" کا لفظ آیا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ ابدیت کیسی بھی حدود فراموش کیوں نہ ہو اُس ابدیت جیسی نہیں ہو سکتی جس قسم کی ابدیت خدا کے لئے ہے۔ جنت کی ابدیت کس قسم کی ہوگی، اس کے متعلق بھی ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے کہ اس وقت جس طرح مکان (SPACE) کے متعلق ہمارا احساس محدود ہے اسی طرح زمان (TIME) کے متعلق بھی مقید ہے۔ ہم (اس وقت) نہ کسی ایسے مکان کا تصور کر سکتے ہیں جس کا کوئی آخری کنارہ نہ ہو۔ نہ ہی ایسے زمان کا جس کا کوئی نقطۂ آغاز و انجام نہ ہو۔ اس قسم کی ابدیت ذاتِ خداوندی کے لئے مختص ہے — هو الاول والآخر۔

جنت کا بیان تمثیلی ہے

جس جنت کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے اس کی مثال یوں سمجھو...... (۳۵:۱۳)—(۱۵:۴۷)

اس کا عرض تمام ارض و سمٰوات کے مثل ہے۔ (۱۳۲:۳)—(۲۱:۵۷)

متقی اس چشمے سے پیئں گے جسے خود بہا کر لائیں گے۔ اس کا مزاج کافوری اور زنجبیلی ہوگا۔ (۱۷، ۶-۵:۷۶)

کوئی شخص نہیں جان سکتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ (۱۷:۳۲)

جنت کی تفاصیل

۱۔ اس میں کوئی لغویات سنائی نہیں دے گی۔ (۳۵:۷۸)—(۱۱:۸۸)۔ ہر طرف سے سلامتی کی آواز آئے گی —— (۲۴:۱۳)—(۳۲:۱۶)—(۶۲:۱۹)۔ سلام و تحیت (۱۰:۱۰)—(۴۶-۴۵:۱۵)—(۲۶-۲۵:۵۶)۔ مقام امین (۵۱:۴۴)—(۹۱:۵۶)—(۱۱:۸۸)۔ دارالسلام۔ (۱۲۸:۶)—(۲۳:۱۴)—(۷۵:۲۵)۔

۲۔ رزقِ صبح شام (مسلسل و متواتر) ملیگا۔ (۶۲:۱۹)۔ پھل اور مشروبات۔ (۵۱:۲۸)۔ رزقِ معلوم (۴۱:۳۷) پھل لحم طیور (۵۵:۴۴)—(۲۲-۱۹، ۵۲)—(۲۱-۲۰:۵۶)۔ (ملتا جلتا ہوا رزق۔ ۲۵:۲)—(۱۵:۴۷)—(۲۲-۲۸:۵۶)—(۶۵:۱۱)—(۲۴-۲۳:۶۹)—(۴۲:۷۷)—(۳۲:۷۸)۔

تسنیم۔ (۲۸-۲۲:۸۳) - جسے خود نکال کر لائیں (۶:۷۶)۔

۳- ہم گل (ہم مزاج) رفقاء- (جن میں بیویاں بھی شامل ہیں) حیا کے مجسمے- سمٹائی ہوئی آنکھیں- (۳۸ : ۵۲)- ان کے
آباؤ ازواج و ذریت میں سے بھی جو صالح ہوں گے ان کے ساتھ ہوں گے- (۱۳ : ۲۳)-(۸ : ۴۰) — (۲۱ : ۵۲)-
نیچی نگاہوں والیاں ازواج یا رفیق- (۴۹-۴۸ : ۳۷)- حورعین- (۵۴ : ۴۴) —(۲۰ : ۵۲)- ازواج (۷۰:۴۳)
(۴۶-۷۶ : ۵۵)- حورعین- (۲۲ : ۵۶)- ازواج مطہرات- (۲۵ : ۲) —(۱۴:۳) —(۵۷ : ۴) ———
(۳۴-۳۷ : ۵۶)—(۳۳ : ۷۸)-

۴- لباس- مظروفات- سامان آرائش وغیرہ

سونے کے کنگن- ریشمی ملبوسات- صوفے- پُرآسائش زندگی- (۳۱ : ۱۸)—(۳۳ : ۳۵)- صوفوں پہ آمنے سامنے-
چشمۂ رواں کا پانی- نہایت لذیذ- (۴۴-۴۶ : ۳۷)—(۱۶-۱۵ : ۵۶)- ان کے گرد وِلدانِ مخلدون، گلاس
اور آفتابے اور مصفا مشروب لے کر گھومیں گے- (۱۸-۱۷ : ۵۶)- بھائی بھائی- آمنے سامنے صوفوں پہ——
دلوں میں کوئی کدورت نہیں ہوگی- (۴۷ : ۱۵)—(۵۲ : ۴۴)- اس میں نہ دھوپ ہوگی نہ سخت سردی، نیز مندرجہ
بالا تمام اشیاء- (۵۷ : ۴)—(۲۴-۲۲ : ۲۲)—(۵۷-۵۵ : ۳۶)—(۷۱ : ۴۳)—(۱۹-۵۴ : ۵۲) —
(۴۶-۷۶ : ۵۵)-(۳۷-۲۸ : ۵۶)-(۲۱-۱۲ : ۷۶)—(۴۱ : ۷۷)—(۲۳ : ۸۳)—(۹-۱۶ : ۸۸)-
لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون- (۴۸ : ۶)-(۴۹ : ۷)—(۳۰ : ۴۱)—(۶۸ : ۴۳)—(۱۳ : ۴۶)
فزع اکبر سے بھی حزن نہیں ہوگا- (۱۰۳ : ۲۱)
بہترین مستقر- (۲۴ : ۲۵)—(۷۶ : ۲۵)
مقام رب سے خائف کے لئے دو جنتیں ہیں- جو مختلف فنون پر مشتمل ہیں (۴۶-۴۸ : ۵۵)
ان جنتوں کی تفاصیل- تمام زیبائش و آرائش و آسائش کے سامان- (۴۶-۷۶ : ۵۵)
ان کے چہرے نزہت و نظافت لئے ہوں گے (۲۴ : ۸۳)—(۸ : ۸۸)
حساب کے بعد وہ اپنے اھل کی طرف مسرور لوٹیں گے- (۹ : ۸۴)
حسنت مرتفقاً- (۳۱ : ۱۸)

جو چاہو گے ملے گا-

(۱۶:۳۱) —(۱۰۲:۲۱)—(۱۶:۲۵)—(۳۰ : ۴۱)—(۲۲ : ۴۲)—(۷۱ : ۴۳)- (بلکہ اس سے بھی زیادہ ۳۵- ۵۰ :)

جو کچھ خدا دے گا وہ لیں گے۔ (۵۱:۱۶)۔(۱۸ : ۵۲)۔

حزن نہیں رہے گا۔ (۳۴:۳۵)

جگہ باش مستقیں اور تھکان نہیں ہوگی۔(۴۸ : ۱۵)۔(۳۵ : ۳۵)۔(۴۷ ؛ ۳۷)

جو کچھ پینے کو ملے گا اس سے عقل ماؤف نہیں ہوگی۔ (۴۷:۳۷)۔(۵۲:۲۳)۔(۵۶ : ۱۹)۔اس کا مزاج کافوری ہوگا۔ اسے خدا کے بندے اپنے چشمۂ ذات سے کھینچ کر لائیں گے۔ (۷۶ : ۵-۶) سلسبیل و شرابِ طہور (۷۶ : ۱۸؛ ۲۱)۔

دلوں میں کدورت نہیں رہے گی (۴۳ : ۷)۔(۴۷ : ۱۵)

سب سے بڑی چیز رضوان من اللہ (یعنی صفاتِ خداوندی سے تا بحدِ بشریت ہم آہنگی۔ (۳:۱۴)۔(۵ : ۱۱۹)۔(۹:۷۲)۔(۹ : ۱۰۰)۔(۵۸ : ۲۲)

وہ جنت جس کا عرض ارض و سمٰوٰت جتنا ہے۔ (۳: ۱۳۲)۔(۵۷ ، ۲۱)

اس کا مزاج زنجبیل کا سا ہوگا۔ (۷۶ : ۱۸)۔ تسنیم (۸۳ : ۲۷)۔(۸۸ : ۱۲)

صاف پانی کی نہریں۔ دودھ اور شہد کی نہریں۔ خمر کی نہریں۔ (۴۷ : ۱۵)

مصفا پیالہ۔ (۷۸ : ۳۴) رحیق مختوم۔ (۸۳ : ۲۵-۲۸)۔(۸۸ : ۱۲)

ملک کبیر۔ (۷۶ : ۲۰)۔

عیشۃ راضیۃ۔ (۶۹ : ۲۱)۔(۱۰۱ : ۷)

رَوحٌ وریحان۔ (۵۶ : ۸۹)۔

تحبرون۔ عمدہ موسیقی کی محفلیں۔(۳۰ : ۱۵)۔(۴۳ : ۷۰)

جنت کس کے لئے ہے

۱۔ متقیوں کے لئے۔

متقیوں کے لئے خدا کے ہاں جنات نعیم ہیں۔ (۳۵ : ۱۳)۔(۴۵ ، ۱۵)۔(۳۰-۳۱ : ۱۶)۔(۶۳ : ۱۹)۔(۳۸ : ۴۹)۔(۴۴ : ۵۱-۵۲)۔(۲۸ : ۳۴)۔ متقین کی خصوصیات بتاکر کہا کہ جنت ان کے لئے ہے (۳ : ۱۳۳-۱۳۵)۔(۲۵ : ۱۵)۔(۱۹ : ۱۵ : ۵۱)۔(۵۲ : ۱۷)۔(۵۴ : ۵۴)۔ متقین کے لئے جنت قریب کی جائے گی۔ (۲ : ۱۴)۔(۳ : ۱۹۷)۔(۵۱۲۵)۔(۲۶ : ۹۰)۔(۳۹ : ۲۰)۔(۵۰ : ۳۱)۔(۷۷ : ۴۱)۔(۶۸ : ۳۱)۔(۸۱ : ۱۳)۔

(متقی خدا کے مہمان ہوں گے - ۱۹ : ۸۵)

ایمان و اعمالِ صالح کے بدلے میں -

انہیں جناتِ نعیم ملیں گی - (۳۱ : ۸) - جناتِ عدن ، (۱۸ : ۳۰-۳۱) — (۱۹ : ۶۰ - ۶۱) — (۹۸ : ۸) - طوبیٰ لہم وحسن مآب - (۱۳ : ۲۹) - مومنین کی مختلف خصوصیات کا ذکر کرکے کہا کہ ان کے لئے جنت ہے (۱۳ : ۲۳) (۳۵ : ۳۲ - ۳۵) - مومنین کے لئے ملائکہ کی جنت کی دعائیں - (۴۰ : ۸) - اہل کتاب بھی اگر ایمان اور تقویٰ اختیار کرلیں تو جناتِ نعیم کے وارث ہو جائیں - (۵ : ۶۵) - ایمان و اعمالِ صالح سے جنتِ فردوس (۱۰ : ۹) — (۱۸ : ۱۰۷) — (۵۶ : ۲۲) (۹ : ۷۲) - مخلص بندوں کے لئے (۳۷ : ۴۰ - ۴۲) - السابقون الاولون کے لئے - ثلۃ من الاولین وقلیل من الآخرین (۵۶ : ۱۳ - ۱۴) — (۹ : ۷۲) - مومنین کی صفات کے بعد کہا کہ ان کے لئے جنت ہے - (۲ : ۲۵) — (۲ : ۸۲) — (۳ : ۱۳۳-۱۳۵) (۴ : ۵۷) — (۴ : ۱۲۲) — (۷ : ۴۲) — (۱۴ : ۲۳) — (۱۹ : ۶۰) — (۲۲ : ۱۴) — (۲۲ : ۲۳-۲۴) — (۲۹ : ۵۸-۵۹) (۳۶ : ۲۶) - (۴۰ : ۴۰) - (۴۲ : ۲۲) — (۶۹ : ۲۲) - (۷۰ : ۲۲-۳۵) — (۷۶ : ۷-۱۲) -

مومنین کی صفات گنانے کے بعد کہا کہ یہ لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں - (۲۳ : ۱-۱۱) — (۲۵ : ۶۰-۷۶) - فی روضۃ - (۳۰ : ۱۵) — (۴۲ : ۲۲) - فی غرفٰت آمنون - (۳۴ : ۳۷) — (۳۹ : ۲۰) - فی رحمۃ (۳۰ : ۴۵) اجر غیر ممنون - (۴۱ : ۸) -

ایمان و اعمالِ صالح سے جنت - (۴۷ : ۱۲) — (۶۴ : ۹) — (۶۵ : ۱۱) — (۸۴ : ۲۵) -

وراثتِ جنت اعمال کے بدلے میں - (۷ : ۴۳) — (۱۶ : ۳۲) — (۴۳ : ۷۲) — (۷۶ : ۱۲) -

جنت اعمال کا نتیجہ ہے

جنت تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے - (۳ : ۱۳۵) — (۳ : ۱۹۴) — (۶ : ۱۲۸) — (۷ : ۴۳) — (۱۶ : ۳۲) — (۲۹ : ۵۸) (۳۲ : ۱۹) — (۳۷ : ۶۱) — (۴۳ : ۷۲) — (۴۶ : ۱۴) — (۴۶ : ۱۶) — (۵۲ : ۱۹) — (۵۶ : ۲۴) — (۶۹ : ۲۴) (۷۶ : ۲۲) — (۷۷ : ۴۳) — (۸۸ : ۸-۹) -

<u>محسنین کے لئے جنت</u> - (۳ : ۱۳۳) - (۱۰ : ۲۶) - (۵۱ : ۱۶) - (۷۷ : ۴۴) -

<u>اصحاب الیمین کے لئے</u> - (۵۶ : ۲۷) — (۵۶ : ۳۸) — (۵۶ : ۸۹ - ۹۱) - (۶۹ : ۱۹-۲۱) - (۷۴ : ۳۹-۴۰)

خدا کے بنائے ہوئے راستے پر چلنے سے (۴۳ : ۷)

یہود و نصاریٰ کا غلط عقیدہ کہ جنت انہی کے لئے ہے۔ نہیں! جو بھی اتباعِ قوانینِ خداوندی کرے اسے جنت ملے گی۔ (۲ : ۱۱۲)

بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ اگر وہ رسولوں پر ایمان لائیں گے تو جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ (۵ : ۱۲)۔ (۵ : ۶۵)۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ بغیر جہادِ مسلسل اور صبر آزما مراحل کے جنت میں چلے جاؤ گے۔ (۲ : ۲۱۴)۔ (۳ : ۱۴۱-۱۴۲)۔

مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ (۳ : ۱۹۴)۔ (۴ : ۱۲۴)۔ (۹ : ۷۱-۷۲)۔ (۴۰ : ۴۰)۔ (۴۸ : ۵)۔ (۵۷ : ۱۲)۔

مومن جان اور مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور وہ اسے جنت دے دیتا ہے۔ یہ میدانِ جنگ میں ہاتھ آتی ہے۔ (۹ : ۸۸)۔ (۹ : ۱۱۱)۔ (۶۱ : ۱۱-۱۲)۔

قتال فی سبیل اللہ سے جنت۔ (۴۷ : ۴-۶)

جو اپنے رب کے مقام سے خائف رہا اور اس طرح اس نے اپنے جذبات کو بے باک نہ ہونے دیا اس کے لئے جنت ہے (۵۵ : ۴۶)۔ (۷۹ : ۴۰-۴۱)

ایمان اور توبۃ النصوح سے جنت۔ (۶۶ : ۸)

نفسِ مطمئنہ کے لئے جنت۔ لیکن خدا کے بندوں کی جماعت میں شامل ہونے کے بعد۔ (۸۹ : ۲۷-۳۰)

ہجرت اور قتال فی سبیل اللہ سے جنت۔ (۳ : ۱۹۴)

اطاعتِ خدا و رسول اور حدود اللہ کی نگہداشت سے جنت۔ (۴ : ۱۳)۔ (۴۸ : ۱۷)

نصاریٰ بھی ایمان لے آئیں تو انہیں جنت مل جائے گی۔ (۵ : ۸۵)

صادقین کے لئے جنت۔ (۵ : ۱۱۹)

السابقون الاولون من المھاجرین والانصار کے لئے جنت۔ (۹ : ۱۰۰)

لمن تزکیٰ۔ (۲۰ : ۷۶)

ایمان و استقامت سے جنت۔ (۴۱ : ۳۰)۔ (۴۶ : ۱۳-۱۴)

جنت میں وہ ہونگے جو ان لوگوں سے دوستی نہیں رکھیں گے جو خدا اور رسول کے خلاف جنگ کرتے ہیں (۵۸ : ۲۲)

ابرار جنت (نعیم) میں ہوں گے۔ (۸۲ : ۱۳) — (۸۳ : ۲۲)

فیصلہ کن اصول

قانونِ ارتقا کی رُو سے، جس کی تعمیری صلاحیتیں زیادہ ہوں وہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ جس کی تخریبی قوتیں زیادہ ہوں وہ رد کر دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اسے ثقلت موازینہ اور خفت موازینہ سے تعبیر کیا ہے۔ جس کا تعمیری صلاحیتوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ (۷ : ۸) — (۲۳ : ۱۰۲) — (۱۰۱ : ۶)۔

ابدی جنت

۱۔ نیچے پانی کی نالیاں جاری ہوں گی۔ (۲ : ۲۵) — (۳ : ۱۴) — (۳ : ۱۳۵) — (۳ : ۱۹۴) — (۳ : ۱۹۷) — (۴ : ۱۳) — (۴ : ۵۷) — (۴ : ۱۲۲) — (۵ : ۸۵) — (۵ : ۱۱۹) — (۷ : ۴۳) — (۹ : ۷۲) — (۹ : ۸۹) — (۱۰ : ۹) — (۱۵ : ۳۵) — (۱۴ : ۲۳) — (۱۶ : ۳۱) — (۱۸ : ۳۱) — (۲۰ : ۷۶) — (۲۲ : ۱۴) — (۲۹ : ۵۸) — (۳۹ : ۲۰) — (۴۷ : ۱۲) — (۴۸ : ۵) — (۴۸ : ۱۷) — (۵۷ : ۱۲) — (۵۸ : ۲۲) — (۶۱ : ۱۱-۱۲) — (۶۴ : ۹) — (۶۵ : ۱۱) — (۶۶ : ۸) — (۹۸ : ۸)۔

جنت منتہیٰ نہیں، مقامِ راہ ہے

جنت میں دعائیں کہ ہمارے نور کو مکمل کر دے۔ ان کا نور ان کے دائیں بائیں جا رہا ہوگا۔ یعنی ان کی اگلی راہیں روشن ہوتی جائیں گی۔ (۵۷ : ۱۲) — (۵۷ : ۱۹) — (۶۶ : ۸)۔ ان کی صراط الحمید کی طرف راہ نمائی کی جائے گی۔ (۲۲ : ۲۴) — (۴۷ : ۵-۶) یہ شہدا کے لیے ہے۔ جنت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش، (۳۷ : ۴۷)۔ (۸۳ : ۲۶) — جنت میں بلندیوں کے اوپر بلندیاں چلی جائیں گی۔ (۳۹ : ۲۰)

۲۔ ابدیت

اس میں ابدی طور پہ رہیں گے۔ (۴ : ۱۲۲) — (۵ : ۱۱۹) — (۹ : ۲۱-۲۲) — (۶۴ : ۹) — (۶۵ : ۱۱) — (۹۸ : ۸)

وہاں موت نہیں ہوگی۔ (۳۷ : ۵۸-۵۹) — (۴۴ : ۵۶)۔

خالدین فیہا ما دامت السمٰوٰت والارض ۔ ایسی عطا جو کبھی منقطع نہیں ہوگی ۔ (۱۰۸ : ۱۱) — (۸ : ۴۱)
اجر غیر ممنون ۔ (۲۵ : ۸۴) — (۶ : ۹۵) ۔

۳۔ جنت کے رزق میں کمی نہیں آئے گی ۔ (۶۲ : ۱۹) — (۵۴ : ۳۸) — (۳۳ : ۵۶)

۴۔ جنت کے پھل اور سایہ دائمی ہوگا ۔ (۳۵ : ۱۳) — (۲۵ : ۱۴)

۵۔ جنتی اپنی آسائش میں تبدیلی ۔ یا وہاں سے نکلنا نہیں چاہیں گے ۔ یعنی بے حد آرام میں ہوں گے ۔ (۱۰۸ : ۱۸) ۔ وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے (۴۸ : ۱۵)

۶۔ جنت اور جہنم اس لئے ہیں کہ جس کا جی چاہے آگے بڑھ جائے جس کا جی چاہے پیچھے رہ جائے ۔ (۳۷ : ۷۴) — (۲۶ : ۸۳) ۔

جنتِ آدم

۱۔ آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری زوج جنت میں رہو ۔ شیطان نے انہیں بہکا دیا اور اس حالت سے انہیں پستی کی طرف آنا پڑا ۔ پھر وہی جنت اتباعِ ہدایتِ خداوندی سے حاصل ہو سکے گی ۔ (۳۸-۳۵ : ۲) ۔

۲۔ جنتِ آدم ۔ کھانے پینے کی افراط ۔ (۲۵-۱۹ : ۷) جہاں سے جی چاہے سیر ہو کر کھانے کو (۳۵ : ۲) ۔

۳۔ جنتِ آدم میں نہ بھوک کا خوف تھا نہ پیاس کا ۔ نہ لباس کا غم نہ موسم کی گرمی کا ۔ یہ تمام بنیادی ضروریاتِ زندگی بلا مشقت میسر تھیں (۱۱۸-۱۱۷ : ۲۰) وہ اس حالت سے نیچے گر گیا کہ اب اتباعِ قوانینِ خداوندی سے پھر وہی مقام حاصل ہو سکتا ہے ۔ لیکن جو ان قوانین سے اعراض برتے گا ۔ اس کی روزی تنگ ہو جائے گی ۔ اور وہ آخرت میں بھی اندھا اٹھایا جائے گا ۔ (۱۲۴-۱۲۱ : ۲۰)

۴۔ اے بنی آدم ! کہیں تمہیں بھی شیطان بہکا کر جنت سے نکال نہ دے جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو نکلوا دیا تھا ۔ (۲۷ : ۷)
(اس ضمن میں عنوان آدم بھی دیکھئے)

جنتِ ارضی

(اس کے ساتھ جنتِ آدم کا عنوان بھی دیکھئے)

۱۔ قومِ ثمود جنات و عیون میں تھی ۔ (یہی الفاظ جنتِ اخروی کے لئے آئے ہیں مثلاً ۴۶ : ۱۵) ۔ لیکن ان کی یہ جنت محض

طبیعی زندگی کے سامان کی فراوانی تھی۔ وہ وحی کے قوانین کا اتباع نہیں کرتے تھے۔ اس لئے تباہ ہو گئے۔ (۲۶ : ۵۷)
(۲۶ : ۱۴۶)۔ بنی اسرائیل کو بھی انکا وارث بنایا۔ (۲۸-۲۵ : ۴۴)

۲۔ ایمان۔ جہاد اور ہجرت سے جناتِ نعیم کا وعدہ۔ (۲۲-۲۱ : ۹)

۳۔ عربوں کے نزدیک جنّۃ (باغ) کی اس قدر اہمیت تھی کہ وہ رسول اللہ سے کہتے تھے کہ اگر آپ واقعی خدا کے رسول ہیں تو آپ کے لئے ایک عمدہ سا باغ ہونا چاہیئے جس کے نیچے پانی رواں ہو۔ (۱۷:۹۱)۔ قرآن نے کہا کہ خدا آپ کو، ان کے تقاضا کردہ باغ سے کہیں بہتر باغات (جنّٰت) عطا کریگا جن میں آبِ رواں بھی ہوگا اور محلات بھی۔ (۱۰ : ۲۵)۔

۴۔ اس تاکید کے بعد کہ شادی ہم عقیدہ۔ ہم فکر و خیالات کے درمیان ہونی چاہیئے، کہا کہ اللہ تمہیں اس طرح جنت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یعنی ایسی شادی سے گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ (۲۲۱ : ۲)

۵۔ متقی فائز المرام ہو کر کہیں گے کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں دنیا میں ملک اور حکومت عطا کیا ہے۔ یہی وہ جنت ہے جس کی طرف وہ فوج در فوج لائے گئے ہیں۔ (۱۱ : ۵) — (۲۶ : ۸) — (۵۵ : ۲۴) — (۴۴-۴۳ : ۳۹)۔

۶۔ ایمان اور استقامت سے نزولِ ملائکہ۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی جنت کی بشارت۔ جو چاہیں انہیں ملے گا۔ (۳۲-۳۰ : ۴۱)

۷۔ جنت کے وعدہ کے بعد کہا کہ خدا، نبی اور اس کے رفقاء کو ذلیل نہیں ہونے دے گا۔ (۸ : ۶۶)۔

۸۔ مقامِ رب سے خائف کے لئے دو جنتیں ہیں۔ جو مختلف فنون پر مشتمل ہیں۔ (۴۸-۴۶ : ۵۵) — (۶۴-۶۲ : ۵۵)
ان دونوں جنتوں کی تفصیل۔ (۷۶-۴۶ : ۵۵)۔

۹۔ جہاد کے نتیجے میں جنت اور خدا کی نصرت (۱۲-۱۱ : ۶۱)

۱۰۔ مخالفین کے شدید مقابلہ کے بعد، جب فتح حاصل ہو جائے تو جنت ملتی ہے۔ (۲۱۴ : ۲)

۱۱۔ جنت میں ذلت اور روسیاہی نہیں ہوگی۔ (۲۶ : ۱۰)

۱۲۔ خدا مومنوں کے دلوں میں سکون عطا کرتا ہے۔ ان کا ایمان بڑھاتا ہے۔ تاکہ انہیں جنت میں داخل کرے۔ (۵ : ۴۸)
(دنیاوی باغات کے لئے جنت اور جنات کے الفاظ متعدد مقامات پر آئے ہیں۔ لیکن ہم نے ان کے تذکرہ کی ضرورت نہیں سمجھی)۔

جنت کے لئے دعائیں

حضرت ابراہیمؑ کی دعا کہ مجھے جنت کا وارث بنا دے۔ (۲۶:۸۵)

فرعون کی بیوی کی دعا۔ (۶۶:۱۱)

متفرقات

۱۔ اسرارِ نبوت کے سلسلہ میں کہا کہ وحی کا مقام وہ ہے جہاں عقلِ انسانی کے لئے حیرت کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن اس کے قریب ہی جنت الماویٰ ہے۔ (۵۳:۱۵)

۲۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے مکالمات۔ (۷:۴۴)۔ (۷:۴۸-۵۰)۔ (۳۷:۵۰-۵۵)۔ (۵۷:۱۳-۱۴)۔ (۷۴:۴۰-۴۷)۔

۳۔ جو شرک کرتا ہے اس پہ جنت حرام ہوجاتی ہے۔ (۵:۷۲)

۴۔ تکذیبِ آیات کرنے والے اور سرکشی برتنے والے کبھی جنت میں نہیں جا سکتے۔ (۷:۴۰)

۵۔ ایک فریق جنت میں ایک جہنم میں۔ (۴۲:۷)۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (۵۹:۲۰)

۶۔ جنت خدا کے بندوں کی جماعت میں شامل ہونے کے بعد ملتی ہے۔ یہ انفرادی شے نہیں۔ (۸۹:۲۷-۳۰)

۷۔ جو جنت میں داخل ہوا بامراد ہوا۔ (۳:۱۸۴)۔ (۴:۱۳)۔

۸۔ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے درمیان ایک پردہ ہوگا۔ (۷:۴۶)۔

۹۔ دونوں کے درمیان ایک دیوار ہوگی جس میں دروازہ ہوگا۔ اندر رحمت۔ باہر عذاب۔ (۵۷:۱۳)

۷۔ جنگ (لڑائی۔ قتال)

(نیز دیکھئے جہاد۔ اور رسول اللہؐ کی مختلف لڑائیاں اپنے اپنے عنوان میں)

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ مومن، دنیا میں امن قائم رکھنے کا ذمہ دار ہے (اس لفظ کے یہ بنیادی معنی بھی ہیں) امن قائم رکھنے کے لئے ایک شرط تو یہ ہے کہ یہ جماعت خود امن سے رہے اور دوسروں کے امن میں خلل انداز نہ ہو۔ لیکن جب

قوت کے نشہ میں بدمست قومیں دنیا کے امن میں خلل انداز ہوں اور فساد برپا کرنے پہ آمادہ، تو انہیں اس سے روکنا بھی تو ضروری ہوگا۔ اس کے لئے پہلے انہیں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی لیکن جب یہ تمام تدبیریں ناکام رہ جائیں اور وہ قوت کے سوا کوئی زبان ہی نہ سمجھیں تو پھر ان کے مقابلہ کے لئے قوت کا استعمال ناگزیر ہو جائے گا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں قرآن کریم جماعت مومنین کو جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ یعنی دنیا میں امن قائم رکھنے اور ظلم کو روکنے کیلئے۔ ظلم کو روکنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر مستبد اور ظالم اقوام، کمزوروں اور ناتوانوں پر ظلم اور زیادتی کریں، تو جماعتِ مومنین کا فریضہ ہوگا کہ وہ ان مظلوموں کی مدد کو پہنچے۔ یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ اسلام میں جنگ مدافعانہ ہوگی یا محاربانہ۔ اس کا جواب آسان ہے۔ اسلام میں جنگ، ظلم اور زیادتی کو روکنے کے لئے ہوگی، خواہ یہ ظلم اور زیادتی کہیں ہو رہی ہو اور کسی کے خلاف بھی ہو رہی ہو۔ اس میں، قوم، وطن، رنگ، نسل حتیٰ کہ مذہب کی بھی کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ یہ جنگ، بنیادی حقوقِ انسانیت کے تحفظ کے لئے ہوگی۔

قرآن میں جہاں یہ آیا ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ کرو۔ مشرکین کے ساتھ جنگ کرو۔ تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دنیا کے تمام کافروں اور مشرکوں کے خلاف ہر وقت جنگ کرتے رہو۔ ان سے مراد وہ کفار اور مشرکین ہیں جو نبی اکرمؐ کے زمانے میں ظلم اور زیادتی پہ اتر آئے تھے اور ان کے خلاف، خاص شرائط کے ماتحت، جنگ کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اجازت ہی نہیں بلکہ، جب ان کی طرف سے ظلم اور تعدی انتہا تک پہنچ گئی تو ان کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس قسم کے حالات، جب اور جہاں بھی پیدا ہوں، جماعت مومنین کو قرآنی راہ نمائی کے تابع فیصلہ اور عمل کرنا ہوگا۔ ان حالات اور شرائط کے علاوہ جنگ کرنے کی اجازت نہیں۔ جن شرائط کے ماتحت جنگ کی اجازت دی گئی ہے، یا جو شرائط اور حدود، جنگ کے دوران ملحوظ رکھنی ضروری ہیں، ان سے خود واضح ہے کہ مقصود اس سے حفظِ امن اور انسدادِ مظالم ہے نہ کہ کسی انتقامی جذبہ یا جوع الارض کی ہوس کی تسکین۔

جنگ میں جذبات اپنی شدت پہ ہوتے ہیں۔ اگر کسی صورت میں جنگ ملتوی ہو جائے تو ان جذبات کی شدت کم ہو جاتی ہے اور انسان معاملات پہ نسبتاً ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے قرآن کریم نے یہ بین الاقوامی قانون عام کیا ہے کہ سال میں چار مہینے ایسے رکھے جائیں جن میں جنگ کرنا جائز نہ ہو۔ انہیں حرمات کے مہینے کہا جاتا ہے۔ جنگ کو روکنے کی اس قسم کی تدبیر کسی اور قوم کے ضابطہ میں نہیں ملے گی۔

عربوں میں جنگ کا محرک جذبہ، مالِ غنیمت (لوٹ کا مال) ہوتا تھا یا دشمن کے قیدیوں کو غلام اور لونڈیاں بنانا۔ قرآن کریم نے ان دونوں محرکات کو ختم کر دیا۔ مالِ غنیمت کے متعلق کہہ دیا کہ کسی سپاہی کو اس کا حق نہیں کہ وہ مالِ غنیمت میں

سے ایک سوئی بھی انفرادی طور پہ لے لے۔ یہ سب، نظامِ مملکت کی تحویل میں جائے گا۔ اور جنگ کے قیدیوں کے متعلق حکم دے دیا کہ انہیں یا تو فدیہ لے کر آزاد کرنا ہو گا یا بطور احسان۔ اب جنگ کا محرک جذبہ صرف عدل و صداقت کی حفاظت رہ گیا۔ اور یہ وہ بلند مقصد ہے جس کے لئے دنیا میں ایسی جماعت کا رہنا اور ان کا بوقت ضرورت سر بکف میدان میں نکل آنا، انسانیت کی فوز و فلاح کے لئے نہایت ضروری ہے۔

جنگ کی اجازت

۱۔ جو لوگ تمہارے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان سے جنگ کرو۔ لیکن زیادتی مت کرو۔ (۲:۱۹۰)

۲۔ جس طرح مشرکین نے تم سے جنگ کی ہے تم بھی ان سے جنگ کرو۔ (۹:۳۶)

۳۔ تم جنگ کے لئے کیوں نہیں نکلتے جب کہ کئے مظلوم مدد کے لئے پکار رہے ہیں۔ (۴:۷۵)

۴۔ ان لوگوں کو، جن کے خلاف دشمن جنگ پہ اتر آئے ہیں۔ جنگ کی اجازت دی جاتی ہے۔ انہیں انہوں نے پہلے گھروں سے نکالا محض اس جرم کی پاداش میں کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر ان کے پیچھے جنگ کرنے کے لئے آ گئے۔ اگر خدا بالادستوں کی روک تھام کا انتظام انسانوں کے ہاتھوں نہ کرائے، تو دنیا میں کسی اہل مذہب کی پرستش گاہیں محفوظ نہ رہیں۔ (۲۲:۳۹-۴۱)۔ ان لوگوں کے ارادے یہ ہیں کہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر کے پھر سے اس مذہب میں لوٹا لائیں جسے تم چھوڑ چکے ہو۔ اس لئے ان کا مقابلہ ناگزیر ہو گیا ہے۔ (۲:۲۱۷)

۵۔ مظلوم کی مدد کرنے کے لئے جنگ۔ (۲۲:۶۰)

۶۔ رسولوں اور کتابوں کے ساتھ "فولاد" نازل کیا تاکہ دنیا میں نظامِ عدل قائم رہ سکے۔ (۵۷:۲۵)

جنگ کی تاکید

۱۔ جنگ کی تکالیف میں ثابت قدم رہنا اصل نیکی ہے۔ (۲:۱۷۷)

۲۔ تم پہ جنگ فرض کی گئی ہے خواہ یہ تم پہ کیسا ہی گراں کیوں نہ گزرے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض باتیں تمہیں ناپسند ہوں، لیکن ان میں درحقیقت تمہارے لئے بہتری ہو۔ (۲:۲۱۶) — (۴:۷۷) — (۲۵:۲۳) — (۴۸:۲۰)۔

۳۔ اللہ کی راہ میں لڑو۔ (۲:۲۴۴)

۴۔ یہ اہل کتاب اگر تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے۔ (۳:۱۱۰)

۵۔ ہمت نہ ہارو۔ افسردہ خاطر مت ہو۔ آخر الامر تم ہی غالب آؤ گے۔ اگر تمہیں کچھ نقصان پہنچا ہے تو کوئی بات نہیں۔ جنگ میں ایسا ہوا ہی کرتا ہے۔ یہ تو گردشِ دولابی ہے (۱۳۹-۱۴۰ : ۳)

۶۔ کتنے ہی انبیاء گذرے ہیں جن کی جماعتوں نے ان کی معیت میں جنگ کئے اور تمام مشکلات کو ثبات و استقامت سے برداشت کرتے رہے۔ سو اللہ نے ان کا اجر دیا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ (۱۴۷-۳)

۷۔ مومنوں کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوئی ان سے آکر کہتا ہے کہ دشمنوں نے تمہارے خلاف بڑی تیاریاں کر رکھی ہیں تو اس سے ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ فتح و کامرانی ہوتا ہے۔ اس لئے اس قسم کی وسوسہ انگیزیوں سے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ (۱۷۴-۱۷۱ : ۳)

۸۔ خود استقامت پذیر رہو اور دوسروں کے لئے استقامت پذیر ہونے کا ذریعہ بنو۔ (۱۹۹ : ۳)

۹۔ پہلے اپنی حفاظت کرو اور پھر مقابلہ کے لئے نکلو۔ (۷۱ : ۴) ——— تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جنگ کے لئے نہیں نکلتے حالانکہ مکہ کے مظلوم تمہیں مدد کے لئے پکار رہے ہیں (۷۵-۷۴ : ۴)

۱۰۔ منافقین کے ساتھ جنگ کرو۔ (۸۹ : ۴)

۱۱۔ جنگ کے لئے نکلنے والے اور بلا عذر بیٹھے رہنے والے برابر نہیں ہوسکتے۔ (۹۵ : ۴)

۱۲۔ جنگ سے گریز کرنا ایک ایسے فتنہ کا موجب ہوسکتا ہے جو ساری قوم کو، بلاتخصیص اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے (۸:۲۵)

۱۳۔ دشمن کو ایسی شکست دے جو ان جیسے دوسروں کے لئے بھی باعثِ عبرت ہو۔ (۵۷ : ۸)

۱۴۔ ان مشرکین کی عداوت بالکل واضح ہے۔ ان سے جنگ کرو۔ اگر یہ تمہاری طرح اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں تو تمہارے دین کے بھائی ہیں۔ اگر یہ نقضِ عہد کریں، تو ان سے جنگ کرو۔ (۵ : ۹) — (۱۵-۷ : ۹)۔

۱۵۔ اہلِ کتاب سے جنگ کا حکم۔ تاآنکہ وہ تمہاری حفاظت میں رہنے کا معاہدہ نہ کرلیں۔ اور اس کی سند کے طور پر جزیہ کا ٹیکس (حفاظت کا ٹیکس) نہ دیدیں۔ (۹:۲۹)

۱۶۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم جنگ کے لئے نہیں نکلتے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تمہاری جگہ دوسری قوم آجائے گی۔ (۳۹-۳۸ : ۹)

۱۷۔ اپنی حفاظت کا سامان امکان بھر تیار رکھو۔ (۶۰ : ۸)

۱۸۔ حضرت داؤدؑ سے کہا گیا کہ زرہیں تیار کرو تاکہ تم لڑائی میں محفوظ رہ سکو۔ (۸۰ : ۲۱)

۱۹۔ میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ جانے والا سیدھا جہنم میں۔ (۱۶ : ۸)

۲۰۔ جنگ میں قانونِ خداوندی کی نصرت مومنین کے شاملِ حال ہوتی ہے (۲۵ : ۳۲)

۲۱۔ جنگ کے احکام سے منافقین پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ (۲۰ : ۴۷)

۲۲۔ ڈر کر صلح کے لئے پکارنا مت شروع کر دو۔ تم غالب آؤ گے۔ (۳۵ : ۴۷)

۲۳۔ یہ کفار تم سے جنگ کریں گے تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے۔ یہ سنت اللہ ہے (۲۳-۲۲ : ۴۸)

۲۴۔ خدا کی راہ میں ایسے لڑنے والے گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (۴ : ۶۱)

۲۵۔ جنگ کے احکام سے کمزور ایمان والوں کے دل میں سخت خوف طاری ہو جاتا ہے۔ (۷۷ : ۴)

۲۶۔ اے نبی! مومنوں کو جنگ کے لئے تیار اور آمادہ کرو۔ یہ اپنے سے دس گنا پر غالب آ جائیں گے۔ اور اپنے سے دگنوں پر تو موجودہ بے سروسامانی کے حالات میں بھی غالب آ جائیں گے (۶۶-۶۵ : ۸)

۲۷۔ رسول اللہ خود فوج کی کمان کیا کرتے تھے۔ (۱۲۰ : ۳)

۲۸۔ منافقین کی جنگ سے ہچکچاہٹ۔ (۱۶۶ : ۳) - یہ دوسروں کو بھی تذبذب میں ڈالتے رہتے تھے۔ (۱۵۲ : ۳) — (۱۵۵ : ۳) — (۱۶۷ : ۳) — (۶۶ : ۴)

۲۹۔ یہ لوگ جنہوں نے حیاتِ آخرت کو دنیاوی مفاد کی خاطر بیچ دیا ہے، ان سے جنگ کرو۔ (۷۴ : ۴)

۳۰۔ مومن وہ ہیں جو اپنا مال اور جان خدا کے ہاتھوں بیچ ڈالتے ہیں.... پھر وہ یا تو میدانِ جنگ میں جان دے دیتے ہیں یا فاتح و منصور واپس لوٹتے ہیں۔ (۱۱۱ : ۹)

۳۱۔ مومن خدا کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ کافر طاغوت کی راہ میں (۷۶ : ۴)

۳۲۔ جس طرح مشرکین متحدہ محاذ بنا کر جنگ کے لئے چڑھ دوڑتے ہیں، اسی طرح تم بھی ان کے مقابلہ کیلئے جمیعاً اٹھو۔ (۳۶ : ۹) (۱۲۳ : ۹)

۳۳۔ رسول اللہ سے تاکید کہ ان دشمنوں سے جنگ کرو اور اپنی جماعت کو اس کے لئے تیار کرو۔ (۸۴ : ۴)

۳۴۔ مومنین کے دو گروہوں میں جنگ ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر جو اس معاہدۂ صلح کے خلاف سرکشی برتے اسے اس کے سامنے جھکنے پر مجبور کرو خواہ اس کے لئے تمہیں جنگ بھی کیوں نہ کرنی پڑے۔ (۹ : ۴۹)

۳۵۔ سرکش یہودیوں کے خلاف جنگ (۲۲-۱۱ : ۵۹)

قتالِ فی سبیل اللہ کی اہمیت اور نتائج

۱۔ اگر خدا مستبد قوتوں کی روک تھام دوسرے لوگوں سے نہ کرائے تو دنیا میں فساد برپا ہو جائے۔ (۲۵۱ : ۲)

۲۔ جنگ کی راہ سے خدا، انسانوں کے ہاتھوں مخالفین پر عذاب لاتا ہے۔ (۱۴ : ۹) — (۵۲ : ۹)

۳۔ جنگ میں تم تیر نہیں چلاتے، خدا چلاتا ہے۔ تم قتل نہیں کرتے، خدا کرتا ہے۔ کیونکہ تم یہ سب کچھ خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے کرتے ہو۔ (۱۷ : ۸)

۴۔ اگر خدا مستبد قوتوں کی روک تھام کا انتظام نہ کرائے تو کسی مذہب والوں کی پرستش گاہ محفوظ نہ رہے۔ (۳۹ : ۲۲)

۵۔ مظلوم کی مدد کرنے کے لئے جنگ۔ (۶۰ : ۲۲)

۶۔ قبل الفتح جنگ کرنے والے بلند درجات کے مستحق ہیں۔ (۱۰ : ۵۷)

۷۔ رسل اور کتب کے ساتھ فولاد بھی نازل کیا تاکہ دنیا میں نظامِ عدل قائم رہ سکے۔ (۲۵ : ۵۷)

۸۔ جنگ میں قتل ہو جاؤ یا ویسے مر جاؤ۔ دونوں حالتوں میں مغفرت اور رحمت۔ (۱۵۷-۱۵۶ : ۳) — (۴ : ۷۴) — (۵۸ : ۲۲)

۹۔ مقتولینِ فی سبیل اللہ کو مردہ مت سمجھو۔ (۱۵۶ : ۲) — (۱۶۸ : ۳) - ان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔ ان کی حالت سنور جائے گی۔ (۵-۴ : ۴۷)

۱۰۔ ان کے لئے جنت ہے۔ (۱۹۴ : ۳)

۱۱۔ مومن اپنا جان اور مال خدا کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ پھر میدانِ جنگ سے یا تو فاتح و منصور لوٹتے ہیں اور یا اپنی جان دے دیتے ہیں۔ (۱۱۱ : ۹)

۱۲۔ انبیاء سابقہ کی جماعتوں نے بھی اسی طرح جنگ کئے تھے۔ انہیں دنیا اور آخرت دونوں کا حصہ (ثواب) ملا۔ (۱۴۷-۱۴۵ : ۳)

۱۳۔ حضرت طالوت کی زیرِ کمان بنی اسرائیل کی جالوت کے خلاف جنگ (۲۵۱ - ۲۴۷ : ۲)

۱۴۔ جو مومن فی سبیل اللہ جنگ کرتے ہیں اور ایک آہنی دیوار کی طرح جم کر لڑتے ہیں، وہ اللہ کے محبوب ہیں۔ (۴ : ۶۱)

۱۵۔ صحابۂ رسول اللہ فی سبیلِ اللہ جنگ کرتے تھے۔ (۲۰ : ۷۳)

جنگ کی شرائط

۱۔ جو جنگ کے لئے اٹھ کھڑا ہو اس کے خلاف جنگ کرو لیکن زیادتی مت کرو۔ یہ اس لئے کہ فتنہ و فساد، قتل سے بھی زیادہ تباہی پھیلاتا ہے، کعبہ کے قریب ان سے جنگ نہ کرو۔ لیکن اگر وہ وہاں بھی جنگ سے باز نہ آئیں تو پھر تمہیں بھی جنگ کرنے کی اجازت ہے۔ پھر جب وہ رک جائیں تو تم زیادتی نہ کرو۔ اس وقت تک جنگ کرو جب تک فتنہ فرو نہ ہو اور دین کے معاملہ میں ہر ایک کو آزادی حاصل ہو۔ کوئی کسی پر کسی قسم کا جبر نہ کر سکے۔ حرمت کے مہینوں میں جنگ نہ کرو۔ لیکن اگر دشمن ان کا احترام نہ کریں تو پھر تم بھی ان کے ساتھ جنگ کر سکتے ہو۔ اور ہر حالت میں قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو۔ (۲ : ۱۹۰-۱۹۴)

۲۔ فساد برپا کرنا اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرنا جرم ہے (۲ : ۲۰۵)

۳۔ حرمت کے مہینوں میں جنگ کرنا جرم ہے۔ لیکن فتنہ پھیلانا، جنگ سے زیادہ تباہ کن ہے۔ اس لئے اس کا روکنا ضروری ہے۔ فتنہ یہ ہے کہ مذہبی آزادی نہ رہے۔ یہ تمہیں تمہارے دین سے زبردستی روکنا چاہتے ہیں (۲ : ۲۱۷)

۴۔ منافقین کے ساتھ جنگ کرو۔ اگر وہ اس قوم کی پناہ میں چلے جائیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے، تو پھر ان سے جنگ نہ کرو۔ یا وہ خود ہی لڑائی سے باز آنے کی خاطر تمہارے پاس آ جائیں۔ اگر وہ جنگ سے باز آ کر صلح کی درخواست کریں تو پھر ان کے خلاف کچھ نہ کرو۔ (۴ : ۸۸-۹۰)

۵۔ جب تم جنگ کے لئے نکلو اور کوئی گروہ تمہاری طرف امن اور سلامتی کا ہاتھ بڑھائے تو اس کے متعلق یونہی بدظنی سے کام نہ لو۔ پہلے تحقیق کر لو۔ اور پھر کسی نتیجہ پہ پہنچو۔ (۴ : ۹۴)

۶۔ مذہبی آزادی کی خاطر جنگ کرو۔ (۲ : ۱۹۰-۱۹۴) — (۸ : ۳۹) — (۲۲ : ۳۹-۴۱)

۷۔ اگر مخالفین جنگ سے باز آ جائیں تو ان کے سابقہ جرائم معاف کر دیئے جائیں۔ اگر پھر اپنی پہلی حرکتوں پر اتر آئیں تو پھر جنگ کیا جائے۔ (۸ : ۳۸-۴۰)

۸۔ جنگ میں قوانینِ خداوندی کو اور بھی شدت کے ساتھ اپنے سامنے رکھو۔ ان کا پورا پورا اتباع کرو۔ آپس میں مت جھگڑو۔ لوگوں کو دکھاوے کی خاطر اتراتے ہوئے مت باہر نکلو۔ (۸ : ۴۵-۴۷)

۹۔ اگر دشمن کا کوئی آدمی پناہ کے لئے آئے تو اسے پناہ دو۔ اسے قرآن سناؤ۔ پھر اگر وہ واپس جانا چاہے تو اسے اس کی جائے امن تک پہنچاؤ۔ (۹ : ۶)

۱۰۔ اگر تم زیادتی کو ہمت سے برداشت کر لو تو وہ اور بھی اچھا ہے۔ لیکن اگر ان کا پیچھا کرنا پڑے تو پاداشِ عمل اتنا ہی کیا کرو جتنی زیادتی اس نے کی تھی۔ (۱۲۶ : ۱۶)۔ (۶۰ : ۲۲)

۱۱۔ جنگ سے پہلے معاہدۂ صلح کی پیش کش کرو اور دشمن کے سربراہوں کو عزت سے مخاطب کرو۔ (۲۹ : ۲۷)

۱۲۔ جو لوگ شریف زادیوں کو چھیڑیں اور کسی طرح باز نہ آئیں ان سے جنگ۔ (۶۱ - ۶۰ : ۳۳)

۱۳۔ مظلوم اپنی مدافعت میں جنگ کرے تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔ لیکن اس میں جرم کے مطابق سزا دینی چاہیئے۔ زیادہ نہیں۔ جو معاف کر کے اصلاح کر دے وہ اور بھی بہتر ہے۔ (۴۳ - ۳۹ : ۴۲)

۱۴۔ جنگ کرو تاآنکہ خود جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ (۴ : ۴۷)

۱۵۔ ناحق کسی ایک جان کا اتلاف ایسا ہے جیسا کسی نے پوری نوعِ انسان کو قتل کر دیا ہو۔ (۳۲ : ۵)۔ (۱۵۲ : ۶)

۱۶۔ مومن کا ارادۃً قتل جہنم کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ (۹۳ - ۹۲ : ۴)

۱۷۔ جس کو ظلم سے قتل کر دیا جائے اس کے وارثوں کا مددگار، اسلامی معاشرہ ہو گا۔ (۳۳ : ۱۷)

نوٹ: مندرجہ بالا تین مقامات کا تعلق جرمِ قتل سے ہے۔ نہ کہ قتال (جنگ) سے۔ لیکن ہم نے انہیں اس لئے یہاں درج کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ قرآن کی رو سے کسی جان کا ناحق تلف کر دینا کس قدر سنگین جرم ہے۔ اس لئے جنگ بھی وہی برحق ہو گی جو قرآنی تقاضوں کے ماتحت لڑی جائے۔ ورنہ وہ جنگ ناحق ہو گی اور اس میں کشت و خون بھی قتلِ ناحق۔

۱۸۔ جنگ کرنے والوں سے دوستانہ تعلقات نہیں رکھے جا سکتے۔ جنہوں نے جنگ نہ کی ہو ان سے کشادہ ظرفی کا سلوک کرنا چاہیئے۔ ۹-۸ : ۶۰)

۱۹۔ دشمن سے بھی عدل کرو۔ (۸ : ۵)

۲۰۔ جب دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو تم بھی صلح کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ (۶۱ : ۸)

۲۱۔ ہر انسانی جان کو خدا نے واجب الاحترام بنایا ہے۔ اسے صرف بالحق ضائع کیا جا سکتا ہے۔ بالحق کے معنی ہیں ان شرائط کے ماتحت جو قرآن نے متعین کی ہیں۔ (۱۵۱ : ۶)۔ (۳۳ : ۱۷)۔ (۶۸ : ۲۵)۔ یونہی کسی کو قتل کر دینا نہایت سنگین جرم ہے (۸۵ : ۲)

۲۲۔ مکہ کے مظلوم خدا کو مدد کے لئے پکار رہے ہیں اور خدا مدینہ کی جماعتِ مومنین سے کہتا ہے کہ تم سنتے نہیں کہ وہ ہمیں کس طرح پکار رہے ہیں اور تم ان کی مدد کے لئے نہیں اُٹھتے۔ یہ ہے قتال فی سبیل اللہ۔ (۷۵ : ۴)

۲۳۔ مومن فی سبیل اللہ جنگ کرتے ہیں۔ کافر فی سبیل الطاغوت۔ (۴ : ۷۶) انہیں اولیاء الشیطان کہا ہے۔ (۴ : ۷۶) کہیں ائمۃ الکفر (۹ : ۱۲)

۲۴ الفتنۃ اشد من القتل۔ (۲ : ۱۹۱)—(۲ : ۲۱۷)

معاہدات کا احترام

۱۔ کفار معاہدات کا احترام نہیں کرتے۔ (۸ : ۵۶)

۲۔ اگر تمہیں خطرہ ہو کہ دشمن معاہدہ میں خیانت کرے گا تو تم پہلے معاہدہ منسوخ کرنے کا اعلان کرو۔ اس کے بعد کچھ اور کارروائی کرو۔ (۸ : ۵۸)

۳۔ مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دے دو اور کہہ دو کہ اس کے بعد تم سے ہمارے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ البتہ جن سے تمہارے معاہدات ہیں، ان معاہدات کو ضرور پورا کرو۔ (۹ : ۱-۵)

۴۔ معاہدات کو پورا کرو۔ (۹ : ۷)

جنگ کے قیدی

۱۔ جب دشمن اچھی طرح مغلوب ہو جائے تو بقیۃ السیف کو قید کر لو۔ پھر ان قیدیوں کو یا تو فدیہ لے کر چھوڑ دو یا احساناً۔ انہیں غلام اور لونڈیاں بنانے کا کہیں حکم یا اجازت نہیں۔ (۴۷ : ۴)

۲۔ جن سے فدیہ لے کر چھوڑا گیا ہے اگر بعد میں ان کی روش مصالحانہ رہے تو ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ (۸ : ۷۰)

متفرقات

۱۔ میدان جنگ میں قصر صلوٰۃ۔ (۴ : ۱۰۱)

۲۔ باہمی خانہ جنگی خدا کا عذاب ہے۔ (۶ : ۶۵)

۳۔ انفال "اللہ اور رسول" کے لئے ہیں۔ (۸ : ۱)

۴۔ برائیوں کو حسنات سے روکنے کا حکم۔ (۱۳ : ۲۲)—(۲۳ : ۹۶)—(۲۸ : ۵۴)—(۴۱ : ۳۴)—

(۴۰-۳۹ : ۴۲) -

۵- دشمن سے نرمی سے بات کرو۔ شاید وہ اس سے سمجھ جائے۔ (۴۴ : ۲۰)

۶- ملکۂ سبا کا قول کہ بادشاہ جب دوسرے ملکوں پر حملہ کرتے ہیں تو تہس نہس کر دیتے ہیں (۳۴ : ۲۷)

۷- اہلِ کتاب سے بہترین طریق سے بات کرو۔ بجز ان کے جو ان میں زیادتی کریں۔ (۴۶ : ۲۹)

۸- اگر مسلمانوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر جو گروہ اس سے پھر جائے تو اس کے خلاف تم جنگ کرو تاآنکہ وہ اس فیصلے کی طرف لوٹ آئے۔ پھر ان میں انصاف کے ساتھ صلح کرا دو۔ (۹ : ۴۹)

۹- ان کے دل میں تمہارا رعب، خدا سے بھی زیادہ ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ (۱۳ : ۵۹)

۱۰- یہ لوگ بظاہر بڑی جمعیت والے نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے دل الگ الگ ہیں۔ ان کی باہمی دشمنی بہت زیادہ ہے۔ (۱۴ : ۵۹)

۱۱- دین کے دشمنوں سے دوستی کے تعلقات مت رکھو۔ (۹-۱ : ۶۰)

۱۲- بنی اسرائیل پر قتال فرض کیا گیا تھا۔ (۲۴۶ : ۲)

۱۳- یہودیوں کے ساتھ جنگ۔ (۱۳-۱۱ : ۵۹)

۱۴- خدا نے رسولوں کے ساتھ ضوابطِ قوانین نازل کئے اور ان کے علاوہ "فولاد" (شمشیرِ خارہ شگاف) بھی، تاکہ دنیا میں عدل قائم رکھا جا سکے۔ (۲۵ : ۵۷)

۱۵- مالِ غنیمت کے مصارف و مقاصد۔ (۴۱-۸) — (۶۹ : ۸)

۱۶- فَے کے متعلق احکام۔ (۷ : ۵۹)

۱۷- اگر انسان مجبور پیدا کئے جاتے تو یہ نہ اختلاف کرتے نہ باہمی جنگ و جدال۔ (۲۵۳ - ۲)

۱۸- رسول اللہ خود فوجوں کی کمان کیا کرتے تھے۔ (۱۲۱ : ۳)

جنگِ خندق یا جنگِ احزاب

اس جنگ کے متعلق "احزاب" کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اس میں زیادہ تفصیل نہیں آئی تھی اس لئے اسے اس جگہ بھی لکھا جا رہا ہے۔

سورۂ احزاب (۳۳) میں ایک جنگ کا ذکر ہے۔ جس میں مسلمانوں کے مقابلہ میں مختلف قبائل نے متحدہ محاذ بنا لیا

تھا - اسی بنا پر اسے جنگِ احزاب کہتے ہیں - اور چونکہ اس جنگ میں نبی اکرمؐ نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر، مدافعت کی تھی - اس لیے اسے تاریخ میں جنگِ خندق کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے - یہ جنگ تاریخ کے بیان کے مطابق ۵ھ میں ہوئی تھی -

آیات (۱۱-۱۰ : ۳۳) میں جنگ کی ہولناکی اور دہشت انگیزی کا نقشہ کھینچا گیا ہے - اور آیت (۹ : ۳۳) میں اس ہوا کا ذکر ہے جس نے جنگ کا نقشہ بدل دیا تھا - نیز ان "لشکروں" (ملائکہ کی تائید) کا ذکر جو غیر مرئی تھے -

آیات (۲۰-۱۲ : ۳۳) میں منافقین کی حرکات کا ذکر ہے - جنہوں نے عین جنگ کے وقت مختلف قسم کی بہانہ سازیوں سے دغا دی تھی -

جب جنگ شدت اختیار کر گئی اور ہر طرف بھاگڑ مچ گئی تو اس صبر آزما مرحلہ میں عساکرِ اسلام کے سپہ سالار حضور نبی اکرمؐ چٹان کی طرح اپنے مقام پر ڈٹے رہے - قرآن کریم نے جماعتِ مومنین سے کہا ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ کا یہ کردار بہترین نمونہ تھا (۲۱ : ۳۳) - اس سے جماعتِ مومنین کے دلوں میں حوصلہ اور پاؤں میں استقامت پیدا ہو گئی (۲۳-۲۲ : ۳۳) - مخالفین کو شکستِ فاش ہوئی (۲۵ : ۳۳) - اور ان کے حامیوں (یہود) کو بھی سخت سزا دی گئی کیونکہ انہی کی سازش سے یہ سب کچھ ہوا تھا - (۲۶ : ۳۳) اور یوں مسلمانوں کو مخالفین کی بستیوں - زمینوں اور مال و دولت کا وارث بنا دیا - اور ان بستیوں کے فتح ہونے کا مژدہ سنایا جن تک ابھی وہ پہنچے بھی نہ تھے - (۲۷ : ۳۳)

اصحاب الاخدود

سورۂ البروج میں اصحاب الاخدود (خندق والوں) کا ذکر ہے - اندازہ یہ ہے کہ اس سے جنگِ خندق میں شریک ہونے والوں کی طرف اشارہ ہے - (۹-۱۱ : ۸۵) - یا یہودیوں کے ایک سربراہ ذونواس کی طرف اشارہ ہے جس نے مذہبی اختلاف کی بنا پر، بعض عیسائیوں کو زندہ جلا دیا تھا -

——(۰)——

۸- جنون

(مجنون)

مجنون (مادہ ج-ن-ن) پاگل - جنون - پاگل پن -

حضرات! انبیاؑ کرام جو پیغام لاتے تھے وہ مفاد پرست گروہ پہ بڑا گراں گذرتا تھا۔ اس لیۓ وہ اس کی مخالفت میں ہر قسم کے حربے استعمال کرتے تھے۔ ان میں الزامات اور طعن و تشنیع کے نشتر خصوصیت رکھتے تھے وہ لوگوں سے کہتے کہ یہ شخص پاگل ہو گیا ہے۔ دیوانہ ہے۔ اس لیۓ اس کی باتوں پہ دھیان نہ دھرو۔

یوں بھی دیکھیئے تو ان کی نظروں میں اِن حضرات کی "دیوانگی" واضح تھی۔ حضرات انبیاؑ کرام بالعموم بلند گھرانے کے افراد ہوتے تھے۔ قابلیت، اور صلاحیت کے اعتبار سے وہ معاشرہ میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ نبوت سے پہلے وہ بڑی عزت اور وقار کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ لوگ ان کے ساتھ بڑی بڑی توقعات وابستہ کرتے تھے۔ لیکن نبوت کے بعد وہ ان سب سے الگ انوکھی اور نرالی باتیں کرنے لگ جاتے تھے۔ حسب و نسب پہ فخر غلط ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے ادنیٰ اور اعلیٰ کی تمیز باطل ہے۔ عزت اور سرفرازی، دولت اور ثروت کی بنا پہ نہیں بلکہ جوہرِ ذاتی کی بنا پہ مل سکتی ہے۔ رزق کے سرچشمے تمام انسانوں کے لیۓ کھلے رہنے چاہیئں۔ دولت کے انبار اکھٹے کر کے، غریبوں کو ان سے محروم کر دینا انتہائی ظلم ہے۔ اُن (مخالفین) کی نگاہوں میں یہ باتیں پاگل پن نہیں تو اور کیا قرار پا سکتی تھیں؟ اس تعلیم کی پہلی زد، خود اس نبی اور اس کے گھرانے پہ پڑتی تھی۔ چنانچہ وہ لوگ، اس نبی کو سمجھاتے کہ تم اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ جو اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہ کرے۔ اُسے دنیا پاگل کہتی ہے۔

لیکن انہیں کیا معلوم کہ اس "پاگل پن" میں کتنی بڑی ہوشمندی اور دانش اطواری پوشیدہ ہوتی ہے۔ یہی تو وہ "دیوانے" ہیں جن کی دیوانگی تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ دیتی ہے۔ انسانیت کی تاریک راہوں پہ جو یہاں وہاں، کوئی شمعیں روشن نظر آتی ہیں، وہ انہی "دیوانوں" کی چشمِ روشن کا تصدق ہیں۔

انبیاء سابقہ کو مجنون کہا گیا

۱۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو ساحر و مجنون کہا۔ (۲۶:۲۷) — (۵۱:۳۹)

۲۔ ہر رسول کو ساحر و مجنون کہا گیا۔ (۵۱:۵۲)

۳۔ حضرت نوحؑ کو مجنون کہا گیا۔ (۲۳:۲۵) — (۵۴:۹)

رسول اللہؐ کو مجنون کہا گیا

۱۔ کفار کہتے کہ کیا رسول اللہؐ دانستہ خدا پہ افترا باندھتے ہیں یا انہیں جنون ہو گیا ہے؟ (۳۴:۸)

۲۔ جواب دیا گیا کہ اس رسولؐ کے پیغام پر تھوڑا سا غور و فکر کرو۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ دیوانہ نہیں (۱۸۴: ۷) (۴۶: ۳۴)

۳۔ مخالفین کہتے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے۔ شاعر کے کہنے پر چھوڑ دیں۔ (۳۶: ۳۷)

۴۔ وہ کہتے تھے کہ یہ رسولؐ خود تو مجنون ہے۔ لیکن اسے کوئی آکر یہ باتیں سکھا جاتا ہے (۱۴: ۴۴)

۵۔ آپؐ بفضلِ ایزدی، کاہن یا مجنون نہیں تھے۔ (۲۹: ۵۲) — (۲ و ۲: ۶۸) — (۲۲، ۸۱)

۶۔ قرآن سن کر کہتے کہ یہ رسول مجنون ہے۔ (۶: ۱۵) — (۷۰: ۲۳) — (۵۱: ۶۸)

(۰)

۹۔ جوا۔ (میسرہ)

جوئے کا لفظ (یا قمار) قرآن میں نہیں آیا۔ اس کے لئے میسرہ کا لفظ آیا ہے۔ لیکن یہ ایک جامع اصطلاح ہے۔ جس میں ہر ایسا مال آجاتا ہے جسے آسانی سے حاصل کر لیا جائے۔ یعنی جسے "بائیں ہاتھ کا کھیل" کہا جاتا ہے۔ (یہی اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں) اس طرح مال حاصل کرنے میں بے شک فائدہ ہو جاتا ہے، لیکن اس سے انسانی ذات (اور قوم کے اجتماعی مفاد) کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ اس فائدہ سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ (۲۱۹: ۲) ۔ اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (۹۱ - ۹۰: ۵)

قرعہ اندازی۔ لاٹری

قرآن کریم انسانی فکر کو بڑی اہمیت دیتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ اپنے معاملات کے فیصلے عقل و فکر اور علم و بصیرت کی رو سے کیا کرو۔ اس لئے ہر وہ روش جس میں عقل و فکر کے چراغ گل کر کے، ظن و تخمین اور قیاسات و توہمات سے فیصلے کئے جائیں، اس کے نزدیک مذموم ہے۔ قرعہ اندازی۔ لاٹری۔ فالیں نکالنا وغیرہ سب اسی ضمن میں آجاتے ہیں۔ قرعہ اندازی کے لئے عربوں کے ہاں ازلام کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ اس سے قرآن نے منع کیا ہے۔ (۵: ۳) — (۵: ۹۰)

۱۰۔ جَور و اکراہ - مذہبی آزادی

(نیز دیکھئے ارتداد)

انسان اور باقی مخلوق میں ما بہ الامتیاز خصوصیت یہ ہے کہ کائنات کی دیگر مخلوق مجبور پیدا کی گئی ہے اور انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ بنایا گیا ہے۔ انسانی ذات کی نشو و نما ان امور سے ہوتی ہے جو اس کے اختیار و ارادہ کی صلاحیتوں میں وسعت پیدا کریں۔ اسلام جس نظام کو نوعِ انسان کے لئے تجویز کرتا ہے اس کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسان کے اختیار و ارادہ کی آزادی برقرار رہتی اور وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے کہ نہ مجبوری کی نیکی، نیکی ہے، نہ مجبوری کی بُرائی، بُرائی ـــ میزانِ خداوندی میں انسان کے اسی عمل کا وزن ہوتا ہے جس کا وہ اپنے اختیار و ارادے سے مرتکب ہوتا ہے۔ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی ساری عمارت اس بنیاد پر استوار ہوتی ہے۔

انسانی اختیار و ارادہ کی آزادی میں "مذہبی آزادی" کو بنیادی خصوصیت حاصل ہے۔ قرآن کریم کی رُو سے ایمان نام ہے کسی صداقت کو دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے ساتھ تسلیم کرنے کا۔ اس میں اگر ذرا سی زبردستی ہو یا کسی کے ذہن کو ماؤف کر کے کوئی بات منوائی جائے تو اسے ایمان کہا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لئے نہ کسی کو زبردستی مسلمان کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ مسلمان نہ رہنا چاہے تو نہ اسے زبردستی مسلمان رکھا جا سکتا ہے۔

ایک بات البتہ واضح ہے۔ جب آپ سب کچھ دیکھ بھال اور سوچ سمجھ کر، بطیبِ خاطر کسی سوسائٹی کی رکنیت قبول کرتے ہیں تو اس کے بعد آپ پر لازم آجاتا ہے کہ آپ اس سوسائٹی کے قواعد و ضوابط کو مانیں اور ان کی پابندی کریں۔ پھر آپ کو اس کا اختیار نہیں رہے گا کہ ان میں سے جس قاعدے اور ضابطہ کو جی چاہے مانیں اور جس سے جی چاہے انکار کر دیں۔ اگر آپ ان قواعد و ضوابط کو ماننا نہیں چاہتے تو آپ اس سوسائٹی کی ممبرشپ سے الگ ہو جائیں۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے ممبر بھی رہیں اور پھر اس کے ضوابط میں سے جسے چاہیں تسلیم کر لیں، جسے چاہیں اس سے انکار کر دیں۔ یہی کیفیت اسلام میں داخل ہو کر اس کے اوامر و نواہی کو تسلیم کرنے کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اُسے زبردستی نہیں کہا جائے گا۔ ویسے بھی، جب تک ان قواعد و ضوابط کی پابندی نہ کی جائے، انسانی ذات میں نشو و نما ہو نہیں سکتی۔ نہر کی روانی کے لئے راستے میں ٹھوکروں (FALLS) کا ہونا ضروری ہے۔ اسی قسم کی خود عائد کردہ پابندیوں سے صحیح آزادی حاصل ہوتی ہے۔ آزادی کے معنی ہیں، اپنے آپ پر خود عائد کردہ پابندیوں کی بطیبِ خاطر نگہداشت کرنا۔ اگر کوئی پابندی زبردستی آپ پر ٹھونسی جائے تو اس کا نام آزادی کا سلب کرنا ہوگا۔ بنا بریں، اس کی آزادی تو آپ کو حاصل ہیں کہ آپ جونسا مذہب (یا دین) اختیار کریں،

یا تبدیل کر لیں، لیکن اس کی آزادی حاصل نہیں کہ آپ اسلام کے دائرے میں رہ کر اس کی عائد کردہ پابندیوں سے سرکشی برتیں۔

کسی پر جبر و اکراہ جائز نہیں

۱۔ جو لوگ دین کے معاملہ میں لوگوں پر زبردستی کرتے ہیں ان سے جنگ کرو تاآنکہ دین میں مکمل آزادی ہو جائے اور جس کا جی چاہے اسے خدا کے لئے اختیار کرے نہ کہ کسی اور کی خاطر۔ (۲:۱۹۳) — (۸:۳۹)

۲۔ دین میں کوئی اکراہ نہیں۔ حق اور باطل واضح ہو چکا ہے۔ (۲:۲۵۶) — (۱۸:۲۹) — (۳:۶۷) — (۱۰:۹۰)۔

۳۔ قرآن میں جو اوامر و نواہی ہیں تو ان کی پابندی سے مقصد یہ ہے کہ تمہاری ذات میں وسعت پیدا ہو۔ (۲:۲۳۳) — (۲:۲۸۶) — (۶:۱۵۲) — (۲۳:۶۲)۔

۴۔ اگر خدا کی مشیت میں ایسا ہوتا کہ تمام انسان ایک ہی طریقہ پر چلیں تو انہیں دیگر اشیائے کائنات کی طرح مجبور پیدا کر دیا جاتا۔ لیکن اس سے انسان اپنے شرفِ انسانیت سے محروم ہو جاتا۔ اس لئے اس معاملہ کو خدا نے انسان کے اپنے فیصلے پر رکھا ہے کہ وہ جونسا راستہ جی چاہے اختیار کر لے۔ (۵:۴۸) — (۱۰:۹۹-۱۰۰) — (۱۶:۹۳) — (۱۳:۳۲) — (۸:۴۲)

۵۔ قوم شعیبؑ کی دھمکی کہ اگر تم لوگوں نے اپنا سابقہ دین پھر سے اختیار نہ کیا تو تمہیں گاؤں سے نکال دیا جائے گا۔ (۷:۸۳)۔ (۱۳:۱۴)

۶۔ فرعون نے اپنے ساحرین سے کہا کہ تم نے میری اجازت کے بغیر ہی دینِ موسوی اختیار کر لیا؟ تم دیکھو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ (۷:۱۲۱) — (۲۰:۴۹) — (۲۶:۴۹)

فرعون کا استبداد۔ (۱۰:۸۳)

۷۔ اگر مشرک تمہاری پناہ میں آ جائے تو اسے قرآن سناؤ۔ پھر اگر وہ اپنے ہاں جانا چاہے تو اسے اپنی حفاظت میں اس کی حفاظت کے مقام تک پہنچا آؤ۔ (۹:۶)

۸۔ اگر کسی سے کوئی کفر کا کام زبردستی کرائے تو اس سے وہ کفر کا مرتکب نہیں ہو جاتا۔ کفر وہ ہے جسے دل کی پوری رضامندی سے اختیار کیا جائے۔ (۱۶:۱۰۶)۔ اسی طرح اسلام بھی وہی اسلام ہے جسے دل کی رضامندی سے اختیار کیا جائے۔

۹۔ خدا کے راستے کی طرف حکمت و موعظت سے دعوت دو۔ (۱۰۸ : ۱۲)-(۱۲۵ : ۱۶)-(۱۵ : ۴۲)

۱۰۔ اگر خدا مستبد، طاقت ور گروہوں کی مدافعت دوسرے لوگوں سے نہ کراتا رہے تو دنیا میں کسی مذہب کی پرستش گاہ محفوظ نہ رہے۔ (۴۰ : ۲۲)۔ لہٰذا، قرآن کریم کی رو سے، جماعت مومنین کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ مختلف مذاہب کی آزادی برقرار رکھے خواہ اس کے لیے انہیں مستبد قوتوں سے جنگ بھی کیوں نہ کرنی پڑے۔

۱۱۔ جور و اکراہ تو ایک طرف، جو لوگ اسلامی فتوحات دیکھ کر ایمان لے آئے تھے، ان سے کہا کہ تم اپنے آپ کو مومن نہ کہو، یہ کہو کہ ہم اس مملکت کے سامنے جھک گئے ہیں۔ جب ایمان دل میں اتر جائے پھر اپنے آپ کو مومن کہو۔ (۱۵-۱۴ : ۴۹) حتّٰی کہ جب فرعون نے موت کو سامنے دیکھ کر ایمان کا اعلان کیا تو وہ بھی قبول نہیں کیا گیا کیونکہ اس میں بھی جبر کا پہلو تھا، بطیبِ خاطر نہیں تھا۔ (۹۰ : ۱۰)

۱۲۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ کیا تو لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرے گا؟ ایسا کرنا ہوتا تو خدا تمام انسانوں کو پیدا ہی اس طرح کرتا کہ وہ کوئی دوسرا راستہ اختیار ہی نہ کر سکتے (۹۹ : ۱۰)

۱۳۔ رسول کے ذمے راستہ دکھانا ہے۔ راستہ پر (زبردستی) چلانا نہیں۔ (۲۷۲ : ۲)۔ رسول ان پر نگران نہیں مقرر کیا گیا۔ (۶۶ : ۶)۔ نہ ہی داروغہ۔ (۲۲ : ۸۸)۔

۱۴۔ رسول اللہ کی زبان سے کہلوایا گیا کہ ان سے کہہ دو کہ تمہارے رب کی طرف سے بصائر آ گئے ہیں۔ جو عقل و بصیرت سے کام لے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ جو اندھا بن کر رہے گا وہ خود اس کا نقصان اٹھائے گا۔ میں تم پر نگران (حفیظ) مقرر نہیں کیا گیا۔ (۷۹ : ۴) — (۱۰۵ : ۶) — (۱۰۸ : ۶) — (۴۸ : ۴۲)

۱۵۔ حضرت شعیبؑ نے بھی اپنی قوم سے یہی کہا۔ (۸۵ : ۱۱)

۱۶۔ تیری قوم قرآن کو جھٹلا رہی ہے (تو اس کا نقصان انہی کو پہنچے گا) تو ان پر وکیل (کار مختار) بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (۶۶ : ۶) — (۵۴ : ۱۷)

۱۷۔ یہ کتاب حق کے ساتھ بھیجی گئی ہے۔ جو اس سے صحیح راستہ اختیار کرے گا۔ اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ جو غلط راستے پر چلے گا۔ اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔ تو ان پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ (۴۱ : ۳۹) — (۶ : ۴۲)

۱۸۔ جو اپنی خواہشات اور جذبات کو اپنا الٰہ بنا لے (تو اس کا کیا علاج؟)۔ تو کیا تو اُن پر وکیل بننا چاہتا ہے کہ انہیں زبردستی راہ راست پر لے آئے (۴۳ : ۲۵)

۱۱۔ جہاد

اس لفظ کے مادہ (ج ۔ ھ ۔ د) کے معنی ہیں، محنت اور مشقت ۔ وسعت اور طاقت ۔ جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کے حصول کے لئے اپنی طاقت اور وسعت کو پورا پورا صرف کر دینا اور اسے انتہا تک پہنچا دینا ۔

اسلام، عملِ پیہم اور حرکتِ مسلسل کا دین ہے ۔ اسی کا نام حیات ہے ۔ اس کے مقابلہ میں وہ جمود و تعطل اور افسردگی و اضمحلال کو موت سے تعبیر کرتا ہے ۔ خواہ یہ موت وحیات افراد کی ہو اور خواہ اقوام کی ۔ افراد، اسی سعیٔ پیہم سے اپنی ذات کی نشوونما کرتے ہیں، اور اقوام اسی جہدِ مسلسل سے زندگی کی سرفرازیاں اور خوشگواریاں حاصل کرتی ہیں ۔ اسلام، اس سعی و عمل کے لئے ایک بلند و بالا نصب العین متعین کرتا ہے ۔ اور وہ نصب العین ہے اس دین یعنی نظام کا قیام و استحکام جس میں تمام امور اقدار و قوانینِ خداوندی کے مطابق سرانجام پائیں ۔ اسے وہ جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے ۔ اگرچہ جہاد، میں ہر قسم کی کوشش آ جاتی ہے ۔ لیکن اس کا آخری مقام وہ ہوتا ہے جہاں مردِ مومن، میدانِ جنگ میں، سربکف اور شمشیر بدست، باطل کی قوتوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے ۔ تاکہ وہ جان تک دیکر دین کے راستے میں مزاحم ہونے والی قوتوں کو راستے سے ہٹا سکے ۔ قرآن کریم کی رُو سے مومن کا یہ عمل سب سے زیادہ گراں بہا اور بلند ترین ہے ۔

قرآن کریم میں اس مادہ سے مشتق الفاظ ہر قسم کی کوشش سے لیکر جنگ و قتال تک کے لئے آئے ہیں ۔ جنگ و قتال کے لئے بالعموم جہادِ فی سبیل اللہ کی اصطلاح آتی ہے ۔ (اسے ہم نے "سبیل اللہ" کے عنوان میں بھی لکھا ہے ۔ اور جنگ کا عنوان الگ بھی لکھا گیا ہے) ۔

اجتہاد کا لفظ بھی اسی مادہ سے ہے ۔ یعنی کدوکاوش اور انتہائی فکری کوشش سے صحیح بات تک پہنچنا ۔ لیکن یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا ۔ یہ فقہ کی اصطلاح کے طور پہ آتا ہے ۔ ایسا کرنے والے کو مجتہد کہتے ہیں ۔

۱۔ کوشش کے معنوں میں

۱۔ جو ہمارے (خدا کے) بارے میں جدوجہد کرتا ہے، ہم اُسے، اپنی طرف آنے کے متعدد راستے دکھا دیتے ہیں ۔ (۲۹ : ۶۹)

۲۔ اللہ کے بارے میں (یعنی اس کے مقرر کردہ مقاصد کے حصول کے لئے) ایسی کوشش کرو، جیسی کوشش کرنے کا حق ہے ۔ (۲۲ : ۷۸)

۳۔ جو بھی اس طرح جدوجہد کرتا ہے، اس کا فائدہ خود اس کی ذات کو پہنچتا ہے ۔ خدا کا اس سے کچھ نہیں سنورتا ۔ وہ تو

ہر طرح سے مستغنی ہے (۶ : ۲۹)

۴۔ خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کی راہ میں جہاد کرو۔ (۵ : ۳۵)۔ اس آیت میں تقرب یا مدارج کے لئے "وسیلہ" کا لفظ ہے جس کا مفہوم متعلقہ عنوان میں ملے گا۔

۲۔ جُہد بمعنی جسمانی خدمت یا محنت

جماعت مومنین میں ایسے افراد بھی تھے جو (دین کے قیام کے سلسلہ میں) مالی امداد کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ وہ اپنی جسمانی محنت پیش کر دیتے تھے۔ (۹ : ۷۹)

۳۔ جہاد بمعنی قتال (جنگ)

۱۔ اے رسول! آپ، کفار اور منافقین کے خلاف جہاد (جنگ) کریں (۹ : ۷۳) — (۹ : ۶۶)۔ آیت (۲۵ : ۵۲) میں کفار کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا تھا لیکن اس میں "جَاهِدْهُم بِهِ" کے الفاظ آئے ہیں جس کا مفہوم قرآن کے ذریعے "جد وجہد" کرنا متبادر ہوتا ہے۔

۲۔ مومنوں کو جان اور مال سے جہاد کرنے کا حکم۔ (۹ : ۴۱) — (۶۱ : ۱۱)

مومن، جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت نہیں مانگتے (۹ : ۴۴) ایسا منافق اور ایمان کے کچے کرتے ہیں۔ (۸۱ : ۹ : ۸۶)

۳۔ مومن مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں (۴۹ : ۱۵)

۴۔ جنت، جہاد سے مشروط ہے

۱۔ تم جنت میں داخل نہیں ہو سکو گے جب تک یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ تم میں سے کون جہاد کرتا اور اس میں ثابت رہتا ہے (۳ : ۱۴۱)

۲۔ تم چھوڑ نہیں دئے جاؤ گے۔ جب تک جہاد کے ذریعے تمہارا ٹسٹ نہ کر لیا جائے۔ (۹ : ۱۶)۔ (۴۷ : ۳۱)

۵۔ ہجرت اور جہاد یک جا

۱۔ مہاجرین اور مجاھدین کے لئے رحمت اور مغفرت، (۲ : ۲۱۸)

۲۔ مہاجر، مجاہد اور انصار، ایک دوسرے کے دوست، (۸ : ۷۲) - یہ مومنِ حقا ہیں (۸ : ۷۴، ۷۵)۔ان کے درجات بلند ہیں۔ (۹ : ۲۰-۲۲)۔ ان کے لئے جنت ہے۔ (۹ : ۸۸-۸۹)۔ مغفرت (۱۶ : ۱۱۰)

۶۔ جہاد کی فضیلت

۱۔ یہ ایسی تجارت ہے جس میں کبھی خسارہ نہیں ہو سکتا۔ (۶۱ : ۱۱)

۲۔ قاعد (بیٹھے رہنے والے یا پیچھے رہ جانے والے) اور مجاہد کبھی برابر نہیں ہو سکتے (۴ : ۹۵)

۳ اگر جہاد کے مقابلہ میں زندگی کی کوئی چیز بھی زیادہ محبوب ہو گئی تو پھر خدا کے فیصلے کا انتظار کرو۔ (۹-۲۴)۔ اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ خدا تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔جو جہاد کی طرف لپک کر جائے گی: (۵ : ۵۴)

۴۔ زینت و آرائشِ مسجد الحرام اور حاجیوں کے لئے انتظامات جیسی "عبادات" و خدمات، جہاد کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ (۹ : ۱۹)

۷۔ متفرق

۱۔ جھگڑا کرنے، یا کسی کو سختی سے کہنے کے معنوں میں۔ (۲۹ : ۸)۔ (۱۵ : ۳۱)

۲۔ پختہ قسموں کے معنوں میں۔ (۵ : ۵۲)۔(۶ : ۱۱۰)۔(۱۶ : ۳۸)۔(۲۴ : ۵۳)۔(۳۵ : ۴۲)

(۰)

۱۲۔ جہالت

اَلْجَهْلُ کے معنی ہوتے ہیں جو امور واضح نہ ہوں، ان کی واقفیت حاصل کئے بغیر ان میں پیش قدمی کرنا۔ یہ مادہ، علم کی ضد ہے۔ نیز اس میں ہلکاپن اور سفاہت کا مفہوم بھی شامل ہوتا ہے۔

بنا بریں اس کے صحیح مفہوم کے لئے علم اور عقل کے عنوانات بھی دیکھئے۔ عام طور پر جاہل کا لفظ مذمت کے لئے آتا ہے۔ لیکن جب اس کے معنی ناواقفیت کے ہوں گے تو اس میں ذم کا پہلو شامل نہیں ہو گا۔

قرآن کریم میں ایک لفظ جاہلیت بھی آتا ہے۔ اس کے معنی جہالت کے نہیں، بلکہ زمانۂ قبل از اسلام کے ہیں جب عرب، دینِ خداوندی سے واقف نہیں تھے۔ اس بنا پر، رسوم و اعتقادِ جاہلیت کے معنی زمانۂ قبل از اسلام کے عربوں کے رسوم و معتقدات ہی نہیں، اس میں وہ تمام عقائد، نظریات، رسوم و مسالک شامل ہوں گے جو قرآن کے خلاف ہوں، خواہ ان کا تعلق، کسی قوم، کسی خطۂ زمین، اور کسی زمانے سے ہو۔ ہمارے ہاں بھی جاہلیت کے رسوم و معتقدات بکثرت رائج ہیں۔

قرآن کریم میں علم حاصل کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ لہٰذا جہالت (علم حاصل نہ کرنے) پر مُصر رہنا، خلافِ اسلام شعار ہے۔ علم کے معنی یہی نہیں کہ ماضی سے چلے آنے والے مسالک و مشارب اور رسوم و معتقدات کا علم۔ انہیں "معلومات" کہا جائے گا۔ علم تو ذاتی تحقیق و کاوش سے حاصل کردہ یا تصدیق کردہ، حقائق سے واقفیت کا نام ہو گا۔ (تفصیل علم کے عنوان میں دیکھئے)۔

۱۔ دین اور اخلاقی اقدار سے ناواقفیت (جہالت)

اس قسم کی ناواقفیت قابلِ مؤاخذہ نہیں، کیونکہ رسول کی بعثت سے پہلے ہر قوم رموزِ دین اور اخلاقی اقدار سے ناواقف ہوتی ہے۔ لیکن جب، رسول انہیں ان امور سے باخبر کر دے تو اس کے بعد بھی ان کا اپنی جہالت پر اصرار کرنا، وہ جہالت ہے جو مذموم ہے۔ حسب ذیل مقامات میں ایسی قسم کی جہالت کا ذکر ہے۔

۱۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بڑی ہی جاہل قوم ہو (۱۱ : ۲۹)

۲۔ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے بھی یہی کہا۔ (۴۶ : ۲۳)

۳۔ یہی حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا۔ (۲۷ : ۵۵)

۴۔ یہی حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا۔ (۷ : ۱۳۸)

۵۔ رسول اللہؐ کی مخاطب قوم کے متعلق یہی کہا گیا۔ (۶ : ۱۱۲) وہ نہ صرف یہ کہ خود غیر اللہ کو معبود سمجھتے تھے، چاہتے تھے کہ حضور بھی انہی کا سا مسلک اختیار کر لیں۔ (۳۹ : ۶۴)

۶۔ ان سے اعراض برتنے کو کہا گیا ہے (۷ : ۱۹۹)۔ (۲۸ : ۵۵)

۷۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ میں جاہل نہیں جو تم سے دین کے معاملہ میں مذاق کروں۔ (۲ : ۶۷)

۸۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ اگر میں ان عورتوں کی بات مان لوں تو جاہلوں میں سے ہو جاؤں (۱۲:۳۳)

۲۔ ایسی جہالت (ناواقفیت) جو قابلِ مؤاخذہ نہیں

۱۔ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کو اپنے اہل میں سے سمجھ لیا تو ان سے کہا گیا کہ یہ جہالت تھی (۱۱:۴۶)

۲۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ تمہاری یہ خواہش کہ یہ سب لوگ اسلام قبول کر لیں، بنا بر جہالت ہے۔ اگر مشیتِ خداوندی میں ایسا ہوتا تو وہ انسانوں کو پیدا ہی ایسا کر دیتا۔ (۶:۳۵)

۳۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ تم نے بنا بر جہالت اپنے دونوں بھائیوں سے ناروا سلوک کیا۔ (۱۲:۸۹)

۳۔ ناواقفیت وجہالت کی بنا پر غلط اقدام

۱۔ توبہ اس کی ہے جو (دیدہ دانستہ نہیں بلکہ) ناواقفیت (عدمِ علم) کی بنا پر کوئی غلط قدم اٹھائے اور پھر صحیح بات معلوم ہو جانے پر اس سے توبہ کرے۔ (۴:۱۷)۔ (۶:۵۴)۔ (۱۶:۱۱۹)

۲۔ ہر بات کی تحقیق کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم جہالت کی بنا پر غلط قدم اٹھالو اور معاشرہ میں فساد برپا ہو جائے۔ (۴۹:۶)

۴۔ جاہل بمعنی ناواقف

ضرورت مند مومنین کی غیرت کے متعلق کہا کہ ناواقف انہیں غنی خیال کرے حالانکہ وہ نادار ہوں۔ (۲:۲۷۳)

۵۔ جاہلوں سے تخاطب

سورۂ فرقان میں خدا کے بندوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً (۲۵:۶۳)

اس کا عام مفہوم لیا جاتا ہے کہ جب کبھی ایسا اتفاق ہو کہ کوئی جاہل ان سے بات کرے، تو وہ اسے دور ہی سے سلام کر کے کنی کترا جائیں۔

یہ مفہوم صحیح نہیں۔ اس آیت میں کہا یہ گیا ہے کہ مومنین کا منصبِ زندگی یہ ہے کہ وہ ہر ایک کے لئے امن و سلامتی کا پیامبر ہو۔ اس باب میں اس کی وسعتِ قلب کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اس کی یہ آرزو اور کوشش اپنوں یا ان لوگوں تک ہی محدود نہیں ہوتی جنہیں وہ جانتا ہو۔ اس کا، ناواقف لوگوں اور اجنبیوں تک سے یہی برتاؤ ہوتا ہے۔ وہ ان کی

سلامتی کا بھی آرزو مند ہوتا ہے۔

یہ تھا مومنین کا شعار۔ اب ہماری حالت یہ ہیں کہ (دوسروں کی سلامتی کی آرزو تو ایک طرف) ہم رسمی "السلام علیکم" بھی ان لوگوں سے نہیں کرتے جن سے ہم واقف نہ ہوں۔

۶۔ جاہلیہ

ا۔ ظن الجاہلیۃ (۳:۱۵۴) ۔حکم الجاہلیہ (۵:۵۰) ۔ تبرج الجاہلیہ (۳۳:۳۳) ۔حمیۃ الجاہلیہ (۴۸:۲۶)

۷۔ انسان ظلوم و جہول ہے

سورۂ احزاب، میں آیت حملِ امانت کے سلسلہ میں کہا کہ انسان ظالم اور جاہل ہے (۳۳:۷۲)۔اس کا مفہوم تو متعلقہ عنوان (امانت) میں لکھا گیا ہے۔ یہاں اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ انسان اپنے اختیار و ارادہ کا غلط استعمال کرکے بڑی ہی جہالت کا ثبوت دیتا ہے کیونکہ اس سے کسی اور کا کچھ نہیں بگڑتا۔ خود اس کا نقصان ہوتا ہے۔ سو جو شخص اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرے، اس سے زیادہ جاہل کون ہوگا؟

—————(٠)—————

۱۳۔ جہنم

(نیز جحیم ۔ النار)

جیسا کہ متعدد مقامات پر بتایا جاچکا ہے، دین کی بنیاد خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کا ہر عمل (حتیٰ کہ اس کے دل میں گزرنے والا خیال اور ارادہ بھی) اپنا نتیجہ مرتب کرکے رہتا ہے جو اعمال قوانین و اقدارِ خداوندی کے مطابق ہوں، ان کا نتیجہ خوشگواریاں اور سرفرازیاں ہوتا ہے۔ جو ان کے خلاف ہوں ان کا مآل تباہیاں اور بربادیاں۔ یہ نتائج اس دنیا میں بھی سامنے آجاتے ہیں، اور اخروی زندگی میں بھی۔ قرآن کریم میں، ان دونوں قسم کے نتائج کے لئے دو اصطلاحات آئی ہیں۔ خوشگوار نتائج کے لئے الجنت اور تباہ کُن نتائج کے لئے جہنم۔ (جنت کا عنوان پہلے آچکا ہے)۔

۱۔ زمانۂ قدیم میں "یروشلم" کے جنوب میں ایک وادی تھی جس میں مولوک دیوتا کا مندر تھا۔ وہاں انسانوں کو زندہ جلا کر اس (دیوتا) کے حضور قربانی پیش کی جاتی تھی۔ عبرانی زبان میں وادی کو جی کہتے ہیں اور جس شخص کی طرف وہ وادی منسوب تھی۔ اس کا نام ہنوم تھا۔ اس لئے اس وادی کو (جس میں انسانوں کو زندہ جلایا جاتا تھا) "جی۔ ہنوم" یا جہنم کہا جاتا تھا۔ اس اعتبار سے جہنم سے مراد "انسانیت سوزی" ہوگا۔ (جلانے) کی جہت سے جہنم کے لئے النّار (آگ) کا لفظ بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔

۲۔ جیسا کہ جنت کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے، انسانی زندگی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی مقامِ آدمیت (ہمارے موجودہ مقام) تک پہنچی ہے۔ اقدارِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسانی ذات (نفس) کی نشو و نما ہوتی ہے اور اس طرح نشو و نما یافتہ ذات زندگی کی اگلی منزل میں پہنچنے کے قابل ہو جاتی ہے (اسے جنتی زندگی کہتے ہیں) لیکن جس ذات کی نشو و نما نہ ہو، وہ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اسی مقام پہ رک جاتی ہے۔ رک جانے کے لئے عربی زبان میں (ج۔ح۔م) کا مادہ آتا ہے۔ اس اعتبار سے جہنم کے لئے جحیم کا بھی لفظ بھی آیا ہے۔ یعنی جہاں زندگی کا ارتقا رک جائے۔

نیز جہنم کی مختلف کیفیات کی رو سے، اس کے لئے سقر۔ ہاویہ۔ حطمتہ جیسے الفاظ بھی آئے ہیں۔

۳۔ جہنم کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اس وقت خطاکاروں اور مجرموں کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ اس کی نظروں کے سامنے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہے کہ جہنم کی زندگی یہیں سے شروع ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد تک یہ سلسلہ باقی رہتا ہے۔ وہاں چونکہ ہمارے شعور کی سطح بلند ہو جائے گی، اس لئے وہاں جہنم ابھر کر سامنے آجائے گی اور دیکھنے والے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

۴۔ مرنے کے بعد کی زندگی کی کنہ و ماہیت کو ہم اپنے شعور کی موجودہ سطح پر سمجھ نہیں سکتے۔ قرآن کریم نے اس کی جو تفاصیل بیان کی ہیں ان سے ہم اس کے متعلق کچھ تصور سا ذہن میں لا سکتے ہیں، لیکن وہ بھی اپنے تصورات کی موجودہ سطح تک۔ وہ زندگی، مکان (SPACE) اور زمان (TIME) کی موجودہ حدود و قیود سے بلند ہوگی۔ اسی لئے جنت کی طرح جہنم بھی کسی مقام کا نام نہیں۔ زندگی کی کیفیت کا نام ہے۔ اسی لئے اس کی آگ کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیں گے۔ اُخروی زندگی پر ایمان، اسلام کی بنیادی شرط ہے۔

۵۔ ہمارے ہاں عام خیال یہ ہے کہ جہنم سزا کا مقام یا اصلاح کی جگہ ہے۔ جس طرح مجرم اپنی سزا بھگتنے کے بعد جیل خانے سے، اور مریض مرض سے شفا پانے کے بعد ہسپتال سے باہر آ جاتے ہیں، اسی طرح جہنم کی زندگی وقتی ہوگی۔ اس کے بعد اہل جہنم، جنت میں چلے جائیں گے۔

قرآن کریم سے اس عقیدہ کی تائید نہیں ملتی۔ وہ واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ وہاں سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

یہ حقیقت، قانونِ ارتقا کے عین مطابق ہے۔ اس قانون کی رو سے، جو نوع اپنے اندر آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا نہیں کرتی، وہ وہیں کی وہیں رک جاتی ہے۔ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ یہی کیفیت ان انسانوں کی ہو گی جن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہو گی۔ اس لئے جہنم کی زندگی کو ابدی کہہ کر پکارا گیا ہے۔

۶۔ لیکن (جیسا کہ جنت کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے) یہ ابدیت ایسی نہیں جیسی ذاتِ خداوندی کی ابدیت ہے۔ (ان زندگیوں کا منتہیٰ کیا ہو گا، ہم اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتے۔

۷۔ جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے تبویب القرآن میں، متعلقہ آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ ان کے معانی اور مفہوم سے متعلق گفتگو نہیں کی گئی۔ ان آیات کے الفاظ کے معنی کے لئے میری لغات القرآن، مفہوم کے لئے مفہوم القرآن اور تشریح کے لئے، مطالب الفرقان کا مطالعہ مفید رہے گا۔ اُخروی زندگی اور اس کی جملہ تفصیلات (جنت اور جہنم سمیت) میری کتاب جہانِ فردا میں ملیں گی۔ اس حقیقت کے یہاں دھرانے کی ضرورت اس لئے پیش آگئی کہ یہ مقامات بڑے نازک اور عمیق ہیں۔ اس لئے ان کا صحیح مفہوم وسیع مطالعہ ہی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

———(٠)———

۱۔ جہنم میں کون جائے گا

کفار و منافقین وغیرہ: (۹۶-۹۵: ۳)۔ خدا سے منہ موڑ لینے والے (۵۵: ۴)۔ کفار اور منافقین یک جا۔ (۱۴۰: ۴) — (۹: ۶۶)

کفر اور ظلم کا مرتکب۔ (۱۶۹-۱۶۸: ۴)۔ منافقین جو جنگ میں نہ جانے کے لئے بہانہ سازیاں کرتے ہیں۔ (۹: ۴۹) — (۹: ۶۳) — (۹: ۸۱)

کفار اور منافقین یک جا۔ (۹: ۶۸)۔ ان سب سے جنگ کرو۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے (۹: ۷۳) — (۹: ۹۵)

آخرت کے منکر۔ (۱۷: ۹۸-۹۷)۔ کفار جو خدا کے سوا دوسروں کو اپنا پشت پناہ سمجھتے ہیں۔ (۱۸: ۱۰۲) — (۱۸: ۱۰۱) -

لقاءِ رب (آخرت یا قانونِ مکافات) کے منکر (۱۸: ۱۰۶-۱۰۵) — (۱۹: ۶۸-۶۶)۔ قرآن کریم کے خلاف اعتراضات کرنے والے۔ (۲۵: ۳۴-۳۲)۔ کفر کی وجہ سے نارِ جہنم۔ (۳۵: ۳۶) — (۳۶: ۶۴-۶۳)۔ عبدیتِ خداوندی سے سرکشی برتنے والے۔ (۴۰: ۶۰)۔ منافقین۔ مشرکین و مشرکات (۴۸: ۶)۔ کافرین (۶۷: ۶) یوم حساب کو خیال تک میں نہ لانے والے۔ (۷۸: ۲۷)۔ اہل کتاب کے کفار اور مشرکین (۹۸: ۶)

منافق۔ مفسد۔ اقتدار ہاتھ میں آجائے تو نسل اور کھیتی کو تباہ کر دینے والا۔ جھوٹی عزت کی خاطر حق کی مخالفت کرنے والا۔

(۲ : ۲۰۴-۲۰۶)

جس پر خدا کا غضب ہو۔ (۱۶۱ : ۳)

کسی مومن کو عمداً قتل کر دینے والا۔ (۹۳ : ۴)

بغیر کسی معقول عذر کے ہجرت نہ کرنے والا۔ (۹۷ : ۴)

رسول کی مخالفت کرنے والا۔ مومنین کی راہ چھوڑ کر دوسری راہیں اختیار کرنے والا (۱۱۵ : ۴)

مشرکانہ رسوم و رواج کا متبع۔ (۱۱۹-۱۲۱ : ۴)

شیطان کے متبعین۔ (۱۸ : ۷) — (۴۲ : ۱۵) — (۶۳ : ۱۷) — (۸۵ : ۳۸)

عقل و فکر سے کام نہ لینے والے، یہ انسان نہیں، حیوان ہیں۔ (۱۷۹ : ۷) — (۱۰ : ۶۷)

نیز دیکھئے (۹۷ : ۱۷) — (۶۲ : ۳۶)

میدان جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلنے والے (یہ جنگ بدر کے موقع پر کہا گیا، یعنی جماعت مومنین سے)۔ (۱۶ : ۸)

سرمایہ دار۔ مال و دولت جمع رکھنے والے۔ نیز احبار و رہبان (علماء و مشائخ) جو دوسروں کا مال باطل طور پر کھا جاتے ہیں۔ (۳۴-۳۵ : ۹)

مسجد ضرار بنانے والے تاکہ مومنوں میں تفرقہ پیدا ہو جائے۔ (۱۰۹ : ۹)

اختلافات پیدا کرنے والے۔ (۱۱۸-۱۱۹ : ۱۱)

خدا کی دعوت پر لبیک نہ کہنے والے۔ (۱۸ : ۱۳)

ہر جبار و عنید (۱۵ : ۱۴)۔ کفار و عنید۔ معتد و مریب (۲۴-۲۵ : ۵۰)

وہ لیڈر جو کفرانِ نعمت کریں اور اپنی قوم کے کارواں کو ایسی منڈی میں جا اتاریں جہاں اس جنس کا سد کا کوئی خریدار نہ ہو۔ ۲۸-۲۹ (۱۴)

بنی اسرائیل سے کہا کہ اگر تم نے پھر وہی حرکتیں شروع کر دیں تو تمہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ اس سے پہلی آیات میں ان کی اس تباہی کا ذکر ہے جو پہلے بخت نصر اور پھر رومیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی (۵-۸ : ۱۷)

اللہ کے رسولوں اور اس کے قوانین سے تمسخر کرنے والے۔ (۱۰۶ : ۱۸)۔ استہزا کرنے والے۔ (۹ : ۴۵)

مجرمین۔ (۸۶ : ۱۹)۔ (۷۴ : ۲۰) — (۱۲ : ۳۲)۔ (۴۲ : ۴۳)۔ (۴۱-۴۵ : ۵۵)

دعوئے الوہیت (خدائی) کرنے والے۔ خدا بن بیٹھنے والے۔ (۲۹ : ۲۱)

جس کا بھلائیوں کا پلڑا اٹھا ہوا ہو گا۔ (۱۰۳ : ۲۳)
حدود فراموش، طاغین ۔ (۵۵ : ۳۸) — (۲۲ : ۷۸)
دنیا میں ناحق علو اور تکبر اختیار کرنے والے۔ (۷۶-۷۵ : ۴۰)
بے معنی باتوں میں الجھے رہنے والے۔ (۱۲ : ۵۲)
معصیت الرسول کے مرتکب ۔دین کے خلاف خفیہ سازشیں کرنے والے (۸ : ۵۸)۔ اللہ اور رسول سے معصیت کرنے والے ۔ (۲۳ : ۷۲)
اپنے ذنوب کا اعتراف کریں گے ۔ (۱۱ : ۶۷)
قاسطون ۔حق سے اِدھر اُدھر ہٹ جانے والے ۔ انصاف نہ کرنے والے۔ (۱۵ : ۷۲)
مومنین اور مومنات کو تنگ کرنے والے ۔ (۱۰ : ۸۵)

قوانین خداوندی کی تکذیب کرنے والے

تکذیب آیات (قوانین) کرنے والے، متکبر و سرکش ۔ (۴۰ : ۷)۔ افتراء علی اللہ اور تکذیب آیات کرنے والے۔ (۶۸ : ۲۹) — (۳۲ : ۳۹) — متکبرین (۶۰ : ۳۹)۔ مکذبین (۱۱ : ۵۲) — (۲۸ : ۷۸)

شرک کرنے والے

۱۔ خدا کے ساتھ کوئی الٰہ شامل نہ کرو، ورنہ ذلت و خواری کے جہنم کے عذاب میں ماخوذ ہو جاؤ گے ۔ (۳۹ : ۱۷)
۲۔ مشرکین اور ان کے معبود، سب جہنم میں ۔ (۹۹-۹۸ : ۲۱) مشرکین و مشرکات ۔ (۶ : ۴۸) — (۲۶ : ۵۰)

اعمال کی جزا

۱۔ جو کچھ تم کرتے تھے اس کا مزہ چکھو ۔ ماکنتم تعملون ۔ (۵۵ : ۲۹) ۔ پورا پورا بدلہ (۲۶ : ۷۸)
۲۔ انسان کے صاحبِ اختیار و ارادہ ہونے کا فطری نتیجہ، قانون مکافات اور جزا و سزا ہے ۔ (۱۳ : ۳۲)۔ اس طرح جن و انس جہنم میں جائیں گے ۔ کفر کا نتیجہ (۳۶ : ۳۵)

جہنم کی تفصیلات

۱۔ ابلتا ہوا پانی جو حلق میں انڈیلا نہ جا سکے۔ ایک ایک گھونٹ کر کے پیا جائے۔ (۱۷-۱۴ : ۱۴)

۲۔ اس کے متعدد دروازے ہیں۔ ہر دروازے سے الگ الگ گروہ داخل ہوں گے (۴۴ : ۱۵) — (۲۹ : ۱۶)۔ فوج کی فوج (۵۹ : ۳۸)۔ گروہ در گروہ ابواب جہنم میں داخل ہوں گے۔ (۷۱ : ۳۹)۔ ان کے آنے پر دروازے کھولے جائیں گے۔ (۷۱ : ۳۹)۔ ابوابِ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ (۷۶ : ۴۰)

۳۔ مجرمین کو یوں ہانک کر لایا جائے گا جیسے پیاسے جانوروں کو گھاٹ کی طرف لایا جاتا ہے۔ (۸۶ : ۱۹)

۴۔ موت چاروں طرف سے آتی دکھائی دیگی۔ لیکن موت آئیگی بھی نہیں۔ (۱۷ : ۱۴)۔ اس میں نہ زندگی ہو گی نہ موت (۷۴ : ۲۰)

۵۔ اس دن جہنم کو معروضی شکل میں (نمودار کر کے) کفار کے سامنے لایا جائے گا۔ (۱۰۰ : ۱۸)

۶۔ چیخنا۔ چلانا۔ جس میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیگی۔ (۱۰۰ : ۲۱)

۷۔ آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی۔ (۱۰۴ : ۲۳)

۸۔ نہایت بُرا مقام و مستقر۔ (۶۶ : ۲۵)

۹۔ عذاب، اوپر نیچے، ہر طرف سے لپیٹ لے گا۔ (۵۵ : ۲۹)

۱۰۔ شدید ترین گرم اور یخ بستہ پانی۔ دونوں قسم کے پانی کھینی کو جھلسا دیتے ہیں۔ (۵۸-۵۷ : ۳۸) — (۲۵ : ۷۸)

۱۱۔ کوئی خندہ پیشانی سے استقبال نہیں کرے گا۔ (۵۹ : ۳۸)

۱۲۔ جہنم کا پیٹ ہی نہیں بھرے گا۔ (۳۰ : ۵۰)

۱۳۔ مجرمین ان کی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔ انہیں سر اور پاؤں سے جکڑا جائے گا۔ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ وہاں کھولتا ہوا پانی ہو گا۔ (۴۴ : ۵۵)

۱۴۔ تلاطم خیزیوں کا جوش اور شور۔ (۷ : ۶۷)۔ غیظ و غضب سے بپھرا ہوا۔ (۸ : ۶۷)

۱۵۔ نہ ٹھنڈک ہو گی نہ کوئی پینے کے قابل مشروب۔ (۲۴ : ۷۸)

۱۶۔ عذاب حریق (۱۰ : ۸۵)

۱۷۔ جہنم کے انیس داروغے۔ (۳۰ : ۷۴)

جہنم اب بھی محیط ہے

جہنم، کفار کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ (۴۹ : ۹) — (۵۴ : ۲۹)۔ اُسے بعد میں معروضی شکل میں سامنے لایا جائے گا۔ (۱۰۰ : ۱۸) آج بھی گھات میں ہے۔ (۲۲ : ۷۸)۔ یہ لوگ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں۔ (۱۶-۸۲) ملائکہ اور تیرا رب آئیں گے (پہلے ارض کا ذکر ہے) اور جہنم کو بھی لایا جائے گا۔ (۲۳-۲۱ : ۸۹)

دنیا کی طرف واپسی نہیں ہوگی۔ نہ ہی جہنم سے نکلا جاسکے گا

۱۔ وہ ہزار چاہیں گے کہ ایک دفعہ دنیا میں واپس آجائیں تو اچھے کام کریں، لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا۔ (۱۲ : ۳۲)

۲۔ وہ چیخیں گے۔ چلائیں گے کہ ہمیں اس سے نکال لیا جائے۔ ہم دنیا میں جاکر اچھے اچھے کام کریں گے۔ کہا جائے گا کہ تمہارے پاس ہمارے رسول آئے تھے۔ تم نے ان سے سرکشی برتی۔ اب یہاں سے نکلنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ (۳۸-۳۷ : ۳۵) وہ اس میں احقاب تک رہیں گے۔ (۲۳ : ۷۸)

۳۔ نہ ہی عذاب میں تخفیف ہوگی۔ (۴۹ : ۴۰) — (۴، ۴۳)

۴۔ وہ اس میں مایوس ہو جائیں گے۔ (۷۵ : ۴۳)

۵۔ وہ داروغۂ جہنم (مالک) سے کہیں گے کہ اپنے رب سے کہو کہ ہمیں موت ہی دے دے۔ وہ کہے گا کہ ایسا نہیں ہو سکے گا۔ تمہیں اب یہیں رہنا ہوگا۔ (۷۷ : ۴۳)

جہنم میں وہی جائیں گے جن تک ہدایت خداوندی پہنچ چکی ہوگی

کہا جائے گا کہ تمہاری طرف ہمارے رسول آچکے تھے۔ (۳۸-۳۷ : ۳۵) — (۷۱ : ۳۹) — (۵۰-۴۹ : ۴۰)- (۹-۸ : ۶۷)۔ (اس سلسلہ میں یہ آیات بھی دیکھئے۔ (۱۹ : ۵) — (۱۲۲ : ۶) — (۱۱۵ : ۹) — (۱۵ : ۱۷) — (۲۰۹-۲۰۸ : ۲۶) — (۵۹ : ۲۸)- (۹ : ۳۰)- (۴۲ : ۳۵)

میدانِ جنگ کو جہنم کہہ کر پکارا گیا ہے

۱۔ مخالفین سے کہہ دو کہ تم مغلوب ہو گے اور تمہیں اکٹھا کر کے جہنم کی طرف لایا جائے گا۔ (۱۱ : ۳) — (۳۶ : ۸) یہ

سب خبیث ہیں جنہیں یکجا کر دیا جائے گا۔ (۸ : ۳۷)

جحیم

۱۔ اہلِ جحیم کے متعلق رسول سے بازپرس نہیں کی جائے گی۔ (۱۱۹ : ۲)

۲۔ کفر اور تکذیب کا نتیجہ جحیم (۱۰ : ۵) — (۸۶ : ۵) — (۱۹ : ۵۷)

۳۔ مشرکین اصحابِ جحیم۔ (۱۱۳ : ۹)

۴۔ جو کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے قوانین کو غیر مؤثر کر دیں، وہ اصحابِ جحیم ہیں۔ (۵۱ : ۲۲)

۵۔ صحیح راستے سے بھٹک جانے والوں کے لئے جحیم کو ابھار کر سامنے لایا جائے گا۔ (۹۱ : ۲۶) - لیکن انہی کے لئے جو اسے دیکھ سکیں۔ (۳۶ : ۷۹)

۶۔ ظالم ان کے ساتھی اور جن کی وہ معبودیت اختیار کئے ہوئے تھے۔ سب کو جحیم کی راہ دکھائی جائیگی۔ (۲۳ : ۳۷)

۷۔ حیاتِ اخروی کے منکرین جحیم ہیں۔ (۵۵ - ۵۱ : ۳۷)

۸۔ شجرۃ الزقوم کی جڑیں جحیم ہیں۔ اس کے خوشے جیسے ناگ پھنی کے سر، اہلِ جحیم اسے کھائیں گے۔ اس پر ابلتا ہوا پانی پینے کو۔ یہ کچھ ہوگا جحیم ہیں۔ (۶۸-۶۴ : ۳۷) — (۵۰-۴۳ : ۴۴)

۹۔ خدا کے بیٹے بیٹیاں قرار دینے والے واصلِ جحیم۔ (۱۶۳ : ۳۷)

۱۰۔ حاملینِ عرش کی خدا سے دعا کہ مومنین کو عذابِ جحیم سے محفوظ رکھیو۔ (۷ : ۴۰) - وہ اس سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ (۵۶ : ۴۴) — (۱۸ : ۵۲)

۱۱۔ مکذبین اور ضالین، جحیم میں۔ ابلتا ہوا پانی مہمانی کے طور پر۔ (۹۴-۹۳ : ۵۶)

۱۲۔ جس کا اعمالنامہ اس کے بائیں ہاتھ میں ہوگا وہ جحیم میں ہوگا۔ وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوگا۔ یہ خدا پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ مساکین کے کھانے کے لئے لوگوں کو ترغیب نہیں دیتا تھا۔ اس میں اس کا کوئی دوست اور غمخوار نہیں ہوگا۔ غسلین کا کھانا ہوگا جو خطاکاروں کی غذا ہے۔ (۳۷ - ۲۵ : ۶۹)

۱۳۔ اہلِ جحیم ہزار چاہیں گے کہ موت ان کا خاتمہ کر دے لیکن ایسا نہیں ہو سکے گا۔ یا وہ کہیں گے کہ موت ہمارا خاتمہ کر دیتی اور اس کے بعد زندگی نہ ہوتی۔ (۲۷ : ۶۹)

۱۴۔ سرکشوں کا ٹھکانہ جحیم ہے۔ (۳۹ : ۷۹) یعنی وہ جو دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

۱۵۔ جب جحیم کو بھڑکایا جائے گا۔ (۸۱ : ۱۲)

۱۶۔ فاجر جحیم میں ہوں گے۔ (۸۲ : ۱۴)

۱۷۔ جن کے دل زنگ آلودہ ہو چکے تھے، وہ جحیم میں۔ (۸۳ : ۱۴ - ۱۶)

۱۸۔ اس دن جحیم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ (۱۰۲ : ۶)

۱۹۔ دولت کے نشہ میں بدمست، تکذیب کے لئے ہمارے پاس روک کے سب سامان موجود ہیں۔ زنجیریں، بیڑیاں، اور جحیم۔ جس میں حلق میں اٹک جانے والا طعام ہوگا۔ اور الم انگیز عذاب۔ (۷۳ : ۱۱ - ۱۳)

۲۰۔ حضرت ابراہیم کی قوم نے کہا کہ ان کے لئے آگ بھڑکاؤ اور جحیم میں ڈال دو۔ (۳۷ : ۹۷)۔ اس آیت میں یہ لفظ آگ کے شعلوں کے لئے آیا ہے۔

(٠)

النّار

النار میں داخل ہونے والے

۱۔ اس نار سے اپنا بچاؤ کرو۔ جس کا ایندھن الناس اور الحجارہ ہیں۔ (۲ : ۲۴) کفار اس کا ایندھن ہیں (۳ : ۹)۔ (۶۶ : ۶)

۲۔ کفر اور تکذیب کرنے والے اصحاب النار۔ (۲ : ۳۹)—(۲ : ۱۲۶)—(۳ : ۱۵۱)—(۴ : ۵۶)—(۶ : ۲۷)—(۷ : ۳۶)۔
(۸ : ۱۴)—(۱۱ : ۱۷)—(۱۳ : ۳۵)—(۲۲ : ۷۲)—(۲۴ : ۵۷)—(۳۲ : ۲۰)—(۲۴ : ۴۲)——
(۴۰ : ۶)—(۴۶ : ۲۰)—(۴۶ ، ۳۴)—(۴۷ : ۱۲) : (۵۷ : ۱۵)—(۵۹ : ۱۷)—(۶۴ : ۱۰)——
(۹۰ : ۱۹ - ۲۰) ——— شرک کرنے والے۔ (۳ : ۱۵۱)—(۵ : ۷۲)—(۹ : ۱۷)—(۱۴ : ۳۰)——
(۲۵ : ۲۹)—(۳۹ : ۸)—(۹۸ : ۶)۔ اعداء اللہ (۴۱ : ۱۹)—(۴۱ : ۲۸)۔

۳۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم معدودے چند دنوں کے سوا النار میں نہیں جائیں گے۔ (۲ : ۸۰)—(۳ : ۲۳)

۴۔ جو بھی خطاکار ہوگا وہ النار میں جائے گا۔ کے باشد۔ (۲ : ۸۱)—(۲۷ : ۹۰)۔ فاسقین (۳۲ : ۲۰)۔ مجرمین (۵۴ : ۴۷ - ۴۸) ظالمین (۱۸ : ۲۹)—(۲۵ : ۷۱)

منافقین۔ النار کے درکِ اسفل میں۔ (۴ : ۱۴۵)۔ کفار اور منافقین۔ (۹ : ۶۸) مسجدِ ضرار بنانے والے (۹ : ۱۰۹)

۵۔ یہ کسقدر جری اور بیباک ہیں کہ النّار سے خوف نہیں کھاتے (۱۷۵ : ۲)

۶۔ مومنین کی دعائیں کہ ہمیں عذاب النّار سے محفوظ رکھ (۲۰۱ : ۲)۔ (۱۵ : ۳)۔ (۱۹۱ : ۳)

۷۔ مرتد کے اعمال غارت ہوجاتے ہیں اور وہ النّار میں جاتا ہے (۲۱۷ : ۲)

۸۔ النّار بمقابلہ الجنّۃ و المغفرۃ۔ (۲۲۱ : ۲) جو النّار سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہوجائے وہی کامیاب ہے (۱۸۴ : ۳)

النّار بمقابلہ نجات (۴۱ : ۴۰) اصحاب الجنّۃ و اصحاب النّار برابر نہیں۔ (۲۰ : ۵۹)

اصحاب النّار

طاغوت انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ اصحاب النّار ہیں۔ (۲۵۷ : ۲)

سود خوار (۲۷۵ : ۲)۔ (۱۳۰ : ۳)۔ ظالمین (۲۹ : ۵)۔ (۱۲۹ : ۶)۔ سرمایہ داروں اور باطل خور مذہبی پیشواؤں کو ان کی جمع کردہ دولت سے داغا جائے گا۔ (۳۵-۳۴ : ۹) اللہ اور رسول کے خلاف جنگ کرنے والے (۶۳ : ۹) (۵۹ : ۳)۔ جنگ میں نہ جانے کے لئے بہانہ سازیاں۔ ان سے کہو کہ جہنم کی آگ تو موسم کی گرمی سے زیادہ گرم ہوگی (۸۱ : ۹)۔ لقاءِ رب (قانونِ مکافات اور یوم حساب) کے منکر، اصحاب النّار (۸-۷ : ۱۰)۔ (۵ : ۱۳)۔ (۲۴-۲۲ : ۴۱)۔ (۴۳-۴۲ : ۴۵)۔ (۱۳-۱۲ : ۵۱)

ملائکہ کو اصحاب النّار کہا گیا۔ اس کے معنی جہنم کے داروغے ہوں گے۔ (۳۱ : ۷۴)

مومنین سے کہا کہ تم اسلام سے پہلے النّار کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے۔ خدا نے تمہیں بچا لیا۔ (۱۰۳ : ۳)

کائنات کو باطل سمجھنے والے اصحاب النّار ہیں۔ ان کے حصے میں ذلت و خواری ہے۔ (۱۹۱ : ۳)۔ (۲۷ : ۳۸)

جو فقط دنیاوی مفاد چاہتا ہے اُسے وہ مل جائیں گے لیکن آخرت میں اس کے حصہ میں النّار آئے گی۔ (۱۶-۱۵ : ۱۱)

فرعون اور اس کے سرداروں کو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ (۹۸ : ۱۱)۔ (۴۶ : ۴۰)

شقی نار میں ہوں گے۔ (۱۰۶ : ۱۱)۔ (۱۲-۱۱ : ۸۷)۔ (۱۶-۱۵ : ۹۲)

ظالمین کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں بھی النّار چھو جائے گی۔ (۱۱۳ : ۱۱)

سخت ناپسندیدہ باتیں خدا کی طرف منسوب کرنے والے۔ (۶۲ : ۱۶)

مسرفین (۴۳ : ۴۰)

آیات اللہ میں الحاد کرنے والے۔ (۴۰ : ۴۱)

اللہ کی راہ سے روکنے والے۔ (۱۷-۱۶ : ۵۸)

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں۔ (۱۰ : ۶۶)

جن کا بھلائیوں کا پلڑا اٹھا ہوا ہوگا۔ (۱۱-۸ : ۱۰۱)

معصیتِ خدا و رسول سے نار میں داخلہ (۱۴ : ۴)

دوسروں کا مال ناجائز طور پہ کھا جانے والے۔ (۳۰-۲۹ : ۴)

ابولہب اور اس کی بیوی، نار ذات لہب میں۔ (۳ : ۱۱۱)

وماھم بخارجین من النار (نیز دیکھئے: عنوان خالدین فیہا)

۱۔ وہ چاہیں گے کہ النار سے نکل جائیں لیکن وہ اس سے نکل نہیں سکیں گے۔ (۳۷ : ۵) — (۲۲ : ۲۲) — (۲۰ : ۳۲)

۲۔ اس میں رہیں گے جب تک سمٰوٰت و ارض قائم ہیں۔ الا ماشاء ربک۔ (۱۰۷ : ۱۱)

۳۔ اس سے بھاگ نکلنے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔ (۵۳ : ۱۸) النار کو الگ نہیں کر سکیں گے۔ (۳۹ : ۲۱)

۴۔ انہیں کوئی وہاں سے نکال نہیں سکے گا۔ (۱۹ : ۳۹) عذاب میں تخفیف بھی نہیں ہوگی۔ (۴۹ : ۴۰)

۵۔ کافر چیخ اٹھے گا کہ اے کاش میں مٹی کا تودا ہوتا۔ (۴۰ : ۷۸)

النار میں امم داخل ہوں گی

النار میں قومیں داخل ہوں گی، اور پہلی قومیں ہر نئی داخل ہونے والی قوم پہ لعنت بھیجیں گی۔ ہر ایک، دوسری قوم کو موردِ الزام قرار دے گی کہ اس نے مجھے بھی ڈبویا۔ اسے دھرا عذاب دیا جائے۔ جواب ملے گا کہ ہر ایک کو دھرا عذاب دیا جائے گا۔ (۳۹-۳۸ : ۷) — (۶۱ : ۳۸) - کوئی خندہ پیشانی سے استقبال نہیں کریگا۔ (۵۹ : ۳۸)

لیڈروں کے ساتھ مکالمہ

بار الٰہا! انہیں دگنا عذاب دے۔ (۶۸-۶۷ : ۳۳) — (۳۳-۳۱ : ۳۴) — (۳۳-۲۷ : ۳۷) - اہلِ نار کا باہمی تخاصم حق ہے۔ (۶۴-۶۱ : ۳۸) — (۴۸-۴۷ : ۴۰)

(نیز ۶۷-۱۶۶ : ۲) — (۲۹ : ۴۱)

اہلِ جنت اور اہلِ جہنم میں مکالمہ

۱۔ اہلِ جنت، اہلِ جہنم سے کہیں گے کہ خدا نے ہم سے جو وعدے کئے تھے ہم نے انہیں برحق پایا۔ تم سناؤ۔ وہ کہیں گے ہم نے ان وعدوں کو برحق پا لیا ہے۔ اور ایک پکارنے والا آواز دے گا کہ ظالمین پہ اللہ کی لعنت ہے۔ ان دونوں کے درمیان حجاب ہوگا۔ اعراف پہ بھی کچھ لوگ ہوں گے جو اہلِ جنت اور اہلِ جہنم دونوں کو دیکھیں گے (۷: ۴۴-۴۷)۔ اصحاب الاعراف کا ذکر اگلی آیت میں بھی ہے۔ (۷: ۴۸)

۲۔ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کا مکالمہ۔ (۷: ۵۰-۵۲)۔ درمیان میں ایک دیوار اور اس میں دروازہ (۵۷: ۱۳-۱۴)

النّار کی تفصیلات

۱۔ اس میں چیخنا چلانا ہوگا۔ (۱۱: ۱۰۶)

۲۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔ ان کی سرابیل قطران کی ہوں گی۔ اور چہرے جھلسے ہوئے (۱۴: ۴۹-۵۰)۔ (۲۳: ۱۰۴) (۴۰: ۷۱-۷۲)

۳۔ آگ کے کپڑے۔ اوپر سے اُبلتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔ یہ ان کی جلد اور جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے اسے پگھلا کر رکھ دے گا۔ لوہے کے گرز ہوں گے (۲۲: ۱۹-۲۱)۔ (۴۷: ۱۵)۔ (۱۸: ۲۹)

۴۔ چہرے اوندھے ہو جائیں گے۔ (۳۳: ۶۶)

۵۔ نار کا اوڑھنا بچھونا۔ (۳۹: ۱۶) شعلے اور چنگاریاں (۵۵: ۳۵)

۶۔ النّار اور جہنم ایک ہی ہیں۔ (۴۰: ۴۹)۔ (۵۲: ۱۳-۱۴)

۷۔ بند آگ (۹۰: ۲۰)۔ (۱۰۴: ۵-۹)

۸۔ جب ایک جلد جل جائے گی تو دوسری جلد چڑھا دی جائے گی۔ (۴: ۵۶)

۹۔ کھولتا ہوا پانی۔ ضریع کھانے کو جس سے نہ بھوک مٹے نہ وہ نشوونما کر سکے۔ (۸۸: ۴-۷)

متفرق

۱۔ نارِ حامیہ کو ہاویہ کہا گیا۔ (۱۰۱: ۹-۱۱)۔ نارِ حامیہ (۸۸: ۴)

۲۔ اسے الحطمۃ کہا گیا۔ (۱۰۴ : ۵)۔ اور سقر بھی (۷۴ : ۲۶-۲۷)

۳۔ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جس کے شعلے دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے ستونوں (عمائد) میں بند ہے۔ (۱۰۴ : ۵-۹)
بند آگ۔ (۹۰ : ۲۰)

۴۔ دلوں کو کاٹ کر رکھ دینے والی آگ۔ (۹ : ۱۱۰)

۵۔ اس کا ایندھن الناس والحجارۃ ہیں (۲ : ۲۴) — (۳ : ۹) — (۶۶ : ۶)۔ یہ خود اور ان کے معبود جہنم کا ایندھن
ہیں (۲۱ : ۹۸)۔ قاسطون جہنم کا ایندھن ہیں۔ (۷۲ : ۱۵)

۶۔ دو ہی گروہ۔ ایک اہلِ جنت کا۔ دوسرا اہلِ جہنم کا۔ (۷ : ۴۴) — (۴۷ : ۱۴-۱۵) — (۵۹ : ۲۰)

جہنم اور النار میں خلود

خالدین فیہا

۱۔ ذلیل وخوار۔ (۲۵ : ۶۹)۔ عذاب الخلد (۱۰ : ۵۲) — (۳۲ : ۱۴)۔ دار الخلد (۴۱ : ۲۸)
خالدٌ فی النار۔ (۴۷ : ۱۵)۔ خالداً (۴ : ۱۴) — (۴ : ۹۳) — (۹ : ۶۳) — (۵۹ : ۱۷)

خالدون۔ (۲ : ۳۹) — (۲ : ۸۱) — (۲ : ۲۱۷) — (۲ : ۲۵۷) — (۲ : ۲۸۵) — (۳ : ۱۱۶) — (۵ : ۸۰) —
(۷ : ۳۶) — (۹ : ۱۷) — (۱۰ : ۲۷) — (۱۳ : ۵) — (۲۱ : ۹۹) — (۲۳ : ۱۰۳) — (۴۳ : ۸۴) — (۵۸ : ۱۷)

خالدین فیہا۔ (۲ : ۱۶۲) — (۳ : ۸۸) — (۹ : ۶۸) — (۱۶ : ۲۹) — (۲۰ : ۱۰۱) — (۳۹ : ۷۲) — (۴۰ : ۷۶)
— (۶۴ : ۱۰) — (۹۸ : ۶)

خالدین فیہا الا ما شاء اللہ۔ (۶ : ۱۲۸)

عذابٌ مقیم۔ (۳۹ : ۴۰) — (۴۲ : ۴۵)

خالدین فیہا ابدا

(۴ : ۱۶۹) — (۳۳ : ۶۵) — (۷۲ : ۲۳)

مادامت السمٰوٰت والارض الا ما شاء ربک (۱۱ : ۱۰۷)

قرن ہا قرن تک (۷۸ : ۲۳)

———(۰)———

ح

۱۔ حبطِ اعمال

حبطِ اعمال:۔ ہر کام کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے ایک قاعدہ اور قانون مقرر ہے۔ اگر وہ کام اس قاعدے کے مطابق کیا جائے گا تو اس کا حسب منشاء نتیجہ مرتب ہو جائے گا۔ اگر قاعدے کے خلاف کیا جائے گا تو وہ نتیجہ مرتب نہیں ہو گا اور ایسا کرنے والے کی محنت رائیگاں جائے گی۔ اسے اعمال کا غارت ہونا یا حبطِ اعمال کہتے ہیں۔

جو شخص یہ مانتا ہے کہ فلاں کام کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے فلاں قانون اور قاعدہ ہے، اسے مومن کہتے ہیں۔ جو کسی قاعدے قانون کو تسلیم ہی نہیں کرتا وہ کافر کہلاتا ہے۔ جو کسی مقررہ قاعدہ اور قانون کے ساتھ اپنی طرف سے کچھ ملا دیتا ہے۔ اسے مشرک کہتے ہیں۔ جو اس طرح کام کرے کہ بظاہر نظر آئے کہ وہ قاعدے اور قانون کی پابندی کر رہا ہے، لیکن درحقیقت ایسا نہ کرے، اسے منافق کہتے ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ اعمال نتیجہ خیز صرف مومن کے ہو سکتے ہیں۔

قوانینِ خداوندی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک طبعی قوانین اور دوسرے انسانی زندگی سے متعلق قوانین۔ جو شخص صرف طبعی قوانین کو تسلیم کرتا ہے اور ان کے مطابق کام کرتا ہے، اُسے طبعی مفاد حاصل ہو جاتے ہیں۔ اسے ثواب الدنیا (دنیا کا حصہ) یا مفادِ عاجلہ کہا جاتا ہے۔

جو طبعی قوانین اور انسانی زندگی سے متعلق قوانین، دونوں کو تسلیم کرتا ہے، اُسے دنیاوی مفاد بھی حاصل ہو جاتے ہیں اور اخروی زندگی کے مفاد بھی۔

جو طبعی قوانین سے اعراض برتتا ہے اسے نہ دنیاوی مفاد حاصل ہوتے ہیں نہ اخروی زندگی کے مفاد۔ اس لئے کہ طبعی قوانین سے الگ ہٹ کر، انسانی زندگی سے متعلق قوانین کے نتیجہ خیز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نظریۂ حیات.....

کو رہبانیت، خانقاہیت یا تصوف کہتے ہیں جس کے متعلق قرآن کریم نے بتادیا ہے کہ یہ انسانوں کا خود وضع کردہ مسلک ہے۔ خدا کا تجویز کردہ مسلک نہیں۔

کس کس کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں

۱۔ مرتد کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں یعنی جو شخص کسی زمانے میں قوانین خداوندی کو تسلیم کرتا تھا، لیکن اس کے بعد اس نے انہیں ماننا چھوڑ دیا تو اس کے اعمال بے نتیجہ رہ جائیں گے۔ یہ بات کہ وہ کسی زمانے میں ان قوانین کو مانا کرتا تھا، اسے کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ جہاں قانون کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، عمل بے نتیجہ ہوگیا۔ (۲:۱۰۸) - (۲:۲۱۷) - (۵:۱۲)

۲۔ کسی کی مدد کر کے اسے احسان جتانے سے اعمال رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ (۲:۲۶۴)

۳۔ لوگوں کو دکھاوے کی خاطر کام کرنے سے عمل رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ یہ منافقت ہے۔ (۲:۲۶۴) - (۵:۵۳) - (۹:۶۹) - (۱۹:۳۳)

۴۔ قوانین خداوندی سے انکار۔ قتلِ انبیاء و مصلحین سے اعمال غارت ہوجاتے ہیں۔ (۳:۲۰-۲۱)

۵۔ جو لوگ اپنے عہد و پیمان کو بیچ دیتے ہیں، انہیں دنیاوی مفاد تو حاصل ہوجاتے ہیں۔ لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (۳:۷۶)

۶۔ کفر۔ قوانین خداوندی کے انکار سے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۵:۵) - (۲۴:۳۹) - (۴۷:۱) - ما انزل اللہ سے نفرت برتنے سے بھی۔ (۴۷:۹)

۷۔ شرک سے اعمال غارت۔ خواہ شرک کرنے والا کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ (۶:۲۴) - (۶:۸۹) - (۷:۱۴۹) - (۹:۱۷) - (۲۸:۷۴-۷۵) - (۳۹:۶۵)

۸۔ حیاتِ اُخروی سے انکار سے اعمال باطل ہوجاتے ہیں۔ (۷:۱۴۷) - (۲۵:۲۳) - (۲۷:۴-۵)

۹۔ جو محض دنیاوی مفاد چاہتا ہے اسے دنیاوی مفاد مل جاتے ہیں لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ ان کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۱۱:۱۶) - (۱۸:۱۰۳-۱۰۵)

۱۰۔ خدا کی راہ کو چھوڑ کر اس سے متضاد راہ اختیار کرلینا، حبطِ اعمال کا موجب ہے۔ (۴۷:۲۸)

۱۱۔ خدا کی راہ سے روکنے والے کے اعمال ضائع جاتے ہیں۔ (۴۷:۳۲)

۱۲۔ رسول کی آواز (فیصلے) سے اپنی آواز بلند رکھنے والے کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۴۹:۲)

۱۳۔ اپنی پیداوار سے، محتاج و محروم کا حق ادا نہ کرنے والوں کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ یعنی جس معاشی نظام میں ضرورت مندوں کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ (۲۰-۱۷ : ۶۸)

۱۴۔ فریب کار۔ غلط مذہب پیش کرنے والے۔ فساد انگیزوں کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۸۱ : ۱۰)

۱۵۔ جو کچھ بھی حق کے خلاف ہو وہ مٹ جاتا ہے۔ (۲۴ : ۴۲)

۱۶۔ تکذیب و افترٰی سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ (۹۵-۹۴ : ۶)

متفرق

۱۔ اعمال کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار، انسان کے اپنے جذبات نہیں۔ نہ ہی معاشرہ میں مروج عقائد۔ یہ چیزیں تو انسان کے غلط اعمال کو بھی خوشنما بنا کر دکھاتی رہتی ہیں۔ معیار، قانونِ خداوندی ہے (۵-۴ : ۲۷) — (۲۴ : ۲۷) — (۳۸ : ۲۹) — (۸ : ۳۵) — (۳۷ : ۴۰) — (۲۵ : ۴۱) — (۳۶-۳۷ : ۴۳) — (۱۴ : ۴۷)

۲۔ حج

حج (مادہ ح۔ج۔ج) اسلام اجتماعی نظامِ زندگی کا نام ہے۔ اس نظام کا قانونی مرکز قرآن کریم ہے۔ انتظامی مرکز خلافت یا نظامِ حکومت اور اجتماعی مرکزِ محسوس کعبہ۔ کعبہ میں نمائندگانِ امت کے اجتماع کو حج کہتے ہیں۔ جہاں یہ مل بیٹھ کر باہمی مشاورت سے قرآنی تعلیم کی روشنی میں، اپنے اجتماعی امور اور نوعِ انسان کی فلاح و بہبود سے متعلق معاملات کا حل سوچتے ہیں۔ مادہ کے اعتبار سے دیکھئے تو اس کے معنی ہوں گے وہ اجتماع جس میں دلیل و حجت کی رُو سے معاملات کا تصفیہ کیا جائے۔ حج، درحقیقت "آل ورلڈ مسلم کانفرنس" ہے جس کے سالانہ اجتماع کو حج کہا جاتا ہے اور اگر ہنگامی ضروریات کے لئے مزید اجتماعات منعقد کئے جائیں تو انہیں عمرہ کہہ کر پکارا جائے گا۔

۲۔ اجتماعاتِ حج کے انعقاد کا اہتمام اور نظم و نسق تو امتِ مسلمہ کا فریضہ ہو گا۔ لیکن مختلف اقوامِ عالم کو دعوت دی جائے گی کہ ان کے نمائندے مبصرین کی حیثیت سے اس میں شرکت کریں۔ اسلام کا مقصد نوعِ انسان کے اختلافات دور کر کے انہیں عالمگیر برادری بنانا ہے۔ حج اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی حج یا کعبہ

کا ذکر آیا ہے، اس کی صراحت کی گئی ہے کہ وہ الناس (نوع انسان) کے لئے ہیں۔

۳- ہر نظام کی تقریبات اور اجتماعات کے لئے کچھ قواعد وضوابط اور رسوم و مناسک مقرر ہوتے ہیں۔ تاکہ اجتماع میں نظم و ضبط قائم رہے۔ نقل و حرکت میں ہم آہنگی ہو اور یوں یہ محسوس وحدتِ حرکات وعمل، قلب و نگاہ کی وحدت کی نشان دہی کریں۔ حج کے لئے بھی اسی قسم کی چند ایک رسوم ومناسک مقرر ہیں۔ ان میں ایک طواف ہے۔ طائف اس کو توال کو کہتے ہیں جو راتوں کو پہرہ دے۔ امتِ مسلمہ کا فریضہ، امنِ عالم کا قیام ہے۔ اسی اعتبار سے یہ امت، نوع انسان کی طائف یا طوّاف ہے کہ یہ پہرہ دے تاکہ انسانیت اطمینان کی نیند سو سکے۔ اس فریضہ کی محسوس ترجمانی طوافِ کعبہ سے ہوتی ہے۔ طائف اسے کہتے ہیں جو الجھے ہوئے معاملات کو حسن تدبیر سے سنوار دے۔ جو انسانیت کے پریشان گیسوؤں کی مشاطگی کرے۔ اس اعتبار سے حج میں شرکت کرنے والوں کو طائفین اور عاکفین کہا جاتا ہے اور ان کی اس شرکت کو بہ ہیئتِ مجموعی حالتِ احرام — یعنی وہ حالت جس میں خاص ضوابط کی پابندی ضروری ہے۔

۴- ہر مملکت کی کچھ محسوس علامات ہوتی ہے جو ترجمان ہوتی ہیں اسی مملکت کے نظام کی خصوصیت کی۔ جیسے جھنڈا (علم) مملکت کے قیام و بقا کی علامت اور تخت اس کے اقتدار و اختیار کا نشان ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت کی اس قسم کی علامات کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے جن کا احترام مناسک حج میں سے ہے۔

۵- ہر اجتماع کے لئے کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ حج کے اجتماعات مکہ کی بے برگ وگیاہ وادی میں منعقد ہوتے تھے جہاں کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا۔ اس سلسلہ میں، یہ ہدایات دی گئیں کہ حج میں شرکت کرنے والے، کچھ فالتو جانور اپنے ساتھ لائیں جنہیں وہاں ذبح کر کے خود بھی کھائیں اور مقامی ضرورت مندوں کو بھی کھلائیں۔ جو لوگ حج کے لئے خود نہ جائیں وہ اپنی طرف سے کچھ تحائف، عازمینِ حج کے ہمراہ بھیج دیں۔ خواہ یہ جانوروں کی شکل میں ہوں یا کھانے پینے کی اور چیزیں۔ ان جانوروں کو قربانی کے جانور کہا جاتا ہے اور ان تحائف کو ھَدْی۔ واضح رہے کہ ان جانوروں کے لئے قرآن کریم میں قربانی کا لفظ نہیں آیا، لیکن چونکہ انہیں عام طور پر قربانی کے جانور کہا جاتا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی ان کے لئے قربانی کا ذیلی عنوان قائم کر دیا ہے۔

۶- جو مملکت کسی نظریہ پہ قائم ہو، اس کے مرکزی مقام کو اس نظریہ کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً جب ہم ماسکو کہتے ہیں تو اس سے مراد (صرف) روس کا دار السلطنت نہیں ہوتا۔ اس سے مقصود، سوشلزم کا نظریہ ہوتا ہے۔ کعبہ، اسلامی مملکت کے نظریہ کا ترجمان ہے اس لئے اس سے مراد ایک مکان نہیں۔ اس سے مراد خود نظریۂ مملکتِ اسلامیہ ہے۔ چونکہ اس نظریہ کے ماننے والوں کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظریہ اور اسی نظریہ کا ترجمان — کعبہ —

ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے (یعنی ذہن میں بطور نصب العین) رہے۔ اس لئے کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ قبلہ کے معنی ہیں وہ جو ہر وقت پیشِ نظر رہے۔

۷۔ حج اور اس کے تضمنات میں جو کچھ ہوگا اس سے مقصود۔ قوانین خداوندی (کلمات اللہ) کا حفظ و استحکام اور علو و غلبہ ہوگا۔ اس لئے اسے للہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یعنی یہ سب کچھ "خدا کے لئے" ہوگا۔ اس جہت سے کعبہ کو بھی خدا نے اپنا گھر کہہ کر پکارا ہے۔ واضح رہے کہ جس چیز کو خدا نے "اپنی" کہا ہے اس مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ تمام نوع انسان کے مشترکہ فائدہ کے لئے ہے۔ اس پر کسی کا ذاتی تصرف یا قبضہ نہیں ہو سکتا۔

اس تمہیدی تعارف کے بعد، حج اور اس کے لوازم کی طرف آئیے۔

حج

۱۔ تعمیر کعبہ، امت مسلمہ کے موسسِ اعلیٰ، حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی۔ اس لئے ان سے کہا گیا کہ ان‌ناس میں اعلان کر دو کہ وہ حج کے لئے آئیں اور اپنی آنکھوں سے اس امر کا مشاہدہ کر لیں کہ یہ امت، ان کی (نوع انسان کی) منفعت کیلئے کیا کہہ رہی ہے۔ (۲۸-۲۷ : ۲۲)

۲۔ یہ دعوت تمام نوع انسان کے لئے ہے۔ جو بھی وہاں تک پہنچنے کی راہ پالے، اس میں شرکت کر سکتا ہے۔ (۹۶ : ۳)

۳۔ شرط یہ ہے کہ اس کا مقصد للہ (اللہ کے لئے) ہو۔ (۹۶ : ۳)۔ حج بھی اور عمرہ بھی۔ (۱۹۶ : ۲)

۴۔ جو اس میں ظلم و الحاد کی نیت سے آئے، اسے اس کی سزا ملے گی۔ (۲۵ : ۲۲)

۵۔ مکہ کے رہنے والے اور باہر کے لوگ، سب کے لئے اس کے دروازے یکساں کھلے ہیں۔ (۲۵ : ۲۲)

۶۔ مشرکین مکہ نے چونکہ اس نظامِ مملکت کی سخت مخالفت کی تھی اور وہ اس کے خلاف ریشہ دوانیوں اور معرکہ آرائیوں میں مصروف رہتے تھے، اس لئے انہیں وہاں آنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ (۲۸-۳ : ۹)

۷۔ یہ اعلان فتح مکہ کے بعد حج کے عظیم اجتماع میں کیا گیا تھا۔ اس لئے اسے حج اکبر کہہ کر پکارا گیا تھا۔ (۳ : ۹)

۸۔ حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں (یا معلوم ہونے چاہئیں۔ یعنی ان کا عام اعلان کرنا چاہئے۔ (۱۹۷ : ۲) چونکہ اس زمانے میں مہینوں کا تعین اور شمار چاند کی رو سے کیا جاتا تھا اس لئے کہا کہ حج کے مہینوں کا تعین بھی اس طرح کیا جا سکتا ہے۔ (۱۸۹ : ۲)

۹۔ حج کے رسوم و مناسک اور اوامر و نواہی۔ (۲۰۳-۱۹۷ : ۲) — (۲۹ : ۲۲)

۱۰۔ حج کا اہتمام و انصرام ضروری ہے۔ لیکن اس سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو جانا چاہیئے کہ یہ جہاد کے برابر ہو گیا۔ یہ تو جہاد تک پہنچنے کا گویا ایک ذریعہ ہے۔ (۹:۱۹)

۱۱۔ رسول اللہ اور صحابہؓ کو مخالفین نے کعبہ تک جانے سے روک دیا تھا۔ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیئے۔ (۴۸:۲۵)

کعبہ

۱۔ اس گھر کی بنیادیں حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے اٹھائی تھیں۔ (۲:۱۲۷)

۲۔ یہ دنیا میں پہلا گھر تھا جسے الناس (تمام نوع انسان) کے لئے بنایا گیا تھا۔ یہ مکہ (بکہ) میں واقع ہے۔ (۳:۹۶) — (۲۲:۲۶)

۳۔ اسے نوع انسان کے لئے ایک مرکز پہ جمع ہونے کی خاطر بنایا گیا تھا۔ (۲:۱۲۵)

۴۔ مقصد یہ تھا کہ انسانیت اپنے پاؤں پہ کھڑے ہونے کے قابل ہو جائے۔ (۵:۲)

۵۔ جو اس میں داخل ہو گیا۔ یعنی اس نظام کے سایہ تلے آ گیا۔ اسے امن کی ضمانت مل گئی۔ (۳:۹۷)

۶۔ اسی گھر کا حج، نوع انسان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ (۳:۹۷)

۷۔ یہ، یہاں کے باشندوں اور باہر والے انسانوں کے لئے یکساں طور پہ کھلا رہے گا۔ (۲۲:۲۵)

۸۔ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے خدا نے کہا کہ "میرے گھر (بیتی) کو طائفین اور عاکفین کے لئے پاکیزہ رکھو۔ یعنی یہاں غیر خداوندی نظریات و تصورات بار نہ پا سکیں۔ (۲:۱۲۵): طائفین، قائمین اور رکع السجود کے لئے (۲۲:۲۶)

۹۔ اسے بیت العتیق بھی کہا گیا۔ (۲۲:۲۹) — (۲۲:۳۳) نیز البیت الحرام (۵:۲) — (۱۴:۳۷) البیت المعمور (۵۲:۴) ———— اور اپنے آپ کو رب البیت (۱۰۶:۳)

۱۰۔ اسے حرماً آمناً بھی کہا گیا ہے۔ (۲۸:۵۷) — (۲۹:۶۷)

۱۱۔ اسے مسجد حرام کہہ کر بھی پکارا گیا ہے (۲:۱۴۴—۱۴۹—۱۵۰) — (۲:۱۹۶) — (۲:۲۱۸) — (۵:۲) — (۸:۳۴) — (۹:۷) — (۹:۱۹) — (۹:۲۸) — (۱۷:۱) — (۲۲:۲۵) — (۴۸:۲۵)

قبلہ

وہ جسے ہر وقت سامنے رکھا جائے۔ مطمحِ نگاہ۔ نصب العینِ حیات۔ فکر و عمل کا نقطۂ ماسکہ۔ اس مقصد کے لئے

مرکزِ محسوس کو قبلہ کہا گیا ہے - یہودیوں اور عیسائیوں کا قبلہ ، بیت المقدس تھا- لیکن چونکہ وہ مرکز بنی اسرائیل کا قومی بن کر رہ گیا تھا- اس لئے اسلامی نظامِ زندگی کا وہ مرکز نہیں بن سکتا تھا- ان کا مرکزِ تصورات الکعبہ ہی بن سکتا تھا جسے الناس (عالمگیر انسانیت) کے لئے وضع کیا گیا تھا- اسے مسلمانوں کا قبلہ کہا گیا- رسول اللہؐ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لے آئے اور یہیں اسلامی مملکت کی بنیاد رکھی لیکن وہ کعبہ جسے اسی نظام کا مرکز قرار پانا تھا، مکہ میں تھا، اس لئے فطری طور پر حضورؐ کے دل میں یہ خیال ابھرتا تھا کہ کعبہ کی تولیت ان کی تحویل میں ہونی چاہیئے نہ کہ مشرکین قریش کی- خدا نے یہ وعدہ کیا کہ ایسا ہو کر رہے گا- چنانچہ آخرالامر ایسا ہو کر رہا- (۲ : ۱۴۴)

۲- کعبہ کو جو قبلہ بنایا گیا تو اس سے بنیادی مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ اتباعِ رسول کون کون کرتا ہے (۲ : ۱۴۲ - ۴۳)

۳- اہلِ کتاب اس قبلہ کا اتباع کبھی نہیں کریں گے- بلکہ کوشش یہ کریں گے کہ تم لوگ ان کے قبلہ کے تابع آ جاؤ- (۲ : ۱۴۵) - حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ بھی ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع نہیں کریں گے- (۲ : ۱۴۵)

۴- مسلمانوں سے تاکید کہ دنیا میں کہیں بھی ہو، اپنی توجہات کا مرکز اس کعبہ (مسجد الحرام) کو قرار دو ——— (۲ : ۱۴۴ ; ۱۴۹ - ۱۵۰)

۵- بنی اسرائیل جب فرعون کی غلامی میں تھے اور وہاں انہیں اپنا اجتماعی نظام قائم کرنے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی- تو ان سے کہا گیا کہ بہ حالاتِ مجبوری اپنے اپنے گھروں ہی کو اپنا قبلہ بنا لو- (۱۰ : ۸۷)

نوٹ :- قرآن کریم میں یہ مذکور نہیں کہ حضورؐ پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور بعد میں مکہ کی طرف رُخ پھیر لیا تھا- نہ ہی قرآن کریم میں بہ صراحت یہ حکم ہے کہ نماز میں اپنا رُخ کعبہ کی طرف رکھو- امت کا یہ مسلک بہرحال قرآنی مقصد کے حصول کا محسوس ذریعہ ہے-

حالتِ احرام

۱- حرمات اللہ کی تعظیم ضروری ہے- (۲۲ : ۳۰)

۲- حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت ہے- (۵ : ۱) - لیکن صرف خشکی کے جانور کے شکار کی- (۵ : ۹۶) - اگر اس حکم کی خلاف ورزی ہو جائے تو اس کا کفارہ - (۵ : ۹۵)

نوٹ :- احرام کا لفظ قرآن میں نہیں آیا-

طائف طواف - عاکف

١۔ حضرت ابراہیمؑ سے ارشاد کہ ہمارے گھر کو طائفین اور عاکفین کے لئے پاک وصاف کر دیں۔ (۲: ۱۲۵)-(۲۲: ۲۶)

۲۔ بیت العتیق کا طواف - (۲۲: ۲۹)

۳۔ مکہ عاکف و باد کے لئے یکساں کھلا رہنا چاہیئے۔ (۲۲: ۲۵)

۴۔ عاکفین فی المساجد (یہ روزوں کے سلسلہ میں آیا ہے) - (۲: ۱۸۷)

شعائر اللہ

١۔ صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں لیکن ان میں چلنے پھرنے کی ممانعت نہیں۔ (۲: ۱۵۸)

۲۔ حرمات اللہ کی تعظیم ضروری ہے (۲۲: ۳۰)۔ شعائر اللہ کی بھی۔ (۲۲: ۳۲)

۳۔ مشعر الحرام کے قریب ذکر اللہ (۲: ۱۹۸)

۴۔ شعائر اللہ کی پابندیوں کی احتیاط کرو۔ اور شہر الحرام کی بھی (۵: ۲)

۵۔ حج میں ذبح کئے جانے والے جانور بھی شعائر اللہ ہیں۔ انہیں کھاؤ پیو۔ (۲۲: ۳۶) نیز دیگر تحائف جو حج کے اجتماع کے لئے بھیجے جائیں۔ (۵: ۲)—(۵: ۹۷)

قربانی

١۔ اگر تم کعبہ تک نہ پہنچ سکو تو اپنے ھدایا (تحائف) تو کعبہ تک پہنچانے کے لئے بھیجدو۔ جب تک وہ وہاں نہ پہنچ جائیں اس وقت تک حجامت نہ بنواؤ۔ یعنی حج میں شرکت کرنے والوں سے مطابقت پیدا کرو۔ (یہاں ہدایا سے مراد صرف ذبح کرنے کے لئے جانور نہیں، دیگر تحائف بھی اس میں شامل ہیں)۔ (۲: ۱۹۶)

۲۔ کفارہ کا ہدیہ (تحفہ) بھی کعبہ بھیجا جائے۔ (۵: ۹۵)—(۵: ۹۷)

۳۔ ان جانوروں کو خدا کا نام لے کر ذبح کرو۔ خود بھی کھاؤ۔ دیگر محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ (۲۲: ۲۸)

۴۔ ان جانوروں کو لے جاؤ تو ان سے کام لو۔ انہیں مقدس سمجھ کر سانڈوں کی طرح نہ رکھو۔ یہ عام جانور ہیں اس تقریب میں کام آنے کی وجہ سے یہ کہا گیا ہے کہ انہیں ضرر نہ پہنچاؤ۔ انہیں شعائر اللہ کہنے سے یہی مطلب ہے۔

(۲۲ : ۳۶) - ان سے کام لینا چاہیئے - (۲۲ : ۳۳) - ذبح کر کے کھانا چاہیئے۔ اور حاجت مندوں کو کھلانا چاہیئے - (۲۲ : ۳۶) - یاد رکھو ! ان کا گوشت پوست خدا تک نہیں پہنچتا کہ تم انہیں ذبح کر کے سمجھ لو کہ خدا خوش ہو گیا - خدا تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے - (۲۲ : ۳۷)

۵- ان کے ذبح ہونے کی جگہ کعبہ (مکہ) ہی ہے - (۲۲ : ۳۳) - نیز دیگر تحائف کی بھی - (۴۸ : ۲۵)

۶- آیت (۱۰۸ : ۲) میں فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ میں نحر سے مراد قربانی لی جاتی ہے - لیکن یہ درست نہیں - اس کے لئے لغات القرآن میں نحر کا لفظ دیکھئے - بات واضح ہو جائے گی - نیز آیت (۶ : ۱۶۳) میں نُسُکی سے مراد قربانیاں لی جاتی ہے - یہ بھی درست نہیں - (لغات القرآن میں لفظ نسکؔ دیکھئے)

۷- امم سابقہ کے ہاں سوختنی قربانیوں کا رواج تھا - (۳ : ۱۸۳) - (۵ : ۲۷) - مسلمانوں کے سلسلہ میں قرآن کریم میں قربانی کا لفظ نہیں آیا - اور یہ جو ہمارے ہاں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانیاں کی جاتی ہیں - ان کا حکم بھی قرآن مجید میں نہیں آیا -

---

۳- حُدودُ اللہ

حُدودُ اللہ :- اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں - خدا کی کھینچی ہوئی لکیریں -

دین کی اصل، انسان کو آزادی عطا کرنا ہے - لیکن آزادی وہی تعمیری نتائج پیدا کرتی ہے جو اصول و قوانین کی حدوں کے اندر ہو - دریا کے ساحلوں کے اندر پانی، منفعت بخش ہے - جب وہ ان حدوں کو توڑ کر باہر نکل جائے تو وہی پانی سیلاب بن کر تباہیاں مچا دیتا ہے - فٹ بال کے میدان میں کچھ لکیریں کھینچ دی جاتی ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے کھلاڑیوں کو کھیل کھیلنے کی اجازت ہوتی ہے - حدود شکن کھلاڑی یا ٹیم کو سزا ملتی ہے -

اللہ تعالیٰ نے، وحی کی رو سے، انسانوں کی آزادی کے لئے جو قوانین مقرر کئے ہیں، انہیں حدود اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے - یہ حدود (قوانین) ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے - لیکن ان کے اندر انسان کو فکر و عمل کی آزادی ہوگی - یا یوں کہئے کہ یہ حدود، غیر متبدل اصول ہیں، جن کے تابع جزئی قوانین، ہر زمانے کی اسلامی مملکت، اپنے اپنے زمانے کے تقاضے کے مطابق مرتب کریگی - یہ اصول غیر متبدل رہیں گے اور ان کی روشنی میں مرتب کردہ، جزئی قوانین، زمانے کے حالات کے ساتھ بدلتے جائیں گے

قرآن کریم نے اتنا ہی نہیں کہا کہ ان حدود سے تجاوز نہ کرو۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ان کے قریب بھی نہ جاؤ کہ قریب جانے سے خطرہ ہوتا ہے کہ ذرا سی لغزشِ قدم سے پاؤں کے آگے جا پڑے ——— قوانین کی پابندی کے لئے یہ احتیاط بڑی ضروری ہے۔

۲۔ واضح رہے کہ اس عنوان کے تحت ان تمام اصول و قوانین اور اوامر و نواہی کی تفصیل نہیں جا رہی جنہیں حدود اللہ کہا جائے گا۔ یہاں صرف ان آیات کا حوالہ دیا جائے گا جن میں "حدود اللہ کی اصطلاح آئی ہے۔

۳۔ ضمناً۔ فقہ میں حد کسی جرم کی اس سزا کو کہتے ہیں جسے خود خدا (قرآن) نے متعین کر دیا ہے۔ اس عنوان میں حد سے یہ مقصود بھی نہیں۔

حدود کی نگہداشت اور ان سے تجاوز

۱۔ صیام (روزوں) کی پابندیوں کی تفصیل بیان کرنے کے بعد کہا کہ یہ حدود اللہ ہیں۔ ان کے قریب مت جانا۔ (۲ : ۱۸۷)

۲۔ احکامِ طلاق بیان کرنے کے بعد کہا کہ یہ حدود اللہ ہیں۔ ان سے تجاوز مت کرو۔ (۲ : ۲۲۹) — (۲ : ۲۳۰) — (۶۵ : ۱)

۳۔ احکامِ وراثت کے سلسلہ میں کہا کہ یہ حدود اللہ ہیں۔ ان سے تجاوز نہ کرو۔ (۴ : ۱۳-۱۴)

۴۔ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا، خود اپنے آپ پر زیادتی کریگا۔ اللہ کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا۔ (۶۵ : ۱)

۵۔ حدود، خدا کی اس وحی نے مقرر کی ہیں جو رسول اللہ پر نازل ہوئی تھی۔ اعراب انہیں جاننا نہیں چاہتے تھے۔ (۹ : ۹۷)

۶۔ مومن، حدود اللہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ (۹ : ۱۱۲)۔ انہی کے لئے جنت ہے۔ (۵۰ : ۳۲)

۷۔ کفارہ سے متعلق احکام کو حدود اللہ کہا گیا۔ (۵۸ : ۴)

۸۔ اللہ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے۔ (یعنی جنہیں حرام نہیں ٹھہرایا) انہیں حرام مت قرار دو۔ یہ حدود سے تجاوز ہے۔ جسے اللہ پسند نہیں کرتا۔ اس سے واضح ہے کہ جو پابندی خدا نے عائد نہیں کی، اسے کوئی انسان (بطور حرام) عائد نہیں کر سکتا۔ (۵ : ۸۷)

۹۔ جن باتوں کا نقصان فوراً انسان کے سامنے آجاتا ہے، ان سے انسان از خود رک جاتا ہے۔ (مثلاً آگ میں کوئی

ہاتھ نہیں ڈالتا) ۔ لیکن خدا کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کے توڑنے کا نتیجہ فوراً سامنے نہیں آتا (مثلاً مالِ حرام کھانے کا نتیجہ) ان احکام کی پابندی وہی کرتا ہے جسے اس بات کا یقین ہو کہ اس سے مجھے ضرور نقصان پہنچے گا۔ اسے "ایمان بالغیب" کہا جاتا ہے ۔ حدود اللہ سے یہی مقصود ہے ۔ (۵ : ۹۴)

۱۰۔ قصاص میں حد سے آگے نہ بڑھو ۔ (۲ : ۱۷۸) ۔ (۲ : ۱۹۴)

۱۱۔ جنگ میں بھی حدود سے تجاوز نہ کرو ۔ (۲ : ۱۹۰) ۔ (۲ : ۱۹۴)

۱۲۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پہ آمادہ نہ کر دے کہ تم حدود سے تجاوز کر جاؤ ۔ (۵ : ۲)

۱۳۔ بنی اسرائیل بڑے حدود شکن واقع ہوئے تھے ۔ (۲ : ۶۱) ۔ (۳ : ۱۱۲) ۔ (۵ : ۷۸)

۱۴۔ اضطراری حالت میں جن حرام چیزوں کے کھانے کی اجازت ہے ، اس سے مقصد حدود شکنی نہیں ہونا چاہئے ۔ (۲ : ۱۷۳) ۔ (۶ : ۱۴۵) ۔ (۱۶ : ۱۱۵)

۱۵۔ جائز جنسی تعلقات کے علاوہ اختلاط حدود شکنی ہے ۔ (۲۳ : ۷) ۔ (۷۰ : ۳۱) ۔ قومِ لوط حدود شکن واقع ہوئی تھی ۔ (۲۶ : ۱۶۶)

۱۶۔ حدود شکن کو معتدین کہا گیا ہے ۔ ایسے لوگ جہنم میں جائیں گے ۔ (۵۰ : ۲۵) ۔ (۶۸ : ۱۲) ۔ (۸۳ : ۱۲)

۱۷۔ قریشِ مکہ حدود فراموش واقع ہوئے تھے ۔ (۹ : ۱۰)

۱۸۔ خدا، حدود شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔ (۲ : ۱۹۰) ۔ (۵ : ۸۷) ۔ (۷ : ۵۵) ۔ ان کے دلوں پر مہریں لگ جاتی ہیں ۔ (۱۰ : ۷۴)

۱۹۔ اس قسم کی حدود فراموشی کو عدوان بھی کہا گیا ہے ۔ قرآن نے اثم اور عدوان کے امور میں تعاون سے منع کیا ہے ۔ (۲ : ۸۵) ۔ (۵ : ۲) ۔ (۵ : ۶۲) ۔ (۵۸ : ۸-۹)

۲۰۔ باہمی لین دین اور تجارت میں ظلم و عدوان سے روکا گیا ہے ۔ (۴ : ۳۰) ۔ ظلم، واجب سے کم دینا ۔ عدوان واجب سے زیادہ لینا ۔

۴- حدیث

حدیث اس کے معنی بات، داستان، روئداد وغیرہ ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے۔

اصطلاح میں حدیث، نبی اکرمؐ کے اقوال اور اعمال کو کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر حضورؐ کے سامنے کوئی بات ہوئی ہو اور آپؐ سنے اس پہ خاموشی اختیار فرمائی ہو، تو اسے بھی حدیثِ رسول اللہ میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حدیث کا لفظ ان اصطلاحی معنوں میں نہیں آیا۔ لیکن قرآن کریم میں متعدد مقامات پہ آیا ہے کہ اے رسول! ان سے کہہ دو کہ ... مثلاً (قُلْ) فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۱۰:۱۶)۔ (ان سے کہہ دو کہ) میں نے اس سے پہلے تمہارے اندر اپنی عمر گزاری ہے۔ کیا تم اس سے نہیں سمجھ سکتے (کہ میری زندگی جھوٹے کی زندگی ہے یا سچے کی؟) اس طرح کی متعدد آیات ہیں جو (قُلْ) سے شروع ہوتی ہیں۔ یعنی وحیٔ خداوندی نے حضورؐ سے کہا کہ ایسا کہو۔ یہ اقوال رسول اللہؐ کے اپنے نہیں بلکہ خود وحی کے ہیں اس لئے یہ قرآن کریم کا جزو ہیں۔ اسی طرح نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ کے کئی واقعات ہیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ یہی رسول اللہؐ کی صحیح ترین سیرت ہے۔ یعنی ایسی سیرت جس میں شک وشبہ کا کوئی گزر نہیں۔ اسی سیرت طیبہ کو حضورؐ کا اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) کہا گیا ہے۔ ان کے علاوہ حضورؐ کے اپنے اقوال یا سیرت کے احوال وکوائف جنہیں راویوں نے بیان کیا ہے، یہ انسانوں کی تالیف ہیں جن میں غلطی کا امکان ہے۔ ان کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار یہ ہے کہ ان میں سے جو بات قرآن کریم کے خلاف ہو یا جس سے حضورؐ کی سیرتِ طیبہ پہ کسی قسم کا حرف آتا ہو، وہ کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتی۔ البتہ جو باتیں قرآن کریم کے مطابق ہوں انہیں صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

اس عنوان کے تحت:

۱۔ وہ آیات درج کی گئی ہیں جن میں "حدیث" کا لفظ عام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ وہ آیات درج کی گئی ہیں جن میں رسول اللہؐ سے کہا گیا ہے کہ تم ایسا کہہ دو ...... "انہیں" قرآنی احادیث" کہہ لیجیے۔

باقی رہے حضورؐ کی قرآنی سیرت کے احوال وکوائف۔ سو وہ مختلف (متعلقہ) عنوانات کے تحت الگ الگ مقامات پہ درج ہوں گے۔

حدیث (عام معانی)

۱۔ مؤمنین سے تاکید کہ رسول اللہ کے ہاں کھانا کھانے آؤ تو کھانا کھانے کے بعد واپس چلے جایا کرو۔ بیٹھے باتیں (حدیث) نہ کرنے لگ جایا کرو۔ اس سے آپؐ کو تکلیف ہوتی ہے۔ (۵۳ : ۳۳)

۲۔ اللہ سے کوئی بات چھپائی نہیں جاسکتی۔ (۴۲ : ۴)

۳۔ یہ لوگ بات سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے۔ (۷۸ : ۴)

۴۔ خدا سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟ (۸۷ : ۴)

۵۔ جس مجلس میں احکامِ خداوندی سے استہزا ہوتا ہو اُس سے اٹھ کر چلے آؤ۔ تاآنکہ وہ اپنے موضوع کو بدل کر دوسری باتیں نہ شروع کردیں۔ (۱۴۰ : ۴) ۔ (۶۸ : ۶)

۶۔ اے رسولؐ! کیا تم تک داستانِ موسیٰ نہیں پہنچی؟ (۹ : ۲۰) ۔ (۱۵ : ۷۹) ۔ فرعون وثمود کی؟ (۱۷ : ۸۵) حدیث الغاشیہ؟ (۱ : ۸۸) ۔ ضیفِ ابراہیمؑ۔ (۲۴ : ۵۱)

۷۔ رسول اللہ نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے ایک سے، ایک راز کی بات کہی۔ (۳ : ۶۶)

۸۔ خود قرآن الحدیث ہے (۶ : ۱۸) ۔ (۸۱ : ۵۶) ۔ (۴۴ : ۶۸) ۔ کفار کو چیلنج کہ اس کی مثل کوئی حدیث لاؤ۔
(۳۴ : ۵۲) : کیا تم قرآن کی بات پر تعجب کرتے ہو؟ (۵۹ : ۵۳)
یہ کوئی افترا کردہ حدیث نہیں (۱۱۱ : ۱۲)
اللہ نے احسن الحدیث نازل کی ہے۔ (۲۳ : ۳۹)

۹۔ اس کے بعد یہ کونسی بات پر ایمان لائیں گے؟ (۱۸۵ : ۷) ۔ (۶ : ۴۵) ۔ (۵۰ : ۷۷)

۱۰۔ اقوامِ سابقہ تباہ ہوگئیں اور ان کی صرف داستانیں (احادیث) باقی رہ گئیں۔ (۴۴ : ۲۳) ۔ (۱۹ : ۳۴)

۱۱۔ حضرت یوسفؑ کو "تاویل الاحادیث (باتوں کے آغاز سے ان کے انجام کا اندازہ کر لینے کی صلاحیت) حاصل تھی۔
(۱۰۱ ; ۲۱ ; ۶ : ۱۲)

۱۲۔ لوگ (قرآن کے بدلے) لھو الحدیث خرید لیتے ہیں تاکہ وہ انہیں گمراہ کردے۔ (۶ : ۳۱)

قرآنی احادیث

یعنی وہ باتیں جو قرآن کریم میں رسول اللہ کی زبانی کہلوائی گئی ہیں۔ پھر سن لیجئے کہ نہ یہ رسول اللہ کے اپنے اقوال ہیں نہ ہی ان میں حضورؐ کی اپنی فکر کا کوئی دخل ہے۔ یہ خدا کی طرف سے نازل شدہ وحی ہے۔ ان میں وحیٔ خداوندی نے حضورؐ سے کہا ہے کہ "تم ان لوگوں سے کہہ دو۔ قُلْ "۔ صرف اس جہت سے ہم نے انہیں "قرآنی احادیث" کہا ہے۔

۱۔ ذاتِ باری تعالیٰ سے متعلق

۱۔ کیا تم اُس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو مراحل میں پیدا کیا۔ تم غیر خدائی قوتوں کو اس کا ہمسر قرار دیتے ہو۔ وہ خدا جملہ کائنات کا نشو ونما دینے والا ہے۔ (۴۱ : ۹)

۲۔ خدا وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور سماعت و بصارت اور سمجھنے سوچنے کی صلاحیت عطا کی۔ اس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔ (۶۷ : ۲۳-۲۴)

۳۔ کیا تم خدا کو چھوڑ کر ان ہستیوں کی معبودیت اختیار کرتے ہو جو تمہیں نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی قوت نہیں رکھتیں؟ (۵ : ۷۶)

۴۔ اگر تم پر خدا کی طرف سے کوئی تباہی آجائے تو خدا کے سوا کون ہے جسے تم پکارو اور وہ تمہیں اس تباہی سے بچا لے۔ (۶ : ۴۰)

۵۔ ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر خدا تمہاری سماعت و بصارت اور فہم و فراست کی صلاحیت سلب کرلے، تو وہ کون ہے جو تمہیں یہ قوتیں واپس دلا دے۔ یا خدا کے عذاب سے محفوظ کر دے۔ (۶ : ۴۶-۴۷)

۶۔ مجھے بتاؤ کہ اگر خدا (زمین کی گردش کو) ایسا کر دے کہ ہمیشہ رات ہی رہے، دن چڑھے ہی نہ۔ یا دن ہی رہے، رات پڑے ہی نہیں۔ تو وہ کون ہے جو اس گردش کو الٹا سکے؟ (۲۸ : ۷۱-۷۲)

۷۔ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ جنہیں تم خدا کا ہمسر قرار دیتے ہو (وہ کونسی قوتوں کے مالک ہیں) (۳۴ : ۲۷)۔ انہوں نے کونسی کائنات پیدا کی ہے؟ (۳۵ : ۴۰)

۸۔ (تم کہتے ہو کہ ہم اپنے ان معبودوں کے ذریعے خدا تک اپنی بات پہنچانا چاہتے ہیں۔ تمہیں اس کا بھی علم نہیں کہ) جن کے ذریعے تم اپنی بات خدا تک پہنچانا چاہتے ہو انہیں تو خود بھی کسی بات کا علم نہیں۔ (۱۰ : ۱۸)۔ ان کے برعکس خدا

ارض وسمٰوات کی ہر شے سے باخبر ہے۔ (۱۶ : ۴۹)

۹۔ کیا تم اس خدا کی بابت جھگڑے لگانا چاہتے ہو جو میرا اور تمہارا، سب کا، نشو ونما دینے والا ہے۔ (۱۳۹ : ۲)۔ اس کے سوا، رزق عطا کرنے والا کون ہے۔ (۲۴ : ۳۴)۔ مثلاً اگر وہ ایسا کر دے کہ پانی زمین سے اوپر نہ آئے تو تم کیا کر لو۔ (۳۰ : ۶۷)

۱۰۔ تم اسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، بات ایک ہی ہے۔ تمام اسماء الحسنیٰ اسی کے ہیں۔ (۱۱۰ : ۱۷)۔ ہم خدائے رحمٰن پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۲۹ : ۶۷)

۱۱۔ (جس خدا پر ہم ایمان رکھتے ہیں، وہ وہ ہے جو) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں ہر شے کا رب ہے۔ وہ ہر شے کا خالق ہے۔ نفع اور نقصان اس کے قوانین کے مطابق پہنچتا ہے۔ تم انہیں خدا مان رہے ہو جن میں اسی قسم کی کوئی قوت نہیں۔ سوچو کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں، یا تاریکی اور روشنی ایک جیسی ہو سکتی ہے؟ (۱۶ : ۱۳)

۱۲۔ ایسی چیزوں کو معبود بنا لینا جنہیں نہ کسی قسم کا اختیار و اقتدار حاصل ہو۔ نہ ہی وہ کسی عقل وفکر کی مالک ہوں (اگر حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟) (۴۴ - ۴۳ : ۳۹)

۱۳۔ تم مجھے بتاؤ کہ اللہ کے سوا وہ کون ہے جو تمہیں بحر و بر کے تاریک راستوں کے خطرات سے محفوظ رکھ سکتا ہے؟ (۶۴-۶۳ : ۶)

۱۴۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے سب خدا کی ملک ہے۔ اس نے مخلوق کے سامانِ نشو ونما کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ (۱۲ : ۶)۔ وہ فاطر السمٰوات والارض ہے۔ وہ سب کو کھلاتا ہے لیکن خود کھانے کا محتاج نہیں۔ رنج وراحت سب اس کے قوانین کے مطابق ملتے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ (۱۷ - ۱۴ : ۶)

۱۵۔ مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے جو تمہیں زمین اور آسمان سے رزق دیتا ہے جو تمہاری سماعت اور بصارت کا مالک ہے۔ جو مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے۔ جو کائنات کی تدبیرِ امور کرتا ہے۔ یہ ہے تمہارا رب۔ پھر ایسی کھلی ہوئی حقیقت کے بعد، جس کا خود تمہیں بھی اعتراف ہے، تم غلط راہوں پر کیوں چل نکلتے ہو۔ اسی خدا نے تخلیق کائنات کی ابتداء کی تھی اور وہی مختلف گردشوں سے اسے سنوارتا چلا جاتا ہے۔ حق بات وہی ہے جس کی طرف خدا راہ نمائی دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی اس راستے کی طرف راہ نمائی نہیں دے سکتا۔ (۳۵ - ۳۱ : ۱۰)

۱۶۔ (تم اچھی طرح سن رکھو کہ) میرا رب وہ ہے جس کے علاوہ کوئی اس قابل نہیں کہ اس کے سامنے جھکا جائے۔ (۳۰ : ۱۳)۔

تم اس کے ساتھ جنہیں شریکِ خدائی قرار دیتے ہو، ذرا انہیں بلاؤ تو سہی۔ ان کا کچھ پتہ نشان دو۔ باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ تم ان کے ذریعے خدا تک اپنی بات پہنچاتے ہو، سو وہ بیچارے تو خود کسی بات کا علم نہیں رکھتے۔ وہ تمہاری بات اس خدا تک کیا پہنچائیں گے جو ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ (۳۳ - ۳۰ : ۱۳)۔ اگر اس کے کوئی شریکِ خدائی ہوتے تو وہ یقیناً اس کے تختِ کبریائی تک جا پہنچتے۔ (لیکن ایسا ہو ہی نہیں سکتا)۔ (۴۲ : ۱۷)

۱۷۔ (ذرا سوچو کہ اگر کائنات پر خدا کی رحمت چھائی ہوئی نہ ہوتی جو ہر شے کو سامانِ نشوونما بھی بہم پہنچاتا ہے اور اس کی حفاظت کا انتظام بھی کرتا ہے تو) زندگی کے خطرات سے تمہیں کون بچا سکتا تھا؟ (۴۲ : ۲۱)۔ اس کے سوا کوئی تمہارا حامی و ناصر نہیں۔ (۱۷ : ۳۳)۔ وہی تمہیں سامانِ رزق عطا کرتا ہے۔ (۲۴ : ۲۴)۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۲۷ : ۳۴)۔

۱۸۔ (اتنا تو تم بھی مانتے ہو کہ) زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب خدا کی ملکیت ہے۔ وہی کائنات کی پستیوں اور بلندیوں کا نشوونما دینے والا ہے اور اس کا مرکزی کنٹرول بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ ہر شے کی زمامِ اقتدار اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہر شے کا محافظ ہے اور اسے کسی کی حفاظت کی احتیاج نہیں۔ (جب یہ سب کچھ تم مانتے ہو تو پھر اسے ماننے میں کیا تامل ہو سکتا ہے کہ تمہارے معاملاتِ زندگی بھی اسکے قوانین کے مطابق سرانجام پانے چاہئیں۔ بس یہی میری دعوت ہے)۔ (۸۹ - ۸۴ : ۲۳)

۱۹۔ خدا مالک الملک ہے۔ حکومت و سطوت، عروج و زوال، عزت و ذلت، سب اس کے قوانین کے مطابق ملتی ہے۔ (۲۵ : ۳)۔ وہ فاطر السمٰوٰت والارض اور عالم الغیب والشہادت ہے۔ انسانوں کے اختلافی معاملات میں فیصلے اسی کے قوانین کے مطابق ہوتے ہیں۔ (۴۶ : ۳۹)۔ تم کسی بات کو ظاہر کر دیا اسے چھپاؤ، خدا کو سب علم ہوتا ہے۔ (۲۸ : ۳) (۶۹ - ۶۸ : ۲۲)

۲۰۔ رزق کی بسط و کشاد خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ (۳۶ : ۳۴)

۲۱۔ یاد رکھو! کائنات کا ہر واقعہ خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق سرزد ہوتا ہے۔ رنج و راحت بھی اس کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔ (۷۸ ، ۴) - (۵۱ : ۹)۔ تم جیسا کرو گے اس کے مطابق نتیجہ مرتب ہو جائے گا۔ (۱۶۴ : ۳)

۲۲۔ غیب، خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (۶۵ : ۲۷)

۲۳۔ (جغرافیائی حدود سے نہ اس کی خدائی میں فرق آ سکتا ہے۔ نہ یہ چیز انسانوں میں تفریق کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لئے کہ) مشرق و مغرب سب خدا کے لئے ہیں (۱۴۲ : ۲)

۲۴۔ (تم کہتے ہو کہ خدا کی اولاد بھی ہے۔ معاذ اللہ) ۔میں اس قسم کے خدا کو (جس کا باطل تصور تم پیش کرتے ہو) کبھی نہیں مان سکتا۔ (۸۱ : ۴۳)

۲۵۔(میں نے خدا کے متعلق یہ چند باتیں تم سے بیان کی ہیں۔ ورنہ) اس کی صفات و کلمات کا تو یہ عالم ہے کہ اگر تمام سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی وہ ختم نہ ہوں۔ (۱۰۹ : ۱۸)

۲۶۔ خدا کا کوئی شریک نہیں۔ وہ یگانہ ہے۔ اسے کسی کی احتیاج نہیں۔ نہ اسے کسی نے جنا ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ اس کا مثیل و نظیر کوئی نہیں (۴-۱ : ۱۱۲)

۲۔ وحیٔ خداوندی کے متعلق

۱۔ یہ قرآن، خدا کے فضل و رحمت سے نازل ہوا ہے۔ اس پر تمہیں خوشیاں منانی چاہئیں۔ (۵۸ : ۱۰)

۲۔ ذرا سوچو کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو (جیسا کہ یہ ہے) اور تم اس سے انکار کرو تو اس سے زیادہ گمراہی اور کیا ہوگی؟ (۵۲ : ۴۱)—(۱۰ : ۴۶)

۳۔ (تم وحی کی کنہ و حقیقت کے متعلق دریافت کرتے ہو ——— اس کے متعلق اتنا سمجھ لو کہ) اس کا تعلق خدا کے عالم امر سے ہے (۸۵ : ۱۷) ۔ (اور تمہارا علم، عالم محسوسات تک محدود ہے۔ اس لئے تم ان امور کی کنہ و حقیقت کس طرح سمجھ سکتے ہو جو عالم امر سے متعلق ہیں۔

۴۔ اس قرآن کو اس خدا نے نازل کیا ہے جو کائنات کے تمام پوشیدہ امور سے واقف ہے۔ (۶ : ۲۵)

۵۔ یاد رکھو! صحیح راستہ صرف وہی ہے۔ جسے خدا نے اپنی کتاب میں دکھا دیا ہے (۱۲۰ : ۲) —(۱۳ : ۲) — (۷ : ۶)

۶۔ یہ بات حتمی اور یقینی ہے کہ قرآن کی ہر بات حق ہے۔ (۵۳ : ۱۰)

۷۔ (میں ایک عظیم اعلان کر رہا ہوں۔ اسے دل کے کانوں سے سن لو۔ اور یاد رکھو کہ) حق آگیا ہے۔ یہ باطل کو اس طرح کچل کر رکھ دے گا کہ وہ اس کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ (۸۱ : ۱۷) — (۴۹ - ۴۸ : ۳۴)

۸۔ (تم قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل مانگتے ہو؟ یہ اپنی دلیل آپ ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے تو اس جیسا قرآن بنا کر لاؤ (۸۸ : ۱۷) ۔ پورا قرآن نہیں۔ اس جیسی دس سورتیں مرتب کر کے دکھاؤ۔ (۱۳ : ۱۱) دس کو بھی چھوڑو۔ صرف ایک سورت بنا کر دکھاؤ۔ (۳۸ : ۱۰) ۔ (یہی کیفیت سابقہ آسمانی کتابوں کی تھی) تورات اپنے وقت میں بے مثل ہدایت دینے والی تھی۔ اب یہ قرآن ویسا ہے۔ (۴۸ : ۲۸)

۹۔ جو چاہے قرآن سے ہدایت لے لے۔ جو چاہے اس سے انحراف کر کے غلط راستہ اختیار کر لے۔ (۲۷ : ۱۲) — (۲۹ : ۱۸)

۱۰۔ میں اس قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ (۱۰:۱۵)
۱۱۔ قرآن کو روح القدس نے نازل کیا ہے۔ (۱۶:۱۰۲)
۱۲۔ قرآن اہلِ ایمان کے لئے سرچشمۂ ہدایت اور دل کے امراض کے لئے شفا ہے۔ (۴۱:۴۴)

۲۔ رسول اللہ کے خود اپنے متعلق

۱۔ (اسے اچھی طرح سن لو کہ تمہارے لئے کسی نفع یا نقصان کا اختیار رکھنا تو درکنار) میں خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ سب خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ (۷:۱۸۸)۔ (۱۰:۴۹)

۲۔ اگر میں بھی خدا کے کسی قانون کی خلاف ورزی کردوں تو اس کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤں۔ (۶:۱۵)۔ (۳۹:۱۳)۔ اس سے میری کوئی حفاظت نہیں کر سکے گا۔ (۷۲:۲۲)۔ (اس سے واضح ہے کہ جب میری اپنی حالت یہ ہے تو میں دوسروں کو خدا کے احکام کی خلاف ورزی کے نتائج سے کیسے بچا سکوں گا؟)

۔ میں ہر خطرات سے حفاظت کے لئے قوانینِ خداوندی کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ (۲۳: ۹۷-۹۸)۔ (۱۱۳:۱)۔ (۱۱۴:۱)

۴۔ (پھر سن لو کہ) میں تمہارے لئے کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ (۴۸:۱۱)۔ (۷۲:۲۱)

۵۔ میں تو تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ (۱۸:۱۱۰)۔ (۴۱:۶)۔ میرے پاس نہ اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور یہی میری دعوت کی بنیاد ہے۔ (۶:۵۰)۔ لہٰذا تمہارا مجھ سے یہ مطالبہ کہ میں یہ معجزہ دکھاؤں اور وہ دکھاؤں، بے معنی بات ہے۔ میں تمہارے ہی جیسا انسان ہوں۔ فوق البشر نہیں ہوں۔ (۱۷: ۹۰-۹۳)۔ میں انسان اس لئے ہوں کہ انسانوں کی طرف رسول ہوں۔ اگر زمین پر فرشتے بستے تو ان کی طرف فرشتہ رسول بن کر آتا۔ (۱۷:۹۵)

۶۔ میں نے کہا ہے کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں، اس فرق کے ساتھ کہ مجھ پر خدا کی وحی ہوتی ہے۔ سو اس کے متعلق سن رکھو کہ یہ بھی میرے اپنے کسب و ہنر کا نتیجہ نہیں۔ یہ ایک وہبی نعمت ہے جو خدا کی طرف سے اس کے فضل و رحمت کے طور پر مجھے ملی ہے۔ (۳۰: ۴۲-۴۳)۔ یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے میری راہ نمائی صراطِ مستقیم کی طرف کر دی ہے۔ (۶:۱۶۲)۔ اب میں تمہیں اس راستے پر چلنے کی دعوت علیٰ وجہ البصیرت دیتا ہوں (۱۲:۱۰۸) اور

خود بھی اس کا اتباع کرتا ہوں (۲۰۳ : ۷)۔ اور یہ جو تمہیں کہتا رہتا ہوں کہ تمہاری فلاں روش کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوگا، تو اس کا علم بھی مجھے اسی قرآن کے ذریعے ہوتا ہے۔ (۴۵ : ۲۱)۔ اس سے زیادہ میرا کوئی اور منصب نہیں۔ (۶۵ : ۳۸)۔ میں نذیر ہوں۔ (۸۹ : ۱۵) — (۹۲ : ۲۷) — (۱۲ : ۴۱)

۷۔ میں جب سیدھے راستے پر ہوتا ہوں تو وہ اس وحی کی بدولت ہوتا ہے۔ اور اگر مجھ سے کبھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے۔ تو اس کا ذمہ دار میں خود ہوتا ہوں۔ وحی نہیں ہوتی۔ (۵۰ : ۳۴)

۸۔ میں تم سے کوئی لمبی چوڑی بات نہیں کہنا چاہتا۔ صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اسے ذرا رک کر، خدا کے لئے کھڑے ہو کر سن لو۔ وہ بات یہ ہے کہ تم سوچا کرو۔ غور و فکر کیا کرو۔ یونہی کسی بات کے پیچھے نہ لگ جایا کرو۔ (۴۶ : ۳۴)

۹۔ میں جو کچھ تم سے کہتا ہوں اس کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ (۹۱ : ۶) — (۸۶ : ۳۸)۔ مجھے اس کا معاوضہ میرا خدا دے گا۔ (۴۷ : ۳۴)۔ تم میں سے جو شخص غلط راستہ چھوڑ کر، خدا کی طرف جانے والی راہ اختیار کر لیگا۔ تو یہی میری محنت کا معاوضہ ہو جائے گا۔ (۵۷ : ۲۵) ۔خدا کی طرف جانے والی راہ اختیار کرنے کا پہلا قدم یہ ہوگا کہ تم جو اس وقت یوں باہمی خونریزیوں اور فساد انگیزیوں میں الجھے رہتے ہو، اسے چھوڑ کر قرابت داری کے حقوق کی نگہداشت کرنے لگ جاؤ۔ یہ میری محنت کا معاوضہ ہو جائے گا۔ (۲۳ : ۴۲) یعنی وہ معاوضہ جس کا نفع خود تمہاری اپنی ذات کو پہنچے گا۔ (۴۷ : ۳۴)

۱۰۔ میری دعوت کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اطاعت و محکومیت صرف خدا کی کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ہستی ایسی نہیں جس کے اقتدار کے سامنے جھکا جائے۔ مجھے خدا کی طرف سے اس کا حکم ملا ہے اور اسی حکم کی اطاعت میں کرتا ہوں (۱۵-۱۱ : ۳۹) مجھے اس سے روک دیا گیا ہے کہ میں اس کے علاوہ کسی اور کے قوانین و احکام کی اطاعت کروں۔ (۵۶ : ۶) یہی نہیں کہ خدا کو چھوڑ کر اوروں کی اطاعت نہ کروں۔ بلکہ یہ بھی کہ اس اطاعت میں کسی اور کی اطاعت کو شریک نہ کروں۔ (۳۶ : ۱۲) میری طرف جو وحی آتی ہے اس کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ تمہارا إلٰہ صرف ایک (خدا) ہے (۱۰۸ : ۲۱)۔ یہی میری دعوت ہے۔ (۲۰ : ۷۲)

۱۱۔ میری دعوت تو یہ ہے۔ اور تم چاہتے ہو کہ میں خدا کو چھوڑ کر اوروں کی اطاعت اختیار کر لوں۔ (۶۵-۱۶۴ : ۶) انسان کسی کے سامنے جھکتا ہے تو اس لئے کہ وہ اسے کوئی نفع پہنچائے یا کسی مضرت سے اسے بچا لے، لیکن اس کا اختیار تو خدا کے علاوہ کسی اور کو نہیں تو پھر غیر اللہ کے سامنے جھکا کیوں جائے۔ (۷۱ : ۶) — (۳۸ : ۳۹)۔ پھر وہ خدا (خدائے حقیقی) تو مجھ سے کچھ مانگتا بھی نہیں۔ (۱۴ : ۶)۔

لہٰذا سوچو کہ اس قسم کے خدا کی اطاعت چھوڑ کر، ایسے باطل خداؤں کو معبود بنا لینا، اگر جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ (۳۹ : ۶۴)

سن رکھو کہ میں نے اپنی زندگی اس مشن کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ (۶۴ - ۱۶۳ : ۶)

۱۲۔ تم بھی اگر شرفِ انسانیت حاصل کرنا چاہتے ہو تو جس روش پہ میں چل رہا ہوں، اسی پر چلتے جاؤ (۳۰ : ۳)۔ اگر تم نے اس راہ کے بجائے اور راستے اختیار کر لئے تو وہ راستے تمہیں خدا کی طرف نہیں لے جائیں گے۔ (۱۵۴ : ۶)

۱۳۔ (میں نے صحیح بات تم تک پہنچا دی ہے۔ اب یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ تم اسے تسلیم کرنا چاہتے ہو یا نہیں۔ میں تمہیں مجبور کر کے تم سے کچھ منوانا نہیں چاہتا۔ اس لئے کہ) میں تم پہ داروغہ مقرر نہیں کیا گیا۔ (۶۶ : ۶)۔ میں جو کچھ بھی تم سے کہتا ہوں، دلیل و برہان کی رُو سے کہتا ہوں۔ (۵۷ : ۶)۔ اگر تم اس سے اختلاف رکھتے ہو، تو میرا مطالبہ یہ ہے کہ تم بھی اپنے دعوے کی تائید اور ثبوت میں، میری طرح دلیل پیش کرو۔ (۱۱۱ : ۲) —(۲۴ : ۲۱) —(۶۴ : ۲۷)۔ اور یہ بات میں تم سے ابھی کہے دیتا ہوں کہ تم دلائلِ خداوندی کے رد میں کوئی معقول دلیل پیش نہیں کر سکو گے۔ اس لئے کہ فیصلہ کن حقیقت تک پہنچانے والی دلیل صرف خدا کی طرف سے مل سکتی ہے (۱۵۰ : ۶)۔ اسی کو علم کہا جائے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علم رکھنے والا اور بے علم کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ (۹ : ۳۹) جسطرح اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے۔ (۵۰ : ۶)۔ نہ ہی تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہے۔ (۱۶ : ۱۳)

۱۴۔ لیکن اگر تم اس طرح دلائل و براہین کی رو سے بات نہیں کرنا چاہتے، تو دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے پروگرام پہ عمل کرتے رہو اور مجھے میرے پروگرام پہ عمل کرتے دو۔ اور اتنا انتظار کرو کہ ان اعمال کا نتیجہ سامنے آ جائے۔ یہ نتیجہ خود بتا دے گا کہ کس کا دعوےٰ سچا ہے اور کس کا جھوٹا۔ کس کی راہ کامیابی کی طرف لے جاتی ہے، اور کس کی، تباہیوں کیطرف۔ (۱۳۶ : ۶)—(۲۲ - ۱۲۱ : ۱۱)—(۳۹ : ۳۹)۔ تم بھی انتظار کرو۔ میں بھی انتظار کروں گا۔ (۱۵۹ : ۶)—(۲۰ : ۱۰)—(۱۳۵ : ۲۰) — (۳۱ : ۵۲)۔ اعمال کے نتائج ایسی کسوٹی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ (۴۱ : ۱۰)

۱۵۔ لیکن اگر تم نہ وہ کرنا چاہتے ہو نہ یہ، اور صرف دھاندلی سے اپنی بات منوانا چاہتے ہو، اور محض قوت کے بل بوتے پہ میری دعوت کو کچل دینے کا تہیہ کئے ہو تو تم یہ بھی کر دیکھو۔ میں تمہاری دھمکیوں سے ڈر کر حق بات کہنے سے باز نہیں آ سکتا۔ تم خود بھی آ جاؤ اور اپنے ساتھ اپنے شرکاء کو بھی بلا لو۔ اور جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر دیکھو۔ (۱۹۵ : ۷) پھر دیکھو کہ تمہارے یہ معبودانِ باطل تمہاری کچھ مدد کرتے ہیں؟ (۵۶ : ۱۷)—(۲۲ : ۳۴)۔ تمہارے اور میرے درمیان فیصلہ، خدا

کی طرف سے ہوگا۔ (۲۶ : ۳۴) میرے لئے اسکی شہادت کافی ہے۔ (۱۹ : ۲)— (۴۳ : ۱۳) — (۹۶ : ۱۷)۔ (۵۲ : ۲۹)

۱۶۔ (تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ میری صداقت کا ثبوت کیا ہے؟ ذرا سوچو کہ) میں نے دعوائے نبوت سے پہلے، اپنی ساری عمر تم لوگوں میں بسر کی ہے۔ کیا تم اس سے اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ایسی زندگی سچوں کی ہوتی ہے یا جھوٹوں کی۔ (۱۶ : ۱۰)

۴۔ الساعۃ کے متعلق

۱۔ میں یہ حتمی دعوےٰ اس لئے کر رہا ہوں کہ مجھے خدا کے مکافاتِ عمل کے قانون پر یقینِ کامل ہے۔ اعمال کے نتائج اس دنیا میں بھی برآمد ہو جاتے ہیں اور اخروی زندگی میں بھی۔ جو نتائج اس دنیا میں برآمد ہوں گے، انہیں تم عنقریب دیکھ لوگے۔ اس کا وقت میں متعین نہیں کر سکتا۔ کیونکہ عمل اور اس کے نتیجہ کا وقفہ خدا کے قانون کے مطابق متعین ہوتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ گھڑی (الساعۃ) آکر ضرور رہے گی۔ (۵۰ : ۱۰) — (۳ : ۳۴)

۲۔ جب الساعۃ آئے گی تو پھر اس میں ایک لمحہ کی بھی کمی بیشی نہیں ہو گی۔ (۵۰ - ۴۹ : ۱۰) — (۳۰ - ۲۹ : ۳۴)۔ حیرت ہے کہ تم اس کے لئے جلدی مچاتے ہو۔ حالانکہ وہ (فیصلے کا دن) تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔ (۲۹-۲۸ : ۳۲)

۳۔ الساعۃ کب آئے گی، اس کا علم خدا کو ہے۔ (۱۸۷ : ۷)۔ ہو سکتا ہے کہ وہ قریب ہی ہو (۵۱ : ۱۷) — (۱۰۹ : ۲۱) (۷۲-۷۱ : ۲۷) — (۶۳ : ۳۳) — (۲۶ : ۷۷) — (۲۵ : ۷۲)

۴۔ اگر الساعۃ کا لانا میرے بس میں ہوتا تو معاملہ کبھی کا طے ہو چکا ہوتا۔ (۵۸ : ۶)

۵۔ الساعۃ سے انکار کرنے والوں کو دھوکا اس لئے لگ جاتا ہے کہ قانونِ خداوندی کے مطابق عمل اور اس کے نتائج کے برآمد ہونے میں ایک مہلت کا وقفہ ہوتا ہے۔ جس کے گزرنے کے بعد تباہی آتی ہے۔ اس عرصہ میں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ تباہی آنی ہوتی تو آنہ جاتی۔ (۷۵ : ۱۹)

۶۔ وہ ایک عظیم حادثہ ہے اور تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو۔ (۶۷ : ۳۸)

۷۔ میرا خدا اس پر شاہد ہے کہ تمہاری بعثت ہو کر رہے گی۔ (۷ : ۶۴)

۸۔ اس مہلت کے عرصہ میں تم سامانِ زیست سے فائدہ اٹھالو۔ اس کے بعد تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ (۳۰ : ۱۴) — (۸ : ۳۹)۔ حق اب آچکا ہے۔ اس کے سامنے باطل ٹھہر نہیں سکتا۔ (۸۱ : ۱۷)۔ میرا خدا، کامیابی کے

راستے کی طرف میری راہ نمائی کرے گا۔ (۱۸ : ۲۴)

۹۔ (تم میرے مشن کی مخالفت کے لئے مختلف تدبیریں کرتے ہو۔ تم ایسا کرتے رہو۔ لیکن یاد رکھو کہ) خدا کی تدبیر بڑی تیز رفتار ہوتی ہے۔ (۱۰ : ۲۱)

۱۰۔ اے میرے نشو و نما دینے والے! جس بات کے متعلق ان سے کہا جا رہا ہے کہ وہ واقع ہو کر رہے گی، اگر وہ میری زندگی ہی میں واقعہ ہو جائے (تو خوب ہو)۔ اس سے یہ لوگ دیکھ لیں گے کہ میں ظالمین میں سے نہیں تھا۔ (حق و صداقت پر تھا) (۲۳ : ۹۳ - ۹۴)

۱۱۔ خدا ہر قسم کی تباہی لانے پر قادر ہے۔ (۶ : ۶۵) ۔ وہ تمہارے ان سرداروں کو جو پہاڑوں کی طرح ڈٹے کھڑے ہیں، نیست و نابود کر دے گا۔ (۲۰ : ۱۰۵)

۵۔ قانونِ مکافاتِ عمل

۱۔ (اے مخالفین! تم اسے سن رکھو کہ) نہ تم سے پوچھا جائے گا کہ ہم کیا کرتے تھے۔ نہ ہم سے سوال ہو گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور اس کو ان کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ (۱۰ : ۴۱)۔ (۲۱۶ : ۲۶) ۔ (۳۴ : ۲۵)

۲۔ (بالفرضِ محال) اگر خدا مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے۔ یا ہم پر اپنی رحمت کرے۔ تو اس سے تم پر کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ اور اس سے تم بچ نہیں سکتے۔ (۶۷ : ۲۸)۔ تم خواہ مخواہ جھگڑے نکالتے ہو۔ یہاں تو فیصلہ اعمال کے مطابق ہوتا ہے۔ (۲۲ : ۶۸)

۳۔ (تم کہتے ہو کہ میں اپنی طرف سے باتیں بناتا ہوں اور انہیں خدا کی طرف منسوب کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس سلسلہ میں تم خدا کے اس قانون کو ہمیشہ یاد رکھو کہ) افترا کرنے والے کو کبھی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا میرے پروگرام کا انجام خود بتا دے گا کہ میں افترا کرتا تھا۔ یا سچ کہتا تھا۔ (۱۰ : ۶۹)۔ (۱۱ : ۳۵)

۴۔ (یاد رکھو!) تباہ وہی ہوتا ہے جو اپنے آپ کو تباہ کرتا ہے۔ (۳۹ : ۱۵)

۵۔ خدا انسانوں پر اپنی رحمت کا سایہ رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن جو لوگ جرائم پر اتر آئیں تو انہیں ان کے جرائم کی سزا ضرور ملے گی۔ (اور حقیقت یہ ہے کہ مجرمین کو ان کی زیادتیوں کی سزا ملنا، امن پسند انسانوں کے لئے موجبِ رحمت ہے)۔ (۶ : ۱۴۸)

۶۔ حیات بعد الممات کے دلائل

۱۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ تم موت کے بعد یقیناً اٹھا کھڑے کیے جاؤ گے۔ اور تم (بلا سوچے سمجھے) کہہ دیتے ہو کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ (۷ : ۱۱)۔ تمہارا اعتراض یہ ہے کہ مرنے کے بعد جب انسانی جسم گل سڑ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے یا ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، تو اس کے بعد اس کا زندہ ہونا کیسے ممکن ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تو ایک طرف، اگر یہ پتھر یا لوہا بھی بن جائے، جس میں زندگی کا کوئی امکان نہیں ہوتا، تو بھی تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ (۵۰-۴۹ : ۱۷)

۲۔ تم پوچھتے ہو کہ ان گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ کون زندہ کرے گا۔ میرا جواب یہ ہے کہ انہیں وہی خدا زندہ کرے گا۔ جس نے انہیں پہلی مرتبہ زندگی عطا کی تھی۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی مخلوق میں کس کس قسم کی صلاحیت ہے۔ (۷۹-۸۰ : ۳۶)

۳۔ تم کہتے ہو کہ کیا ہمارے آباء و اجداد جنہیں مرے ہوئے اتنا عرصہ گذر گیا ہے، وہ بھی دوبارہ زندہ ہوں گے؟ میرا جواب یہ ہے کہ تم بھی اور وہ بھی، سب زندہ ہوں گے۔ (۱۸-۱۶ : ۳۷)—(۵۱-۴۷ : ۵۶)

۴۔ یاد رکھو! موت اور زندگی، سب خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (۲۶ : ۴۵)۔ تمہیں ملک الموت وفات دیتا ہے۔ (۱۱-۱۰ : ۳۲)

۷۔ اہل کتاب سے تخاطب

۱۔ اے یہودیو! تم کہتے ہو کہ تمہیں، چند دنوں کے سوا، جہنم کا عذاب نہیں ہوگا۔ (میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ) کیا تم نے اس کی بابت خدا سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر تو تمہارا ایسا کہنا درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں جاتا۔ (لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا نے تم سے کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا) سو تم کیوں خدا کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ (۸۰ : ۲)

۲۔ تم کہتے ہو کہ جنت تمہارے لئے مخصوص ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم مرنے کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔ یہی تمہاری صداقت کا ثبوت ہوگا۔ (۹۴ : ۲)—(۶ : ۶۲)

۳۔ اے یہود اور اے نصاریٰ! تمہارا دعویٰ ہے کہ تم خدا کی چہیتی اولاد ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ بتاؤ کہ پھر تمہارے جرائم کے بدلے میں تم پر خدا کا عذاب کیوں آتا رہا ہے۔ (کوئی اپنی چہیتی اولاد کو بھی عذاب میں مبتلا کیا کرتا ہے؟) (۱۸ : ۵)

۴۔ تم کہتے ہو کہ نجات اسے ہی مل سکتی ہے جو یہودی ہو یا نصرانی۔ (یہ غلط ہے اور تمہاری گروہ بندیوں کے تعصب کا نتیجہ) خدا کی طرف سے عطا شدہ صحیح دین، ملتِ ابراہیمیؑ تھا۔ جس میں شرک کا شائبہ تک نہ تھا۔ اسے اچھی طرح سن رکھو کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور ان کتبِ سابقہ پر بھی جو آلِ ابراہیمؑ پہ نازل ہوئی تھیں۔ اسماعیلؑ۔ اسحاقؑ۔ یعقوبؑ اور ان کے خاندان پر۔ نیز جو موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دیگر انبیاءؑ کو ملی تھیں۔ ہم ان میں سے کسی میں کوئی تفریق نہیں کرتے، اس طرح ہم خدا کے دین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ (۱۳۶-۱۳۵ : ۲)۔ سو تم بھی اسی طرح ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرو۔ (۹۴ : ۳)

۵۔ اے بنی اسرائیل! تم جو حلال حرام کی لمبی چوڑی فہرستیں پیش کر کے کہتے ہو کہ یہ خدائی احکام ہیں۔ تم اپنے دعوے کی تائید میں تورات پیش کرو۔ اور دکھاؤ کہ اس میں یہ کچھ کہاں لکھا ہے۔ یاد رکھو! یہ خدا پہ افتراء ہے اور ظالمین کا شیوہ۔ (۹۳-۹۲ : ۳)

۶۔ اے اہل کتاب! تم قوانینِ خداوندی کا انکار کیوں کرتے ہو۔ تم خود بھی خدا کی راہ پر نہیں چلتے اور جو لوگ اس راہ پہ چلنا چاہتے ہیں ان کا بھی راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ہو۔ اور اس راہ میں پیچ و خم پیدا کرنا چاہتے ہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خدا غافل نہیں۔ (۹۸-۹۷ : ۳)

۷۔ اے یہودیو! تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اپنے انبیاء کی کتابوں پہ ایمان رکھتے ہو، اس لئے قرآن پہ ایمان نہیں لا سکتے۔ (میں تم سے پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ اگر تم اپنے انبیاء کی کتابوں پہ ایمان رکھتے تھے تو) تم ان کے درپئے آزار کیوں رہتے تھے اور انہیں قتل کیوں کر دیا کرتے تھے؟ (۹۱ : ۲) — (۱۸۲ : ۳)

۸۔ اے نصاریٰ! تم نے (حضرت) مسیحؑ کو خدا بنا لیا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ اگر خدا، مسیحؑ اور ان کی والدہ — بلکہ جو کوئی زمین پر ہے، ان سب کو، ہلاک کر دینا چاہتا تو اسے کون روک سکتا تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کائنات میں تمام اقتدار اور اختیار اسی کو حاصل ہے۔ (۱۷ : ۵)

۹۔ اس کتاب کو جبریل، ارشادِ خداوندی کے مطابق میرے قلب پہ نازل کرتا ہے۔ لہٰذا اس کی مخالفت، خود جبریل کی مخالفت ہے (خدا کی مخالفت ہے) اور یہ کفر ہے۔ (۹۷ : ۲)

۱۰۔ تم کہتے ہو کہ کسی انسان کی طرف خدا کی وحی کس طرح آ سکتی ہے؟ تم یہ بتاؤ کہ جو کتاب موسیٰؑ نے پیش کی تھی وہ کس کی طرف سے نازل ہوئی تھی؟ اسے خدا ہی نے نازل کیا تھا اور ایک انسان کی طرف نازل کیا تھا؟ (پھر اس کتاب کے خلاف یہ اعتراض کیا معنی رکھتا ہے کہ یہ ایک انسان کی طرف کیسے نازل ہو گئی!) (۹۲ : ۶)

۱۱۔ اے اہل کتاب! تم نے جو ہماری مخالفت پہ کمر باندھ رکھی ہے تو ہمارے کس جرم کی پاداش میں؟ اس جرم کے بدلے کہ ہم خدا پر کیوں ایمان لاتے ہیں۔ ہم اس کی وحی کو کیوں تسلیم کرتے ہیں، درآنحالیکہ تم میں سے اکثر اس صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راہیں اختیار کر چکے ہو۔ آؤ! میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے بھی زیادہ تباہ کن بات کیا ہے؟ اور وہ ہے خدا کے ہاں سے، قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق، عذاب۔ (۶۰-۵۹ : ۵)

۱۲۔ اے اہل کتاب! تم اپنے دین کے معاملہ میں غلو مت کرو۔ (۷۷ : ۵)

۱۳۔ اے اہل کتاب! تم باقی امور کو چھوڑو اور آؤ اس بات کی طرف جو تم میں اور ہم میں مشترک ہے۔ یعنی یہ کہ تم قوانینِ خداوندی کے علاوہ کسی اور کی عبودیت اختیار نہیں کرو گے۔ تم اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرو گے، تم خدا کو چھوڑ کر، غیر خداوندی قوتوں کو صاحبِ اقتدار نہیں مانو گے۔ (۶۳ : ۳)

۱۴۔ اگر یہ لوگ اس کے باوجود ناحق جھگڑے پیدا کرتے جائیں، تو ان سے کہہ دو کہ جھگڑے کی بات کوئی نہیں۔ ہم نے خدا کی اطاعت اختیار کر رکھی ہے۔ بتاؤ کہ تم بھی ایسا کرنا چاہتے ہو یا نہیں۔ اگر ایسا چاہتے ہو تو تم ہمارے ساتھ راہ راست پر رہو گے۔ اگر نہیں چاہتے تو اس کا خمیازہ خود بھگتو گے۔ میں نے تم تک خدا کی بات پہنچا دی ہے۔ (۱۹ : ۳) - اگر تم اس پر بھی نہیں مانتے تو پھر تم اپنی راہ لو۔ ہم اپنی راہ اختیار کرتے ہیں، (۶۰:۳)

۸۔ کفار و مشرکین سے خطاب

۱۔ تم بتاؤ کہ تمہاری روش کے جو تباہ کن نتائج ہیں وہ اچھے ہیں یا جنت کی زندگی؟ (۱۵ : ۲۵)

۲۔ تم میری مخالفت میں دن رات لگے رہتے ہو۔ تم اگر مجھے کچھ تکلیف پہنچانے میں کامیاب بھی ہو جاؤ تو بھی وہ تکلیف اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہوگی جو تمہیں پہنچنے والی ہے۔ یعنی جہنم کا عذاب۔ (۷۲ : ۲۲)۔

۳۔ میں جو تمہیں صحیح راستہ اختیار کرنے کے لئے کہتا ہوں تو اس میں کچھ میرا فائدہ نہیں۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ تمہارا جی چاہے تو اسے مانو۔ جی چاہے نہ مانو۔ (میرا اس سے نہ کچھ بگڑے گا نہ سنورے گا)۔ (۱۰۷ : ۱۷)

۴۔ انسان کو بصیرت حاصل ہو تو صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لئے کائنات میں ہزاروں خدا کی نشانیاں بکھری پڑی ہیں۔ (ان پہ غور و فکر سے وہ حقیقت کو پہچان سکتا ہے) - (۱۰۱ : ۱۰) - دیکھنے والے کے لئے یہی معجزات کیا کم ہیں۔ (۳۷ : ۶) - جو تم ایمان لانے کے لئے مجھ سے معجزات کا مطالبہ کرتے ہو۔ (۱۱۰ : ۶) - (۵۰ : ۲۹)

۵۔ تم کہتے ہو کہ تم راہ راست پر ہو۔ اسے پرکھنے کے لئے ذاتی خیال کچھ کام نہیں دے سکتا۔ اس کے لئے تو خدا کی

طرف سے آئی ہوئی کسوٹی ہی قولِ فصیل کا حکم رکھ سکتی ہے۔ (۸۵ : ۲۸)

۶۔ تم حق کی مخالفت کرتے ہو۔ ذرا دنیا میں چلو پھرو اور نگہِ بصیرت سے دیکھو کہ اقوامِ سابقہ میں سے جنہوں نے حق کی تکذیب و مخالفت کی تھی ان کا انجام کیا ہوا تھا۔ (۱۱ : ۶)۔(۶۹ : ۲۷)۔(۲۰ : ۲۹)۔(۴۲ : ۳۰)

۷۔ اگر ایسے کھلے ہوئے حقائق کے بعد بھی تم حق کی مخالفت سے باز نہیں آؤ گے تو اس کا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ تم بہت جلد مغلوب ہو جاؤ گے۔ (۱۱ : ۳)۔ یہی کچھ سابقہ امم کے ساتھ ہوا تھا۔ یہی کچھ تمہارے ساتھ ہوگا۔ (۳۸ : ۸) غلط روش کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ اور ہو نہیں سکتا۔ (۱۴ : ۴۵)۔ اس کا قانونِ مکافات کسی کی رو رعایت نہیں کیا کرتا۔ (۷۷ : ۲۵)

۸۔ تم مخالفت اس طرح کرتے ہو گویا میں نے دنیا میں پہلی مرتبہ دعوائے رسالت کیا ہے۔ یاد رکھو۔ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں۔ میری طرح پہلے بھی رسول آتے رہے ہیں۔ میں تم تک خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ اور خود بھی اس کا اتباع کرتا ہوں۔ نتیجہ تم خود دیکھ لو گے۔ (۹ : ۴۶)

۹۔ تم سمجھتے ہو کہ زندگی بس اسی دنیا کی ہے اس لئے (جائز و ناجائز ہر طریق سے) دنیاوی متاع کو سمیٹ لو۔ لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ اس سے تم اپنا کسقدر نقصان کرتے ہو۔ تمہیں اپنے اعمال بڑے سہانے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ نتائج کے اعتبار سے وہ بڑے ہی خطرناک ہیں۔ (۱۰۵ - ۱۰۳ : ۱۸)

۱۰۔ ذرا کان کھول کر سن لو کہ میری دعوت اور مسلک کیا ہے۔ میں خدا کی طرف سے نازل کردہ کتاب پر ایمان رکھتا ہوں۔ مجھے خدا کا حکم ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔ اسلئے کہ خدا کسی ایک گروہ کا خدا نہیں۔ وہی تمہارا نشوونما دینے والا ہے اور وہی میرا نشوونما دینے والا۔ میرا تم سے کوئی ذاتی جھگڑا نہیں۔ یہاں سب فیصلے خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تمہارے اعمال کے نتائج تمہارے سامنے آجائیں گے، ہمارے اعمال کے ہمارے سامنے۔ (۱۵ : ۴۲)۔ اور اسے بھی سن رکھو کہ میں تمہارے ساتھ کسی مفاہمت کے لئے تیار نہیں۔ جن ہستیوں کی تم عبودیت اختیار کر رہے ہو، میں ان کی عبودیت اختیار نہیں کر سکتا۔ اور تمہاری روش یہ بتا رہی ہے کہ جس خدا کی محکومیت میں نے اختیار کر رکھی ہے، اس کی محکومیت تم اختیار کرنے والے نہیں۔ بات ختم ہوگئی۔ اب اپنی اپنی روش کے نتائج خود سامنے آجائینگے۔ (۶-۱ : ۱۰۹)

۱۱۔ میں نے تم سے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکا۔ اب تم میں سے جس کا جی چاہے صحیح راستہ اختیار کر لے۔ جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے۔ (۲۹ : ۱۸)۔ میرا تم پر سلام۔ تم عنقریب دیکھ لوگے کہ میں تم سے کیا کہتا تھا۔ (۸۹ : ۴۳)

۹ - بدوی قبائل (اعراب) سے خطاب

۱۔ میری طرف وحی ہوئی ہے کہ خانہ بدوش قبائل (جنات) کی ایک جماعت قرآن سننے کے لئے آئی تھی۔ (۷۲:۱)

۲۔ اے بدوی قبائل کے لوگو! تم ابھی اپنے دعوےٰ ایمان میں کچے ہو۔ تم جنگ کی حالت میں لیت و لعل کرنے لگ جاتے ہو۔ اسلامی لشکر کے ساتھ نہیں جاتے اور پھر باتیں بنانے لگتے ہو۔ یاد رکھو! اگر تم سچے دل سے اطاعت کرو گے تو اس کا انجام بڑا خوشگوار ہوگا۔ اور اگر تم اسی طرح اعراض برتو گے تو اس کا نتیجہ تباہی ہوگا۔ (۱۶-۱۵ : ۴۸)

۳۔ بات یہ ہے کہ تم سمجھ سوچ اور دل و دماغ کے اطمینان کے بعد ایمان نہیں لائے۔ تم نے اسلامی مملکت کی بڑھتی ہوئی ترقی کو دیکھا اور اس کے سامنے جھک گئے۔ لہٰذا تم یہ نہ کہو کہ تم ایمان لے آئے ہو۔ ابھی ایمان تمہارے دل کے اندر داخل نہیں ہوا۔ ہاں! تم احکام خداوندی کی اطاعت کرتے رہو۔ اس سے رفتہ رفتہ تمہارے قلب کی حالت بدل جائے گی۔ اس وقت یہ کہنا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ (۱۷-۱۴ : ۴۹)

۱۰۔ منافقین سے خطاب

۱۔ (اے وہ لوگو جو خالصتہً للہ نہیں بلکہ اپنے اور مقاصد کی خاطر اس جماعت میں شامل ہو گئے ہو) کیا تم خدا کے احکام کیساتھ مذاق کرتے ہو؟ کیا تم ان سے کھیل کھیلتے ہو۔ یہ تو زندگی کے اہم حقائق ہیں۔ ہنسی مذاق کی باتیں نہیں ہیں۔ (۶۵-۶۴ : ۹)

۲۔ تم میرے متعلق کہتے ہو کہ میں کانوں کا کچا ہوں۔ میں کانوں کا کچا نہیں۔ میں ہر ایک کا بہی خواہ ہوں۔ اس لئے میرے لئے ضروری ہے کہ میں ہر ایک کی بات سنوں۔ میرا ایسا ہونا تو خود تمہارے حق میں بہتر ہے۔ (۹ : ۶۱)

۳۔ اس مشن کی تقویت کے لئے مالی امداد ضروری ہے۔ لیکن یہ امداد انہی لوگوں سے قبول کی جا سکتی ہے جو دل سے اس کے ساتھ متفق ہوں۔ تمہاری امداد کسی طرح بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔ (۹ : ۵۳)

۴۔ تم نے میدان جنگ میں جا کر بھی طرح طرح کی باتیں کرنی شروع کر دیں تاکہ ان سے بددلی پھیل جائے۔ کیا اس کو ایمان کہتے ہیں؛ (۳ : ۱۵۴)۔ تم نے دوسروں کو بھڑکانا شروع کر دیا کہ اگر تم جنگ میں نہ آتے تو کیوں ناحق مارے جاتے! وہ تو (بقول تمہارے) ناحق مارے گئے۔ تم اپنے آپ کو ذرا موت سے بچا کر دکھاؤ۔ (۳ : ۱۶۷)۔ تم موت سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہو۔ (۱۶-۳۳) - (۸ : ۶۲)

۵۔ تمہاری منافقت کا یہ عالم ہے کہ بظاہر اس جماعت کے ساتھ ہو اور تمہارے دلوں کا یہ عالم ہے کہ اگر اس جماعت کو کامیابی نصیب ہوتی ہے تو تم اس سے جل بھن جاتے ہو۔ اور اگر اس پر کوئی افتاد پڑتی ہے تو اس سے تمہیں بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ تم یونہی اپنے حسد اور غصہ کی آگ میں جل کر مرجاؤ گے اور یہ جماعت آگے بڑھتی جائے گی۔ (۳ : ۱۱۸ - ۱۲۰)

۶۔ یاد رکھو! یہ رنج و راحت سب خدا کے قانون کے مطابق ملتے ہیں۔ اس میں تمہاری بددعاؤں کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ (۹ : ۵۱ - ۵۲)

۷۔ تم لوگوں کو بہکاتے ہو اور کہتے ہو کہ گرمی کی اس شدت میں جنگ کے لئے مت جاؤ۔ تمہیں معلوم نہیں کہ جہنم کی آگ کی تپش اس سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ (۹ : ۸۱)

۸۔ اب ہمیں کامیابی نصیب ہوئی ہے تو تم بھی ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے ہو! تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے۔ ہمارا ساتھی وہی ہو سکتا ہے جو رنج و راحت دونوں میں ساتھی ہو۔ (۹ : ۸۳) باقی رہی تمہاری معذرت خواہی۔ سو اس کی حقیقت کا مجھے علم ہے۔ (۹ : ۹۴) بایں ہمہ، تمہیں ایک موقع دیا جاتا ہے۔ اس میں تم اپنے اعمال سے ثابت کردو کہ اب تم سچے دل سے مومن ہو گئے ہو۔ اگر ایسا ثابت ہوگیا تو پھر تم پر اعتماد کیا جا سکے گا۔ (۹ : ۱۰۵)۔ لیکن اگر تم اس کے بعد بھی پھر گئے تو ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ہمارے لئے ہمارا خدا کافی ہے۔ (۹ : ۱۲۹)۔

۹۔ تم قسمیں کھا کھا کر کہتے ہو کہ تم دل سے ہمارے ساتھ ہو۔ قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ احکام کی اطاعت خود بخود بتا دے گی کہ تم اپنے دعوے میں سچے ہو یا نہیں۔ (۲۴ : ۵۳)

۱۰۔ تمہاری نگاہ صرف دنیاوی مفاد پر رہتی ہے۔ زندگی کے بلند مقاصد پر نہیں رہتی۔ حالانکہ ان مقاصد کے مقابلہ میں یہ مفاد کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ (۴ : ۷۷)

۱۱۔ نوعِ انسانی سے خطاب

۱۔ اے نوعِ انسان! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں۔ (۷ : ۱۵۸)

۲۔ اے عالمگیر انسانیت! تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف حق آ گیا۔ جو کوئی اس کی راہ نمائی قبول کرے گا۔ اس کا فائدہ اسی کو ہوگا۔ جو غلط راستے پر چلے گا، اس کا نقصان اسی کو ہوگا۔ میں تم پر داروغہ نہیں مقرر کیا گیا۔ (۱۰ : ۱۰۸) میں تو صرف تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری غلط روش کا نتیجہ کیا ہوگا۔ (۲۲ : ۴۹)

۳۔ اگر تم یہ سمجھو کہ میں ان ہستیوں کی محکومیت اختیار کر لوں گا جن کی عبودیت تم اختیار کئے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ (۱۰ : ۱۰۴)

۱۲۔ اپنی جماعت (مومنین) سے خطاب

۱۔ (میں رہبانیت سکھانے کے لئے نہیں آیا جو دنیا کی خوش آئند چیزوں کو تم پر حرام قرار دے دوں)۔ دنیاوی زینت و متاع دلکشش ہیں اور اس کشش میں کوئی برائی نہیں۔ اس میں صرف اتنا اضافہ ضروری ہے کہ جب ان میں اور خدا کے عائدکردہ کسی فریضہ میں تصادم ہو جائے، تو اس وقت ترجیح فریضۂ خداوندی کو دینی چاہیئے کہ اس کا نتیجہ ان کے مقابلہ میں کہیں بہتر ہے۔ (۳ : ۱۴-۱۳)

۲۔ تم میرا اتباع کرو۔ خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ (۳ : ۳۱-۳۰) اس کا نتیجہ دنیا میں حکومت و اقتدار اور آخرت میں سرفرازی ہوگا۔ (۲۴ : ۵۴-۵۵)

۳۔ جو فرائض خدا نے عائد کئے ہیں ان کی ادائیگی کرو۔ تم دیکھو گے کہ اس سے تمہاری دنیاوی زندگی کس قدر حسین ہو جاتی ہے۔ (۳۹ : ۱۰)

۴۔ یاد رکھو! خبیث و طیب کبھی برابر نہیں ہو سکتے، خواہ خبیث کی کثرت انسان کو کتنا ہی فریب کیوں نہ دے۔ لہٰذا تم ہمیشہ طیّب کی راہ اختیار کرو۔ یہی راہ عقل و دانش کا تقاضا ہے۔ (۵ : ۱۰۰)

۵۔ یہ ٹھیک ہے کہ انسان تفریحات اور کاروباری مصروفیات میں الجھا رہتا ہے۔ لیکن جب خدا کا بلاوا (نظامِ خداوندی کی طرف سے آواز) آئے تو یہ سب کچھ چھوڑ کر، اس کی طرف لپک کر چلے آیا کرو۔ اس روش کا مآل بڑا خوش آئند ہوگا۔ (۶۲ : ۱۱)

۶۔ اگر کبھی بھول چوک سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس سے افسردہ خاطر نہ ہو جایا کرو۔ اس کی اصلاح کی فکر کرو۔ اس سے اس نقصان کی بھی تلافی ہو جائے گی جو اس لغزش سے واقع ہو گیا تھا اور مزید سامانِ رحمت بھی عطا ہوگا۔ (۶ : ۵۴)

۷۔ (جنگ تبوک کے سلسلہ میں) تم جہاد کا جذبہ اپنے دل میں لے کر آئے ہو لیکن ناداری تمہاری راہ میں حائل ہو رہی ہے۔ تمہارے پاس سواری نہیں اور اس سے تم بڑے افسردہ خاطر ہو کہ جہاد میں شرکت سے محروم رہ جاؤ گے۔ لیکن کیا کیا جائے۔ خود میرے پاس بھی اتنی استطاعت نہیں کہ تمہارے لئے سواری کا انتظام کر سکوں۔ مجھے تمہاری نم آلود آنکھوں

کا بڑی شدت سے احساس ہے۔ لیکن مجبوری کا کیا علاج۔ (۹۲ : ۹)

۸۔ یاد رکھو! مومن کی زندگی جہادِ مسلسل کی زندگی ہے۔ اگر تمہیں دنیا کی کوئی چیز جہاد سے زیادہ عزیز ہوگئی تو تم مومن نہ رہے۔ پھر جو حشر اور قوموں کا ہوتا ہے وہی تمہارا ہوگا۔ اس بنیادی حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھو۔ (۲۴ : ۹)

۱۳۔ حرام و حلال کے متعلق

۱۔ خدا نے رزقِ حلال پیدا کیا تھا اور لوگوں نے اپنی توہم پرستیوں کی وجہ سے اس میں سے خواہ مخواہ بے شمار چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا۔ (۱۴۵-۱۴۴-۱۴۱ : ۶)

۲۔ اے وہ لوگو! جو خدا کے عطا کردہ رزق کو حرام قرار دیتے ہو۔ میں تم سے پوچھتا ہوں ہوں کہ کیا اس بارے میں تمہارے پاس خدا کی طرف سے نازل کردہ کوئی سند ہے؟ (۵۹ : ۱۰) ۔ میں اس باب میں خدا کی شہادت چاہتا ہوں۔ (۶:۱۵۱)

۳۔ یاد رکھو! خدا نے تم پر تمام خوشگوار (طیب) چیزوں کو حلال قرار دیا ہے۔ (۴ : ۵) اور جنہیں اس نے حرام ٹھہرایا ہے۔ ان کا ذکر اپنی کتاب میں کر دیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں: مردار۔ بہتا ہوا لہو۔ لحم خنزیر۔ اور ہر وہ شے جسے غیر اللہ کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ ان کے علاوہ اور کوئی شے نہیں جسے خدا نے حرام قرار دیا ہو۔ (۱۴۶ : ۶) ۔ میں تو اس کی کتاب میں ان کے علاوہ کسی اور چیز کو حرام نہیں پاتا۔ نہ ہی خدا کے سوا کسی کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی شے کو حرام قرار دے۔ حتیٰ کہ خود مجھے بھی نہیں۔ (۱ : ۶۶) ۔

۴۔ (یہ لوگ جو بیٹھے بیٹھے یونہی حرام و حلال کی فہرستیں مرتب کرنے لگ جاتے ہیں۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ) مجھے بتاؤ کہ وہ کون ہے جو ان چیزوں کو جنہیں خدا نے وجۂ زینت اور خوشگوار بنایا ہے، حرام قرار دے دے۔ (۳۲ : ۷) ۔ یاد رکھو! میری بعثت اس لئے ہوئی ہے کہ نوعِ انسان جن خود ساختہ زنجیروں میں جکڑی چلی آ رہی ہے اور جن بوجھوں کے نیچے دبی ہوئی ہے، ان زنجیروں کو توڑ دوں اور ان بوجھل سلوں کو اتار پھینکوں۔ نہ کہ اسے اور زنجیریں پہنا دوں۔ (۱۵۷ : ۷)

۱۴۔ دیگر احکام

۱۔ خمر و میسر میں فوائد کم ہیں اور نقصان زیادہ۔ ان سے مجتنب رہنا ضروری ہے۔ (۲۱۹ : ۲)

۲۔ تمہاری ضروریات سے زائد جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب، نوعِ انسان کی بہبود کی خاطر کھلا رہنا چاہیے۔ (۲۱۹ : ۲)

۳۔ یتیموں کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ (۲ : ۲۲۰)

۴۔ ایسی عورتوں کے متعلق احکام جو بیوہ ہو چکی ہوں یا جنہیں شوہر نہ ملا ہو۔ (۱۳۰ - ۱۲۷ : ۴)

۵۔ کلالہ کے متعلق احکام۔ (۴ : ۱۷۷)

۶۔ ہمیشہ عدل کرو۔ اور قوانینِ خداوندی کی اطاعت خلوص سے کرو۔ (۷ : ۲۹)

۷۔ انفال، خدا اور رسول کے لئے ہیں۔ (۸ : ۱)

۸۔ خدا فحش کا حکم نہیں دیتا۔ (۷ : ۲۸)

۹۔ خدا نے جن چیزوں کو تم پر واجب قرار دیا ہے۔ ان کا ذکر (۱۵۳ - ۱۵۲ : ۶) میں آگیا ہے۔ یہی میری راہ ہے۔ اسی کا تم اتباع کرو۔ (۶ : ۱۵۴)۔ اور جن سے روکا ہے وہ (۷ : ۳۳) میں مذکور ہیں۔

۱۰۔ تم نظامِ صلوٰۃ قائم کرو اور سراً وعلانیہ انفاق کرو۔ (۱۴ : ۳۱)

۱۱۔ ہمیشہ اچھی بات کرو۔ یاد رکھو! شیطان تم میں باہمی نزاع اور فساد ڈلوانا چاہتا ہے۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اس کے حربوں سے بچتے رہو (۱۷ : ۵۳)

۱۲۔ شہر الحرام میں قتال جرم ہے۔ (۲ : ۲۱۷)

۱۳۔ اپنی نگاہوں کو کبھی بے باک نہ ہونے دو۔ بُری نظروں سے کسی کی طرف نہ دیکھو۔ نہ مرد، عورتوں کی طرف۔ نہ عورتیں مردوں کی طرف۔ (۲۴ : ۳۰ - ۳۱)

۱۴۔ اے وہ لوگو! جو جنگ میں قید ہو کر ہمارے پاس آئے ہو۔ ہم تمہیں فدیہ لے کر چھوڑ رہے ہیں۔ اگر اس کے بعد تمہاری روش اچھی رہی تو تم ہمارے ہاں اس سے بہت کچھ بہتر پاؤ گے جو ہم نے تم سے لیا ہے۔ (۸ : ۷۰)

۱۵۔ انفاق کی ابتدا اپنے قریبیوں سے کرو (اور اس طرح اس سلسلہ کو وسیع تر کرتے جاؤ)۔ (۲ : ۲۱۵)

۱۶۔ حیض کے متعلق احکام۔ (۲ : ۲۲۲)

۱۷۔ چاند تو محض مہینوں کے حساب وشمار کے لئے ہے۔ اس سے توہمات وابستہ کرنا بیہودہ بات ہے۔ (۲ : ۱۸۹)

۱۸۔ اے میری بیویو! ایک بات اچھی طرح سے سن لو۔ (تم میری رفیقۂ حیات ہو، اس لئے تمہیں میرے مشن کی کامیابی کے لئے میری رفاقت کرنی ہوگی۔ اور اس کے لئے ویسی ہی زندگی گذارنی ہوگی جیسی میں گذار رہا ہوں۔ لیکن) اگر تم اس پر رضامند نہیں اور دنیاوی سازوسامان اور زیب وزینت چاہتی ہو تو میں تمہیں نہایت حسن کارانہ انداز سے الگ کر دینے کے لئے تیار ہوں۔ اور اگر تم بطیبِ خاطر موجودہ انداز کی زندگی بسر کرنے پر راضی ہو، تو تمہارے لئے

اس کا اجر بہت بڑا ہوگا۔ اب تم اپنے لئے خود فیصلہ کرلو۔ (۲۸-۲۹ : ۳۳)

۱۵۔ متفرقات

۱۔ اصحابِ کہف کتنی مدت تک غار میں رہے، اس کی بابت خدا ہی جانتا ہے۔ (۲۶ : ۱۸)۔ ان کی تعداد کے متعلق بھی وہی جانتا ہے۔ (۲۲ : ۱۸)

۲۔ میں تمہیں ذوالقرنین کی بات سناتا ہوں۔ (۸۳ : ۱۸)

۳۔ ہر ایک اپنی مشاکلت کے مطابق کام کرتا ہے۔ (۸۴ : ۱۷)

۱۶۔ حضورؐ کی دعائیں

۱۔ اے میرے نشو ونما دینے والے! مجھے جہاں داخل کر، صدق سے داخل کر۔ اور جہاں سے نکال بصدق سے نکال۔ (۸۰ : ۱۷)

۲۔ اے میرے نشو ونما دینے والے! میرا علم بڑھائے چلا جا۔ (۱۱۴ : ۲۰)

۳۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔ (۱۱۸ : ۲۳)

۱۷۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

۱۔ حمد اللہ کے لئے۔ اور اس کے منتخب افراد کے لئے سلام۔ (۵۹ : ۲۷)

۲۔ الحمدللہ کہ انہوں نے کوئی بات تو ٹھیک کہی۔ (۶۳ : ۲۹) — (۲۵ : ۳۱)

۳۔ خدا کی اولاد نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ حمد تمام اس کے لئے ہے۔ (۱۱۱ : ۱۷)

۴۔ خدا اپنی نشانیاں تمہیں دکھائیگا اور اس طرح ابھار اور نکھار کر دکھائے گا کہ تم انہیں پہچان لوگے۔ وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ حمد سب اسی کے لئے ہے۔ (۹۳ : ۲۷)

۱۸۔ بارگاہِ خداوندی میں حضورؐ کی فریاد

۱۔ اے میرے نشو ونما دینے والے! حقیقت یہ ہے کہ میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا (اور غیر از قرآن باتوں کو اپنے لئے دین بنا لیا تھا۔ سو اس کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوگئی اور اس کے بعد تیرے حضور بھی مجرمین کی صف میں کھڑی ہے)
(۳۰ : ۲۵)

۵- حسن وجمال

حسن - اشیائے کائنات کے دو پہلو ہیں - ایک پہلو افادی ہے - یعنی انسانی زندگی کے لئے طبیعی فوائد - یہ پہلو، انسانوں اور حیوانوں، سب کے لئے یکساں ہے - لیکن "انسان محض روٹی سے زندہ نہیں رہتا" - اسے ذوقِ جمالیات بھی عطا کیا گیا ہے - یہ چاہتا ہے کہ اسے (مثلاً) کھانے کو ملے تو جہاں وہ چیزیں اس کے لئے طبیعی طور پر مفید ہوں - اس کے جسم کی نشو ونما کا ذریعہ بنیں - وہاں وہ خوش منظر بھی ہوں - خوش ذائقہ بھی ہوں - ان کی خوشبو بھی اچھی ہو - اشیائے کائنات کا یہ پہلو جمالیاتی کہلاتا ہے اسے حسن، آرٹ - زینت سے تعبیر کیا جاتا ہے - انسان کو ذوقِ جمالیات عطا کرنا، اور اشیائے کائنات میں اس ذوق کی تسکین کا سامان رکھ دینا، اس سے خالقِ کائنات کا منشار واضح ہو جاتا ہے - یعنی اشیائے کائنات کا جمالیاتی پہلو عبث وبیکار یا شرارت خباثت نہیں - انسانی صلاحیتوں کی نشو ونما میں اس کا بھی حصہ ہے اور اس سے بہرہ یاب ہونا انسان کے لئے ضروری ہے بس اتنی احتیاط کی ضرورت ہے کہ جس طرح اشیاء کے افادی پہلو سے متمتع ہونے کے لئے ایک حد کے اندر رہنا چاہیئے اسی طرح ان کے جمالیاتی پہلو سے لذت گیر ہونے کے لئے بھی حدود کے اندر رہنا چاہیئے - یہ حدود خدا کی مقرر کردہ "قرآن کریم کے اندر ہیں -

کائنات میں حسن کا پہلو

۱- مویشیوں میں تمہارے لئے افادی پہلو بھی ہے - ان پر سواری کرنا - باربرداری کا کام لینا - دودھ پینا - گوشت کھانا - چمڑے، اون اور بالوں کا استعمال کرنا - اور ان کے علاوہ ان میں جمالیاتی پہلو بھی ہے - جنگل صبح و شام ان کے چراگاہوں کی طرف جانے اور واپس آنے کے مناظر بھی بڑے دلکش ہوتے ہیں - (۱۶ : ۵ - ۸)

۲- سمندروں سے تازہ گوشت بھی ملتا ہے - اور خوبصورت موتی بھی - (۱۶ : ۱۴)

۳- زمین سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس میں زینت کا پہلو بھی ہے - (۲۴ : ۱۰) — (۷ : ۱۸) — (۵ : ۲۲) — (۷ : ۵۰)

۴- ہر شے کو ٹھیک ٹھیک تناسب کے ساتھ بنایا گیا ہے - (۲۷ : ۸۸) — (۷ : ۳۲) - خود انسانی ساخت میں اعتدال کو ملحوظ رکھا گیا ہے - (۴۰ : ۶۴) — (۶۴ : ۳) - (۸۲ : ۷) — (۸۷ : ۲) — (۹۵ : ۴)

۵- ہر شے کو حسین بنایا گیا ہے - (۳۲ : ۷)

۶۔ کائنات میں کسی جگہ بھی تم عدم تناسب ۔جھول ۔ ڈھیل ۔شکن ۔سلوٹ نہیں دیکھو گے ۔ (۳ : ۶۷)
۷۔ آسمانوں کو ستاروں سے مزیّن بنایا ۔ (۱۶ : ۱۵) ۔(۶ : ۳۷) ۔(۱۲ : ۴۱) ۔(۶ : ۵۰) ۔(۵ : ۶۷)۔
۸۔ خدا احسن الخالقین ہے ۔(۱۴ : ۲۳) ۔(۱۲۵ : ۳۷) ۔ اس نے انسان کو تقویم احسن میں پیدا کیا ہے ۔ (۴ : ۹۵) ۔جنہیں کو احسن صورت عطا کی ۔ (۶۴ : ۴۰) ۔(۳ : ۶۴) ہر شے کو احسن پیدا کیا ۔ (۷ : ۳۲)

زینت حرام نہیں

۱۔ ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو زینت کی چیزوں کو حرام قرار دے سکتا ہے؟ (۳۲ : ۷)
۲۔ بیوی بچے ۔مال و دولت ۔مویشی گھوڑے ۔کھیتی باڑی ۔ ان سب میں کشش رکھی گئی ہے ۔(۱۳ : ۳) ۔(۴۶ : ۱۸)
۳۔ زینت منع نہیں ۔عورتوں کو زینت کی نمود و نمائش منع ہے ۔ (۳۱ : ۲۴) ۔(۶۰ : ۲۴)
۴۔ خدا کی اطاعت گذاری میں زینت کے پہلو کو نظر انداز مت کرو ۔ (۳۱ : ۷)

سامانِ زینت سے بہرہ یاب ہونے کی تاکید اور حدود

۱۔ کھانے پینے میں اسراف مت کرو ۔ اور قوانینِ خداوندی کی اطاعت سے زندگی کو حسین اور مزیّن بناؤ ۔ (۳۱ : ۷) ۔لیکن حدود کے اندر رہتے ہوئے ۔ (۳۱ : ۷)
۲۔ لیکن انہیں مقصود بالذات نہ سمجھ لو ۔ یہ شیوہ کفر کا ہو جائے گا ۔ (۲۴ : ۱۰) ۔(۱۶ - ۱۵ : ۱۱) ۔ (۲۸ : ۱۸) (۶۰ : ۲۸) ۔(۲۸ : ۳۳) ۔(۲۰ : ۵۷)
۳۔ حسنِ کائنات سے متمتع اس طرح ہو کہ تمہارے اعمال میں حسن پیدا ہو جائے ۔ (۷ : ۱۸)

جنتی زندگی

۱۔ جنت کی زندگی میں بہترین سامانِ زیب و زینت اور حسن و زیبائش کا ذکر ہے ۔ بہترین ریشم کے حسین ترین ملبوسات ۔ زیورات ۔موتی ۔جواہرات ۔قالین ۔صوفے ۔سونے کے کنگن ۔جگمگ سونے چاندی کے برتن ۔شیشہ اور بلور کے آفتابے اور گلاس وغیرہ (حوالوں کے لئے دیکھئے عنوان "جنت") ۔اس قسم کی زندگی قرآنی نظام کا فطری نتیجہ ہے ۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔

متفرق

۱۔ حضرت سلیمانؑ بڑے بڑے کاریگروں سے تصاویر اور مجسمے بنوایا کرتے تھے۔ (۳۴: ۱۳)

---(۰)---

۶۔ حسنة

(نیز دیکھئے سیّئات)

حسنة (ح۔ س۔ ن)۔ زندگی کا ہر خوشگوار گوشہ، سامانِ راحت و آسائش، انفرادی اور اجتماعی حیات کے حسین پہلو۔

قرآن کریم نے، ایمان اور اعمالِ صالحہ کا لازمی نتیجہ، حسنۃ کا حصول قرار دیا ہے، اس دنیا میں بھی حسنة۔ اور آخرت میں بھی حسنة۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ جماعتِ مومنین کو اس دنیا میں بھی ہر قسم کی خوشگواریاں نصیب ہوں گی اور آخروی زندگی میں بھی۔ "ایمان و اعمالِ صالحہ" کے ماپنے کا یہ ایک ایسا مقیاس یا معیار ہے جس سے انسان دھوکے میں نہیں رہ سکتا۔ اگر قوم کو زندگی کی خوشگواریاں حاصل ہیں تو وہ صاحبِ ایمان بھی ہے۔ اور اس کے اعمال بھی صالح ہیں۔ اس کے برعکس اگر اس کی زندگی عسرت اور مشقت کی ہے اور وہ سامانِ راحت و آسائش سے محروم ہے تو نہ اس کا ایمان، ایمان ہے۔ نہ اس کے اعمال صالح ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے اعمالِ صالح کے لئے بھی حسنات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی حسن کارانہ انداز سے متوازن زندگی بسر کرنے کا نتیجہ، زندگی کی خوشگواریاں ہیں۔ اس سے معاشرہ میں ہمواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے مقابل میں سیّئات کا لفظ آیا ہے جس سے مراد معاشرتی ناہمواریاں ہیں۔ اس کا نتیجہ ناخوشگوار زندگی ہے۔

حسن، درحقیقت نام ہی صحیح توازن و تناسب کا ہے۔ قرآن کریم اس قسم کا پروگرام دیتا ہے جس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے، انسان کی مختلف قوتوں اور صلاحیتوں میں صحیح صحیح توازن اور اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب افراد کی ذات اس طرح معتدل (BALANCED PERSONALITY) ہو جائے تو ان پر مشتمل معاشرہ، خود بخود متناسب، متوازن اور اعتدال بہ رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ زندگی کی خوشگواریاں ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور اگلی زندگی میں بھی۔۔۔

اس قسم کی زندگی بسر کرنے والوں کو محسنین کہا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس قوم کو دنیاوی خوشگواریاں حاصل ہوں اس کا شمار

مومنین میں ہو جاتا ہے۔ مومن ہونے کے لئے اور بھی بہت کچھ مطلوب ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ جماعتِ مومنین کو دنیاوی خوشگواریاں بھی حاصل ہوں۔

حسنۃ - دنیا اور آخرت کی خوشگواریاں۔

۱۔ اگر تمہیں زندگی کی کوئی خوشگواری نصیب ہوتی ہے تو کفار پر یہ گراں گزرتی ہے۔ اگر تمہیں کوئی مصیبت آجائے تو یہ خوش ہو جاتے ہیں۔ (۱۱۹ : ۳) - (۵۰ : ۹)

۲۔ ایمان و اعمالِ صالح سے متاعاً حسناً مل جاتی ہے۔ (۳ : ۱۱)

۳۔ انہیں اگر کوئی خوشگواریاں نصیب ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور اگر مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس کا ذمہ دار رسول ہے۔ ان سے کہو کہ یہ سب خدا کے قانون کی رو سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس کے قانون کے مطابق چلتا ہے تو خوشگواری ملتی ہے۔ اگر اس کے خلاف اپنی مرضی کرتا ہے تو مصیبت آتی ہے (۷۹ - ۷۸ : ۴)

۴۔ جو کسی کے ساتھ اچھی بات میں کھڑا ہو جائے گا۔ (شفاعۃ حسنۃ) اس میں اس کا بھی حصہ ہوگا۔ جو غلط بات میں ساتھ دے گا (شفاعۃ سیئۃ) اس میں اس کی بھی ذمہ داری ہوگی۔ (۸۵ : ۴)

۵۔ ثواب الدنیا اور ثواب الآخرت دونوں ملتے ہیں۔ (۱۴۷ : ۳) - (۱۹۴ : ۳)

۶۔ قومِ فرعون کو خوشگواری نصیب ہوتی تو کہتے کہ وہ تو انہیں ملنی ہی تھی۔ اور اگر مصیبت آتی تو کہتے کہ یہ موسیٰؑ کی وجہ سے نحوست آئی ہے۔ (۱۳۱ : ۷)

۷۔ حسنِ عمل کا نتیجہ زندگی کی خوشگواریاں ہیں۔ (۲۳ : ۴۲)

۸۔ اس دنیا میں حسنۃ اور آخرت میں بھی حسنۃ۔ (۲۰۱ : ۲) — (۱۵۶ : ۷) — (۳۰ : ۱۶) — (۴۱ : ۱۶) — (۱۰ : ۳۹)

کفار اسی دنیا کی خوشگواریاں چاہتے ہیں۔ ان کا آخرت میں حصہ نہیں ہوتا۔ مومن دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں چاہتے ہیں۔ (۲۰۱ - ۲۰۰ : ۲)

۹۔ حضرت ابراہیمؑ کو اس دنیا میں حسنہ دی گئی تھیں۔ (۱۲۲ : ۱۶)

۱۰۔ خدا نے مجاہدین و مہاجرین سے وعدۂ حسنہ کر رکھا ہے۔ (۹۵ : ۴)

۱۱۔ خدا کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کے لئے حسنہ۔ (۱۸ : ۱۳)

۱۲۔ کفار کہتے ہیں کہ ان کے لئے خوشگواریاں ہیں۔ ان سے کہو کہ ان کے لئے جہنم ہے۔ (۶۲ : ۱۶)

۱۳۔ ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ حسنیٰ ہے ۔ (۸۸ : ۱۸)

۱۴۔ تباہی کے مقابلہ میں حسنہ ۔ (۵۲ : ۹)

۱۵۔ جماعتِ مومنین کی دعائیں ۔ دنیا میں بھی حسنۃ اور آخرت میں بھی حسنۃ ۔ (۲۰۱ : ۲)

۱۶۔ خدا حسنۃ کو بڑھاتا ہے ۔ (۴۰ : ۴) ـ (۱۶۰ : ۶) ـ (۲۶ : ۱۰) ـ (۸۹ : ۲۷) ـ (۸۴ : ۲۸) ـ (۲۳ : ۴۲)

حسنات (حسنِ عمل) قرآنی پروگرام کے مطابق ایسے کام جن کا نتیجہ خوشگواریاں ہیں ۔

۱۔ جو سوءَ (کسی غلط، ناہموار کام) کو حسنا سے بدل دیتا ہے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے ۔ (۱۱ : ۲۷)

۲۔ توبہ اور عملِ صالح سے سیّات، حسنات میں بدل جاتی ہیں ۔ (۷۰ : ۲۵)

۳۔ حسنات سے سیات، دور ہو جاتی ہیں ۔ (۱۱۴ : ۱۱) ـ یہ مومنین کا شیوہ ہے ۔ (۲۲ : ۱۳) ـ (۵۴ : ۲۸)

۴۔ خدا عملِ حسنہ کا بدلہ بہت زیادہ دیتا ہے ۔ (۴۰ : ۴) ـ (۲۶ : ۱۰) ـ (۳۸ : ۲۴) ـ (۲۳ : ۴۲)

۵۔ حسنہ اور سیئۃ برابر نہیں ہو سکتیں ۔ سیئہ کو حسنہ سے دفع کرنے کی کوشش کرو ۔ (۲۲ : ۱۳) ـ (۹۶ : ۲۳) ـ (۵۴ : ۲۸) ـ (۳۴ : ۴۱)

۶۔ حسنہ کا اجر دس گنا ۔ سیئہ کا اس کی مثل ۔ (۱۶۱ : ۶) ـ (۸۴ : ۲۸)

۷۔ حسنہ کا بدلہ اس سے بہتر ۔ (۲۶ : ۱۰) ـ (۸۹ : ۲۷) ـ (۸۴ : ۲۸)

۸۔ حسنات والے جہنم سے دور رکھے جائیں گے ۔ (۱۰۱ : ۲۱)

۹۔ کائنات کی مشینری گردش میں ہے تاکہ حسنِ عمل کا نتیجہ حسنیٰ دیا جائے ۔ (۷ : ۱۱) ـ (۳۱ : ۵۳)

۱۰۔ حسنِ عمل ہو یا سیّات، یہ سب اپنے لئے ہوتی ہیں ۔ کوئی دوسرا ان کے نتائج میں شریک نہیں ہو سکتا ۔ (۷ : ۱۷)

۱۱۔ اہلِ جنت کی سیّات کے نتائج دور ہو جائیں گے اور حسنات کے نتائج ملیں گے ۔ (۱۰۱ : ۲۱) ـ (۷ : ۲۹) ـ (۳۵ : ۲۹) ـ (۱۶ : ۴۶)

۱۲۔ کائنات کی ہر شے کو مزیّن بنایا تاکہ حسنِ عمل کے مواقع بہم پہنچائے جائیں ۔ (۷ : ۱۸)

موت وحیات پیدا کی تاکہ حسنِ عمل کے مواقع بہم پہنچائے جائیں ۔ (۲ : ۶۷)

ارض وسمٰوات اور زندگی کے سرچشمہ کو اس مقصد کے لئے پیدا کیا ۔ (۷ : ۱۱)

۱۳۔ حسنِ عمل کا بدلہ ۔ (۱۶۱ : ۳) ـ (۱۲۸ : ۴) ـ (۱۲۱ : ۹) ـ (۹۷-۹۶ : ۱۶) ـ (۲ : ۱۸) ـ

(۱۸ : ۳۰) — (۲۴ : ۳۸) — (۴۸ : ۱۶) — (۵۳ : ۳۱)

۱۴۔ خدا کے ہاں حسن مآب ہے ۔ (۱۴ : ۳) — (۱۳ : ۲۹) — (۳۸ : ۲۵) — (۳۸ : ۴۰) — (۳۸ : ۴۹)

جنت کی حسنات

۱۔ جنت حسین ترین مستقر اور مقام ہے ۔ (۲۵ : ۷۶)

۲۔ جنت میں "خیرات حسان" ہیں ۔ (۵۵ : ۷۰) — نیز "عبقری حسان" (۵۵ : ۷۶)

۳۔ جنت حسن مآب (حسین ترین مقام) ہے ۔ (۳ : ۱۳) — (۱۳ : ۲۹) — (۳۸ : ۲۵) — (۳۸ : ۴۹)

۴۔ اللہ کے ہاں حسن الثواب ہے ۔ (۳ : ۱۹۴، ۱۴۷)

۵۔ یہ جنت کی آسائشیں ایسی خوشگواریاں ہیں جن کے سہارے انسان بلندیوں کی طرف جاتا ہے ۔
ان کے برعکس، جہنمی معاشرہ کی خوشگواریاں ہیں جن سے سہاروں کا توازن بگڑ جاتا ہے ۔ (۱۸ : ۳۱، ۲۹)

۶۔ ہجرت اور قتال فی سبیل اللہ سے رزق حسنہ ملتا ہے ۔ (۲۲ : ۵۸)

۷۔ جنت کے مستحقین کی سیئات کے نتائج دور ہو جائیں گے اور حسنات کے نتائج ملیں گے ۔ (۷ : ۲۹) — (۳۹ : ۳۵) — (۴۶ : ۱۶)

۸۔ یہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے ۔ (۲۱ : ۱۰۱)

محسنین

۱۔ ذریت ابراہیمؑ و اسحٰقؑ میں محسن بھی ہیں اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والے بھی (۳۷ : ۱۱۳)

۲۔ جو خدا کے قوانین کے سامنے سر جھکا دے اور محسن بھی ہو، اس کے لئے اجر ہے ۔ (۲ : ۱۱۲) — (۴ : ۱۲۵) — (۳۱ : ۲۲)

۳۔ ازواجِ نبیؐ میں سے محسنٰت کے لئے اجرِ عظیم ۔ (۳۳ : ۲۹)

۴۔ خدا محسن اور متقی کے ساتھ ہے ۔ (۱۶ : ۱۲۸) — (۲۹ : ۶۹)

۵۔ محسنین جنت میں ۔ (۵ : ۸۵) — (۳۹ : ۳۴) — (۵۱ : ۱۶) — (۷۷ : ۴۴)

۶۔ محسنین کے اجر میں اضافہ کیا جائے گا ۔ (۲ : ۵۸) — (۷ : ۱۶۱)

۷۔ خدا محسنین کو پسند کرتا ہے۔ (۲: ۱۹۵) — (۳: ۱۳۴) — (۳: ۱۴۸) — (۵: ۱۳) — (۵: ۹۳)

۸۔ حضرت یوسفؑ کے متعلق کہا کہ ہم اس طرح محسنین کو بدلہ دیتے ہیں۔ (۱۲: ۲۲) ۔ حضرت موسٰیؑ کے متعلق (۲۸: ۱۴)۔ (۳۷: ۱۲۰) حضرت نوحؑ (۳۷: ۸۰) ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ (۶: ۸۴) — (۳۷: ۱۱۰ و ۱۰۵) ۔ آل یاسینؑ (۳۷: ۱۳۱) حضرت یونسؑ (۳۷: ۱۳۹)۔

۹۔ خدا محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (۹: ۱۲۰) — (۱۱: ۱۱۵) — (۱۲: ۵۶) —(۱۲: ۹۰) — (۱۸: ۳۰)

۱۰۔ محسنین کے لئے بشارت ہے۔ (۲۲: ۳۷)

۱۱۔ محسنین جو چاہیں گے خدا سے ملیگا۔ یہ ان کی جزا ہے۔ (۳۹: ۳۴)

۱۲۔ طلاق وغیرہ کے احکام کے سلسلہ میں کہا کہ یہ محسنین پر واجب ہے۔ (۲: ۲۳۶)

۱۳۔ محسنین اگر کوئی عذر پیش کرتے ہیں تو وہ معقول ہوتا ہے۔ (۹: ۹۱)

۱۴۔ قرآن محسنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ (۳۱: ۳) ۔ بشارت ہے۔ (۴۶: ۱۲)

۱۵۔ خدا کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ (۷: ۵۶)

۱۶۔ کفار عذاب دیکھ کر کہیں گے کہ اگر ایک بار پھر دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو ہم محسنین میں سے ہو جائیں گے۔ (۳۹: ۵۸)

اسماء الحسنٰی

خدا کی صفات مختلف ہیں۔ بلکہ بعض ایک دوسرے سے متضاد بھی۔ لیکن وہ اس کی ذات میں ایسے مکمل توازن اور اعتدال کے ساتھ سموئی ہوئی ہیں کہ ان کا نتیجہ ہمیشہ حسن آمیز ہوتا ہے۔ ان کا جہاں بھی مظاہرہ ہوگا۔ وہاں حسن پیدا ہو جائے گا۔ اس اعتبار سے انہیں اسماء الحسنٰی کہا گیا ہے۔ ان کی تفصیل اللہ کے عنوان میں دی گئی ہے۔ یہاں صرف یہ بتایا جائے گا کہ یہ ترکیب (الاسماء الحسنٰی) کہاں کہاں آئی ہے۔

۱۔ خدا کے اسماء الحسنٰی ہیں۔ اسے جس نام سے چاہو پکارو۔ لیکن جو لوگ توازن و اعتدال چھوڑ کر اس کی کسی ایک صفت میں تشدد اختیار کر لیں، ان سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ (۷: ۱۸۰)

۲۔ اسے اللہ کہو یا رحمٰن کہو۔ اسماء الحسنٰی اس کے لئے ہیں۔ (۱۷: ۱۱۰)

۳۔ لہ الاسماء الحسنٰی۔ (۲۰: ۸) — (۵۹: ۲۴)

۴۔ یہ اللہ کا رنگ ہے اس سے زیادہ حسین رنگ اور کون سا ہو سکتا ہے۔ (۲: ۱۳۸)

۵۔ خدا احسن الخالقین ہے (۱۴: ۲۳) - (۱۲۵: ۳۷)

تخلیق احسن

۱۔ ہر شے کو احسن پیدا کیا - (۷: ۳۲) - جنین کو احسن صورت دی - (۶۴: ۴۰) - (۳: ۶۴) - انسان کو تقویم احسن میں پیدا کیا - (۴: ۹۵)

متفرق

۱۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ) - (۴: ۶۰)

۲۔ رسول اللہؐ کی زندگی میں اسوۂ حسنہ (۲۱: ۳۳)

۳۔ خدا مومنین سے وعدۂ حسنہ کرتا ہے - (۶۱: ۲۸)

۴۔ خدا نے بنی اسرائیل سے وعدۂ حسنہ کیا تھا - (۸۶: ۲۰) - کلمۃ حسنیٰ (۱۳۷: ۷)

۵۔ انبیاء - صدیق - شہداء - صالحین ، حسین ترین رفیق ہیں - (۶۹: ۴)

۶۔ خدا نے حضرت مریم کی والدہ کی نذر کو حسنِ قبولیت عطا کیا - اور حضرت مریم کی نشو و نما عمدہ طریق سے ہوئی - (۳۶: ۳)

۷۔ جس کے سوءِ عمل اسے حسنہ بن کر دکھائی دیں ، وہ تباہ ہوگیا - (۸: ۳۵)

۸۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید - (۸: ۲۹)

۹۔ کھجوریں - انگور وغیرہ رزقِ حسنہ ہیں (۶۷: ۱۶)

۱۰۔ حضرت شعیبؑ نے کہا کہ انہیں خدا کی طرف سے رزقِ حسنہ ملتا ہے - (۸۸: ۱۱) - (۷۵: ۱۶) - (۵۸: ۲۲)

۱۱۔ حسن کے معنی اچھا سلوک (۸۶: ۱۸)

۱۲۔ قرضِ حسنہ - (۲۴۵: ۲) - (۱۲: ۵) - (۱۱: ۵۷) - (۱۸: ۵۷) - (۱۷: ۶۴) - (۲۰: ۷۳)

۱۳۔ بنی اسرائیل کو حسنات و سیآت کی گردشیں دیں کہ وہ قانونِ خداوندی کی طرف رجوع کریں - (۱۶۸: ۷) - مومنین کو بھی - (۱۷: ۸) - بلائے حسنہ یعنی اچھی گردش -

۱۴۔ ہلاک ہونے والی قوموں کو خوشگواریاں ملتی تھیں تو وہ اور سرکش ہو جاتی تھیں - (۹۵-۹۴: ۷)

۱۵۔ یہ لوگ خوشگواریوں سے قبل ہی تباہیوں کے آرزومند ہو جاتے ہیں - (۶: ۱۳) - (۴۶: ۲۷)

۱۶- خدا کی طرف دعوت، موعظہ حسنہ کے ذریعے۔ اور کسی سے بحث کرنی ہو تو حسین ترین طریق سے کی جائے ۔

(۱۶ : ۱۲۵) - (۲۹ : ۴۶)

۱۷- مجاہدین ومہاجرین سے وعدۂ حسنہ - (۴ : ۹۵) - (۵۷ : ۱۰)

۱۸- بنی اسرائیل کو تمکن فی الارض ملا اور یوں خدا کا وعدۂ حسنہ (کلمت الحسنٰی) پورا ہوا۔ (۷ : ۱۳۷)

۱۹- مومن حسنٰی کی تصدیق کرتے ہیں۔ کفار اس کی تکذیب کرتے ہیں - (۹۲ : ۶ ; ۹)

۲۰- کفار کہتے ہیں کہ ہمیں یہاں بھی راحت میسّر ہے اور خدا کے ہاں جائیں گے تو وہاں بھی عیش ہی ہوں گے۔ (۴۱ : ۵۰)

۲۱- یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر بطریقِ احسن - (۶ : ۱۵۲) - (۱۷ : ۳۴)

۲۲- ہر بات بطریقِ احسن کرو - (۱۷ : ۵۳) - قولِ احسن دعوت الی الاسلام ہے - (۴۱ : ۳۳)

۲۳- کتابِ موسٰی حسنِ عمل کرنے والوں پہ اتمامِ نعمت کے لئے تھی - (۶ : ۱۵۵)

۲۴- قارون سے کہا کہ جس طرح خدا نے تمہیں خوشگواریاں عطا کیں، تم بھی حسنِ عمل کرو - (۲۸ : ۷۷)

۲۵- سلام کا جواب اس سے بہتر طریق سے دو - (۴ : ۸۶)

۲۶- حسنہ اور سیّئہ کبھی ایک جیسی نہیں ہو سکتیں - (۴۱ : ۳۴)

۲۷- بنی اسرائیل کے لئے حسنات اور سیّات کے پہلو بدلے - (۷ : ۱۶۸)

۲۸- کفار بزعمِ خویش سمجھتے ہیں کہ وہ بہت حسین کام کرتے ہیں - (۱۸ : ۱۰۴)

۲۹- صدّق بالحسنٰی اور کذّب بالحسنٰی - (۹۲ : ۶ ; ۹)

۳۰- اسلام سے زیادہ احسن دین کون سا ہو سکتا ہے - (۴ : ۱۲۵) - اللہ سے زیادہ احسن حاکم کون ہو سکتا ہے - (۵ : ۵۰) -

وہ احسن الخالقین ہے - (۲۳ : ۱۴) - (۳۷ : ۱۲۵)

۳۱- قرآن احسن الحدیث ہے - (۳۹ : ۲۳) - اس کا اتباع کرو - (۷ : ۱۴۵) - (۳۹ : ۱۸) - (۳۹ : ۵۵)

۳۲- سیّات اپنے ہاتھوں سے آتی ہیں - (۳۰ : ۳۶) - (۴۲ : ۴۸)

(۰)

حرام اور حلال

حرام (ح - ر - م) کسی شے سے روک دینا۔ ممانعت کر دینا۔ اس کے برعکس، حلال کے معنی ہیں رسیاں کھول کر آزاد کر

دینا - پابندیاں اٹھا دینا۔

انسانی آزادی، دین کی بنیاد ہے۔ اس کی رو سے کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے انسان پر کوئی ایسی پابندی عائد کرے جس سے اس کی آزادی میں خلل واقع ہو۔

لیکن انسان کی تمدنی زندگی کے لئے بعض پابندیوں کا عائد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً یہ پابندی کہ سڑک پر بائیں طرف چلنا چاہیئے، تمدنی ضرورت ہے۔ اس قسم کی پابندیاں انسانوں کا اجتماعی نظام باہمی مشورہ سے خود عائد کر لیتا ہے۔

لیکن بعض پابندیاں انسانی ذات کی نشوونما کے لئے بھی ضروری ہوتی ہیں۔ یہ پابندیاں خدا کی طرف سے عائد کی جاتی ہیں۔ اس کے سوا کسی اور کو حق حاصل نہیں کہ کسی پر کسی شے کو حرام قرار دے دے۔ خدا نے ان پابندیوں (حرام) کی تصریح اپنی کتاب میں کر دی ہے۔ لہٰذا، حرام اشیاء وہی ہیں جنہیں قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔ اور یہ گنتی کی ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام اشیاء حلال ہیں۔

حلال کے معنی یہ نہیں کہ ان کا کھانا ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ قرآن کریم نے حلال کے ساتھ طیب کا اضافہ کر کے اس کی صراحت کر دی ہے کہ حلال اشیاء میں سے جو چیزیں تمہارے لئے خوشگوار ہوں۔ جو تمہیں پسند ہوں۔ جو تمہارے لئے نفع بخش ہوں۔ جن سے انفرادی ذوق کی تسکین ہوتی ہو۔ انہیں کھاؤ جو چیز مرغوب خاطر نہ ہو اسے نہ کھاؤ۔ لیکن اسے حرام نہ قرار دو۔

اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن کریم، انسان کی انفرادی آزادی کا کس قدر احترام کرتا ہے۔ انسانوں کا خود ساختہ "مذہب" انسانی آزادی پر جکڑ بندیاں عائد کرتا ہے اور خدا کی طرف سے عطا شدہ دین، ان جکڑ بندیوں کو توڑ کر اسے آزادی عطا کرتا ہے۔

حرام کے معنی کسی بات کو واجب قرار دینے کے بھی ہوتے ہیں۔ ان معانی میں بھی یہ لفظ قرآن کریم میں آیا ہے۔ احترام کا مادہ بھی یہی (ح۔ ر۔ م) ہے اس لئے قرآن کریم میں واجب الاحترام چیزوں کے لئے بھی لفظ حرام ہے۔ (حلت و حرمت کا فلسفہ لغات القرآن میں ملے گا)

کون کون سی چیز حرام ہے؟

۱۔ فواحش۔ بغاوت بغیر الحق اور شرک اور افتراء علی اللہ حرام ہیں۔ (۷:۳۳)

۲۔ خدا نے خود نکھار کر بتا دیا ہے کہ کون کون سی چیزیں حرام ہیں۔ اس لئے یونہی لوگوں کے خیالات کے پیچھے نہ لگ

جاؤ۔ (۶ : ۱۲۰)

۳۔ جس پر خدا کا نام لیا گیا ہو وہ کھاؤ۔ جس پہ نام نہ لیا گیا ہو وہ مت کھاؤ۔ (۵ : ۴) – (۱۲۲ ؛ ۱۲۰ - ۱۱۹ : ۶)

۴۔ وحی کی رو سے صرف یہ چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ وحی کی رو سے کوئی اور چیز حرام نہیں۔ (۱) میتۃ (مردار) (۲) دم مسفوح (بہتا ہوا لہو)۔ (۳) لحم خنزیر (سور کا گوشت) اور (۴) جسے خدا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ (۱۷۳ : ۲) – (۳ : ۵) – (۱۴۶ : ۶) – (۱۱۵ : ۱۶)۔ میتۃ میں کیا کیا شامل ہے۔ (۵ : ۳)

۵۔ اضطراری حالت میں حرام اشیاء کھا لینے کی اجازت۔ (۱۷۳ : ۲) – (۳ : ۵) – (۱۴۶ : ۶) – (۱۱۵ : ۱۶)

۶۔ جس جان کا مار ڈالنا خدا نے حرام قرار دیا ہے اُسے ناحق تلف مت کرو۔ (۳۳ : ۱۷) – (۶۸ : ۲۵)

۷۔ ان مویشیوں کے علاوہ جن کا ذکر قرآن میں کر دیا گیا ہے۔ باقی حلال ہیں۔ (۱ : ۵) – (۳۰ : ۲۲)

۸۔ زانی کا نکاح زانیہ اور مشرکہ کے علاوہ کسی اور سے حرام ہے۔ (۳ : ۲۴)

۹۔ ربوٰ حرام ہے۔ (۲۷۵ : ۲) اور بیع حلال۔

۱۰۔ طیبٰت حلال ہیں۔ شکاری کتوں کا شکار حلال ہے۔ طعام اہل کتاب اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہے (۵-۴ : ۵)

۱۱۔ کون کون سے رشتے حرام ہیں (۲۴ - ۲۳ : ۴)۔ عورت کی مرضی کے خلاف از بردستی نکاح حرام ہے (۱۹ : ۴)

۱۲۔ حلال میں سے طیّب کھاؤ۔ (۱۶۸ : ۲) – (۸۸ : ۵) – (۱۱۴ : ۱۶) – (۸۱ : ۲۰) – مالِ غنیمت حلال وطیّب ہے۔ (۶۹ : ۸)

۱۳۔ تیسری طلاق کے بعد کس شکل میں نکاح حلال ہے۔ (۲۳۰ : ۲)

حرام قرار دینے کا حق صرف خدا کو حاصل ہے

۱۔ ان سے کہو کہ وہ کون ہے جو زینت کی چیزوں کو اور رزقِ طیب کو جسے خدا نے پیدا کیا ہے، حرام قرار دے سکتا ہے؟ (۳۲ : ۷)

۲۔ مومن حرمات اللہ کی نگہداشت کرتے ہیں۔ (۳۰ : ۲۲)

۳۔ یونہی نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے وہ حرام ہے۔ یہ افترا علی اللہ ہے۔ (۱۱۶ : ۱۶)

۴۔ تم خدا کے رزق کو خواہ مخواہ، حرام حلال قرار دیتے ہو۔ (۵۹ : ۱۰)

۵۔ جسے خدا نے حلال قرار دیا ہے اسے حرام مت ٹھہراؤ۔ (۸۷ : ۵)
۶۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ جس چیز کو خدا نے حلال قرار دیا ہے اسے تم حرام کیوں قرار دیتے ہو۔ (۱ : ۶۶)
۷۔ رسول (وحی کی رو سے) طیبات کو حلال قرار دیتا ہے اور خبائث کو حرام ٹھہراتا ہے۔ (۱۵۷ : ۷)۔ خدا نے طیبات حلال قرار دی ہیں۔ (۴ : ۵)۔ (۵ : ۵)۔ (۵۱۸۷)

یہودیوں کے ہاں حلت و حرمت

۱۔ حضرت عیسٰیؑ ایسی چیزوں کو حلال قرار دینے کے لئے آئے تھے جنہیں یہودیوں نے از خود اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا۔ (۴۹ : ۳)
۲۔ یہودیوں پر، ان کی سرکشی کی سزا کے طور پر پنجے دار جانور۔ گائے اور بھیڑ کی چربی حرام قرار دے دی گئی تھی (۱۶۰ : ۴)۔ (۱۴۷)۔ (۱۱۸ : ۱۶)۔
۳۔ اپنے لوگوں کا گھروں سے نکال دینا تم پر حرام تھا۔ (۲۱۸۵)
۴۔ ارضِ فلسطین چالیس سال تک حرام قرار دی گئی۔ (۵۱۲۶)
۵۔ یہودیوں پر سب چیزیں حلال تھیں بجز اس کے جسے حضرت یعقوبؑ نے تورات نازل ہونے سے پہلے خود اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا تھا۔ (۹۲ : ۳)

عہدِ جاہلیت میں حلت و حرمت

۱۔ حرام و حلال کے متعلق توہم پرستانہ عقائد۔ (۱۴۱۔۱۳۷ : ۶) ۔ (۱۴۵۔۱۴۴ : ۶)
۲۔ کہتے ہیں کہ اگر خدا کو منظور نہ ہوتا تو ہم چیزوں کو حرام قرار نہ دیتے۔ (۱۴۹ : ۶) ۔ (۳۵ : ۱۶)
۳۔ ان سے کہا کہ تم اس بات کی شہادت پیش کرو کہ خدا نے انہیں حرام قرار دیا تھا۔ (۱۵۱ : ۶)

حالتِ احرام

یعنی حج کے زمانے میں وہ حالت جس میں حاجی کو بعض باتوں سے روک دیا جاتا ہے۔

۱۔ حالتِ احرام میں صید البر حرام ہے۔ (۹۶ : ۵)۔ صید البحر حلال ہے۔ (۱ : ۵) ۔ (۹۶ : ۵)

حرام بمعنی واجب

۱۔ شرک نہ کرنا۔ ماں باپ سے احسان کرنا۔ اولاد کو قتل نہ کرنا۔ فواحش کے قریب نہ جانا۔ کسی کی ناحق جان لینا۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جانا۔ ماپ تول پورا رکھنا۔ عدل کرنا۔ عہد پورا کرنا۔ یہ سب واجب ہیں (۶:۱۵۲-۱۵۳)۔ زنا کے قریب نہ جانا۔ (۲۵ : ۶۸)

۲۔ جو ان چیزوں کو واجب قرار نہیں دیتے جنہیں خدا اور رسول واجب قرار دیتے ہیں ان سے جنگ کرو۔ (۹ : ۲۹)

متفرق

۱۔ جنت کی ٹھنڈک کفار پر حرام ہے۔ (۷ : ۵۰) ۔مشرکین پر بھی۔ (۵ : ۷۲)

۲۔ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا کو ایسا منظور نہ ہوتا تو ہم ان چیزوں کو حرام نہ قرار دیتے۔ (۶ : ۱۴۹)۔(۱۶ : ۳۵)

۳۔ ہلاک شدہ قوم کی حیاتِ نو حرام ہے۔ بجز اس کے کہ...... (۲۱ : ۹۵ - ۹۶)

۴۔ شہر الحرام۔ (۲ : ۱۹۴)۔(۲ : ۲۱۷)۔(۵ : ۲)۔(۵ : ۹۷)۔(۹ : ۵)۔چار حرام مہینے (۹ : ۵)۔(۹ : ۳۶)۔ ان میں سے حرام کو حلال اور حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے ——— (۹ : ۳۷)

۵۔ بیت الحرام۔ (۵ : ۹۷)۔(۱۴ : ۳۷)۔مشعر الحرام۔ (۲ : ۱۹۸)۔(۵ : ۲)

۶۔ مسجد الحرام۔ (۲ : ۱۴۴-۱۵۰)۔(۲ : ۱۹۱)۔(۲ : ۱۹۶)۔(۲ : ۲۱۷)۔(۵ : ۲)۔(۸ : ۳۴)۔(۹ : ۷)۔(۹ : ۱۹)۔(۹ : ۲۸)۔(۱۷ : ۱)۔(۲۲ : ۲۵)۔(۴۸ : ۲۵ ؛ ۲۷)

۷۔ بلد الحرام۔ (۲۷ : ۹۱)۔ حرماً آمناً (۲۸ : ۵۷)۔(۲۹ : ۶۷)۔ شعائر اللہ اور شہر الحرام کی بے حرمتی مت کرو۔ (۵ : ۲)

۸۔ حضرت موسیٰؑ پر (فرعون کے گھرانے کی عورتوں کا) دودھ حرام کر دیا۔ (۲۸ : ۱۲)

۹۔ کفار ایک ماہ کو حرام اور دوسرے کو حلال کر دیتے ہیں۔ (۹ : ۳۷)

۱۰۔ رمضان کی راتوں میں مباشرت حلال ہے۔ (۲ : ۱۸۷)

۱۱۔ رسول اللہؐ کی ازواج کے سلسلہ میں ہدایات۔ (۳۳ : ۵۰-۵۲)

۱۲۔ جو کچھ عورتوں کو دے چکے ہو اسے واپس لینا حلال نہیں۔ (۲ : ۲۲۹)

۱۳۔ عورتوں کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے حمل کو چھپائیں۔ (۲ : ۲۲۸)

۱۴۔ حرمات اللہ کی تعظیم کرو۔ (۲۲ : ۳۰)

۱۵۔ مہاجر عورتوں سے نکاح کی حلت۔ (۶۰ : ۱۰)

———(٠)———

۸۔ حرص

۱۔ **حرص** کے بنیادی معنی شدتِ آرزو کے ہیں۔ خواہ وہ آرزو کسی قسم کی ہو۔ مثلاً دنیاوی زندگی کی حرص (۲ : ۹۶)۔ یا بیویوں میں عدل کرنے کی آرزو (۴ : ۱۲۹)

۲۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ آپ کتنی ہی شدت سے آرزو کریں، یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۱۲ : ۱۰۳)— (۱۶ : ۳۷)

۳۔ نبی اکرمؐ کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ حریصٌ علیکم ہیں۔ (۹ : ۱۲۸) یعنی تمہارے لئے ہر قسم کی منفعت کی شدید آرزو رکھنے والا۔

———(٠)———

۹۔ حساب

حساب۔ (مادہ ح۔ س۔ ب)۔ شمار کرنا۔ گننا۔ اندازہ کرنا۔ خیال کرنا۔ حسبٌ۔ کافی ہونا۔ جس کے بعد کسی اور کی ضرورت نہ رہے۔

قانونِ مکافاتِ عمل، دین کی بنیاد ہے۔ یعنی یہ حقیقت کہ ہر عمل اپنا نتیجہ پیدا کرکے رہتا ہے۔ اعمال ایسے بھی، کہتے ہیں جن کا نتیجہ تعمیری ہو۔ انہیں، خیر۔ اچھے اعمال۔ نیک اعمال۔ صالح اعمال۔ حسنات وغیرہ کہتے ہیں۔ اور ایسے بھی جن کا نتیجہ تخریبی ہو۔ انہیں برائیاں۔ شر۔ برے کام۔ سیّات وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس شخص کے تعمیری نتائج کا پلڑا بھاری ہو، وہ قانونِ ارتقا کی رُو سے زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کے قابل قرار پاتا ہے۔ جس کا یہ پلڑا ہلکا ہو۔ اس کی نشوونما رک جاتی ہے۔ اسے جہنم کی زندگی کہا جاتا ہے۔

اعمال کے اس طرح نتیجہ خیز ہونے کو "حساب کرنے" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور خدا (کے قانونِ مکافات) کو حسیب

(حساب کرنے والا) ہر عمل کا نتیجہ عمل کے ساتھ ہی مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ (اس لیے خدا کو "سریع الحساب" کہا جاتا ہے) لیکن اس کا محسوس نتیجہ کچھ وقت کے بعد سامنے آتا ہے۔ اسے "حساب کا دن" کہا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ "حساب کرنے والا" وغیرہ الفاظ سمجھانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں ورنہ ہر عمل کا نتیجہ، عمل کرنے والے کی ذات پر از خود مرتب ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے انسان اپنا آپ محاسب ہے۔ کوئی اور حساب کرنے والا نہیں۔ اس کی ذات پر مرتب ہونے والے ہی نقوش، بہ ہیئتِ مجموعی اس کا مستقبل مرتب کرتے ہیں۔ کہ یہ سلسلۂ ارتقاء میں آگے بڑھنے کے قابل ہے یا نہیں۔

اسی قانون کے مطابق اعمال (کاموں) کا نتیجہ اس دنیا میں بھی سامنے آتا ہے۔ اگر کام خدا کے قانون کے مطابق ہو، تو اس کا نتیجہ انسان کے عام اندازے سے کہیں زیادہ مرتب ہوتا ہے۔ جیسے کسان کے بوئے ہوئے ایک دانہ سے سینکڑوں دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسے "بغیر حساب" کہا جاتا ہے۔ یعنی انسانی اندازے سے کہیں زیادہ حساب تو اس میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس حساب کا پیمانہ الگ ہوتا ہے۔

نوٹ:۔ اندازہ کرنے کے معنوں میں جہاں یہ مادہ آیا ہے۔ اسے اس عنوان کے تابع نہیں لکھا گیا۔ ان کا اندراج ان سے متعلقہ مضامین کے مطابق الگ الگ عنوانوں میں کیا گیا ہے۔

خدا حساب کرنے والا۔ ہر ایک کا حساب ہو گا

۱۔ قوموں کا محاسبہ۔ (۸ : ۶۵)

۲۔ اہلِ جنت کہیں گے کہ ہمیں یقین تھا کہ ہمارا حساب کتاب ضرور سامنے آئے گا۔ (۲۰ : ۶۹)۔ اسی طرح اہلِ جہنم کا حساب بھی سامنے آجائے گا۔ (۲۶ : ۶۹)

۳۔ اہلِ جہنم چاہتے نہیں تھے کہ ان کا حساب ہو۔ یا وہ قانونِ مکافات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ (۲۷ : ۷۸)۔

۴۔ اہلِ جنت کا حساب آسان ہو گا۔ (۸ : ۸۴)

۵۔ خدا ہر ایک کا حساب لے گا۔ (۱۱۷ : ۲۳)۔(۳۹ : ۲۴)۔(۱۱۳ : ۲۶)۔(۲۶ : ۸۸)

۶۔ رسول کے ذمے پیغام کا پہنچانا ہے۔ حساب لینا خدا کے ذمے ہے۔ (۴۰ : ۱۳)

۷۔ کفار کا حساب بہت برا ہو گا۔ (۱۸ : ۱۳)۔ اس سے ڈرنا چاہیئے۔ (۲۱ : ۱۳)

۸۔ خدا حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ (۶ : ۴)۔(۸۶ : ۴)۔(۴۷ : ۲۱)۔(۳۹ : ۳۳)

۹۔ ان کے سامنے وہ کچھ آجائے گا جس کا وہ وہم وگمان بھی نہیں کرتے تھے۔ (۴۷ : ۳۹)

۱۰۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ خدا اس کا حساب لے گا۔ (۲۸۴ : ۲)

۱۱۔ قوموں کا حساب (یعنی قانونِ مکافات کی رو سے ان کے اعمال کا نتیجہ۔)۔ (۸ : ۶۵)

۱۲۔ ہر ایک کے اعمال کا حساب اس کے اپنے لئے ہے۔ (۵۲ : ۶) ؛ (۶۹ : ۶)

حسبٌ (کافی ہونا)

۱۔ قانونِ خداوندی پر بھروسہ کرنے والوں کے لئے وہ کافی ہوتا ہے (۳ : ۶۵)

۲۔ جنت ایسا عطیہ ہوگا جس کے بعد کسی اور شے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ (۳۶ : ۷۸)

۳۔ ان سے کہہ دو کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔ (۱۲۹ : ۹) ۔ (۳۸ : ۳۹)

۴۔ اگر کفار تمہیں دھوکا دیں تو اللہ تمہارے لئے کافی ہوگا۔ (۶۲ : ۸) ۔ خدا اور جماعت مومنین کافی ہونگے۔ (۶۴ : ۸)

۵۔ مومنین کو چاہیئے کہ وہ کہیں کہ خدا ان کے لئے کافی ہے (۱۷۲ : ۳) ۔ (۵۹ : ۹)

۶۔ منافقین کے لئے جہنم کافی ہے۔ (۲۰۶ : ۲) ۔ (۶۸ : ۹) ۔ (۸ : ۵۸)

۷۔ کفار کہتے ہیں کہ ہم قرآن کی طرف نہیں آئیں گے۔ ہمارے آباء کی تقلید ہمارے لئے کافی ہے۔ (۱۰۴ : ۵)

۸۔ خدا حسیب ہے۔ (۸۴ ; ۶ : ۴)

یومِ حساب

۱۔ حساب کے دن اعمال کے نتائج سامنے آجائیں گے۔ (۵۳ : ۳۸)

۲۔ حساب کے دن مغفرت کی دعا۔ (۴۱ : ۱۴)

۳۔ حساب کا وقت قریب آگیا اور لوگ ابھی تک غفلت میں ہیں۔ (۱ : ۲۱)

۴۔ جو یومِ حساب میں ایمان نہیں رکھتا اس سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ (۲۷ : ۴۰)

۵۔ کفار کہتے ہیں کہ ہمارا حساب، یوم الحساب سے پہلے ہی چکا دے۔ (۱۶ : ۳۸)

۶۔ یومِ حساب کو بھول جانے والا۔ (۲۶ : ۳۸)۔

بغیرِ حساب

۱۔ ایسے مقامات سے رزق جس کا خیال تک بھی انسان نہیں کر سکتا۔ (۳ : ۶۵) اور عذاب بھی (۲ : ۵۹)

۲۔ رزق بغیرِ حساب۔ (۲۱۲ : ۲)۔(۲۷ : ۳)۔(۳۷ : ۳)۔(۳۸ : ۲۴)۔(۴۰ : ۴۰)

۳۔ اجر بغیرِ حساب۔ (۱۰ : ۳۹)

۴۔ حضرت سلیمانؑ سے کہا کہ تم ان کام کرنے والوں کو بطور احسان چھوڑ دو۔ یا بغیر حساب رکھ چھوڑو تمہیں اسکی اجازت ہے۔(۳۹ : ۳۸)

سریع الحساب

۱۔ خدا سریع الحساب ہے۔(۲۰۲ : ۲)۔(۱۸ : ۳)۔(۴ : ۵۱)۔(۴۱ : ۱۳)۔(۵۱ : ۱۴)۔(۳۹ : ۲۴)۔(۱۷ : ۴۰)

۲۔ خدا اسرع الحاسبین ہے۔ (۶۲ : ۶)

انسان اپنا حساب آپ کرتا ہے

۱۔ انسان کا لپٹا ہوا اعمال نامہ کھول دیا جائے گا۔ اسے کہا جائے گا کہ اسے خود ہی پڑھ۔ تو آج اپنا حساب آپ لینے کے لئے کافی ہے۔ (۱۴-۱۳ : ۱۷)

متفرق

۱۔ چاند اور سورج حساب وشمار کے لئے ہیں۔ (۹۶ : ۶)۔(۵ : ۱۰)۔(۵ ، ۵۵)

۲۔ متقیوں کے ذمے کفار کا حساب نہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے (۵۲ : ۶)۔(۶۹ : ۶)

۳۔ دن اور رات، حساب وشمار کے لئے ہیں۔ (۱۲ : ۱۷)

———(۰)———

۱۰۔ حسد

حسد :۔ دل کے روگ یا نفسیاتی امراض میں سے سب سے زیادہ تباہ کن اور ہلاکت انگیز حسد ہے۔ یہ وہ مرض ہے

جس کا مریض، کسی دوسرے کی کوئی خوبی دیکھ نہیں سکتا۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ وہ خوبی اس کے پاس بھی رہے اور خود اسے بھی مل جائے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ (وہ خود اسے حاصل کر نہیں سکتا اس لئے چاہتا یہ ہے کہ وہ اس کے پاس بھی نہ رہے۔ اس کے لئے وہ ہر تخریبی حربہ استعمال کرتا ہے۔ ہر وقت اس کی تذلیل و تحقیر کی چالیں سوچتا رہتا ہے۔ اس سے، اس کا جسقدر نقصان ہو، وہ الگ بات ہے۔ خود اس کا دل جہنم کی آگ کے شعلوں میں لپٹے رہتا ہے۔ کتنا بڑا ہے یہ عذاب جس میں یہ ماخوذ ہوتا ہے۔

حسد

۱۔ اہلِ کتاب حسد کی بنا پر چاہتے تھے کہ جو لوگ اسلام لائے تھے، پھر سے کفر اختیار کر لیں۔ (۲ : ۱۰۹)

۲۔ یہود حسد کرتے تھے کہ مسلمانوں کو یہ کچھ کیوں مل گیا۔ (۴ : ۵۴)

۳۔ جب ان خطاکاروں کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تم ہم سے حسد کی بنا پر ایسا کہتے ہو۔ (۴۸ : ۱۵)

۴۔ جب حسد کرنے والا حسد پر اتر آئے تو اس کے شر سے بچنے کا طریق یہ ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ اطاعتِ قوانینِ خداوندی کرنے لگ جائے۔ اس سے یہ ایسی پناہ گاہ میں آجائے گا جو اسے اس کے شر سے محفوظ کر دے گی۔ یعنی یہ اسی قسم کی تخریبی کارروائیوں پر نہ اتر آئے۔ اپنے تعمیری پروگرام میں شدت سے منہمک ہو جائے۔ (۱۱۳ : ۵)

---(۰)---

حشر ۱۱

(نیز دیکھئے قیامت - آخرت وغیرہ عنوانات)

حشر:۔ اس مادہ کے بنیادی معنی اکٹھا کرنے کے ہیں، اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ مُردوں کو قیامت کے دن ایک جگہ جمع کیا جائے گا اور وہاں ان کا حساب ہو گا۔ جیسا کہ قیامت، آخرت وغیرہ عنوانات میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ مرنے کے بعد کی زندگی کیسی ہو گی اور اس کے کوائف کس قسم کے، اس کے متعلق ہم اس دنیا کی زندگی میں کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ مرنے کے بعد زندگی برحق ہے اور وہاں خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق انسانوں کے اعمال کے نتائج ان کے سامنے آئیں گے۔ قرآن کریم نے سمجھانے کی خاطر، اسے اس طرح بیان کیا ہے جیسے ایک عدالت میں ملزم پیش ہوتے ہیں لیکن اس قسم کے بیانات تمثیلی ہیں۔ مقصد ان سے مکافاتِ عمل ہی ہے۔ اس سلسلہ میں "جمع کرنے" یا "حاضر ہونے" کے الفاظ بھی قرآن کریم

میں آئے ہیں - یہ آیات عنوانِ زیرِ نظر کے تابع لکھی جا رہی ہے - بعض مقامات پہ اس لفظ (حشر) کے معنی مرنے کے بعد زندہ کرنے یا اٹھانے کے بھی آئے ہیں -

۲- حشر کے معنی اس دنیا کے اجتماعات - بالخصوص جنگ کے اجتماعات بھی ہیں - مثلاً لشکروں کو اکٹھا کرنا - فوج کو جمع کرنا - یورش کرنا - حملہ کرنا وغیرہ - جن آیات میں یہ لفظ ان معانی میں آیا ہے انہیں الگ درج کر دیا گیا ہے - اگرچہ بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں دونوں مفہوم لئے جا سکتے ہیں - اسے ہم قارئین کی صوابدید پہ چھوڑتے ہیں کہ وہ متعلقہ آیات کے سیاق و سباق کو دیکھ کر خود سمجھ لیں کہ اس کا تعلق اس دنیا سے ہے یا مرنے کے بعد کی زندگی سے -

۳- عنوان قیامت کا ذیلی باب فرادیٰ بھی دیکھیئے (جسے وہاں 'متفرق' کے تابع لکھا گیا ہے -)

مرنے کے بعد حشر - اٹھا کھڑا کرنا یا جمع کرنا

۱- جو شخص قوانینِ خداوندی سے اعراض برتے گا - اس کی روزی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن وہ اندھا اٹھایا جائے گا - (۲۰: ۱۲۴-۱۲۵)

۲- ان سب کو اکٹھا کیا جائے گا اور خدا کے حضور صف بستہ پیش کیا جائے گا - (۱۷: ۹۷) - (۱۸: ۴۷-۴۸) — (۲۰: ۱۰۲)

۳- متقین خدا کے حضور باعزت طریق سے جمع کئے جائیں گے - (۱۹: ۸۵)

۴- ہر قوم سے ایک جماعت کو اکٹھا کیا جائے گا - (۲۷: ۸۳) - اس سے مراد اس دنیا میں 'میدان جنگ میں جمع کرنا بھی ہو سکتے ہیں -

۵- ان سب کو اور شیاطین (ان کے سرغنوں) کو اکٹھا کیا جائے گا اور جہنم کے گرد حاضر کیا جائے گا - (۸: ۳۶) (۱۹: ۶۸) — (۳۴: ۲۵)

۶- انہیں اکٹھا کیا جائے گا - (یا اٹھایا جائے گا) اور پوچھا جائے گا کہ جنہیں تم شریکِ خدائی کرتے تھے - وہ کہاں ہیں - (۶: ۲۲) - (۱۰: ۲۸) — (۱۷: ۲۵) — (۳۴: ۴۰) — (۳۷: ۲۲-۲۳) — (۴۶: ۶)

۷- جو لوگ خدا کی عبودیت سے تکبر یا نفرت برتیں گے، ان سب کو اکٹھا کیا جائے گا - (۴: ۱۷۲)

۸- جن و انس کو اکٹھا کیا جائے گا - (۶: ۱۲۹)

۹- جس دن انہیں اکٹھا کیا جائے گا وہ یوں سمجھیں گے گویا وہ (دنیا میں) ایک گھڑی کے قریب رہے ہیں - اور وہ ایک

دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ (۱۰ : ۴۵)

۱۰۔ خدا، پہلے جانے والوں اور بعد میں جانے والوں، سب کو اکٹھا کرے گا۔ (۱۵ : ۲۴-۲۵)

۱۱۔ یاد رکھو! تم نے خدا کے ہاں اکٹھا ہونا ہے۔ (۲ : ۲۰۳) - (۸ : ۲۴)

۱۲۔ تم مر جاؤ یا جنگ میں قتل ہو جاؤ۔ تم سب کو خدا کے ہاں اکٹھا ہونا ہے (۳ : ۱۵۷)

۱۳۔ اس خدا کا تقویٰ اختیار کرو جس کی طرف تم سب نے اکٹھا ہونا ہے۔ (۵ : ۹۶) — (۶ : ۷۲) —
(۲۳ : ۷۹) - (۵۸ : ۹) — (۶۷ : ۲۴)

۱۴۔ جس دن خدا کے دشمنوں کو النار کی طرف جمع کیا جائے گا۔ (۴۱ : ۱۹)

۱۵۔ مومن اس بات سے خائف رہتے ہیں کہ انہوں نے خدا کے ہاں جمع ہونا ہے۔ (۶ : ۵۱)

۱۶۔ الکتاب میں کسی بات کو چھوڑا نہیں گیا۔ پھر سب کو خدا کے ہاں جمع ہونا ہے۔ (۶ : ۳۸)

۱۷۔ جس دن زمین پھٹ جائے گی۔ اس طرح انہیں اکٹھا کرنا خدا کے لئے آسان ہے۔ (۵۰ : ۴۴) اس سلسلہ میں عنوان "قیامت" کے تابع اس باب کو دیکھئے جس میں اس قسم کے تکوینی انقلاب کا ذکر ہے۔

۱۸۔ جب جنت قریب لائی جائے گی اور ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا تھا — مَا اَحْضَرَتْ (۳ : ۳۰)
(۱۸ : ۴۹) — (۸۱ : ۱۴)

۱۹۔ کفار عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔ (۱۹ : ۶۸) - (۳۰ : ۱۶) — (۳۴ : ۳۸)

۲۰۔ سب خدا کے حضور حاضر کئے جائیں گے۔ (۳۶ : ۳۲) - (۳۶ : ۵۳) - (۳۶ : ۷۵)

۲۱۔ تکذیبِ رسل کرنے والے (عذاب میں) حاضر کئے جائیں گے۔ لیکن خدا کے مخلص بندے نہیں۔ (۳۷ : ۱۲۷-۱۲۸)

۲۲۔ جن (بدوی قبائل) بھی جانتے ہیں کہ وہ حاضر کئے جائیں گے۔ (۳۷ : ۱۵۸)

۲۳۔ قیامت کے دن سب حاضر کئے جائیں گے۔ (۲۸ : ۶۱)

۲۴۔ جس پر خدا کی نعمت ہو وہ (عذاب میں) حاضر نہیں کیا جائیگا۔ (۳۷ : ۵۷)

۲۵۔ تمہیں اور اولین کو یوم الفصل کو جمع کیا جائے گا۔ (۲ : ۱۴۸) — (۳ : ۲۴) - (۴ : ۸۷) - (۴ : ۱۴۰) — (۶ : ۱۲) —
(۱۸ : ۹۹) - (۳۶ : ۳۲) — (۳۶ : ۵۳) — (۴۵ : ۲۶) - (۵۶ : ۵۰) — (۶۴ : ۹) — (۷۷ : ۳۸)

۲۶۔ جس دن خدا رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہاری دعوت کا جواب کیا ملا تھا۔ (۵ : ۱۰۹)

۲۷۔ یوم الجمع۔ (۴۲ : ۷) — (۶۴ : ۹) - جامع الناس۔ (۳ : ۹) — (۴ : ۱۴۰) — (۱۱ : ۱۰۳) — (۵۶ : ۵۰)

۲۸۔ سب کا مرجع خدا ہے ۔ (۴۸ : ۵) ۔ نیز دیکھئے عنوان رجع ۔ (۵ : ۱۰۵)۔(۴ : ۱۰)

۲۹۔ جہنم میں سب اُمم اکٹھی ہو جائیں گی ۔ (۴۸ : ۷) متبعینِ ابلیس بھی ۔ (۱۸ : ۷)۔(۴۳ : ۱۵) ۔ (۹۵ : ۲۶)
(۳۲ : ۱۳) ۔ (۸۵ : ۳۸)

۳۰۔ تابع اور متبوع سب سامنے آجائیں گے ۔ (۲۱ : ۱۴)

۳۱۔ سب کو اکٹھا کھڑا کیا جائے گا ۔ (۶ : ۵۸) ۔ نیز دیکھئے عنوان بعث ۔ (۱۸ : ۵۸)

۳۲۔ سب سے باز پرس ہو گی ۔ (۹۲ : ۱۵)

۳۳۔ یوم الفصل سب کی میقات ہے ۔ (۴۰ : ۴۴)

۳۴۔ جن و انس سے جہنم بھر دی جائے گی ۔ (۱۱۹ : ۱۱) : (۱۳ : ۳۲)

دنیا میں حشر ۔ فوجوں کا جمع کرنا وغیرہ

۱۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنے لشکروں کو اکٹھا کیا ۔ (۱۷ : ۲۷)

۲۔ جب وحشی (غیر متمدن) اقوام کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے گا ۔ (۵ : ۸۱)

۳۔ ان مخالفین سے کہو کہ عنقریب تم مغلوب ہو گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے ۔ (یہ آیت جنگ کے کوائف کے سلسلہ میں آئی ہے) ۔ (۱۱ : ۳)

۴۔ فرعون نے حکم دیا کہ لوگ (حضرت موسیٰؑ اور ساحرین کا مقابلہ دیکھنے کے لئے) چاشت کے وقت جمع ہو جائیں ۔ (۱۱۱ : ۷)
(۵۹ : ۲۰) ۔ (۳۶ : ۲۶) ۔ (۵۳ : ۲۶) ۔ (۲۳ : ۷۹)

۵۔ یہودیوں کے خلاف پہلا حملہ ۔ (۲ : ۵۹)

۶۔ حضرت داؤدؑ کے گرد قبیلہ طیر کے افراد کو اکٹھا کر کے ان کے مطیع کر دیا گیا تھا ۔ (۱۹ : ۳۸)

۷۔ ارض اور سمٰوات (آسمانی کُروں) میں دابہ (ذی حیات مخلوق) ہیں ۔ اور خدا اس پر قادر ہے کہ اپنی مشیت کے مطابق جب چاہے انہیں جمع کر دے ۔ (۲۹ : ۴۲)

(۰)

۱۲۔ حضانت

حضانت (GUARDIANSHIP) کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ماں باپ کی علیحدگی کی صورت میں نابالغ بچے کس کی تحویل میں رہیں۔ اس کی بابت قرآن کریم نے کوئی خاص حکم نہیں دیا۔ اصول یہ بیان کیا ہے کہ فیصلہ ایسا ہونا چاہیئے جس کی رو سے نہ تو باپ کو ناحق مشقت اٹھانی پڑے اور نہ ہی ماں کو اذیت (۲ : ۲۳۳)۔ اس مقصد کے لئے اسلامی حکومت کو قوانین وضع کرنے ہوں گے۔

۱۳۔ حق

حق (ح۔ ق۔ ق) یہ قرآن کریم کی بڑی جامع اصطلاح ہے جو بہت سے معانی و مفاہیم کو محیط ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اس طرح موجود، واقع اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے یا ثابت ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ کیا جا سکے۔ مفہوم کے اعتبار سے اس کا مطلب ہوتا ہے:

۱۔ کسی چیز کا ٹھوس واقعہ یا حقیقتِ ثابتہ بن کر سامنے آجانا۔ یعنی یہ نہیں کہ ہم اسے محض نظری طور پر یا عقیدۃً مانیں۔ بلکہ وہ اپنے ٹھوس اور تعمیری نتائج کے اعتبار سے اپنی شہادت آپ بن کر سامنے آجائے۔

۲۔ کسی شے کا اس طرح ثابت اور مستحکم ہو جانا کہ وہ مٹ نہ سکے۔ نہ ہی اپنے مقام سے ہل سکے۔ یہ خصوصیت تعمیری نتائج پیدا کرنے والے کاموں کی ہوتی ہے۔

۳۔ وہ شے جو زمانے کے تقاضوں کو ٹھیک ٹھیک پورا کرتی جائے اور فطرت کے قانونِ حفظ و بقا کے عین مطابق ہو۔

۴۔ وہ بات ظنی نہ ہو۔ یقینی ہو۔

۵۔ وہ شے اپنی صداقت کے لئے خارجی دلائل کی محتاج نہ ہو بلکہ سورج کی طرح اپنی دلیل آپ ہو۔

۶۔ وہ عدل و صداقت کے ہر معیار پر پوری اترے۔

یہ سلسلۂ کائنات قائم ہی حق پر ہے۔ خود خدا حقِ مطلق ہے۔ اس نے اسے حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی یہ کائنات محض افسانہ اور تخیلاتی سراب نہیں۔ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور تعمیری نتائج پیدا کرنے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ انسانوں کی راہ نمائی کے لئے حق کا پیغام وحیٔ خداوندی کی طرف سے ملا جو رسولوں کی وساطت سے

انسانوں تک پہنچایا گیا۔ اس لئے خدا کی ہر وحی حق تھی۔ قرآن حق ہے۔ اس کا رسول حق ہے۔ اس کا دین حق ہے۔

دنیا میں حق و باطل (تعمیری اور تخریبی قوتوں) کی کشمکش کا سلسلہ جاری ہے۔ لیکن اس میں آخر الامر حق (اقدارِ خداوندی، ــــ تعمیری قوتوں اور کوششوں) کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ساری کائنات کا رخ حق کی طرف ہے۔ انسانی دنیا میں حق کا قیام، انسانی ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ اسی کا نام نظامِ حق ہے۔

لہٰذا حقیقت۔ صداقت۔ یقین۔ عدل۔ تعمیر۔ ثبات۔ بقا۔ وغیرہ حق ہی کے مختلف پہلو ہیں اور قرآن اسی حق کا مظہر ہے۔ یعنی قرآنی تصور کی رو سے، حقیقت (REALITY)۔ خیر (GOOD)۔ صداقت (RIGHT) عدل (JUSTICE) اور واجب (RIGHT) سب الحق (THE TRUTH) کے مختلف پہلو ہیں۔ یعنی اس میں سے کسی ایک کو بھی لیجئے تو اس میں سب کی جھلک موجود ہوتی ہے۔

۶۔ ہمارے ہاں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اصطلاحات مروج ہیں۔ قرآن کریم میں انسانوں کے حقوق کا تو ذکر ہے۔ (مثلاً (۱۹ : ۵۱)۔ (۲۴ : ۷۰)) لیکن حقوق اللہ کا کہیں ذکر نہیں۔ صرف ایک مقام پر ہے کہ جب فصل کاٹو تو اس میں سے اس کا حق، حقہٗ بھی دے دیا کرو۔ (۱۴۱ : ۶)۔ یہ بھی درحقیقت محتاجوں ہی کا حق ہے جسے اس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

۷۔ قرآن کریم میں حق کا لفظ بے شمار مقامات پر آیا ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ مفہوم کے اعتبار سے اسے مختلف عنوانات کے تابع درج کر دیا جائے۔ لیکن یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسا کرنے میں کوئی آیت چھوٹ نہیں گئی۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ کوئی اہم مقام ایسا نہیں جو جسے درج نہ کیا گیا ہو۔

حق (بمعنی صداقت۔ حقیقت۔ اصلی اور یقینی بات۔ حقائق۔ عدل وغیرہ)

۱۔ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا قانونِ مکافاتِ عمل حق ہے۔ کہو کہ بالکل حق ہے۔ (۵۳ : ۱۰)

۲۔ دوزخ والوں کا یہ باہمی جھگڑا حق ہے۔ (۶۴ : ۳۸)

۳۔ یہ ایسا حق (یقینی) ہے جیسے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔ (۲۳ : ۵۱)۔
حق الیقین ہے۔ (۹۵ : ۵۶) ــ (۵۱ : ۶۹)

۴۔ اس دن میزان (فیصلے) حق کے مطابق ہوں گے۔ (۸ : ۷)

۵۔ اس دن قوت واقتدار، بالحق خدا کے لئے ہوگا۔ (۲۶ : ۲۵)

۶۔ میدانِ جنگ کے کھلے ہوئے فیصلہ کو حق کہا گیا ہے۔ (۴۸ : ۹)

۷۔ حضرت موسٰیؑ نے کہا کہ مجھ پر واجب ہے کہ میں خدا کے متعلق حق کے سوا کچھ نہ کہوں۔ (۱۰۵ : ۷)

۸۔ عزیز کی بیوی نے کہا کہ ہاں! اب سچی بات (حق) سامنے آگیا۔ (۵۱ : ۱۲)

۹۔ اگر حق لوگوں کی خواہشات کا اتباع کرنے لگ جائے تو کائنات میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ (۷۱ : ۲۳)

۱۰۔ یہ یوم الحق ہے۔ (۹۵ : ۵۶) - (۳۹ : ۷۸)

۱۱۔ الحق خدا کی طرف سے ہے۔ باقی سب ضائع ہو جانے والا ہے۔ (۷۵ : ۲۸)

۱۲۔ تلبیس حق و باطل مت کرو کتمانِ حق مت کرو۔ (۴۲ : ۲) - (۱۴۵ : ۲) - (۷۰ : ۳)

۱۳۔ کفار کہتے ہیں کہ اگر جو کچھ ہم سے کہا جاتا ہے وہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے عذاب نازل کر دے۔ (۳۲ : ۸)

۱۴۔ بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہیں۔ (۱۷۰ : ۴) - (۱۶۹ : ۷)

۱۵۔ اگر حق قبول نہ کیا جائے تو پھر ضلالت ہی باقی رہ جاتی ہے۔ (۳۲ : ۱۰)

۱۶۔ وہی حق ہے جو خدا کے لئے ہے۔ (۱۴ : ۱۳)

۱۷۔ خدا کی ولایت (سرپرستی) حق ہے۔ (۴۴ : ۱۸)

۱۸۔ خدا کی بات حق ہوتی ہے۔ (۳۴ : ۱۹)

۱۹۔ خدا حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ کیا تمہارے شرکاء میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف ہدایت کرے۔ (۳۵ : ۱۰)

۲۰ حق اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ (۷۵ : ۲۸)

۲۱۔ قصۂ ذبح بقر میں بنی اسرائیل نے حضرت موسٰیؑ سے کہا کہ تو اب حق پر آیا۔ یعنی اب تو نے ٹھیک بات کی۔ (۷۱ : ۲)

۲۲۔ انہیں آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ حق کے ساتھ سناؤ۔ (۲۷ : ۵) - اصحابِ کہف کا قصہ بھی۔ (۱۳ : ۱۸) - داستانِ موسٰیؑ اور فرعون بھی۔ (۳ : ۲۸)

۲۳۔ رب کے سامنے جائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ یہ حق ہے یا نہیں۔ (۳۰ : ۶) - (۳۴ : ۴۶)

۲۴۔ حضرت شعیبؑ نے کہا کہ اے میرے رب! مجھ میں اور میری قوم میں حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ (۸۹ : ۷)

۲۵۔ رسول اللہؐ جنگ کے لئے نکلے تو ان کا ایسا کرنا حق کے ساتھ تھا۔ (۵ : ۸)

۲۶۔ حضرت ابراہیمؑ کو بشارت دینے والوں نے کہا کہ ہم تمہیں حق کے ساتھ بشارت دیتے ہیں۔ (۵۵ : ۱۵)

۲۷۔ ضیفِ حضرت لوطؑ نے کہا کہ ہم تیرے پاس حق کے ساتھ آئے ہیں۔ (۱۵ : ۶۴)

۲۸۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب بت پرستی کے خلاف وعظ کیا تو باپ نے کہا کہ تم یہ باتیں سچ مچ (بالحق) کہہ رہے ہو یا یونہی مذاق کر رہے ہو۔ (۲۱ : ۵۵)

۲۹۔ حضورؐ سے کہا کہ دعا کرو کہ خدا حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ (۲۱ : ۱۱۲)۔(۳۴ : ۲۶)

۳۰۔ قومِ عاد کو عذاب نے بالحق پکڑ لیا۔ (۲۳ : ۴۱)

۳۱۔ ہمارے پاس کتاب ہے (قانونِ مکافاتِ عمل) جو بالحق بات کرتی ہے۔ (۲۳ : ۶۲)۔(۴۵ : ۲۹)

۳۲۔ ان کے پاس حق آ گیا۔ لیکن اکثر لوگ حق کو نا پسند کرتے ہیں۔ (۶ : ۵)۔(۲۳ : ۹۰)۔(۳۴ : ۴۳)۔(۴۳ : ۷۸)
(۴۶ : ۷)۔(۵۰ : ۵)۔(۶۰ : ۱)

۳۳۔ حق کی تکذیب کرنے والوں سے زیادہ ظالم کون ہے۔ (۲۹ : ۶۸)

۳۴۔ خدا حق لے آیا ہے۔ (۳۷ : ۳۷)

۳۵۔ مقدمہ کے فریقین نے حضرت داؤدؑ سے کہا کہ ہمارا فیصلہ حق کے ساتھ کر دے۔ (۳۸ : ۲۲)۔(۳۸ : ۲۶)

۳۶۔ ہر ایک کا فیصلہ حق کے ساتھ کیا جائے گا۔ (۳۹ : ۶۹)۔(۳۹ : ۷۵)۔(۴۰ : ۲۰)۔(۴۰ : ۷۸)

۳۷۔ حق کی شہادت دینے والا۔ (۴۳ : ۸۶)

۳۸۔ رسولؐ کا خواب حق کے ساتھ سچا ہو گا۔ (۴۸ : ۲۷)

۳۹۔ جس دن یہ حق کے ساتھ تباہی کی آواز سنیں گے۔ (۵۰ : ۴۲)

۴۰۔ مومن حق کے ساتھ ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں۔ (۱۰۳ : ۳)

۴۱۔ جس جان کو خدا نے واجب الاحترام ٹھہرایا اُسے حق کے بغیر تلف مت کرو۔ (۶ : ۱۵۲)۔(۱۷ : ۳۳)۔(۲۵ : ۶۸)

۴۲۔ ملائکہ حق کے ساتھ نازل ہوتے ہیں۔ (۱۵ : ۸)

۴۳۔ یہ تجھ سے حق کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں۔ (۸ : ۶)

۴۴۔ قومِ فرعون کی طرف حق آ گیا لیکن انہوں نے کہا کہ یہ فریب ہے۔ (۱۰ : ۷۶)

۴۵۔ ظن 'حق' کے مقابلہ میں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ (۱۰ : ۳۶)۔(۵۳ : ۲۸)

۴۶۔ خدا حق کہنے سے نہیں شرماتا۔ (۲ : ۲۶)۔(۳۳ : ۵۳)

۴۷۔ جو لوگ کہیں کہ ہم بعض باتوں پر ایمان رکھتے ہیں بعض پر نہیں۔ وہ کافر حقاً (پکے کافر) ہیں (۲ : ۸۵)۔(۴ : ۱۵۰)

۴۸۔ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کا مکالمہ کہ ہم نے خدا کے وعدوں کو حق پایا۔ (۴۴ : ۷)

۴۹۔ مہاجرین و انصار مومنِ حقا ہیں۔ (۷۴ : ۸)

۵۰۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ خدا نے میرے خواب کو حق (سچ) کر دکھایا۔ (۱۰۰ : ۱۲)

۵۱۔ خدا حق کہتا ہے اور اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ (۵۷ : ۶)

۵۲۔ حضرت موسٰیؑ اور فرعون کے ساحرین کی کشمکش میں حق واقع ہوگیا۔ اور مخالفین کا کیا کرایا باطل ہوگیا۔ (۱۱۸-۱۱۷ : ۷)

۵۳۔ کفار جو بات بھی پوچھتے تھے خدا اس کا جواب حق کے ساتھ دیتا تھا۔ (۳۳ : ۲۵)

۵۴۔ اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ حق تمہارے پاس آیا تھا لیکن تم نے اس کی تکذیب کی تھی۔ (۷۸ : ۴۳)

۵۵۔ جو حق کی شہادت دے گا وہ دوسرے کے ساتھ کھڑا ہو سکے گا۔ (۸۶ : ۴۳)

۵۶۔ جہنم کو دیکھ کر کفار اعتراف کریں گے کہ وہ حق ہے۔ (۳۴ : ۴۶)

۵۷۔ سکراتِ موت حق کے ساتھ آتی ہے (۱۹ : ۵۰)

خدا حق ہے

۱۔ یہ ہے اللہ۔ جو الحق ہے۔ (۳۲ : ۱۰)

۲۔ تعالیٰ اللہ الملک الحق۔ (۱۱۴ : ۲۰) - (۱۱۶ : ۲۳)

۳۔ اللہ حق ہے۔ (۶ : ۲۲) - (۶۲ : ۲۲) - (۲۵ : ۲۴) - (۳۰ : ۳۱)

۴۔ خدا مولائے حق ہے۔ (۶۲ : ۶) - (۳۰ : ۱۰)

خدا کی ہر وحی اور رسول برحق تھے

۱۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ رسول حق پر ہے۔ (۸۵ : ۳)

۲۔ تمہیں ہم نے حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (۱۱۹ : ۲) - (۲۴ : ۳۵)

۳۔ ہر رسول کے ساتھ کتاب بالحق نازل کی۔ (۲۱۳ : ۲)

۴۔ ہر رسول حق کے ساتھ آتا تھا۔ (۴۳ : ۷) - (۵۳ : ۷)

۵۔ قوم موسٰے کے لوگ حق کی طرف راہ نمائی کرتے تھے اور اس کے ساتھ عدل کرتے تھے۔ (۱۵۸ : ۷)

۶۔ حضرت موسٰیؑ حق کے ساتھ آئے تھے۔ (۴۰ : ۲۵)

۷۔ اے رسول! تو واضح حق پر ہے۔ (۲۷ : ۷۹)

۸۔ رسول اللہؐ حق کے ساتھ آئے تھے (۳۷ : ۳۷)

قرآن حق ہے

۱۔ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اس باب میں کسی بحث و جدل کی ضرورت نہیں۔ (۲ : ۱۴۷)۔ (۳ : ۵۹)۔ (۱۰ : ۹۴)

۲۔ الحق کے واضح ہو جانے کے باوجود یہ اہلِ کتاب اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ (۲ : ۱۰۹)

۳۔ تمہاری طرف الحق آ گیا۔ (۱۰ : ۹۴)

۴۔ الحق آ جانے پر یہودیوں کی طرف سے اعتراض۔ (۲۸ : ۴۸)۔ کفار کی طرف سے بھی۔ (۶ : ۶۶)۔ (۲۳ : ۷۰)۔ (۴۳ : ۲۹-۳۰)

۵۔ اے نوعِ انسان! تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے الحق آ گیا۔ (۱۰ : ۱۰۸)

۶۔ جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں وہ الحق ہے۔ (۳ : ۶۱)

۷۔ قرآن میں تیری طرف حق آ گیا ہے (۱۱ : ۱۲۰)۔ (۱۳ : ۱)۔ (۱۳ : ۱۹)

۸۔ حق خدا کی طرف سے آ گیا سو جس کا جی چاہے اسے تسلیم کرے۔ جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے۔ (۱۸ : ۲۹)

۹۔ مومن قرآن کی ہر بات کو حق مانتا ہے۔ (۲ : ۲۶)۔ (۲۸ : ۵۳)۔ (۴۲ : ۱۸)

۱۰۔ قرآن تیرے رب کی طرف سے حق ہے۔ (۱۱ : ۱۷)

۱۱۔ ہم تمہیں انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاآنکہ یہ ثابت ہو جائے کہ قرآن حقیقتِ ثابتہ ہے۔ (۴۱ : ۵۳)

۱۲۔ یہ کہتے ہیں کہ قرآن افتریٰ ہے۔ یہ الحق ہے۔ (۳۲ : ۳)

۱۳۔ صاحبانِ علم جانتے ہیں کہ جو تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ الحق ہے۔ (۳۴ : ۶)

۱۴۔ قرآن حق ہے۔ (۲ : ۹۱)۔ (۲۳ : ۲۵۱)۔ (۳۵ : ۳۱)

۱۵۔ مومن اتباعِ حق کرتا ہے۔ (۴۷ : ۳)

۱۶۔ اہلِ کتاب جانتے ہیں کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے الحق ہے۔ (۲ : ۱۴۴)۔ (۲۸ : ۵۳)

۱۷۔ بہت سے لوگ حق کو جانتے ہیں اور اس سے اعراض برتتے ہیں۔ (۲۱ : ۲۴)

۱۸۔ قرآن حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ (۴۶ : ۳۰)

۱۹۔ قرآن حق کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ (۲ : ۱۷۶) — (۳ : ۳) — (۴ : ۱۰۵) — (۵ : ۴۸) — (۶ : ۱۱۵) — (۱۶ : ۱۰۲) —
(۱۷ : ۱۰۵) — (۳۹ : ۲) — (۳۹ : ۴۱) — (۴۲ : ۱۷)

۲۰۔ یہ آیات تم پر بالحق تلاوت کی جاتی ہیں۔ (۲ : ۲۵۲) — (۳ : ۱۰۷) — (۴۵ : ۶)

۲۱۔ قرآنی ہدایات حق ہیں۔ (۲ : ۱۴۹)

۲۲۔ مومن قرآن (الحق) پر ایمان لاتے ہیں۔ (۲ : ۲۱۳)

۲۳۔ یہ حق کی تکذیب کرتے ہیں۔ (۶ : ۵)

۲۴۔ حق آ جانے کے بعد ان کے خیالات کا اتباع مت کرو۔ (۵ : ۴۹)

۲۵۔ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے حق کو پہچان لیتے ہیں۔ (۵ : ۸۳) — (۵ : ۸۴)

۲۶۔ مومنین کے دل قرآن کے سامنے نرم پڑ جاتے ہیں۔ (۵۷ : ۱۶)

۲۷۔ جب ان کی طرف حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جھوٹ ہے (۴۳ : ۲۹-۳۰)

۲۸۔ ما نُزِّلَ علیٰ محمد حق ہے۔ باقی سب باطل ہے۔ (۴۷ : ۲-۳)

خدا کے وعدے حق ہیں

۱۔ خدا کا ہر وعدہ حق ہے۔ (۱۰ : ۵۵) "خدا کے وعدہ" سے مراد ہے اس کے مقرر کردہ قانون کی رو سے مرتب ہونے والے نتائج۔ یہ نتائج اٹل ہوتے ہیں۔ (۱۸ : ۲۱)۔ نیز جو کچھ خدا نے وحی کے ذریعے کہا ہو وہ بھی پورا ہو کر رہتا ہے۔
(۱۴ : ۲۲) — (۱۸ : ۹۸) — (۲۸ : ۱۳) — (۳۰ : ۶۰) — (۳۱ : ۳۲) — (۳۵ : ۵) — (۴۰ : ۷۷) —
(۴۵ : ۳۲) — (۴۶ : ۱۷)

۲۔ خدا کی ہر بات الحق ہے۔ (۶ : ۷۴) — (۳۳ : ۴) — (۳۴ : ۲۳) — (۳۸ : ۸۴)

۳۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ اے اللہ! تیرا وعدہ ہمیشہ حق ہوتا ہے۔ (۱۱ : ۴۵)

۴۔ خدا کا سچا وعدہ قریب آ پہنچا۔ (۲۱ : ۹۷)

۵۔ مومنین کے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ اور خدا کے تمام وعدے حق ہوتے ہیں۔ (۴ : ۱۲۲) — (۱۰ : ۴)

۶۔ اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کا مکالمہ کہ ہم نے خدا کے ہر وعدے کو سچا پایا۔ (۷ : ۴۴)

۷۔ مومنین اور خدا کا معاملہ۔ یہ خدا کا وعدہ حق ہے۔ توریت و انجیل میں موجود تھا۔ (۹ : ۱۱۱)

۸۔ مومنین کو تباہی سے بچانا خدا پر لازم ہو جاتا ہے۔ (۱۰۳ : ۱۰) - (۴۷ : ۳۰)

۹۔ خدا کا وعدہ کہ موت کے بعد زندگی ہوگی حق ہے۔ (۳۸ : ۱۶)

۱۰۔ یوں خدا کی بات کفار کے حق میں پوری ہوگئی۔ (۳۳ : ۱۰) - (۹۶ : ۱۰) - (۳۶ : ۱۶) - (۷۰ : ۳۶) - (۷۱ : ۳۹) (۶ : ۴۰)

دین حق ہے

۱۔ دین بمعنی اعمال کے نتائج۔ (۲۵ : ۲۴)

۲۔ خدا نے رسول کو ہدایت اور دین الحق کے ساتھ بھیجا۔ (۳۳ : ۹) - (۲۸ : ۴۸) - (۹ : ۶۱)

۳۔ یہ اہل الکتاب، دین الحق اختیار نہیں کرتے۔ (۲۹ : ۹)

۴۔ دعوت الحق خدا کے لئے ہے۔ (۱۴ : ۱۳)

حق بمعنی واجب۔ یا واجب ہو جانا۔ ایسا کرنا جیسا کہ کرنے کا حق ہے۔ حقیقت بن کر سامنے آ جانا۔

۱۔ مومنوں کے مال میں سائل و محروم کا حق ہے۔ (۱۹ : ۵۱) - (۲۵-۲۴ : ۷۰)

۲۔ وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کا حق ہے۔ (۱۲۱ : ۲)

۳۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ (۱۰۱ : ۳)

۴۔ انہوں نے خدا کے متعلق اندازہ ہی نہیں لگایا۔ جیسا کہ اندازہ لگانے کا حق ہے۔ (۹۲ : ۶) - (۷۴ : ۲۲) - (۶۷ : ۳۹)

۵۔ اللہ کے لئے جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ (۷۸ : ۲۲)

۶۔ عیسائیوں نے رہبانیت کا مسلک خود ہی وضع کیا۔ اور پھر اس کی ایسی رعایت نہ کر سکے۔ جیسا کہ اس کا حق تھا۔ یعنی اسے نباہ ہی نہ سکے۔ (۲۷ : ۵۷)

۷۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ جس بات کے کہنے کا مجھے حق نہیں تھا۔ وہ میں کیسے کہہ سکتا تھا۔ (۱۱۶ : ۵)

۸۔ قوم لوط نے حضرت لوطؑ سے کہا کہ تو جانتا ہے کہ عورتوں میں ہماری دلچسپی نہیں۔ اس کے لئے بھی حق کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جو ٹھیک اور واجب ہے اسے ہم پسند نہیں کرتے۔ (۷۹ : ۱۱)

۹۔ لوگوں پر ان کے اعمال کے نتائج کے طور پر ضلالت واجب ہو جاتی ہے۔ یعنی ان کے اعمال گمراہی کا موجب بن جاتے ہیں

(۳۰ : ۷)۔ تباہی بھی۔ (۱۸ : ۲۲)۔ خدا کی بات (۶۳ : ۲۸)۔ یعنی قانونِ مکافات کی رُو سے جہنم (۱۳ : ۳۲)۔ بہت سوں پہ خدا کی بات (قانونِ مکافات) پوری ہوگئی۔ (۱۹ : ۱۷)۔ (۷ : ۳۶)۔ (۳۱ : ۳۷)۔ (۱۴ : ۳۸)۔ (۱۹ : ۳۹)۔ (۲۵ : ۴۱)۔ (۱۸ : ۴۶)۔ (۱۴ : ۵۰)

ان آیات میں حق کے معنی واجب ہو جانے کے علاوہ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ عذاب ایک ٹھوس حقیقت بن کر ان کے سامنے آگیا)۔

(۵ : ۱۰۶-۱۰۷)۔ (۱۰ : ۳۳)۔ (۱۰ : ۹۶)۔ (۱۶ : ۳۶)۔ (۳۶ : ۷۰)۔ (۳۹ : ۷۱)۔ (۴۰ : ۶)۔ (۸۴ : ۵)۔ (۸۴ : ۲۷)

۱۰۔ حضرت موسٰیؑ نے کہا کہ مجھ پہ واجب یہی ہے (حقیقٌ) کہ میں خدا کے متعلق الحق کے سوا کچھ نہ کہوں۔ (۱۰۵ : ۷)

۱۱۔ مطلقہ بیوی کو سامانِ زندگی دینا چاہیئے۔ یہ مومنین پہ لازم ہے۔ (۲۴۱ : ۲)

۱۲۔ مومنین کو تباہی سے بچانا خدا پہ لازم ہوتا ہے۔ (۱۰۳ : ۱۰)۔ (۴۷ : ۳۰)

۱۳۔ فصل کی کٹائی کے وقت، خدا کا حق اسے (غریبوں کو) دے دیا کرو۔ (۱۴۲ : ۶)

۱۴۔ ذی القربیٰ اور مساکین کو ان کا حق دے دیا کرو۔ (۲۶ : ۱۷)۔ (۳۸ : ۳۰)

۱۵۔ حضرت موسٰیؑ نے کہا کہ مجھ پہ واجب ہے کہ میں خدا کے متعلق ہمیشہ حق کہوں۔ (۱۰۵ : ۷)

۱۶۔ مطلقہ بیوی کو واپس لینے کا زیادہ حقدار اس کا خاوند ہے۔ (۲۲۸ : ۲)

۱۷۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم طالوت سے زیادہ حقدار ہیں کہ ہمیں کمان دی جائے۔ (۲۴۷ : ۲)

۱۸۔ ہم ان کے مقابلہ میں شہادت دینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ (۱۰۷ : ۵)

۱۹۔ بتاؤ کہ ان دونوں فریقوں میں سے کوئی زیادہ امن کا حقدار ہے۔ (۸۲ : ۶)

۲۰۔ مسجدِ اوّل زیادہ حقدار ہے کہ تو اس میں قیام کرے۔ (۱۰۸ : ۹)

۲۱۔ جو حق کی دعوت دیتا ہے اسے زیادہ حق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ (۳۵ : ۱۰)

۲۲۔ مومنین پہ سکون نازل کیا۔ وہ اس کے زیادہ حقدار تھے۔ (۲۶ : ۴۸)

۲۳۔ خدا اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے قوانین کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرا جائے۔ (۱۳ : ۹)۔ (۳۷ : ۳۳)

۲۴۔ خدا اور رسول (نظامِ خداوندی) اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی رکھا جائے۔

بغیر الحق (ناحق)

۱۔ بنی اسرائیل اپنے انبیاء کو بغیر الحق قتل کر دیتے تھے۔ (۶۱ : ۲)۔ (۲۰ : ۳) — (۱۱۱ : ۳) — (۱۸۱ : ۳) — (۱۵۵ : ۴)

۲- دنیا میں بغیر تعمیری کام (حق) کے بڑا بننے کی کوشش کرنا، ذلت آمیز عذاب کا موجب ہوتا ہے۔ (۷ : ۱۴۶) —— (۲۸ : ۳۹) — (۴۰ : ۷۵) — (۴۶ : ۲۰)

۳- بغاوت بغیرالحق حرام ہے۔ (۷ : ۳۳) — (۴۲ : ۴۲) بغاوت کے معنی سرکشی اور فساد کے بھی ہیں۔ (۱۰ : ۲۳) حق کے ساتھ بغاوت درحقیقت خود اپنی ذات کے خلاف بغاوت ہے (۱۰ : ۲۳)

۴- مکہ کے مظلوموں کو ناحق گھروں سے نکال دیا۔ (۲۲ : ۴۰)

۵- فرعون اور اس کے لشکروں نے دنیا میں بغیرالحق تکبر اختیار کر رکھا تھا۔ (۲۸ : ۳۹) - عاد نے بھی۔ (۴۱ : ۱۵) - فرعون کی قوم (۴۰ : ۷۵)

۶- ظلم کرنے والے اور ملک میں بغیرالحق بغاوت کرنے والے مجرم ہیں۔ (۴۲ : ۴۲)

۷- یہ لوگ خدا کے متعلق حق کے خلاف (غیرالحق) خیالات قائم کرتے رہتے ہیں۔ (۳ : ۱۵۲) - (۶ : ۹۴)

۸- اے اہلِ کتاب۔ اپنے دین میں حق کے خلاف غلو مت کرو۔ (۵ : ۷۷)

۹- کسی جان کو ناحق قتل مت کرو۔ (۱۷ : ۳۳) - (۲۵ : ۶۸) - (۶ : ۱۵۱)

کشمکشِ حق و باطل

۱- کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ باطل حق کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ وہ تو حق کے نہ ہونے کا نام ہے۔ (۱۷ : ۸۱) - (۳۴ : ۴۹)

۲- اس طرح خدا حق اور باطل کو ٹکراتا رہتا ہے۔ باطل زائل ہو جاتا ہے اور حق باقی رہ جاتا ہے۔ (۱۳ : ۱۷)

۳- خدا حق کو باطل پر مارتا رہتا ہے۔ (۳۴ : ۴۹) حق باطل کا مغز توڑ دیتا ہے۔ (۲۱ : ۱۸)

۴- ہر باطل پرست چاہتا ہے کہ باطل کے ذریعے حق کو غیر مؤثر بنا دے۔ (۱۸ : ۵۶) — (۴۰ : ۵)

۵- جنگ سے مقصد یہ تھا کہ حق، حق ثابت ہو جائے۔ اور باطل، باطل۔ (۸ : ۷-۸)۔ یعنی احقاقِ حق سے پہلے ابطالِ باطل ضروری ہے۔

۶- خدا اپنے قوانین کے ذریعے حق کو حق ثابت کرتا ہے۔ (۱۰ : ۸۲) — (۴۲ : ۲۴) باطل کو مٹاتا ہے۔

۷- حضرت موسیٰؑ اور ساحرین کی کشمکش میں حق واقع ہو گیا۔ اور ساحرین کا ساختہ پرداختہ باطل ہو گیا۔ (۷ : ۱۱۸)

۸- حق و باطل میں مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ (۱۰ : ۱۵) - (۱۱ : ۱۱۳) — (۱۷ : ۴۶) — (۱۷ : ۷۳-۷۵) - (۵۱ : ۲۹)

(۴۵ : ۳۹) - (۹ : ۶۰)

۹۔ قانونِ محو و ثبات۔ (۴۰ : ۱۳)

۱۰۔ وحیٔ برحق کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ خدا مومنین کو ثبات و استحکام عطا کر دے۔ (۱۶ : ۱۰۲)

تخلیقِ کائنات بالحق ہے

۱۔ خدا نے ارض و سمٰوات کو بالحق پیدا کیا۔ (۶ : ۷۳) - (۷ : ۵۴) - (۱۰ : ۵) - (۱۴ : ۱۹) - (۱۵ : ۸۵) - (۱۶ : ۳) - (۱۸ - ۱۷ : ۲۱) - (۲۹ : ۴۴) - (۳۰ : ۸) - (۳۹ : ۶) - (۴۴ : ۳۸ - ۳۹) - (۴۶ : ۳) - (۶۴ : ۳)

۲۔ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے تاکہ ہر ایک کو اس کے کام کا بدلہ مل جائے۔ (۱۰ : ۴) - (۲۲ : ۴۵۱)

۳۔ سلسلۂ کائنات اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے۔ اس لئے کہ خدا حق ہے۔ (۳۱ : ۲۹ - ۳۰)

متفرقات

۱۔ ان لوگوں سے کہو کہ آؤ! رسول تمہارے معاملات میں فیصلہ دے تو یہ اس سے اعراض برتیں گے۔ لیکن اگر دیکھیں گے کہ الحق (یعنی قرآن کی رو سے فیصلہ) ان کے حق میں جائے گا تو بھاگ کر آئیں گے۔ (۲۴ : ۴۸ - ۴۹)

۲۔ قرض کی دستاویز وہ لکھائے جس کے ذمے قرض واجب (حق) ہے۔ (۲ : ۲۸۲)

۳۔ حقت کے معنی کسی بات کا مناسبِ حال ہو جانا۔ (۲ : ۸۴)

۴۔ حق کے ساتھ بغاوت خود اپنی ذات کے خلاف بغاوت ہے۔ (۱۰ : ۲۳)

۵۔ نہ تلبیسِ حق و باطل کرو نہ کتمانِ حق۔ (۲ : ۴۲) - (۲ : ۱۴۶) - (۳ : ۷۱)

۶۔ حَقَّہٗ۔ خدا کا حق۔ (۶ : ۱۴۱) - حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تقسیم قرآن میں نہیں آئی۔

۷۔ حقیق۔ "مجھ پر واجب ہے"۔ (۷ : ۱۰۵)

۸۔ الحاقۃ۔ فی الحقیقت واقع ہونے والی بات۔ اور مکافات۔ (۶۹ : ۲ - ۳)

(٠)

۱۴۔ حکمت

(نیز دیکھئے عنوانات حکومت ـ علم ـ بصیرت ـ دلائل ـ براہین)

حکمت :۔ ایک چیز ہوتی ہے قانون، اور دوسری چیز ہوتی ہے۔ اس قانون کی غرض و غایت اس کی علت ۔ اس کا مقصود ۔ اس کی وجہ ۔ یعنی ایسا قانون کیوں دیا گیا ہے ۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ۔ (تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں) قانون ہے اور لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۲ : ۱۸۳) ۔ تاکہ تم زندگی کے خطرات سے محفوظ رہ سکو ۔ اس قانون کی حکمت ۔

جب کوئی ڈکٹیٹر قانون نافذ کرتا ہے تو وہ اس کی حکمت نہیں بتاتا ۔ وہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا ۔ اس کا لفظ قانون ہوتا ہے اور اس کی طوعاً کرہاً فرمانبرداری ہر ایک کا فریضہ ۔ لیکن جب کوئی عادل حکمران (قانون) نافذ کرتا ہے تو اس کی غرض و غایت اچھی طرح ذہن نشین کراتا ہے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ وہ ان کے فائدے کے لئے وضع اور نافذ کیا گیا ہے اور اس طرح اس کی اطاعت کا جذبہ ان کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے ۔

خدا ڈکٹیٹر نہیں ۔ حکیم ہے ۔ اس لئے اس نے کتاب (ضابطۂ قوانین) دیا تو اس کے ساتھ ان قوانین کی حکمت بھی خود ہی واضح کر دی ۔ یہ دونوں منزّل من اللہ ہیں اور قرآن کریم کے اندر محفوظ ۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ جب ہم ان قوانین کی اطاعت کریں تو ساتھ کے ساتھ اسے بھی چیک کرتے جائیں کہ اس سے وہ مقصد حاصل ہو رہا ہے یا نہیں جسے ان کی غایت بتایا گیا تھا ۔ اگر ایسا ہو رہا ہے تو ان قوانین پہ ٹھیک ٹھیک عمل ہو رہا ہے ۔ اگر ایسا نہیں ہو رہا تو کہیں غلطی ہے ۔ اسے درست کر لینا چاہیئے ۔

۲۔ غرض و غایت اور علت و مقصود کے اعتبار سے، حکمت کے معنی دلیل و حجت بھی ہیں ۔ قرآن چاہتا یہ ہے کہ ہم جو کام کریں، عقل و فکر کی رو سے، سمجھ سوچ کر کریں ۔ دانائی اور ہوشمندی کے اس ملکہ کو بھی حکمت کہہ کر پکارا گیا ہے ۔ یہ ملکہ ہر انسان کے اندر ہوتا ہے ۔ اسی اعتبار سے انسان کو (RATIONAL ANIMAL) کہا جاتا ہے حکمت (REASON) خاصۂ آدمیت ہے یہ ملکہ علم و فکر سے پختگی حاصل کئے جاتا ہے ۔

۳۔ جب کسی نظریہ کو عمل میں لایا جائے تو اس کے لئے حسن تدبیر ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ عمل نتیجہ خیز ہو ۔ اسے بھی حکمت کہا جائے گا ۔

۴۔ حکمت کے معنی قوتِ فیصلہ کے بھی ہیں ۔ بالخصوص فیصلہ میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا ۔ اس کے لئے بعض مقامات پر حُکماً کا لفظ بھی آیا ہے ۔ یہ قوت بھی، نبی اور غیر از نبی، دونوں کو حاصل ہوتی ہے (نبی کے لئے مخصوص صرف وہ حکمت ہے

جو منزل من اللہ ہو۔ اس کے علاوہ حکمت یا حُکمؔ کی قوت میں سب انسان شریک ہوتے ہیں۔

حَکَمؔ:۔ فیصلہ کرنے والا۔ ثالث۔

(اس سلسلہ میں عنوان حکومت بھی دیکھئے کیونکہ حُکم یا حُکم کا تعلق حکومت سے بھی ہے)

۵۔ حکومت اور حکمت کا مادہ (ح۔ک۔م) مشترک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کو مبنی بر حکمت (REASON) ہونا چاہیئے۔ اس کی بنیاد دھاندلی پر نہیں ہونی چاہیئے۔ مبنی بر حکمت وہی حکومت ہوسکتی ہے جو اقدارِ خداوندی کے مطابق متشکل ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ملوکیت ہے جو استبداد اور آمریت پر مبنی ہوتی ہے۔

اور اسی جہت سے قرآن کا خدا، حَکَم ہے۔ صاحب حکمت اور حکومت یعنی جس کی حکومت، حکمت پر مبنی ہے — دھاندلی پر نہیں۔

حکمت منزل من اللہ

۱۔ قرآن کریم حکمتِ بالغہ ہے۔ (۵۴: ۵)

۲۔ تمام انبیا کو کتاب و حکمت ملی تھی۔ (۳: ۸۰)

۳۔ جسے خدا حکمت دے، اسے خیرِ کثیر مل جاتی ہے۔ (۲: ۲۶۹)۔ (یہ حکمت منزل اللہ اور غیر منزل من اللہ دونوں کے لئے ہو سکتا ہے)

۴۔ (حضرت) لقمان کو حکمت عطا کی (۳۱: ۱۲)۔ ان کا نام بالتصریح زمرۂ انبیاء کرامؑ میں نہیں آیا، اس لئے اگر وہ نبی نہیں تھے، تو یہ حکمت عام تھی۔ منزل من اللہ نہیں تھی۔

۵۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ میں تمہاری طرف حکمت لے کر آیا ہوں۔ (۴۳: ۶۳)۔ (۵: ۱۱۰)

۶۔ خدا نے رسول اللہؐ پر حکمت نازل کی۔ (۱۷: ۳۹)۔ (۴: ۱۱۳)

۷۔ رسول کا فریضہ تعلیم کتاب و حکمت ہے۔ (۲: ۱۲۹)۔ (۲: ۱۵۱)۔ (۳: ۱۶۴)۔ (۶۲: ۲)

۸۔ کتاب اور حکمت دونوں منزل من اللہ ہیں۔ لیکن مقصد اس سے وحی ہے کیونکہ اس کے ساتھ ضمیر واحد کی استعمال ہوئی ہے۔ یعظکم بہٖ۔ (۲: ۲۳۱)

۹۔ حضرت عیسیٰؑ کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ (۳: ۴۷)۔ (۵: ۱۱۰)

۱۰۔ آلِ ابراہیمؑ کو کتاب و حکمت اور ملکِ عظیم ملا تھا۔ (۴: ۵۴)

۱۱- نبی کے گھرانے میں آیات اللہ اور حکمت کی تلاوت ہوتی تھی -(۳۴ : ۳۳)

۱۲- حضرت داؤدؑ کو حکمت دی تھی - (۲۵۱ : ۲)-(۲۰ : ۳۸)

کتابِ حکیم (قرآن کریم)

۱- قرآن حُکماً عربیاً ہے - (۳۷ : ۱۳)

۲- ذکرِ حکیم - (۵۷ : ۳)

۳- نزولِ قرآن کے زمانے میں تمام "امرِ حکیم" نکھر کر الگ الگ ہوگئے تھے - (۴ : ۴۴)

۴- کتابِ حکیم - (۱ : ۱۰)-(۲ : ۳۱)

۵- القرآن الحکیم - (۲ : ۳۶)

۶- کتاب احکمت آیاتہٗ - (۱ : ۱۱)

۷- خدائے حکیم کی طرف سے کتاب نازل ہوئی - (۱ : ۳۹)-(۴۲ : ۴۱)-(۲ : ۴۵)-(۲ : ۴۶)

حکمت جس میں تمام انسان شریک ہوتے ہیں

۱- آیت (۲۶۹ : ۲) میں اگر حکمتِ عمومی مراد لی جائے تو بھی اس میں خیرِ کثیر ہوتا ہے -

۲- خدا کی طرف حکمت (علم و بصیرت اور دلائل و براہین کی رُو سے) دعوت دو - (۱۲۵ : ۱۶)

حُکم

۱- حُکم کے معنی حکومت (فیصلے کرنے کے اختیارات) کے ہیں - اسی لئے ہم نے اسے حکومت کے عنوان کے تابع لکھا ہے - لیکن بعض آیات میں یہ لفظ عام قوتِ فیصلہ کے معنوں میں بھی آیا ہے - وہاں اس سے مراد عام حکمت ہوگی - مثلاً (۱) حضرت یحییٰؑ کو بچپن ہی میں حکم عطا ہوا تھا - (۱۲ : ۱۹)

۲- جب حضرت یوسفؑ جوان ہوئے تو انہیں حکم اور علم عطا ہوا - (۲۲ : ۱۲) - اگر یہ واقعہ زمانہ قبل از نبوت کا ہے تو حُکم کے معنی ملکۂ حکمت کے ہوں گے - یہی الفاظ حضرت موسیٰؑ کے ضمن میں بھی آئے ہیں - (۱۴ : ۲۸) - نیز (۲۱ : ۲۶) میں جبکہ انہیں ہنوز حکومت نہیں ملی تھی - حضرت لوطؑ کے ضمن میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں - (۷۴ : ۲۱) - اور حضرت سلیمانؑ اور داؤدؑ

کے سلسلہ میں بھی - (۲۱ : ۷۹) - دعائے ابراہیمی میں بھی یہی لفظ آیا ہے - (۲۶ : ۸۲)

حَکَم (ثالث)

۱- میاں بیوی میں تنازع ہو جائے تو ایک حکم میاں کے گھرانے کا اور ایک بیوی کے گھرانے کا مقرر کرو - (۴ : ۳۵)

۲- حکم درحقیقت خدا ہے - یعنی اس کی کتاب - جس کے مطابق ثالثوں کو فیصلہ کرنا چاہیئے - (۶ : ۱۱۵) - (اس لفظ کا صحیح مقام عنوان حکومت کے تابع ہے)

خدائے حکیم

دین کی بنیاد، خدا کے تصور پر ہے اور قرآن کریم کی خصوصیتِ کبریٰ یہ ہے کہ اس نے خدا کا صحیح صحیح تصور دیا ہے - یہ تصور ان صفاتِ خداوندی کی رو سے متعین ہوتا ہے جو قرآن میں مذکور ہیں - ان میں سے بعض صفات الٰہیہ ہیں جو دیگر مذاہب میں بھی ملتی ہیں لیکن بعض صفات، منفرد ہیں، انہی میں ایک صفت حکیم ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ہر حکم، ہر قانون، ہر فیصلہ، علم و حکمت اور دلائل و براہین پر مبنی ہوتا ہے - اس قسم کے خدا کا تصور (کم از کم مجھے) مذاہبِ عالم میں کہیں نظر نہیں آیا - وہاں خدا کا تصور ایک ڈکٹیٹر کا سا ہوتا ہے - (RATIONAL) نہیں ہوتا -

۱- عزیز حکیم : (۲ : ۲۲۰) - (۲ : ۲۴۰) - (۳ : ۱۶) - (۳ : ۶۱) - (۴ - ۵۶) - (۴ : ۱۶۵) - (۵ : ۱۱۸) - (۸ : ۴۹) - (۸ : ۶۳) - (۲۶ : ۹) - (۲۹ : ۲۶) - (۳۴ : ۲۷) - (۳۹ : ۱) - (۴۲ : ۳) — (۴۵ : ۲) - (۴۶ : ۲) - (۴۸ : ۱۹) - (۶۰ : ۵) - (۶۲ : ۱) - (۶۲ : ۳) - (۶۴ : ۱۸)

۲- علیم حکیم - (۲ : ۳۲) - (۴ : ۱۱) - (۴ : ۲۶) - (۸ : ۷۱) - (۹ : ۱۵) - (۹ : ۲۸) - (۹ : ۶۰) - (۹ : ۹۷) - (۹ : ۱۰۶) - (۱۲ : ۶) - (۱۲ : ۱۰۰) - (۲۲ : ۵۲) - (۲۴ : ۱۸) - (۳۳ : ۱) — (۴۸ : ۴) - (۴۹ : ۸) - (۶۰ : ۱۰) - (۶۶ : ۲) - (۷۶ : ۳۰)

۲- حکیم علیم - (۶ : ۸۴) - (۶ : ۱۴۰) - (۱۵ : ۲۵) - (۲۷ : ۶) - (۴۳ : ۸۴) - (۵۱ : ۳۰)

۴- تواب حکیم - (۲۴ : ۱۰)

۵- علی حکیم - (۴۲ : ۵۱) - (۴۳ : ۴)

۶- حکیم خبیر - (۶ : ۱۸) - (۶ : ۷۳) - (۱۱ : ۱) - (۳۴ : ۱)

۷۔ حکیم حمید۔ (۴۲ : ۴۱)

۸۔ واسع حکیم۔ (۱۳۰ : ۴)

---

۱۵ حکومت

(نیز دیکھئے استخلاف - ملک - اسلامی نظام)

حکومت (ح - ک - م) اس کے بنیادی معنی ہیں کسی کو ایک مقام پہ روک دینا۔ یعنی اسے بتا دینا کہ تم اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس کو "حُکْمٌ" کہتے ہیں۔ یعنی فیصلہ۔ حاکم کے معنی فیصلہ کرنے والا ہیں۔ یعنی ہر ایک کے حقوق و واجبات کی حدیں مقرر کرنے والا اور اختلافی معاملات میں بتانے والا کہ کس کی حد کہاں تک ہے۔ دورِ حاضر کی اصطلاح میں اس "حد بندی" کا نام "قانون سازی" ہے اور قانون کی کارفرمائی۔

حکومت کے دو شعبے ہوتے ہیں۔ ایک قانون سازی کا۔ اور دوسرے قوانین کو نافذ کرنے کا۔ قرآن کریم کی رو سے انسانوں کے لئے اصلاً و اساساً قانون سازی کا اختیار کسی انسان کو حاصل نہیں۔ یہ حق صرف خدا کو حاصل ہے۔ اس نے ان قوانین کو احکام اور اصولوں کی شکل میں قرآن کریم میں دے دیا ہے۔ نہ ان احکام میں کسی قسم کا ردو بدل یا حک و اضافہ ہو سکتا ہے۔ نہ ان اصولوں میں تغیر و تبدل۔ جو حکومت خدا کے نام سے قائم ہو گی۔ (جسے اسلامی حکومت کہا جائے گا) قانون سازی کے سلسلہ میں اس کا اختیار اتنا ہی ہو گا کہ وہ ان اصولوں کی روشنی میں، اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق تفاصیل مرتب کرے۔ یہ تفاصیل (یا جزئی قوانین) زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ قابلِ تغیر و تبدل ہوں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے۔

اسلامی حکومت کا بنیادی فریضہ قرآنی احکام و قوانین کو معاشرہ میں نافذ کرنا ہے۔ اس کا نام دین ہے۔ لہٰذا 'دین کے قیام و استحکام (تمکن) کے لئے ایک آزاد مملکت کی ضرورت لاینفک ہے۔ اگر اپنی آزاد مملکت نہ ہو گی تو یہ قوانین نافذ کہاں ہوں گے؟

۲۔ خارجی کائنات کا پورا نظم و نسق خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق چل رہا ہے۔ اس اعتبار سے، خارجی کائنات 'خدا کی مملکت' ہے۔ اس میں اسی کا اقتدار و اختیار (مُلک) کارفرما ہے۔ اشیائے کائنات کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کر سکیں۔ لیکن انسان کو اس کا اختیار ہے کہ وہ اپنی زندگی قوانینِ خداوندی کے

مطابق بسر کرنا چاہتا ہے یا ان کے خلاف۔ لہٰذا انسانی دنیا میں حکومتِ خداوندی، انسانوں کے ہاتھوں قائم ہوتی ہے۔ جس جماعت کے ہاتھوں یہ حکومت قائم ہوتی ہے اسے امت مسلمہ یا جماعتِ مومنین کہا جاتا ہے۔ یہ حکومت سب سے پہلے نبی اکرمؐ اور حضورؐ کے رفقاء کے ہاتھوں متشکل ہوئی تھی۔ عام اصطلاح میں اسے خلافت کہتے ہیں۔ قرآن نے بھی اسے استخلاف فی الارض کہہ کر پکارا ہے اس حکومت کی فیصلہ کن (FINAL AUTHORITY) کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کے معنی دراصل "جانشین" کے ہوتے ہیں۔ یعنی کسی کے بعد اس کی جگہ لینے والا۔ تفصیل استخلاف کے عنوان میں گزر چکی ہے۔

۳۔ قرآنِ کریم نے کفر و اسلام کا فیصلہ یہ کہہ کر کر دیا کہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ (۵ : ۴۴)۔ جو ما انزل اللّٰہ (قرآن کریم) کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے (فیصلے نہیں کرتے) انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

۴۔ قرآنِ کریم میں حکومت اور اقتدار کے لئے (حکم کے علاوہ) اور الفاظ بھی آئے ہیں۔ مثلاً ملک۔ مقتدر۔ (صاحبِ اقتدار) تمکن وغیرہ۔

خدا کا حقِ حکومت

۱۔ حقِ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔ وہی بہترین فیصلہ دینے والا ہے۔ (۶ : ۵۷)۔ (۶ : ۶۲)

۲۔ حقِ حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔ اس کے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔ (۱۲ : ۴۰)۔ (۱۲ : ۶۷)

۳۔ وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ (۱۸ : ۲۶)

۴۔ کوئی طاقت ایسی نہیں جو خدا کے حکم (قانون) کو مسترد کر سکے۔ وہ اٹل ہوتا ہے (۱۳ : ۴۱)

۵۔ حکم صرف خدا کا ہے۔ (۶ : ۶۲)۔ (۲۸ : ۷۰)۔ (۲۸ : ۸۸)۔ (۱۲ : ۴۰)

۶۔ جس بات میں تم اختلاف کرو اس کا فیصلہ خدا (کی کتاب) سے لیا کرو۔ (۲۷ : ۷۸)۔ (۴۲ : ۱۰)

۷۔ خدا کا حکم (قانون) اس کی طرف سے نازل کردہ کتاب میں ہوتا ہے۔ (مثلاً) پہلے تورات میں تھا۔ (۵ : ۴۳)۔ اب قرآن میں ہے۔ (۶ : ۱۱۵)۔ (۱۳ : ۳۷)۔ (۲۷ : ۲۲-۲۳-۲۴)

۸۔ مختلف ہدایات دیکر کہا کہ یہ اللّٰہ کا حکم ہے۔ (۶۰ : ۱۰)

۹۔ قانونِ مکافاتِ عمل کا دوسرا نام خدا کا حکم ہے۔ (۷ : ۸۷)۔ (۱۰ : ۱۰۹)۔ (۲۲ : ۵۶)۔ (۲۷ : ۷۸)

(۳۹ : ۳) - (۴۰ : ۴۸) - (۵۲ : ۴۸) - (۶۸ : ۴۸)

۱۰۔ کیا یہ لوگ (قرآن کے بعد بھی) زمانۂ جاہلیہ کا قانون ونظام (حکم) چاہتے ہیں۔ حالانکہ خدا کے حکم سے زیادہ حسین ومتوازن حکم کسی کا ہو نہیں سکتا۔ (۵ : ۵۰)

۱۱۔ خدا احکم الحاکمین ہے۔ (۹۵ : ۸) یعنی ہر حکم دینے والے سے اوپر حاکم۔ آخری اتھارٹی یا اختیارِ مطلق صرف اسی کا ہے۔ (۱۱ : ۴۵)۔ خیر الحاکمین۔ (۷ : ۸۷) - (۱۰ : ۱۰۹) - (۱۲ : ۸۰)

۱۲۔ خدا کے علاوہ کسی اور کو حاکم نہ بناؤ۔ (۶ : ۱۱۵)

۱۳۔ حضورؐ کی دعا کہ خدایا! تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ (۲۱ : ۱۱۲)

۱۴۔ حضرت عیسیٰؑ کی دعا کہ خدا ان کے متبعین کے اختلافات کے فیصلے کر دے۔ (۳ : ۵۵)

۱۵۔ لوگوں کے اختلافی معاملات میں خدا قیامت کے دن فیصلے کرے گا۔ (۲ : ۱۱۳) - (۴ : ۱۴۱) - (۱۶ : ۱۲۴) — (۲۲ : ۵۶) - (۲۲ : ۶۹) - (۳۹ : ۴۶)

۱۶۔ جن قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں، انہیں خدا نے اپنی مشیت کے مطابق اپنے ارادے سے بنایا ہے (۵ : ۱)

۱۷۔ کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کو اپنا محکوم بنائے۔ محکومیت صرف خدا کی ہے۔ جس کا عملی ذریعہ اس کی کتاب کے مطابق حکومت قائم کرنا ہے (۳ : ۷۹)

دنیا میں حکومتِ خداوندی (اسلامی حکومت)

۱۔ ایمان واعمالِ صالح کا فطری نتیجہ دنیا میں حکومت اور اقتدار عطا ہونا ہے (۲۴ : ۵۵)۔ صالحین کو ملتی ہے۔ (۲ : ۲۴۷) - (۲۱ : ۱۰۵)

۲۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کے احکام (قوانین) کو دنیا میں نافذ کیا جائے۔ (۲۲ : ۴۱)

۳۔ کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ خدا اسے ضابطۂ قوانین۔ حکومت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے نہیں بلکہ میرے محکوم بن جاؤ۔ اسے خدا کی کتاب کے مطابق ربانی بننا اور بنانا چاہیے۔ (۳ : ۷۸)

۴۔ تمام انبیاء کو کتاب۔ حکومت اور نبوت ملی تھی۔ (۲ : ۲۱۳) - (۶ : ۹۰) - (۲۱ : ۷۴) - (۲۱ : ۷۹) تمکن فی الارض ملا۔ (۱۴ : ۱۳-۱۴)

۵۔ بنی اسرائیل کو کتاب۔ حکومت اور نبوت ملی تھی۔ (۵ : ۲۰) - (۷ : ۱۲۹) - (۷ : ۱۳۷) - (۱۰ : ۹۳) - (۲۶ : ۵۷-۵۹) - (۲۸ : ۵-۶) - (۴۵ : ۱۶)

۶۔ حضرت یوسفؑ کو تمکن فی الارض۔ حکومت اور علم عطا ہوا تھا۔ (۲۲ : ۱۲) ۔ (۵۶ : ۱۲) ۔ (۱۰۱ : ۱۲) ۔ حضرت موسیٰؑ کو بھی۔ (۲۱ : ۲۶) ۔ (۱۴ : ۲۸) ۔ حضرت لوطؑ کو بھی (۷۴ : ۲۱) ۔ حضرت یحییٰؑ ۔ (۱۲ : ۱۹) ۔ حضرت داؤدؑ (۲۵۱ : ۲) ۔ (۲۰ : ۳۸)

۷۔ دعائے ابراہیمی کہ مجھے حکم عطا فرما۔ (۸۳ : ۲۶) ۔ چنانچہ آلِ ابراہیمؑ کو ملکِ عظیم ملا تھا۔ (۵۴ : ۴) ۔
دعائے سلیمان ۔ (۳۵ : ۳۸)

۸۔ حکومت اس لئے ملتی ہے کہ خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے کئے جائیں۔ (۴۸ : ۵) ۔ (۴۹ : ۵) ۔ رسول اللہؐ کو اس کا حکم (۱۰۵ : ۴) ۔ (۳۷ : ۱۳) ۔ (۷۸ : ۲۷)
جو خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر (۴۴ : ۵) ۔ ظالم (۴۵ : ۵) ۔ اور فاسق ہوتے ہیں ——— (۲۲ : ۳) ۔ (۴۷ : ۵)

۹۔ عدل کے مطابق فیصلے کرو۔ (۴۲ - ۴۴ : ۵) ——— (۵۸ : ۴) ۔ لیکن عدل، قوانینِ خداوندی (الحق) کے مطابق فیصلے کرنے کا نام ہے۔ (۱۵۹ : ۷)

۱۰ خلافت سے مراد یہی ہے کہ الحق کے مطابق فیصلے کئے جائیں۔ (۲۲ : ۳۸) ۔ (۲۶ : ۳۸)

۱۱۔ خدا کے نبی، تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ (۴۴ : ۵) ۔ اہلِ انجیل کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کریں۔ (۴۷ : ۵)
تورات میں خدا کا حکم تھا ۔ (۴۳ : ۵)

۱۲۔ مومنین، خدا اور رسول (نظامِ خداوندی) کے فیصلوں کی اطاعت کرتے ہیں۔ (۵۱ : ۲۴) ۔ منافقین اس سے اعراض برتتے ہیں۔ (۴۸ : ۲۴) یہ اور جاہلیت کی روش ہے۔ (۵۰ : ۵)

۱۳۔ کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے متنازعہ فیہ امور میں رسول کو اپنا حکم نہ بنائے۔ اور اس کے فیصلوں کے خلاف دل میں گرانی تک محسوس نہ کرے۔ (۶۵ : ۴) "رسول" کے بعد یہی پوزیشن اسلامی نظامِ حکومت کی ہو جاتی ہے۔

۱۴۔ ایمان کا دعویٰ، اور اپنے معاملات فیصلہ کرانے کے لئے غیر خدائی اتھارٹی کے پاس لے جانا! ایمان نہیں کفر اور نفاق ہے۔ (۶۰ : ۴)

۱۵۔ مشرکین کا فیصلہ بڑا ہی برا ہوتا ہے۔ (۱۳۷ : ۶) ۔ توہم پرستوں کا بھی۔ (۵۹ : ۱۶) ۔ سیئات پر عمل کرنے والوں کا بھی۔ (۴ : ۲۹) ۔ (۲۱ : ۴۵)

۱۶۔ حکومت و اقتدار خدا کے لئے ہے۔ لیکن وہ اسے دنیا میں انسانوں کو اپنے قوانینِ مشیت کے مطابق دیتا ہے۔ (۲۶ : ۳)

وہ قانون یہ ہے کہ اس کے لئے صلاحیت شرط ہے۔ (۱۰۵ : ۲۱) علم اور جسمانی توانائی دونوں (۲۴۷ : ۲)۔ استقامت اور قوانینِ خداوندی کی استعانت۔ (۱۲۸ : ۷)۔ (۱۳۷ : ۷)

۱۷۔ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم نے قوانینِ خداوندی کا اتباع نہ کیا تو وہ تمہارا جانشین کسی اور قوم کو بنا دے گا۔ (۵۷ : ۱۱)

۱۸۔ بنی اسرائیل کے لئے استخلاف کا وعدہ۔ (۱۲۹ : ۷)

۱۹۔ اگر تم انفاق فی سبیل اللہ نہیں کروگے تو تمہاری جگہ دوسری قوم آجائے گی۔ (۳۸ : ۴۷)۔ نیز اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلوگے تو بھی۔ (۳۹ : ۹)

۲۰۔ حکومت انعاماتِ خداوندی میں سے ہے۔ (۲۰ : ۵)۔ (۶۹ : ۷)۔ (۴۰ : ۷)

۲۱۔ ذوالقرنین کو تمکن عطا ہوا تھا۔ (۸۴ : ۱۸)

۲۲۔ فرعون کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ (حضرت موسٰیؑ) اس سے مملکت چھیننا چاہتے ہیں۔ (۵۷ : ۲۰)

۲۳۔ مسلمانوں کو مخالفین کے دیار و امصار کا مالک بنا دیا۔ (۲۷ : ۳۳)

۲۴۔ جنت نعمتِ عظمیٰ اور مملکتِ عظیم ہے۔ (۲۰ : ۷۶)

۲۵۔ قرآن کو حکم کہا۔ (۳۷ : ۱۳)۔ خدا کے فیصلے اس کے مطابق ہوتے ہیں۔ (۴۸ : ۲۷)

کائنات میں قوانینِ خداوندی کی حکمرانی

۱۔ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں اختیار و اقتدار خدا کا ہے۔ (۱۰۷ : ۲)۔ (۱۸۹ : ۲)۔ (۱۸۸ : ۳)۔ (۱۷-۱۸ : ۵)۔ (۴۰ : ۵)۔ (۱۲۰ : ۵)۔ (۷۳ : ۶)۔ (۱۵۸ : ۷)۔ (۱۱۶ : ۹)۔ (۸۸ : ۲۳)۔ (۴۲ : ۲۴)۔ (۲ : ۲۵)۔ (۱۳ : ۳۵)۔ (۸۳ : ۳۶)۔ (۴۴ : ۳۹)۔ (۴۹ : ۴۲)۔ (۸۵ : ۴۳)۔ (۲۷ : ۴۵)۔ (۱۴ : ۴۸)۔ (۲ : ۵۷)۔ (۵ : ۵۷)۔ (۹ : ۸۵)

۲۔ خدا کے سوا کائنات میں کسی کا اقتدار نہیں۔ (۱۰ : ۳۸) اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۱۱۱ : ۱۷)۔ (۲ : ۲۵)

۳۔ خدا ملک الناس ہے۔ (۲ : ۱۱۴)۔ ملک الحق ہے۔ (۱۱۴ : ۲۰)۔ (۱۱۶ : ۲۳)۔ الملک (۵۹ : ۲۳)۔ (۶۲ : ۱)

مالک یوم الدین۔ (۴ : ۱)۔ مالک الملک (۲۶ : ۳)۔ ملیک مقتدر (۵۵ : ۵۴)۔ عزیز مقتدر (۴۲ : ۵۴)۔ مقتدر (۴۵ : ۱۸)

۴۔ وہ خدا بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے۔ (۱ : ۶۷)

۵۔ قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق فیصلہ کرنے کا کامل اختیار خدا کو حاصل ہے۔ اس فیصلہ کی ساعت کو قیامت کہا جاتا ہے۔
(۶ : ۷۳) - (۲۵ : ۲۶) - (۴۰ : ۱۶)

۶۔ یہ ہے خدا۔ تمہارا رب۔ جس کے قبضہ میں پورا اقتدار ہے۔ (۲ : ۲۵) - (۱۳ : ۳۵) - (۶ : ۳۹)

۷۔ مُلک (قوت و اقتدار) اور حمد (جمال) خدا کے لئے ہے۔ (۶۴ : ۱)

۸۔ فرعون کا دعوائے باطل کہ مصر کی مملکت میری ہے۔ (۴۳ : ۵۱)

اس باب میں غیر خداوندی قوتوں کو کوئی اختیار و اقتدار حاصل نہیں

۱۔ قانونِ مکافاتِ عمل کے بدلنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ (۱۹ : ۸۷) - (۳۴ : ۴۲) - (۴۳ : ۸۷) - (۷۸ : ۳۷)

۲۔ قوانینِ فطرت کے خلاف نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار کسی کو نہیں۔ (۵ : ۱۷) - (۵ : ۷۶) - (۱۰ : ۳۱) -
(۱۳ : ۱۶) - (۱۶ : ۷۳) - (۱۷ : ۵۶) - (۲۰ : ۸۹) - (۲۵ : ۳) - (۲۹ : ۱۷) - (۳۴ : ۲۲) - (۳۵ : ۱۳)
(۳۹ : ۴۳) - (۴۸ : ۱۱)

متفرقات

۱۔ ابلیس نے آدم کو یہ کہہ کر ورغلایا تھا کہ میں تمہیں ایسی مملکت کا پتہ نشان دیتا ہوں جس پر کبھی زوال نہ آ سکے (۲۰ : ۱۲۰)

۲۔ اقتدار ملنے کا معیار، مال و دولت نہیں۔ علم اور جسمانی صحت ہے۔ (۲ : ۲۴۷)

۳۔ انسانوں کے ہاتھ میں قوت و اقتدار آجائے تو وہ حق کے خلاف مجادلہ کرتے ہیں۔ (۲ : ۲۵۸)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ کو ملکوت السمٰوٰت والارض کا مشاہدہ کرایا گیا۔ (۶ : ۷۶)

۵۔ ملکوت السمٰوات و الارض پر دعوتِ غور و فکر۔ (۷ : ۱۸۵)

۶۔ دنیاوی بادشاہ جب کسی ملک پر چڑھائی کرتے ہیں تو اسے تہس نہس کر دیتے ہیں۔ (۲۷ : ۳۴) - فرعون کا دعوئے ملوکیت۔ (۴۳ : ۵۱)

۷۔ اگر یہودیوں کو حکومت مل جاتی تو یہ لوگوں کو ذرہ برابر بھی کچھ نہ دیتے۔ (۴ : ۵۳)

۸۔ حاکم قوم، محکوم قوم کی سچی بات ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتی۔ (۲۳ : ۴۷)

۹۔ جس حکومت میں قوم کو پارٹیوں میں بانٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے وہ حکومت باقی نہیں رہا کرتی۔ (۲۸ : ۴)۔

نیز وہ حکومت بھی نہیں جو خدا کے قانونِ مکافات کو بھلا بیٹھے ۔ (۳۹ : ۲۸) یا جس میں جوع الارض کا جذبہ پیدا ہو جائے ۔ (۱۹ : ۳۴)

۱۰۔ جنت نعمتِ عظمیٰ اور ملکِ کبیر ہے ۔ (عظیم سلطنت) ۔ (۲۰ : ۷۶)

۱۱۔ عبدِ مملوک اور صاحبِ اختیار دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے ۔ (۷۵ : ۱۶)

۱۲۔ اپنے رب کے فیصلہ (حکم) پر جم کر کھڑے رہو ۔ (۴۸ : ۵۲) ۔ (۴۸ : ۴۸) ۔ (۲۴ : ۷۶)

۱۳۔ حکم کے معنی محکم بنانا ۔ استوار کرنا ۔ (۵۲ : ۲۲) ۔ (۱ : ۱۱)

۱۴۔ آیات محکمت ۔ (۷ : ۳) ۔ (۱ : ۱۱) ۔ (۲۰ : ۴۷)

(۰)

۱۶۔ حمد

حمد :۔ ہمارے ہاں حمد کے معنی تعریف اور ستائش کئے جاتے ہیں ۔ لیکن عربی زبان میں اس کا مفہوم اس سے وسیع ، گہرا اور مخصوص ہے ۔ کسی نہایت حسین ۔ متناسب ۔ نادر ۔ منفعت بخش ، شاہکار کو دیکھ کر انسان کے دل میں جو جذباتِ تحسین بے ساختہ ابھریں ، ان کے اظہار کا نام حمد ہے ۔ یہ جذبات درحقیقت اس شاہکار کے صناع یا خالق سے متعلق ہوتے ہیں ۔ لیکن ان کا اظہار بے ساختہ ہوتا ہے ۔ اس سے خدا کی حمد کا مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے ۔ جب انسان اس کارگہِ کائنات پر غور کرتا ہے تو اس کے ایک ایک گوشے میں اسے خالقِ کائنات کے نہایت حسین اور نفع بخش شاہکار نظر آتے ہیں ۔ انہیں دیکھ کر ، انسان کے دل میں جذباتِ تحسین ہجوم کر کے ابھرتے ہیں ۔ ان کے اظہار کا نام خدا کی حمد ہے ۔ کبھی اس حمد کی نسبت اس انسان کی طرف کی جاتی ہے جس کے دل میں یہ جذبات پیدا ہوتے ہیں اور کبھی اس حقیقت کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ نوادر خود اپنے خالق کی منہ بولتی حمد ہیں ۔ یا یوں کہ فطرت کی ہر شے ، اپنے خالق کے لئے وجہِ حمد و ستائش بننے کی خاطر مصروفِ تگ و تاز ہے ۔ (اسے ان اشیاء کی تسبیح کہا جاتا ہے) اس اعتبار سے ، ساری کائنات ، اپنے محیر العقول نظام کے ساتھ ، خدا کی صفتِ رب العالمین کی مظہر ، لہٰذا اس کی حمد کے لئے سرگرمِ عمل ہے ۔ جماعتِ مومنین کا بھی یہی فریضہ ہے کہ وہ (۱) نظامِ کائنات کے مختلف گوشوں پر غور و فکر کے بعد اشیائے کائنات کو موجبِ حمدِ خالقِ کائنات ثابت کریں ۔ اور (۲) خود اپنی دنیا میں قرآن کریم کی روشنی میں ایسا نظام قائم کریں ۔ جس کے انسانیت ساز اور نفع بخش نتائج کو دیکھ کر ہر صاحبِ بصیرت بے ساختہ پکار اٹھے کہ خدا کا نظام جو ایسے خوشگوار نتائج پیدا کرنے کا موجب ہے ، فی الواقعہ مستحقِ ہزار تحسین و آفرین ہے ۔

جماعتِ مومنین کو اس اعتبار سے حامدون کہا گیا ہے۔

۲۔ بعض آیات کا انداز ایسا ہے گویا ان میں حمدِ خداوندی کا حکم دیا گیا ہے۔ ان سے دراصل بتانا یہ مقصود ہے کہ اس قسم کے ہوتے ہیں وہ مقامات جو سزاوارِ حمدِ خداوندی ہوتے ہیں۔ ان مقامات سے مقصود یہ نہیں کہ خدا حکم دے کر اپنی تعریف کرانا چاہتا ہے۔ خدا تو غنی حمید ہے۔ یعنی وہ اس قسم کا مستحقِ حمد ہے کہ وہ اس سے مستغنی ہے کہ انسان اس کی حمد کرے تو وہ سزاوارِ حمد قرار پائے۔

الحمد للہ

۱۔ الحمد للہ رب العالمین۔ نظامِ کائنات میں خدا کی ربوبیتِ عالمینی اس کی حمد کی زندہ شہادت ہے۔ (۱:۱)۔(۱۰:۱۰)
(۳۷:۱۸۲)۔(۳۹:۷۵)۔(۴۰:۶۶)۔(۴۵:۳۶)۔ ظالم کی جڑ کٹ گئی۔ الحمد للہ رب العالمین۔
(۶:۴۵)۔(۲۸:۲۳)

۲۔ اہلِ جنت کی پکار ہوگی کہ حمد اللہ کے لئے ہے۔ (۴۳:۷)

۳۔ حمد اللہ کے لئے ہے جو کائنات کا خالق ہے۔ (۶:۱)۔(۳۵:۱)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اس خدا کے لئے حمد ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔ (۱۴:۳۹)

۵۔ حمد اس خدا کے لئے جس نے الکتاب (قرآن) نازل کی۔ (۱۸:۱)

۶۔ حمد اس خدا کے لئے کہ کائنات کی ہر شے جس کے پروگرام کی تکمیل کے لئے ہے۔ آخرت میں بھی حمد اسی کے لئے ہے
(۳۴:۲)

۷۔ ہر طرح کی حمد خدا کے لئے ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں۔ (۱۶:۷۵)۔ (۲۹:۶۳)۔
(۳۱:۲۵)۔(۳۹:۲۹)۔

۸۔ حمد خدا کے لئے ہے جس کو اولاد اور کسی صاحبِ اقتدار کی حاجت نہیں۔ نہ ہی وہ کمزوری یا بڑھاپے کی وجہ سے کسی کی مدد کا محتاج ہے۔ (۱۷:۱۱۱)

۹۔ حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ نے کہا کہ حمد خدا کے لئے ہے جس نے ہمیں اکثر لوگوں پر فضیلت عطا کی ہے (۲۷:۱۵)

۱۰۔ اس زندگی اور آخرت کی زندگی دونوں میں حمد خدا کے لئے ہے۔ (۲۸:۷۰)۔(۳۴:۱)

۱۱۔ ارض و سموات میں دوامی حمد اس کے لئے ہے۔ (۳۰:۱۸)

۱۲- ملکیت اور حمد - قوت و اقتدار اور حمد و ستائش - جلال اور جمال - دونوں کا سرچشمہ خدا ہے - (۱:۶۴)
۱۳- حمد اس خدا کے لئے جس نے حزن دور کر دیا - (۳۵ : ۳۴)
۱۴- وارثتِ ارض ملنے پر حمد - (۷۴ : ۳۹)

اشیائے کائنات کی طرف سے حمدِ خداوندی

۱- ملائکہ، خدا کی حمد کے لئے سرگرمِ عمل رہتے ہیں - (۷۵ : ۳۹) - (۷ : ۴۰) - (۵ : ۴۲)
۲- تخلیقِ آدم کے وقت ملائکہ نے خدا سے کہا کہ ہم تیری حمد کے لئے سرگرمِ عمل رہتے ہیں (۳۰ : ۲)
۳- رعد، خدا کی حمد کے لئے سرگرمِ عمل رہتی ہے - (۱۳ : ۱۳)
۴- کائنات کی ہر شے اس کی حمد کے لئے سرگرمِ عمل ہے - (۴۴ : ۱۷)

جماعتِ مومنین کی طرف سے حمدِ خداوندی

۱- مومن وہی ہیں جو خدا کی حمد کے لئے مصروفِ عمل رہتے ہیں (۱۵ : ۳۲)
۲- مومنین کی صفت الحامدون - (۱۱۲ : ۹)
۳- نبی اکرمؐ سب سے زیادہ حامد (حمد کرنے والے) تھے - اس لئے آپ کا ایک اسم گرامی احمد تھا - (۶ : ۶۱) جس کے معنی ہیں بہت زیادہ حمد کرنے والا - اسی سے آپ خود مقامِ محمود پر فائز ہو گئے - (۷۹ : ۱۷) اور محمدؐ کہلائے - (۲۹ : ۴۸) - یعنی جس کی یکے بعد دیگرے، مسلسل، حمد کی جائے - حضور کا یہ اسم گرامی ان آیات میں بھی آیا ہے - (۱۴۴ : ۳) - (۴۰ : ۳۳) - (۲ : ۴۷) - یہی منہاج و مقام امتِ محمدیہ کا ہونا چاہیئے - یعنی، ایسا نظام قائم کرنے والی جماعت جو خدا کی حمدیت کی زندہ شہادت ہو - اسطرح یہ اتباعِ نبی اکرمؐ سے مقامِ محمود حاصل کرے اور زمانہ اسکی حمد و ستائش کرے -

حمد کا حکم

۱- تو اپنے نشو و نما دینے کے (نظام کو) وجہِ حمد و ستائش بنانے کے لئے سرگرمِ عمل رہ (۹۹ : ۱۵) - (۱۳۰ : ۲۰) - (۵۵ : ۴۰) (۳۹ : ۵۰) - (۴۹ - ۴۸ : ۵۲) - (۳ : ۱۱۰)
۲- حضرت نوحؑ سے کہا کہ جب تم لوگ کشتی میں بیٹھ جاؤ تو کہو الحمد للہ - (۲۸ : ۲۳)

۳۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ کہو الحمد للہ (۲۷ : ۵۹)۔ وہ تمہیں اپنی آیات دکھائے گا۔ (۲۷ : ۹۳)

۴۔ خدا کو خالقِ کائنات تو تمہارے مخالفین بھی مانتے ہیں۔ اس پہ کہو الحمد للہ۔ (۳۱ : ۲۵)

خدا کی صفت حمید

۱۔ خدا حمید مجید ہے۔ (۱۱ : ۷۳)

۲۔ قرآن خدائے حکیم و حمید کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ (۴۱ : ۴۲)

۳۔ خدا غنی حمید ہے۔ (۲ : ۲۶۷) ۔ (۴ : ۱۳۱) ۔ (۱۴ : ۸) ۔ (۲۲ ، ۶۴) ۔ (۳۱ : ۱۲) ۔ (۳۱ : ۲۶) ۔ (۳۵ : ۱۵) ۔ (۵۷ : ۲۴) ۔ (۶۰ : ۶) ۔ (۶۴ : ۶)

۴۔ العزیز الحمید۔ (۱۴ : ۱) ۔ (۳۴ : ۶) ۔ (۸۵ : ۸)

۵۔ ولیٌ حمید۔ (۴۲ : ۲۸)

انسانوں کا قابلِ حمد و ستائش ہونا

۱۔ جو لوگ اس کا شوق رکھتے ہیں کہ وہ کام تو کچھ کریں نہیں لیکن لوگ ان کی تعریف کرتے رہیں۔ ان کے لئے دردناک تباہی ہے۔ (۳ : ۱۸۷)

متفرقات

۱۔ اہلِ جنت کہیں گے کہ حمد اللہ کے لئے ہے۔ (۷ : ۴۳) ۔ (۱۰ : ۱۰) ۔ (۳۵ : ۳۴) ۔ (۳۹ : ۷۴)

۲۔ اہلِ جنت کی راہ نمائی صراط الحمید کی طرف کی جائے گی۔ (۲۲ : ۲۴)

۳۔ آخرت (یا انقلابی دور) میں سب خدا کی حمد کرتے ہوئے حاضر ہوں گے۔ (۱۷ : ۵۲)

(۰)

۱۷۔ حُور

حُوْرٌ۔ یہ لفظ جمع ہے۔ اس کا واحد اَحْوَرُ بھی ہے جو مذکر ہے اور حَوْرَاءُ بھی جو مونث ہے۔ لہٰذا لفظ حور صرف

عورتوں کے لئے نہیں آئے گا - عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے آئے گا - اس کے بنیادی معنی آنکھ کی شفاف سفیدی کے ہیں۔ اس کے بعد یہ لفظ پاکیزگی سیرت اور نظافت کردار کے لئے بولا جانے لگا - بالخصوص پاکیزہ عقل کے لئے جس میں کسی قسم کی مکاری کو دخل نہ ہو - قرآن کریم میں جنت کی زندگی میں جو آیا ہے: زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ - (۴۴: ۵۴) - (۵۲ : ۲۰) - تو اس کے معنی میاں بیوی کے نہیں بلکہ ہم نشین اور رفقا کے ہیں - یعنی نہایت پاکیزہ سیرت رفقا جن میں عورتیں بھی شامل ہو سکتی ہیں اور مرد بھی۔

مندرجہ بالا دو مقامات کے علاوہ، جنت میں دو جگہ اور بھی حور کا ذکر آیا ہے - یعنی (۵۵ : ۷۲) اور (۵۶ : ۲۲) میں (مزید تفصیل کے لئے عنوان جنت دیکھئے)

---

۱۸ حیات و ممات

حیات - حیات، زندگی اور اس کے برعکس 'ممات' موت کو کہتے ہیں - قرآن کریم نے انسان کی موجودہ زندگی سے پہلی حالت کو بھی موت سے تعبیر کیا ہے اور اس دنیا میں اس کی طبعی زندگی کے سلسلہ کے ختم ہو جانے کو بھی موت کہا ہے زندگی (انسانی زندگی ہی نہیں بلکہ خود زندگی) کی ابتدا اس صفحۂ ارض پر کیسے ہوئی - انسانی علم ابھی تک اس معمہ کو حل نہیں کر سکا - لیکن اس باب میں سائنسدان متفق ہیں کہ اس کی ابتدا بے جان مادہ (INORGANIC MATTER) سے ہوئی۔ قرآن کریم، انسانی تخلیق کی ابتدا طین (مٹی) سے قرار دیتا ہے تو اس سے یہی مراد ہے - لیکن خود بے جان مادہ، کیسے وجود میں آگیا - یہ معمہ، اس سے بھی مشکل تر ہے - قرآن کریم، خدا کو فاطر السمٰوٰت والارض - اور بدیع السمٰوٰت والارض کہتا ہے - فاطر اور بدیع اسے کہتے ہیں جو کسی شے کو سب سے پہلی بار (عدم سے) وجود میں لایا ہو - بے جان مادہ کا خالق بھی وہی ہے - اور مادہ سے زندگی کی نمود کرنے والا بھی وہی - اُسی کے قانونِ حیات سے، زندگی کی نمود ہوتی ہے۔ اسی کے قانون کے مطابق زندگی موجود رہتی ہے - اور اسی کے قانون کے مطابق انسان کی طبعی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد کی زندگی کو قرآن کریم حیات الآخرت سے تعبیر کرتا ہے - برعکس حیات الدنیا کے۔

اس عنوان کے تحت ہم عام حیٰوۃ سے متعلق آیات لائیں گے - "حیٰوۃ الدنیا" کو "دنیا" کے عنوان میں بیان کریں گے اور "حیٰوۃ الآخرۃ" کو "آخرت" کے عنوان میں۔

۲- قرآن کریم قوموں کی زندگی (یعنی ان کے عروج کے زمانہ) کو ان کی حیٰوۃ سے تعبیر کرتا ہے، اور ان کے زوال کو موت سے۔

اس "موت" میں بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ خاص قوم، کسی حادثہ وغیرہ سے اسطرح نیست ونابود ہو جاتی ہے کہ اس کا کوئی فرد باقی نہیں رہتا۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ طبعی طور پر اس قوم کے افراد زندہ ہوتے ہیں۔ لیکن اجتماعی طور پر ان کا شمار دنیا کی زندہ قوموں میں نہیں ہوتا۔ اسے بھی اس قوم کی موت (یا ہلاکت) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ زندہ وہی قوم رہ سکتی ہے جو موت (خطرات کے مقابلہ) سے نہ ڈرتی ہو۔ ویسے بھی اس صفحۂ ارض پر انسان کی مختصر سے عرصہ کے لئے زندگی، اس کی قوت عمل کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے — نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا۔ ایک حقیقت ہے۔ قرآن کریم کی رو سے، انسان کی موجودہ زندگی، اس کے سلسلہ ارتقاء کی پہلی کڑی ہے۔ (یعنی اس کی انسانی زندگی کے سلسلۂ ارتقاء کی پہلی کڑی)۔ اس سطح پر اگر اس نے اپنے اندر آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا کرلی تو پھر یہ (مرنے کے بعد) اس سلسلہ کی اگلی کڑی پر فائز ہونے کے قابل ہو جائے گا۔ اس اعتبار سے، اس کی موت درحقیقت اس امر کا معیار ہے کہ اس میں آگے بڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے یا نہیں۔

۳۔ انسان کی اس دنیا کی طبعی زندگی (یعنی اس کی عمر) کی میعاد پہلے سے متعین نہیں۔ جو شخص خدا کے مقرر کردہ طبعی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرے گا، اسے صحت بھی ملے گی اور لمبی عمر بھی۔ جو ان کی خلاف ورزی کرے گا وہ بیماریوں کا شکار بھی ہوتا رہے گا اور اس کی عمر بھی کم ہو جائے گی۔ چنانچہ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے، طبعی قوانین کے مطابق عمل کرنے کے سبب، اپنے افراد کی اوسط عمر کتنی ہی بڑھا لی ہے۔ لیکن عمر کتنی ہی بڑھ جائے اس دنیا میں ابدی زندگی کسی کو نہیں مل سکتی۔

۴۔ قرآن کریم میں "زندگی کی نمود کو، زمین مردہ کی سیرابی سے اس میں سے فصل پیدا ہونے" کی مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زندگی کا دار و مدار پانی پر ہے۔ اور پانی پر خدا کا عرش (کنٹرول) ہے۔

۵۔ حیات اور موت دونوں اسی عنوان کے تابع آ گئے ہیں۔ کہیں یہ الفاظ الگ الگ آتے ہیں، کہیں دونوں یک جا۔ اس لئے حیات کے ساتھ موت اور موت کے ساتھ حیات کے ذیلی عنوانات دیکھ لیں۔

۶۔ اجل کو ہم نے الگ عنوان کے تابع لکھا ہے۔ لیکن چونکہ اجل کا تعلق عنوانِ زیرِ نظر سے بھی بڑا گہرا ہے۔ اس لئے ہم نے اسے یہاں بھی درج کر دیا ہے۔ آپ دونوں مقامات کو بیک نظر دیکھ لیں۔

موت اور حیات پر اختیار صرف خدا کا ہے

یعنی زندگی اس کے قانون کے مطابق ملتی اور قائم رہتی ہے۔ اور اسی کے مطابق اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس سے ادھل

ہو جاتا ہے۔

(۱) حضرت ابراہیمؑ کا بادشاہ سے مکالمہ کہ موت وحیات، خدا کے اختیار میں ہے۔ اس نے کہا کہ میں جسے چاہوں مار دوں۔ جسے چاہوں زندہ چھوڑ دوں۔ (۲۵۸ : ۲) - (۸۱ : ۲۶)

۲۔ موت وحیات اس کے قانون کی رو سے ملتی ہے۔ (۱۵۵ : ۳) - (۱۱۶ : ۹) - (۵۶ : ۱۰) - (۲۳ : ۱۵) - (۸۰ : ۲۳) - (۶۸ : ۴۰) - (۸ : ۴۴) - (۲۶ : ۴۵) - (۴۳ : ۵۰) - (۴۴ : ۵۳) - (۲ : ۵۷)

۳۔ معبودانِ باطل کو موت وحیات پر اختیار نہیں۔ (۳ : ۲۵)

۴۔ خدا ہی اپنے قانون کے مطابق زندگی دیتا اور موت طاری کرتا ہے۔ (۱۵۸ : ۷) - (۸ : ۴۴) - (۴۴ : ۵۲)

۵۔ خدا' الحی القیوم ہے۔ زندہ، اور زندگی عطا کرنے والا۔ (۲۵۵ : ۲) - (۲ : ۳) - (۱۱۱ : ۲۰) - (۵۸ : ۲۵) - (۶۵ : ۴۰)

۶۔ خدا اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندگی عطا کر دے۔ (۳۶ : ۶) - (۶۶ : ۱۹) - (۶ : ۲۲) - (۵۰ : ۳۰) - (۱۲ : ۳۶) - (۷۸ - ۷۹ : ۳۶) - (۳۹ : ۴۱) - (۹ : ۴۲) - (۳۳ : ۴۶) - (۴۰ : ۷۵)

دو موتیں اور دو زندگیاں

اس دنیا میں زندگی ملنے سے پہلے کا عرصہ (پہلی) موت۔ پھر زندگی (پہلی) زندگی۔ پھر دنیا کی زندگی کا خاتمہ (دوسری) موت۔ اس کے بعد زندگی (دوسری) زندگی۔

۱۔ تم قانونِ خداوندی سے کیسے انکار کر سکتے ہو۔ تم مردہ تھے۔ اس نے زندگی عطا کی۔ پھر مر جاؤ گے اور اس کے بعد پھر زندگی ملے گی۔ (۲۸ : ۲) - (۱۱ : ۴۰)

۲۔ زمین میں زندہ رہنا۔ اس میں مرنا۔ پھر اسی سے زندہ ہونا۔ (۲۵ : ۷)

۳۔ اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر موت دے گا۔ پھر زندہ کرے گا۔ (۶۶ : ۲۲) - (۸۱ : ۲۶) - (۴۰ : ۳۰) - (۲۶ : ۴۵) - (۱۷ : ۷۱)

۴۔ حیاتِ اخروی کے بعد موت نہیں۔ (۵۸-۵۹ : ۳۷) - (۵۶ : ۴۴)

۵۔ جہنم میں نہ موت ہوگی نہ زندگی۔ (۴،۲۰ : ۲۰) ۔ (۳۶ : ۳۵) ۔ (۱۳ : ۸۷) ۔ ہر طرف سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن وہ مریں گے نہیں۔ (۱۴ : ۱۷)

۶۔ موت کے بعد دنیا میں واپسی نہیں ہوگی۔ (۲۳ : ۹۹-۱۰۰) ۔ (۶۳ : ۱۰-۱۱)

زندگی کی نمود

۱۔ زندگی کی نمود پانی سے ہوئی اور اسی پر اس کا مدار ہے۔ (۳۰ : ۲۱) ۔ اور پانی پر مرکزی کنٹرول خدا کا ہے۔ (۷ : ۱۱)

حیوانی (طبعی) حیات سے اوپر انسانی حیات

قرآن ہر سانس لینے والے انسان کو زندہ نہیں قرار دیتا ہے۔ اس کی زندگی محض حیوانی سطح کی ہوتی ہے۔ زندہ انسان وہ ہے جس کی انسانی صلاحیتیں بیدار ہوں۔

۱۔ انسانی سطح کی زندگی ہدایتِ خداوندی کی روشنی میں چلنے سے ملتی ہے۔ (۶ : ۱۲۳)

۲۔ قرآن اس کے لئے تنذیر ہے جس میں زندگی کی رمق ہو۔ (۷۰ : ۳۶)

۳۔ مومن و کافر کی موت اور زندگی یکساں نہیں ہوسکتی۔ (۴۵ : ۲۱)

۴۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ وہ قانونِ خداوندی کی رو سے مردہ کو زندگی عطا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ (۳ : ۴۸) ۔ (۵ : ۱۱۰)

۵۔ اللہ اور رسول کی دعوت پر لبیک کہو جو تمہیں اس چیز کی طرف بلاتا ہے جو تمہیں زندگی عطا کر دے۔ (۸ : ۲۴)

۶۔ کافر، قیامت میں کہے گا کہ اے کاش! میں نے اپنی حیات کے لئے کچھ پہلے بھیج دیا ہوتا۔ (۸۹ : ۲۴)

۷۔ زندگی درحقیقت موت کے بعد ہی کی ہے۔ (۲۹ : ۶۴)

۸۔ مومن جیتا بھی خدا (کے مشن کی تکمیل) کے لئے ہے اور مرتا بھی اسی مقصد کی خاطر ہے۔ (۶ : ۱۶۲)

قوموں کی زندگی اور موت

اس کی تفصیل "امم سابقہ" اور "قوم" کے عنوانات میں ملے گی۔ یہاں چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

۱۔ موت کے ڈر سے بھاگنے والے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ اس کے سامنے کھڑے ہو جانے والے زندہ رہتے

ہیں - (۲ : ۲۴۳)

۲- خدا اور رسول کی دعوت پر لبیک کہو جو تمہیں اس بات کی طرف بلاتا ہے جو تمہیں زندگی عطا کر دے۔ (۸ : ۲۴)

۳- موت وحیات، دلیل و برہان (قانون کے مطابق) ملتی ہے۔ دھاندلی سے نہیں۔ (۸ : ۴۲)

۴- ہر امت کے لئے اجل - یعنی عروج کا زمانہ - (۷ : ۳۴) - (۱۰ : ۴۹) - (۱۵ : ۴۵) - (۲۳ : ۴۲) - (۳۴ : ۳۰)

۵- بنی اسرائیل کی زندگی اور موت کی مثال - (۲ : ۲۵۹) - حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے کہا کہ مجھے بتا کہ اس قسم کی مردہ قوم کو حیاتِ نو کسی طریق سے مل سکے گی - (۲ : ۵۶) - (۲ : ۷۳) - (۲ : ۲۶۰)

زمینِ مردہ کی مثال

۱- زمینِ مردہ کو پانی سے زندگی ملتی ہے (۲ : ۱۶۴) - (۱۶ : ۶۵) - (۲۵ : ۴۹) - (۲۹ : ۶۳) - (۳۰ : ۱۹) (۳۰ : ۲۴) - (۳۵ : ۹) - (۳۶ : ۳۳) - (۴۵ : ۵) - (۵۷ : ۱۷)

۲- جو خدا زمینِ مردہ کو زندگی عطا کرتا ہے، وہی مردہ انسانوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے - (۳۰ : ۵۰) - (۴۱ : ۳۹) (۵۰ : ۱۱)

مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا ہوتے رہنا

پہلے تو یہ سمجھئے کہ بے جان مادہ سے زندگی کی نمود ہوتی ہے اور پھر زندہ اشیاء، اپنی مدتِ حیات کے خاتمہ کے بعد، بے جان عناصر میں تبدیل ہو جاتی ہیں (بجز انسانی ذات کے جس کی زندگی کا سلسلہ آگے بھی چلتا ہے۔)

پھر یہ دیکھئے کہ ہم بے جان اشیاء کھاتے ہیں جو ہمارے جسم کی مشینری میں جا کر زندہ خلیوں (LIFE CELLS) میں تبدیل ہو جاتی ہیں، یہ (CELLS) ہر آن کروڑوں کی تعداد میں پیدا ہوتے اور مرتے رہتے ہیں۔ اس طرح مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ، پیدا ہوتا رہتا ہے۔

۱- خدا، مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا کرتا ہے - (۳ : ۲۶) - (۶ : ۹۶) - (۱۰ : ۳۱) - (۳۰ : ۱۹)

موت

۱۔ دیکھو۔ متفرق ۔ ۱ تا ۵ ۔

۲۔ تم موت سے بچ نہیں سکتے۔ (۱۴۷ : ۳) - (۷۸ : ۴) - (۱۶ : ۳۳) - (۸ : ۶۲)

۳۔ ہر متنفس کو مرنا ہے ۔ (۱۶۸ : ۳) - (۱۸۴ : ۳) - (۳۴-۳۵ : ۲۱) - (۱۵ : ۲۳) - (۵۷ : ۲۹)
(۸ : ۶۲) - (۲۱ : ۸۰)

۴۔ پیدائش اور موت کا درمیانی وقفہ اجل ہے۔ یعنی دنیا میں رہنے کی میعاد ۔ (۲ : ۶) - (۶۰ : ۶)

۵۔ موت شعور کے ساقط ہو جانے کا نام ہے ۔ زندگی کے ختم ہو جانے کا نہیں۔ اس لئے کہا کہ خدا تمہیں رات کو وفات دے دیتا ہے ۔ (۶۰ : ۶) نیز (۴۲ : ۳۹)

۶۔ خدا کے رُسل (فرستادگان) موت طاری کر دیتے ہیں۔ یعنی فطرت کی قوتیں جنہیں ملائکہ کہا گیا ہے ۔ (۶۱ : ۶) - (۲۷ : ۴۷) - (۱۹ : ۵۰) ۔ ملک الموت ۔ (۹۴ : ۶) - (۳۷ : ۷) - (۵۰ : ۸) - (۲۸ : ۱۶) - (۱۱ : ۳۲)
(۸۳ : ۵۶) - (۲۶ : ۷۵)

۷۔ موت خدا کے قانون کے مطابق آتی ہے ۔ (۴۵ : ۳) - (۱۰۴ : ۱۰)

۸۔ خود کائنات کے لئے بھی ایک میعاد (اجل) ہے ۔ (۹۹ : ۷) - (۸ : ۳۰) - (۱۳ : ۳۵) - (۳ : ۴۶)

۹۔ اجل آکر رہے گی ۔ (۵ : ۲۹)

۱۰۔ کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔ (۳۴ : ۳۱)

۱۱۔ عمر، قانونِ خداوندی کے مطابق گھٹ بڑھ سکتی ہے ۔ (۱۱ : ۳۵) ۔ کوئی قبل از وقت مر جاتا ہے ۔ کوئی عمر پوری کر کے مرتا ہے ۔ (۶۷ : ۴۰)

۱۲۔ کفار، دنیاوی موت کو پہلی موت کہتے تھے اور اس کے بعد زندگی کے قائل نہیں تھے۔ (۲۹ : ۶) - (۳۷ : ۲۳)
(۳۵ : ۴۴) - (۲۳ : ۴۵) ۔ جہنم کی زندگی میں موت نہیں ۔ (۳۶ : ۳۵)

۱۳۔ خدا نے موت کو مقدر کر دیا ہے (اس کے لئے پیمانہ مقرر کر دیا ہے ۔ اسی کو قانونِ خداوندی کہتے ہیں) ۔ (۶۰ - ۵۶)

۱۴۔ جہنم میں نہ موت ہوگی نہ زندگی ۔ (۷۴ : ۲۰) - (۱۳ : ۸۷) ۔ ہر طرف سے موت آتی دکھائی دے گی ۔ (۱۴ : ۱۷)

۱۵۔ موت سامنے آجائے تو توبہ نہیں ہوتی ۔ (۱۸ : ۴) - (۱۰ : ۹۳)

۱۶۔ مہاجر کو راستے میں موت آجائے تو بھی اسے اجر ملے گا ۔ (۴: ۱۰۰)
۱۷۔ جنگ کا حکم آجاتا ہے تو منافقین پر موت کی غشی طاری ہو جاتی ہے (۳۳ : ۱۹) ۔ (۴۷ : ۲۰)
۱۸۔ موت کا لفظ بطور استعارہ ۔ جاؤ! اپنے غصے کی آگ میں جل بھن کر مر جاؤ ۔ (۳ : ۱۱۹)
۱۹۔ موت سے ڈرنے والے خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ (۲۴۳)
۲۰۔ موت کے بعد واپسی نہیں ۔ (۲۳ : ۹۹)
۲۱۔ جنت میں موت نہیں ہو گی ۔ (۳۷ : ۵۹) ۔ (۴۴ : ۵۶)
۲۲۔ موت اور حیات کے الفاظ کفر اور ایمان کیلئے (۶ : ۱۲۲) نہ ان کی زندگی یکساں ہو سکتی ہے نہ موت (۳۵ : ۲۱)
۲۳۔ مومن کی زندگی اور موت دونوں خدائی پروگرام کی تکمیل کے لئے ۔ (۶ : ۱۶۲)
۲۴۔ کفار اپنا اعمال نامہ دیکھ کر کہیں گے کہ کاش! موت میرا خاتمہ کر دیتی ۔ (۶۹ : ۲۵ - ۲۷)

متفرق

۱۔ موت و حیات اس لئے پیدا کی کہ تمہیں حسنِ عمل کے مواقع ملتے رہیں اور اس سے تمہاری صلاحیتوں کا ٹسٹ ہو جائے ۔ (۶۷ : ۲)
۲۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد جنت تمہارے لئے ہے، تو موت کی تمنا کر کے بتاؤ ۔ (۲ : ۹۴) ۔ (۶۲ : ۶ - ۸)
۳۔ مسلمانوں سے کہا کہ تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے ۔ اب جہاد کا وقت آگیا ہے ۔ آگے بڑھو ۔ (۳ : ۱۴۲)
۴۔ رسول اللہ بھی موت کے احاطے سے باہر نہیں تھے ۔ (۳ : ۱۴۳) ۔ (۲۱ : ۳۴ - ۳۵) ۔ (۳۹ : ۳۰ - ۳۱)
۵۔ موت، قانونِ خداوندی کے مطابق آتی ہے ۔ جب موت آتی ہے تو مدتِ عمر ختم ہو جاتی ہے ۔ (۳ : ۱۴۴)
۶۔ دوزخ میں تباہی کو پکاریں گے ۔ (۲۵ : ۱۳)
۷۔ کفار کا عقیدہ کہ ہم زمانے کی گردش سے مر جاتے ہیں ۔ اس کے بعد زندگی نہیں ۔ (۶ : ۲۹) ۔ (۱۱ : ۷) ۔ (۱۶ : ۳۸) ۔ (۲۳ : ۳۷) ۔ (۲۳ : ۸۲) ۔ (۳۷ : ۱۶) ۔ (۳۷ : ۵۳) ۔ (۴۵ : ۲۴ - ۲۶)
۸۔ کل من علیہا فان ۔ (۵۵ : ۲۶ - ۲۷)
۹۔ جس نے کسی ایک جان کو ناحق ضائع کر دیا اس نے گویا پوری نوعِ انسان کو تلف کر دیا ۔ اور جس نے کسی ایک کی جان

بچا لی اس نے گویا ساری انسانیت کی جان بچا لی۔ (۳۲ : ۵)

۱۱۔ زمین، زندوں اور مُردوں، دونوں کے لئے کِفات ہے۔ (۲۶-۲۵ : ۷۷)۔ اسی میں جینا ہے۔ اسی میں مرنا۔ اور اسی سے دوبارہ اٹھنا۔ (۲۵ : ۷)

۱۲۔ یہ لوگ جن کی پوجا کرتے ہیں وہ مردہ ہیں۔ زندہ نہیں۔ (۲۱ : ۱۶)

۱۳۔ زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔ (۲۲ : ۳۵)

۱۴۔ حضرت ابراہیمؑ کے بالمقابل بادشاہ نے کہا تھا کہ وہ زندہ بھی کر سکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے (۲۵۸ : ۲)

۱۵۔ ایمان اور عملِ صالح سے بڑی خوشگوار زندگی ملتی ہے۔ (۹۷ : ۱۶)

۱۶۔ بنی اسرائیل کے ذبحِ گاؤ کے سلسلہ میں کہا کہ خدا اس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ (۷۳ : ۲)

۱۷۔ مقتولین فی سبیل اللہ کو مردہ مت سمجھو۔ وہ زندہ ہیں۔ (۱۵۴ : ۲)۔ (۱۶۸ : ۳)

۱۸۔ موت آنے تک مسلم رہنا چاہیئے۔ (۱۳۲ : ۲)۔ (۱۰۱ : ۳)

۱۹۔ موت آنے سے پہلے وصیت کرنا ضروری ہے۔ (۱۸۰ : ۲)۔ (۱۰۶ : ۵)

۲۰۔ اگر بفرضِ محال ان کے ساتھ مردے اٹھ کر کلام کرنے لگ جائیں۔ یہ پھر بھی ایمان نہ لائیں۔ (۶/۱۱۲)۔ (۳۱ : ۱۳)

۲۱۔ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ (۸۰ : ۲۷)۔ (۵۲ : ۳۰)

اجل

مدتِ معین۔ میعاد۔ نیز میعاد کا آخری سرا خواہ اسے ابھی ختم نہ کیا ہو۔ اجل، قوموں کی بھی ہوتی ہے اور افراد کی بھی۔ اقوام کی اجل ان کا زمانۂ عروج ہے جس کے بعد ان کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اسی عرصہ کے اختتام کے لئے "اجل آ جائے" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ اسی طرح افراد کی عمر کی مدت ختم ہو جانے کو بھی ان کی اجل آ جانا کہا جاتا ہے۔ اجل — اقوام کی ہو یا افراد کی — پہلے سے مقرر شدہ نہیں ہوتی۔ اقوام یا افراد اسے خدا کے قانون کے مطابق خود مقرر کرتے ہیں۔

اقوام کی اجل

۱۔ ہر قوم کے عروج کا ایک زمانہ ہوتا ہے۔ جب خدا کے قانون کے مطابق وہ زمانہ ختم ہو جاتا ہے تو پھر زوال شروع ہو جاتا ہے،

اس میں تقدم وتاخر نہیں ہوتا۔ (۷ : ۳۴) ۔ (۱۰ : ۴۹) ۔ (۱۶ : ۶۱)۔ ہر اجل قانونِ خداوندی کے مطابق متعین ہوتی ہے، آگے پیچھے نہیں ہوسکتی۔ (۱۳ : ۳۸) ۔ (۱۵ : ۵) ۔ (۲۳ : ۴۳)

۲۔ اسی کو اعمال کے بدلے میں تباہی کی اجل کہا گیا ہے۔ یعنی عمل اور اس کے نتیجہ کے محسوس شکل میں سامنے آنے کا وقفہ۔ (۲۹ : ۵۵) یہ وقت آکر رہتا ہے۔ (۶ : ۱۲۹) ۔ (۷ : ۱۳۵) ۔ (۷ : ۱۸۵) ۔ (۱۰ : ۱۱) ۔ (۱۱ : ۱۰۴) ۔ (۱۴ : ۱۰) ۔ (۱۴ : ۴۴) ۔ (۱۶ : ۶۱) ۔ (۲۰ : ۱۲۹) ۔ (۲۹ : ۵) ۔ (۳۵ : ۴۵) ۔ (۴۲ : ۱۴) ۔ (۷۱ : ۴) ۔ (۷۷ : ۱۲)

افراد کی اجل

۱۔ نیند کی حالت میں "وفات" مل جاتی ہے۔ پھر تم اٹھ کھڑے ہوتے ہو تاکہ عمر کی میعاد پوری ہو جائے۔ (۶ : ۶۰) ۔ (۳۹ : ۴۲)

۲۔ موت کی مدت بڑھائی نہیں جاتی۔ موت کہتے ہی عمر کے آخری سانس کو ہیں۔ (۶۳ : ۱۰-۱۱)

۳۔ عام طور پر انسان جتنی عمر پاتے ہیں اسے اجل مسمّٰی کہا گیا ہے۔ (۴۰ : ۶۷) ۔ (۶ : ۲)

۴۔ "اللہ کی اجل" آکر رہے گی۔ (۲۹ : ۵)

۵۔ موت قانونِ خداوندی کے مطابق آتی ہے۔ یہ قانون مؤجل ہے۔ (۳ : ۱۴۵)

اجل (متفرق)

۱۔ رحمِ مادر میں جنین ایک مدت کے لئے رہتا ہے۔ (۲۲ : ۵)

۲۔ حج میں ذبح کئے جانے والے جانوروں سے، اس مدت سے پہلے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ (۲۲ : ۳۳)

۳۔ سلسلۂ کائنات ایک مدت تک کے لئے جاری ہے۔ (۷ : ۱۸۵) ۔ (۱۳ : ۲) ۔ (۱۷ : ۹۹) ۔ (۳۰ : ۸) ۔ (۳۱ : ۲۹) ۔ (۳۵ : ۱۳) ۔ (۳۹ : ۵) ۔ (۴۶ : ۳)

۴۔ انسانوں کی دنیا میں رہنے کی بھی ایک مدت ہے جس کا علم خدا کو ہے۔ (۶ : ۲)

۵۔ عورت کی عدت (اور طلاق) کی مدت کو بھی اجل کہا گیا ہے۔ (۲ : ۲۳۵) ۔ (۲ : ۲۳۱-۲۳۲) ۔ (۲ : ۲۳۴) ۔ (۶۵ : ۲-۳)

۶۔ ایک مدت معینہ کے لئے قرض۔ (۲ : ۲۸۲)

۷۔ قانونِ قصاص میں قوم کی حیات کا راز مضمر ہے۔ (۱۷۹ :۲)

۸۔ مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ اس وجہ سے۔ (۳۲ : ۵)

۱۹۔ حیض

حیض ۔ عورتوں کے ماہواری ایام۔

۱۔ حیض کے ایام میں عورتوں سے مباشرت نہیں کرنی چاہیئے ۔ (۲۲۲ : ۲) ۔ ان دنوں میں ان کی طبیعت نارمل نہیں ہوتی ۔

۲۔ عدت کا شمار حیض کے مطابق ہوتا ہے ۔ جو عورتیں بوڑھی ہو چکی ہوں اور اس طرح حیض کی طرف سے مایوس ہوں یا جنہیں کسی اور وجہ سے حیض نہ آسکا ہو، ان کی عدت کا بیان ۔ یعنی ہوں تو وہ بالغ، لیکن بیماری وغیرہ کی وجہ سے انہیں حیض نہ آرہا ہو ۔ (۴ : ۶۵)

حنین (جنگ)

جنگِ حنین ۔ فتح مکہ کے بعد عرب کے دیگر قبائل نے تو اسلامی مملکت کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا ۔ لیکن ہوازن اور ثقیف کے دو جنگجو قبیلے ایسے تھے جنہوں نے سرکشی اختیار کی اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ اس پر اسلامی لشکر آگے بڑھا اور مکہ اور طائف کے درمیان حنین کی وادی میں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا ۔ ابتدائی جنگوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہوتی تھی ۔ اس لئے وہ اپنی بلند ہمتی اور قوتِ ایمانی پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے ۔ اب وہ ایک عظیم لشکر جرار تھے ۔ اس لئے وہ اپنی تعداد کی کثرت پر اترا گئے ۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ انہیں شکست ہو گئی اور بڑی ابتری پھیل گئی ۔ (۹:۲۵) لیکن جب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ پھر مجتمع ہو گئے اور پوری ہمت اور حوصلے سے دشمن کا مقابلہ کیا ۔ اس سے ان کے پاؤں میں استقامت آگئی اور دل میں سکون ۔ نتیجہ اس کا یہ کہ پھر انہیں فتح نصیب ہو گئی ۔ (۲۶ : ۹) ۔ یوں انہیں خدا کی طرف سے سامانِ حفاظت و رحمت مل گیا ۔ (۲۷ : ۹)

قرآن کریم میں جنگِ حنین کا ذکر اسی ایک مقام پر آیا ہے ۔

خ

۱- خبر

خبر۔ علم اور واقفیت ۔ اس کی جمع اخبار ہے۔

خبیر۔ خبر کو جاننے والا ۔ یا خبر دینے والا ۔ یہ خدائی صفت ہے اور قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر آئی ہے۔ واللّٰہ بما تعملون خبیر (۲۳۴ : ۲) ۔ ان تمام حوالوں کو درج کرنے کی ضرورت نہیں ۔

(۰)

۲- خبیث وطیّب

(نیز دیکھو حلال وحرام)

طیّب - یہ قرآن کریم کی بڑی جامع اصطلاح ہے اس کے عام معنی ہیں خوشگوار ۔ پسندیدہ ۔ وہ شے جس سے انسان کو فرحت حاصل ہو ۔ نیز اس کے معنی سرسبزی وشادابی کے بھی ہیں ۔ زمینِ زرخیز اور پھل دار درخت کو بھی کہتے ہیں ۔ سامانِ رزق کی فراوانی بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے ۔ نیز ہر وہ شے جس سے انسانی ذات کو نشو ونما اور استحکام حاصل ہو ۔ قرآن کریم نے رزق کے لیے حلال اور طیب ہونے کی شرائط عائد کی ہے ۔ حلال وہ جس کے کھانے کی ممانعت نہیں ۔ اور طیّب وہ جو ایک فرد کے مزاج ، طبیعت اور ذوق کے مطابق ہو ۔ لیکن اگر کہیں طیّب کا لفظ حلال کے بغیر آئے گا تو اس کے معنی بھی حلال اور طیّب ہوں گے کیونکہ ایک مومن کے لیے رزق کا حلال ہونا تو اولین شرط ہے ۔ یا یوں کہیئے کہ مومن کے نزدیک طیّب شے ہی وہ سکتا ہے جو حلال ہو ۔ حرام کیسا ہی خوشگوار کیوں نہ ہو ، مومن کے لیے خوشگوار نہیں ہو سکتا ۔

اس کے مقابل میں لفظ خبیث آتا ہے ۔ یعنی طیّب کی ضد ۔ خبیث ہر اس شے یا بات کے لیے بولا جائے گا جسے قرآن کریم مذموم قرار دے اور جو انسانی طبیعت کے لیے ناگوار ہو ۔

طیّب - طوبیٰ

۱۔ طیّب نظریۂ زندگی اپنے زور دروں سے خدا کی طرف اوپر اٹھتا ہے اور انسان کا عملِ صالح اسے بلند کرنے میں مدد دیتا ہے۔ (۱۰ : ۳۵)

۲۔ اہلِ جنت وہ ہیں جو طیب راستے پر چلیں۔ (۲۴ : ۲۲)

۳۔ پاکیزہ (طیّب) مٹی سے تیمّم۔ (۴۳ : ۴) - (۶ : ۵)

۴۔ خدا نے مومنین سے مساکنِ طیّب کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (۷۲ : ۹) - (۱۲ : ۶۱)

۵۔ مومنین کے لئے خدا کا وعدہ ہے کہ انہیں حیاتِ طیّب عطا ہوگی۔ (۹۷ : ۱۶) - وہ زندگی جس میں ہر قسم کی خوشگواریاں ہوں۔ ان کی موت بھی طیّب ہوگی۔ (۳۲ : ۱۶) - اور انجام کار ان کا ماٰمن ایسا ہوگا جو ان کے لئے ہر اعتبار سے طوبیٰ ہوگا۔ (۲۹ : ۱۳)

۶۔ ان عورتوں سے شادی کرو جو تمہیں پسند ہوں (ماطاب لکم)۔ (۳ : ۴)

رزقِ حلال و طیّب

۱۔ جو کچھ زمین سے پیدا ہوتا ہے، اسے حلال و طیّب طریق سے کھاؤ۔ (زمین سے جو کچھ اگتا ہے وہ تو حلال ہی ہوتا ہے اسے "حلال" سے مشروط کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسے جائز طریق سے حاصل کیا گیا ہے جس حلال شے کو ناجائز طریق سے حاصل کیا گیا ہو، وہ حرام ہو جائے گی)۔ (۱۶۸ : ۲)

۲۔ جو کچھ سامانِ زیست خدا نے دیا ہے، اُسے حلال و طیّب طریق سے کھاؤ۔ (۱۷۲ : ۲) - (۸۸ : ۵) - (۱۱۴ : ۱۶)

۳۔ مالِ غنیمت کو حلال و طیّب طریق سے کھاؤ۔ (۶۹ : ۸)

۴۔ جو طیّبات خدا نے عطا کئے ہیں، انہیں حرام مت بناؤ۔ (۸۷ : ۵)۔ اس میں دونوں باتیں آجاتی ہیں۔ جن چیزوں کو خدا نے حرام نہیں کہا انہیں حرام مت قرار دو۔ اور حلال چیزوں کو ناجائز طریق سے حاصل مت کرو۔

۵۔ یہودیوں کے جرائم کی وجہ سے، ان پر بعض طیّبات حرام قرار دے دی گئیں۔ (۱۶۰ : ۴)

۶۔ جن چیزوں کو خدا نے طیّب قرار دیا ہے (یعنی حرام نہیں قرار دیا) انہیں کھاؤ۔ (۵۷ : ۲) - (۱۵۹ : ۷) - (۸۱ : ۲۰)

۷۔ خدا نے تمہارے لئے طیبات کو حلال قرار دیا ہے۔ (۴ : ۵) ۔۔(۵ : ۵) ۔یعنی جنہیں خدا نے حرام قرار دیا ہے وہ طیب نہیں تھیں۔ (۱۵۷ : ۷)
۸۔ خدا نے جماعتِ مؤمنین کو نہایت خوشگوار سامانِ زیست (رزقِ طیب) دیا۔ (۲۶ : ۸) ۔ یہ خدا کی نعمت ہے۔ (۷۲ : ۱۶) ۔ اور اس کی ربوبیت کا تقاضا۔ (۶۴ : ۴۰) ۔ بنی اسرائیل کو بھی رزقِ طیب دیا گیا تھا۔ (۹۳ : ۱۰) ۔ (۱۶ : ۴۵) ۔
۹۔ رسولوں سے کہا گیا کہ طیبات میں سے کھاؤ۔ (۵۱ : ۲۳)
۱۰۔ خدا نے جو سامانِ زیبائش اور رزقِ طیب عطا کیا ہے اسے کون حرام قرار دے سکتا ہے۔ (۳۲ : ۷)
۱۱۔ خدا نے انسان کو طیبات عطا کی ہیں لیکن جو لوگ ان سے فائدہ تو اٹھائیں لیکن مستقل اقدار (حیاتِ اُخروی) کا خیال نہ رکھیں، ان کا مآل جہنم ہے۔ (۲۰ : ۴۶)
۱۲۔ اپنی کمائی میں سے طیبات خدا کی راہ میں دو۔ (۲۶۷ : ۲) ۔ اور اس میں خبیث کا امتزاج مت کرو۔
۱۳۔ خدا نے بنی آدم کو رزقِ طیب عطا کیا ہے۔ (۷۰ : ۱۷)

خبیث ۔ خبیث و طیب

۱۔ بارش تو ساری زمین پر ہوتی ہے۔ لیکن طیب رقبہ میں فصل بکثرت ہوتی ہے۔ اور خبیث رقبہ میں بہت کم اور خراب۔ (۵۸ - ۵۷ : ۷)
۲۔ یتیموں کا جو مال تمہاری نگرانی میں ہو۔ انہیں وہ لوٹا دو۔ یہ نہ کرو کہ ان کا اچھا مال (طیب) اپنے پاس رکھ لو اور اپنا خراب مال (خبیث) اس کے بدلہ میں انہیں دے دو۔ (۲ : ۴)
۳۔ اسلام جن مراحل سے اپنے ابتدائی ایام میں گذرا اس سے مقصد یہ تھا کہ طیب سے خبیث چھٹ کر الگ ہو جائے۔ (۱۷۸ : ۳) ۔ لڑائیاں بھی اسی مقصد کے لئے ہوئی تھیں۔ (۳۷ : ۸)
۴۔ خبیث و طیب برابر نہیں ہو سکتے خواہ خبیث کی کثرت کتنی ہی تعجب انگیز کیوں نہ ہو۔ (۱۰۰ : ۵)
۵۔ اپنی کمائی میں سے طیب چیزیں خدا کی راہ میں دو۔ ایسا نہ کرو کہ ان میں سے خبیث (ردّی) چیزیں خدا کی راہ میں دے دو۔ (۲۶۷ : ۲)
۶۔ طیب نظریۂ حیات کی مثال ایک ایسے شجرِ طیب کی ہے جس کی جڑیں پاتال میں ہوں اور شاخیں آسمان کو چھو رہی ہوں۔

اس کے برعکس، خبیث نظریۂ زندگی اس پودے کی طرح ہے جس کی جڑیں زمین کے اوپر ہی اوپر ہوں۔ (۲۶-۲۴ : ۱۴)

۷۔ صحیح معاشرہ میں، خبیث، خبیثوں کے ساتھ ہوں گے اور طیب، طیبوں کے ساتھ۔ (۲۶ : ۲۴)

۸۔ قومِ لوط، خباثت کا ارتکاب کرتی تھی۔ (۷۴ : ۲۱)

۹۔ خدا نے طیبات حلال قرار دی ہیں اور خبائث حرام۔ (۱۵۷ : ۷)

متفرق

۱۔ خدا نے اہلِ سبا کو بَلَدِ طَیِّب عطا کیا تھا۔ ایسی سرزمین جس میں افراط سے فصلیں اور پھل ہوں۔ (۱۵ : ۳۴)

۲۔ حضرت ذکریاؑ نے خدا سے ذریتِ طیبہ کی دعا مانگی۔ (۳۷ : ۳)

۳۔ ریحِ طیب، سازگار ہوتی ہے۔ (۲۲ : ۱۰)

۴۔ اگر تمہاری بیوی اپنی پسندِ خاطر سے، اپنے واجبات میں سے کچھ چھوڑ دے۔ تو تم اسے لے سکتے ہو۔ (۴ : ۴)

۵۔ اپنے اہلِ خانہ کو مبارک اور طیب سلام کیا کرو۔ (۶۱ : ۲۴)

۲۔ خدا کی طرف سے عائدکردہ فرائض

۱۔ سارا قرآن ہی خدا کی طرف سے عائدکردہ فریضہ ہے۔ خود رسول اللہ سے یہ کہا گیا ہے۔ یعنی رسول اللہ پر قرآن فرض کیا گیا۔ (۸۵ : ۲۸)

۲۔ جس بات کو خدا فرض قرار دے دے اس کی تعمیل میں رسول کے راستے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیئے۔ (۳۸ : ۳۳)

۳۔ غلط قسم کھالی جائے تو یہ فریضۂ خداوندی ہے کہ اسے توڑ دیا جائے۔ (۲ : ۶۶)

۴۔ خدا نے عورتوں کے معاملہ میں جو کچھ فرض قرار دیا ہے، وہ اسے جانتا ہے۔ (۵۰ : ۳۳)

۵ سورۂ نور کی پہلی آیت میں کہا گیا کہ یہ سورت ہم نے نازل کی ہے اور اس کے مندرجات کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد احکامات ہیں۔ (۱ : ۲۴)

۶۔ ترکہ کے حصوں کے متعلق کہا کہ یہ خدا کی طرف سے مقررکردہ حصے (فریضہ) ہیں (۷ : ۴) ۔ (۱۱ : ۴)

۷۔ صدقات کے مصارف بیان کرنے کے بعد کہا کہ یہ خدا کیطرف سے مقرر کردہ ہیں (۹: ۶۰)

کُتِبَ علیکم (تم پہ لازم قرار دیا گیا ہے)

۱۔ قتل میں قصاص (۲: ۱۷۸) ۲۔ وصیت کرنا (۲: ۱۸۰)

۳۔ صیام (روزے) (۲: ۱۸۳) ۴۔ جنگ (جہاد) (۲: ۲۱۶)

۵۔ بنی اسرائیل کے لئے قصاص کا حکم (۵: ۳۲)۔(۵: ۴۵)

خدا نے خود اپنے اوپر واجب قرار دے رکھا ہے۔

۱۔ رحمت (۶: ۱۲)۔(۶: ۵۴) ۲۔ خدا اور اس کے رسولوں کا غالب رہنا۔ (۵۸: ۲۱)

۴۔ خسران

خسران (خ۔ س۔ ر) اس مادہ کے بنیادی معنی نقصان اور کمی کے ہوتے ہیں۔ غیر نفع بخش سودا (جس میں نقصان ہو) نیز ہلاکت اور تباہی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ الخاسر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی سے لیتے وقت تو ماپ اور تول پورا لے لیکن دیتے وقت ان میں کمی کر دے۔ اسے ڈنڈی مارنا کہتے ہیں۔ نیز اس کے معنی اس شخص کے ہیں جو نقصان اٹھائے۔ گھاٹے میں رہے۔ جو ناکام رہے۔ تباہ و برباد ہو جائے۔

قرآنِ کریم کی تعلیم یہ ہے کہ اس کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان کامیاب رہتا ہے۔ اور اس کے خلاف چلنے یا ان سے اعراض برتنے سے وہ ناکام رہتا ہے۔ اسی کو اس نے خسران سے تعبیر کیا ہے۔ سوال یہ سامنے آتا ہے کہ کامیابی اور ناکامی کہتے کسے ہیں۔ ایک شخص آبرو بیچ کر مال و دولت حاصل کرتا ہے اور اپنی زندگی کو کامیاب قرار دیتا ہے۔ دوسرا آبرو کی حفاظت کے لئے سب کچھ قربان کر دیتا ہے اور اسے کامیابی کہتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے کامیابی اور ناکامی کا معیار ہر شخص یا ہر قوم کا اپنا اپنا نہیں ہونا چاہیئے۔ جو شخص وحی کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے اس کی زندگی کامیاب ہے۔ جو ان کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ ناکام ہے۔ اس کو اس کی ہلاکت اور تباہی کہا جاتا ہے۔ یہی وہ نقصان ہے جس کی تلافی کسی اور طرح نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے جہاں یہ بتایا ہے کہ خسارہ میں کون لوگ ہیں تو وہاں اسی معیار کو سامنے لانا مقصود ہے۔

دوسرے لوگ، کسی شخص کو دنیاوی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس کی ذات کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اپنی ذات (نفس) کو انسان خود ہی نقصان پہنچاتا ہے اور اصل گھاٹے میں بھی وہی ہوتا ہے جو اپنی ذات کو نقصان پہنچائے۔

خسر۔خسران

۱۔ قرآن میں شفا اور رحمت ہے لیکن ان کے لئے جو اس کی صداقتوں پر یقین رکھیں (یعنی جو لوگ اسے اس کے صحیح مقام پر نہ رکھیں (ظالم ہوں) ان کا نقصان اور تباہی (خسارا) اور بڑھ جاتی ہے (۱۷:۸۲)۔(۳۹ : ۳۵)

۲۔ غلط راستے پر چلنے والے کا مال اور اولاد اس کے لئے تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ (۷۱ : ۲۱)

۳۔ جو وحی کی اقدار کو چھوڑ کر اپنے سرکش جذبات کا اتباع کرے تو وہ ایک کھلے ہوئے خسارے میں رہتا ہے۔ (۴ : ۱۱۹)

۴۔ بعض لوگ اس طرح اطاعتِ خداوندی کرتے ہیں کہ فائدہ دیکھا تو اطاعت کرلی۔ نقصان دیکھا تو اور طرف چل دیئے۔ ان لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں ناکامی اور تباہی ہے۔ (۲۲ : ۱۱)

۵۔ خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کو جھٹلانے والے تباہ ہو جاتے ہیں۔ (۶ : ۳۱) ۔ (۱۰ : ۴۵) ۔ (۴۰ : ۷۸) (۴۵ : ۲۷)

۶۔ جہالت سے "قتلِ اولاد" کرنے والے (یعنی اولاد کو بے علم اور بے تربیت رکھنے والے) سخت نقصان میں رہتے ہیں۔ (۶ : ۱۴۱)

۷۔ قوانینِ خداوندی سے انکار کرنے والے نقصان میں رہتے ہیں۔ (۲ : ۱۲۱) ۔ (۳۹ : ۶۳) ۔ (۴۰ : ۷۸)۔ (۴۰ : ۸۵)

۸۔ انسان اگر وحی کے تابع نہ چلے تو خاسر و نامراد رہ جاتا ہے۔ اس حقیقت پر تاریخِ انسانیت شاہد ہے (۱۰۳ : ۱-۲)

۹۔ قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتنے والے آخرالامر نقصان اٹھاتے ہیں۔ (۶۵ : ۹)

۱۰۔ قوانینِ خداوندی کی اطاعت خالصتہً کرنی چاہیئے۔ جو ایسا نہیں کرتے وہ اپنے آپ پر اور اپنے متعلقین پر ظلم کرتے ہیں۔ اور سخت نقصان میں رہتے ہیں۔ (۳۹ : ۱۴-۱۵)

۱۱۔ قرآن پر وہی لوگ ایمان نہیں لاتے جنہوں نے اپنے آپ کو تباہ کر لیا ہو۔ (۶ : ۱۲، ۲۰)

۱۲۔ جو لوگ دوسروں کو خدا کی طرف جانے والی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں پیچ و خم پیدا کرتے ہیں، وہ اپنے آپ کو تباہ کر لیتے ہیں۔ (۱۱ : ۲۱)۔ اور یہ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (۸ : ۳۶-۳۷)۔ (۲۲ : ۱۱)

۱۳۔ جس کا (صلاحیتوں کا) پلڑا بھاری ہوگا وہ کامیاب ہوگا۔ جس کا ہلکا ہوگا وہ ناکام رہے گا۔ (۷ : ۸-۹)-(۱۰۲ : ۲۳)

۱۴۔ جو لوگ اپنے آپ اور اپنے متعلقین کو تباہ کر لیتے ہیں۔ یوم مکافات کو تباہی اور بربادی انہی کے لئے ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ انسان کو مادی نقصانات تو پہنچا سکتے ہیں، اس کی ذات کو وہ خود ہی تباہ کرتا ہے۔ (۴۲ : ۴۵)

۱۵۔ یوم مکافات کو کوئی سفارش کرنے والا کسی کے کام نہیں آئے گا۔ نہ ہی دوبارہ عمل کی گنجائش ہوگی۔ جنہوں نے اپنے آپ کو تباہ کر رکھا ہوگا۔ وہ برباد ہو جائیں گے۔ (۷ : ۵۳)

۱۶۔ جن لوگوں کی ساری کوششیں طبیعی زندگی کے مفادات کے حصول میں ضائع ہو جاتی ہیں (اور وہ بلند اقدار کا کوئی خیال نہیں کرتے) وہ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ان کے لئے یوم مکافات میں میزان تک کھڑی نہیں کی جائے گی۔ (۱۸ : ۱۰۳ — ۱۰۵)

۱۷۔ انبیاء کے خلاف چالیں چلنے والے سخت ناکام رہتے ہیں۔ (۲۱ : ۷۰)

۱۸۔ قانونِ مکافات سے انکار کرنے والوں کے سامنے دنیاوی مفادات بڑے مزین ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ آخرالامر سخت گھاٹے میں رہتے ہیں۔ (۲۷ : ۴-۵)

۱۹۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر میں خدا کی طرف سے علم و بصیرت ملنے کے بعد تمہاری باتیں مان لوں، تو اس سے میرے نقصان ہی میں اضافہ ہوگا۔ (۱۱ : ۶۳)

۲۰۔ قوانینِ خداوندی سے اعراض برتنے والے اگر صحیح روش اختیار نہ کریں تو تباہ ہو جاتے ہیں۔ (۲ : ۶۴)

۲۱۔ انبیاء کی مخالفت کرنے والے لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر تم نے ان کا اتباع کیا تو سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ حالانکہ وہ خود نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتے تھے۔ (۷ : ۹۰-۹۲) - (۲۳ : ۳۴)

۲۲۔ رسول اللہ (یا قرآن کے مخاطب) سے کہا گیا کہ تم ان میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے قوانینِ خداوندی کی تکذیب کی ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ (۱۰ : ۹۵)

۲۳۔ حضرت نوحؑ نے خدا سے کہا کہ اگر تو مجھ پر رحمت نہ کرے تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ (۱۱ : ۴۷)

۲۴۔ جو لوگ خدا کے ساتھ عہد کرنے کے بعد اسے توڑ ڈالتے ہیں۔ جن رشتوں کو خدا نے ملانے کا حکم دیا ہے انہیں منقطع کر دیتے ہیں۔ ملک میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ تباہ ہوتے ہیں۔ (۲ : ۲۷)

۲۵۔ قوانینِ خداوندی سے انکار۔ باطل پر ایمان۔ اسی سے تو تباہی آتی ہے۔ (۲۹ : ۵۲)

۲۶۔ منافقین سخت نقصان میں رہتے ہیں حالانکہ انہیں دنیاوی مفاد بہت حاصل ہوتے ہیں (۵ : ۵۳)-(۹ : ۶۹)

۲۷۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا کی تدبیریں (اس کا قانونِ مکافات) ہمارا کچھ نہیں کر سکتا، وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ (۹۹ : ۷)

۲۸۔ جو لوگ مستقل اقدار کے مقابلہ میں طبیعی زندگی کے مفاد کو ترجیح دیتے ہیں، ان کے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے اور آخرالامر وہ سخت نقصان میں رہتے ہیں۔ (۱۰۹-۱۰۷ : ۱۶)

۲۹۔ حزب الشیطان ہمیشہ ناکام و نامراد رہے گا۔ (۱۹-۱۸ : ۵۸)

۳۰۔ جس شخص کی اولاد اور مال و دولت اسے قوانینِ خداوندی کی طرف سے غافل کر دے، وہ سخت نقصان میں رہتا ہے۔ (۹ : ۶۳)

۳۱۔ جو خدا کی عطا کردہ راہ نمائی کے مطابق نہیں چلتا وہ نقصان اٹھاتا ہے۔ (۱۷۸ : ۷)

۳۲۔ مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم کفار کی اطاعت نہ کرنا ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ (۱۴۸ : ۳)

۳۳۔ انبیاء کی مخالفت کرنے والے نقصان اٹھاتے ہیں۔ (۹۲ : ۷)

۳۴۔ اعداء اللہ سخت نقصان میں رہتے ہیں۔ (۲۵ و ۲۳ : ۴۱)

۳۵۔ حیاتِ اخروی اور قرآن کریم سے انکار کرنے والے تباہ ہو جاتے ہیں۔ (۴ : ۲۷)-(۱۸ : ۴۶)

۳۶۔ حقیقی نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے اپنی ذات کو تباہ کر لیا۔ (۱۵ : ۳۹)-(۴۵ : ۴۲)

۳۷۔ جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور نظامِ حیات اختیار کرے گا۔ تو وہ آخرالامر نقصان اٹھائیگا۔ (۸۴ : ۳)

۳۸۔ جو ایمان سے انکار کرتا ہے، وہ مستقبل میں نقصان اٹھاتا ہے۔ (۵ : ۵)

۳۹۔ آدم نے اپنی خطا کا اعتراف کیا اور کہا کہ اگر قوانینِ خداوندی اس کی حفاظت کا سامان نہ بہم پہنچائیں تو وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ (۲۳ : ۷)

۴۰۔ شرک سے تباہی آ جاتی ہے (۶۵ : ۳۹)

۴۱۔ کفار کی اطاعت سے تباہی۔ (۱۴۹ : ۳)

۴۲۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے عرض کیا کہ اگر بنی اسرائیل کو بازیابی کا موقعہ نہ دیا گیا تو وہ تباہ ہو جائیں گے (۱۴۹ : ۷)

مخسرین۔ کم تولنے والے

اس گوشے کا تعلق درحقیقت معاشی نظام سے ہے۔ اس لئے اس کی تفصیل وہیں ملے گی۔ "کم تولنے" سے مراد محض ترازو میں ڈنڈی مارنا نہیں۔ اس سے مفہوم ایسا معاشی نظام ہے جس میں محنت کرنے والے سے محنت تو پوری لی جائے لیکن اس کا معاوضہ

پورا نہ دیا جائے۔ نظامِ سرمایہ داری کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ محنت کا معاوضہ پورا نہ دیا جائے۔

۱۔ وزن کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ ترازو میں کمی مت کرو۔ (۹ : ۵۵) ایسا کرنے والوں کے لئے تباہی ہے (۳-۱ : ۸۳) ایسا کبھی نہ کرو۔ (۱۸۱ : ۲۶)

متفرق

۱۔ حیاتِ اخروی کے منکر کہتے تھے کہ اگر ایسا ہوا تو وہ بڑے نقصان کی بات ہوگی۔ (۱۲ : ۷۹)

۲۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ آگے بڑھ کر ارضِ مقدس پر قبضہ کرلو۔ اگر پیچھے مڑ گئے تو سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ (۲۱ : ۵)

۳۔ اپنے بھائی کا قاتل تباہ ہوجاتا ہے۔ (۳۰ : ۵)

———(۰)———

۵۔ خشوع

خشوع (خ۔ش۔ع)۔ مادہ کے لحاظ سے اس کے معنی جھک جانا ہیں اور جہاں یہ لفظ خدا سے متعلق آئے گا تو اس کے معنی ہوں گے قوانینِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا۔ ان کی اطاعت کرنا۔ اس عنوان میں یہ لفظ اس مفہوم کے اعتبار سے سامنے آئے گا۔ (جہاں اس سے مفہوم ذلیل وخوار ہونا ہیں یا مغلوب ہوجانا۔ وہ مقامات اپنی اپنی جگہ آئیں گے۔)

یہ لفظ عنوان "خوف وحزن" کے تابع بھی لکھا گیا ہے۔

مومنین کی صفت

۱۔ اپنی صلوٰۃ میں خشوع پیدا کرنے والے۔ (۲ : ۲۳)   ۲۔ اللہ کے (قوانین کے) سامنے جھکنے والے۔ (۱۹۸ : ۳)

۳۔ تمام انبیاء خدا کے (قوانین کے) سامنے جھکتے تھے۔ (۹۰ : ۲۱)

۴۔ نظامِ ثبات وصلوٰۃ بڑی گراں ذمہ داری ہے اس سے وہی سبکدوش ہوسکتے ہیں جو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھکتے ہیں اور ان کے سامنے وہی جھکتے ہیں جنہیں قانونِ مکافاتِ عمل کا احساس ہوتا ہے۔ (۴۶-۴۵ : ۲)

۵۔ مومن مردوں اور عورتوں کی صفت۔ خاشعین وخاشعات۔ (۳۵ : ۳۳)

۶۔ ارباب علم، قرآن کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ (۱۷ : ۱۰۹)
۷۔ کیا مومنین کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل قوانین خداوندی کے سامنے جھک جائیں۔ (۵۷ : ۱۶)

متفرق

۱۔ کفار، جہنم کے سامنے ذلت وخواری کے ساتھ خمیدہ سر آئیں گے۔ (۴۵ : ۴۲) - (۷ : ۵۴)۔
۲۔ انقلاب کے وقت ان سرکشوں کی آوازیں خدا کے سامنے جھک جائیں گی۔ (۲۰ : ۱۰۸)

(۰)

۶۔ خمر

خمر:۔ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو ڈھانپ دینے کے ہوتے ہیں۔ عرب عام طور پر شیرۂ انگور سے شراب بناتے تھے۔ اور اسے خمر کہتے تھے کیونکہ وہ انسانی عقل وحواس پر پردہ ڈال دیتی تھی۔ اس لئے اس کے متعین معنی تو شراب کے ہیں اور مطلقاً اس کا اطلاق تمام ایسی چیزوں پر ہوگا جو عقل کو ماؤف کردیں۔ اس میں ہر قسم کی نشہ آور اشیاء شامل ہوں گی۔ ایسے نشہ کے لئے قرآن کریم میں سُکر کا لفظ آیا ہے۔

ہمارے ہاں شراب کا لفظ (خمر کے) مخصوص معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن عربی زبان میں یہ لفظ ہر پینے کی شے کے لئے بولا جاتا ہے۔ انہی معنوں میں یہ لفظ قرآن کریم میں آیا ہے۔ ہم نے (لفظ شراب کی وضاحت کے لئے) ان آیات کو بھی درج کردیا ہے۔ جن میں یہ لفظ مشروب (پینے کی چیزوں) کے معانی میں آیا ہے۔ نیز جنت اور جہنم کے مشروبات سے متعلق آیات بھی اگرچہ ان کا صحیح مقام وہ عنوانات ہیں۔

خمر سے متعلق احکام

۱۔ نشہ کی حالت میں صلوٰۃ کے قریب مت جاؤ۔ (۴ : ۴۳)
۲۔ خمر (اور میسر) میں کچھ فائدہ بھی ہے۔ (جب اسے دوائی کے طور پر دیا جائے) - اور نقصانات بھی - اور نقصانات نفع کے مقابلہ میں زیادہ ہیں۔ (۲ : ۲۱۹)

۳۔ خمر شیطانی عمل ہے۔ اس سے مجتنب رہو۔ (۹۱-۹۰ : ۵)

۴۔ کھجوروں اور انگوروں میں رزقِ حسنہ ہے۔ لیکن لوگ ان سے نشہ آور اشیاء بھی بناتے ہیں۔ (۶۷ : ۱۶)

جنت کی شراب (بمعنی مشروب۔ پینے کی چیز)

۱۔ خمر کی نہریں جو پینے میں بڑی لذیذ ہوں گی۔ (۱۵ : ۴۷)۔ لیکن اس پیالہ میں نہ لغویت ہوگی نہ خمار کا اضمحلال (۲۳ : ۵۲) نہ اس میں نشہ ہوگا نہ دردِ سر (۱۹ : ۵۶)۔ یہ وہ مشروب ہوگا۔ جو ہر قسم کی خرابی سے پاک وصاف ہوگا۔ (شراب طہور) (۲۱ : ۷۶)

۲۔ جنت میں پھل اور شراب (پینے کی چیزیں)۔ (۵۱ : ۳۸)

۳۔ جنت میں ابرار اس پیالے سے پیئں گے جس کا مزاج کافوری ہوگا اور اس کا مشروب اس چشمہ سے آئے گا جسے خدا کے بندے خود (اپنے اندر سے) بہاکر لائیں گے۔ (۶-۵ : ۷۶)

۴۔ رحیقِ مختوم جس کی مہر مشک کی ہوگی۔ مزاج اس کا تسنیم سے ہوگا۔ اس سے مقرب بندے پیئں گے (۲۸-۲۵ : ۸۳) ایک اور پیالہ جس کا مزاج زنجبیل ہوگا۔ (۱۷ : ۷۶)

۵۔ جنت میں متقین نہایت مزے سے کھائیں پیئں گے۔ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا۔ (۱۹ : ۵۲)۔ (۴۳ : ۷۷)

۶۔ کاساً دھاقاً۔ پاکیزہ پیالہ۔ (۴۶-۴۵ : ۳۷)۔ (۱۹-۱۸ : ۵۶)۔ (۳۴ : ۷۸)

(مزید تفصیلات جنت کے عنوان میں دیکھئے)

شراب

۱۔ بارش کا پانی پینے (شراب) کے کام آتا ہے۔ (۱۰ : ۱۶)

۲۔ شہد کو شراب کہا گیا ہے۔ (۶۹ : ۱۶)

۳۔ جہنم میں کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا۔ (۷۰ : ۶)۔ (۴ : ۱۰)۔ (۲۹ : ۱۸)۔ (۵۵-۵۴ : ۵۶)

۴۔ جہنم میں جو ملے گا وہ پینے کے قابل ہی نہیں ہوگا۔ (۲۵-۲۴ : ۷۸)

(مزید تفصیلات جہنم کے عنوان میں ملیں گی)

۷۔ خواب

رؤیا۔ خواب کے لیے قرآن کریم میں رؤیا کا لفظ آیا ہے۔ یا اس قسم کے الفاظ کہ میں نے سوتے میں (فی المنام) دیکھا ہے ہم اس مقام پر خواب کی ماہیت وحقیقت سے بحث نہیں کریں گے۔ قرآن کریم نے بھی اس سے بحث نہیں کی۔ صرف چند خوابوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں کچھ تو حضرات انبیاء کرامؑ کے خواب ہیں۔ اور کچھ عام انسانوں کے۔ انہی کا ذکر یہاں کیا جائے گا۔ حضرت یوسفؑ نے کچھ خوابوں کی تعبیریں بھی بتائی تھیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں ان کے متعلق جو آیا ہے کہ انہیں خدا نے "تاویل الاحادیث" کا علم دیا تھا تو اس سے مراد خوابوں کی تعبیر کا علم ہے۔ سو یہ قیاس ٹھیک نہیں۔ تاویل الاحادیث سے مراد ہے معاملہ کی ابتداء سے اس کے مآل اور انجام کے متعلق اندازہ لگا لینے کی صلاحیت۔ اسی کو حسن فراست اور دور نگہی کہا جاتا ہے۔ خوابوں کی حقیقت کے متعلق ہمارے زمانے میں ماہر علم تجزیۂ نفس اپنے طور پر تحقیق کر رہے ہیں جس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ انسان کے تحت الشعور میں چھپے ہوئے خیالات نیند کی حالت میں، جب شعور معطل ہوتا ہے، ابھر کر اوپر آجاتے ہیں۔ اسی کا نام خواب ہے۔ ہم بہرحال اس باب میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

حضرت انبیاء کرام کے خواب

۱۔ حضرت یوسفؑ کا خواب جو انہوں نے باپ کو بتایا۔ گیارہ ستارے اور چاند اور سورج ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ (۴ : ۱۲)۔ اس خواب کی تعبیر یا تاویل۔ (۱۰۰ : ۱۲)

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کا خواب کہ وہ بیٹےؑ کو ذبح کر رہے ہیں۔ (۱۰۲ : ۳۷)۔ یہ خدا کا حکم نہیں تھا۔ محض حضرت ابراہیمؑ کا اپنا خیال تھا۔ جب انہوں نے اس خیال کو حقیقت بنانا چاہا تو انہیں اس سے روک دیا گیا۔ (۱۰۵ : ۳۷)

۳۔ رسول اللہؐ کا مکہ میں داخل ہونے کے متعلق خواب۔ (۲۷ : ۴۸)۔ یہ خواب لوگوں کیلئے فتنہ کا موجب بن گیا۔ (۶۰ : ۱۷) جنگِ بدر میں بحالتِ خواب، دشمن کی تعداد کم دکھائی گئی۔ (۴۳ : ۸)

عام لوگوں کے خواب

۱۔ قیدخانہ میں حضرت یوسفؑ کے ساتھیوں کے خواب۔ (۳۶ : ۱۲)۔ ان کی تعبیر۔ (۴۱ : ۱۲)

۲۔ فرعون کے خواب کو اس کے اہل دربار نے توہمات کہہ کر ٹال دیا۔ (۴۴-۴۳ : ۱۲)۔ حضرت یوسفؑ نے اس کی تعبیر بتائی۔ (۴۹-۴۷ : ۱۲)

۸۔ خواہشات۔ آرزوئیں۔ جذبات

آرزو اور زندگی، لازم و ملزوم ہیں۔ جب آرزو نہ رہے تو زندگی اور موت برابر ہوتے ہیں۔ اس کو عام الفاظ میں خواہش بھی کہتے ہیں اور اس کا محرک کوئی نہ کوئی جذبہ ہوتا ہے۔ اس سے انسانی زندگی میں جذبات کی اہمیت واضح ہے۔ لیکن جذبات، خواہشات یا آرزوؤں کو اگر بے لگام چھوڑ دیا جائے تو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے۔ اس لئے قرآن کریم نے ان خواہشات کو جو وحی کی عائد کردہ پابندیوں کے تابع نہ ہوں، تباہی کا موجب قرار دیا ہے، ہر آرزو کو عقل کے تابع ہونا چاہیئے۔ اور عقل کو وحی کی روشنی میں چلنا ہوگا۔ اس سے انسان کی انفرادی زندگی نشو و نما حاصل کرتی جائے گی اور ان کی حیاتِ اجتماعیہ جنت بداماں ہوگی۔

قرآن کریم میں خواہشات کے لئے عام طور پر اَھْوَاء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس مادہ (ھ۔ و۔ ی) کے بنیادی معنی اوپر سے نیچے گرنا ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان اگر عقل و وحی کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کا غلام ہو جائے تو وہ شرفِ انسانیت کے مقام سے نیچے گر جائے گا۔

یاد رکھیئے۔ قرآنِ کریم کی رُو سے انسانی جذبات، خواہشات یا آرزوئیں، مذموم شے نہیں کہ جن کے دبانے یا فنا کر دینے سے "روحانی ترقی" حاصل ہو۔ یہ تصور یکسر غلط اور غیر قرآنی اثرات کا پیدا کردہ ہے۔ انسانی جذبات فنا نہیں کئے جا سکتے اور اگر انہیں دبایا جائے تو یہ غیر فطری راستوں سے باہر نکلتے ہیں جس سے ہزار نفسیاتی روگ لاحق ہو جاتے ہیں۔ اسے (PERVERSION) کہتے ہیں۔ قرآن کریم کی رُو سے انسانی جذبات کی تسکین ضروری ہے بشرطیکہ انہیں وحی کے تابع رکھا جائے۔ جب جذبات وحی کی مستقل اقدار کے تابع رہیں تو ان سے انسان کے اندر بے پناہ قوتیں ابھرتی ہیں۔ جذبات ہی تو وہ قوت ہے جو عمل کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ اگر عمل کا محرک کوئی جذبہ نہ ہو تو وہ صاحبِ ارادہ انسان کا فیصلہ نہیں۔ محض مشین کی حرکت ہوتی ہے جس کا انسانی سیرت و کردار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

لہٰذا قرآن کریم نے جہاں خواہشات کی مذمت کی ہے، اس سے مراد وہ خواہشات ہیں جو وحی کے تابع نہ رہیں۔ بعض مقامات پر اس کے لئے شہوات کا لفظ بھی آیا ہے۔

خواہشات بلا علم و وحی

۱۔ اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے۔ جو خدا کی راہنمائی (وحی) سے بے نیاز ہو کر اپنی خواہشات کا اتباع کرے۔ (۲۸ : ۵۰)

۲۔ اگر یہ لوگ تمہاری دعوت پر لبیک نہیں کہتے تو سمجھ لیجئے کہ یہ اپنی بے لگام خواہشات کے مطابق چلنا چاہتے ہیں۔ (۲۸ : ۵۰)

۳۔ رزقِ طیب کھاؤ پیؤ۔ لیکن اس میں حدود سے تجاوز نہ کرو۔ جو ایسا کرے گا وہ شرفِ انسانیت کے مقام سے گر جائے گا۔ (۲۰ : ۸۱)

۴۔ ہم چاہتے ہیں کہ انسان، آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جائے۔ لیکن یہ اپنی سرکش خواہشات کا اتباع کر کے زمین کی پستیوں کے ساتھ جا چپکتا ہے اور پھر اس کی مثال اس کتے کی سی ہو جاتی ہے جو ہر وقت زبان لٹکائے پھر رہا ہو۔ (۷ : ۱۷۶)

۵۔ اس کی اطاعت مت کرو جو قوانین خداوندی سے غافل ہو کر اپنے جذبات ہی کے پیچھے چلتا رہتا ہے اور اور یوں اس کا معاملہ حد سے گذر جاتا ہے۔ (۱۸ : ۲۸)

۶۔ جو شخص وحی میں ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرتا ہے۔ اس کی بات ماننے سے انسان تباہ ہو جاتا ہے۔ (۲۰ : ۱۶)

۷۔ اپنی خواہشات و جذبات کو اپنا معبود بنا لینے والے، انسانی سطح سے گر کر حیوانی سطح پر آ جاتے ہیں۔ اور جذبات سے ایسے مغلوب ہو جاتے ہیں کہ پھر ان میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی۔ (۲۵ : ۴۳-۴۴)
ایسے لوگ علم و عقل رکھنے کے باوجود گمراہ ہو جاتے ہیں۔ (۴۵ : ۲۳)

۸۔ جو خدا کی راہ چھوڑ بیٹھے اس کے خیالات کا اتباع مت کرو۔ (۵ : ۷۷)

۹۔ وحی کا اتباع کرو۔ ان لوگوں کے خیالات و جذبات کا اتباع نہ کرو جو (وحی کا) علم نہیں رکھتے (یا جذبات سے مغلوب ہو کر علم و عقل سے عاری ہو جاتے ہیں) (۴۵ : ۱۸)

۱۰۔ رسولؐ سے کہا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں تمہارے خیالات کا اتباع نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا کر دوں تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں۔ (۶ : ۵۶)

۱۱۔ اگر تم العلم (وحی) آ جانے کے بعد یہود و نصاریٰ کے خیالات اور خواہشات کا اتباع کرو گے تو خدا کی ولایت و نصرت سے محروم ہو جاؤ گے۔ (۲:۱۲۰)-(۲ : ۱۴۵)- (۵ : ۴۸)-(۱۳ : ۳۷)-(۴۵ : ۱۸)

۱۲۔ قوانینِ خداوندی کی تکذیب کرنے والوں کے خیالات کا اتباع مت کرو۔ (۶ : ۱۵۱)

۱۳۔ اگر الحق، لوگوں کے خیالات اور خواہشات کے تابع ہو جائے تو ساری کائنات میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے (۲۳:۷۱)

۱۴۔ اگر یہ لوگ وحی کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو یہ سمجھ لو کہ یہ اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرنا چاہتے ہیں (۲۸ : ۵۰)

۱۵۔ جو لوگ حق و انصاف کی راہ پر نہیں چلنا چاہتے وہ بغیر علم اپنی خواہشات کا اتباع کئے چلے جاتے ہیں (۳۰ : ۲۹)

۱۶۔ جو شخص خدا کی طرف سے ملے ہوئے علم و برہان کے مطابق چلے، کیا وہ اس کے برابر ہو جائے گا جو اپنی خواہشات ہی کا اتباع کرے؟ (۴۷ : ۱۴)

۱۷۔ اپنے خیالات میں مستغرق اور اپنی خواہشات سے مغلوب رہنے والوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کے سامنے ہزار علم و عقل کی باتیں ہوں، انہیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کیا بات ہو گئی ہے (۴۷ : ۱۶)

۱۸۔ یہ لوگ حق سے انکار کرتے ہیں اور اپنی ہی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔ (۵۴ : ۳)

۱۹۔ مذہبی پیشوا لوگوں کو علم (وحی) کے خلاف، محض اپنی مفاد پرستیوں (خواہشات) کی خاطر، لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ (۶:۱۲۰)

۲۰۔ اپنے سرکش جذبات (شیطان) کا اتباع کرنے والا، آخرالامر حیران و پریشان رہ جاتا ہے۔ (۶ : ۷۱)

۲۱۔ جو لوگ اپنی پست خواہشات (شہوات) کا اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم لوگ بھی اپنے مسلک سے اِدھر اُدھر ہو جاؤ۔ (۴ : ۲۷)

۲۲۔ انبیاء کرام بلند اخلاقی تعلیم دے کر جاتے تھے لیکن ان کے بعد ان کی امت نظام صلوٰۃ کو ضائع کر دیتی تھی اور شہوات کا اتباع شروع کر دیتی تھی۔ (۱۹ : ۵۹)

۲۳۔ تقلیدِ آباء درحقیقت اپنی خواہشات کا اتباع ہے اور گمراہی۔ اتباع تو ہدایتِ خداوندی کا کرنا چاہیئے (۵۳:۲۳)

اس کا نتیجہ

۱۔ جو اپنے آپ کو بے لگام خواہشات کی تسکین سے روکتا ہے، اس کا مقام جنت ہے۔ (۷۹ : ۴۰-۴۱)

تسکینِ جذبات

۱۔ جنتی معاشرہ میں وہ سب کچھ ملے گا جس کی تم خواہش کرو گے ۔ (۳۱ : ۴۱) ۔ (مومن کی کوئی خواہش وحی کے خلاف ہوتی ہی نہیں) جس سے تمہاری نگاہوں کو لذت ملے گی ۔ (۳۱ : ۱۶) - (۱۰۲ : ۲۱) - (۱۶ : ۲۵) - (۳۴ : ۳۹)
(۲۲ : ۴۲) - (۷۱ : ۴۳) - (۲۲ : ۵۲) - (۲۱ : ۵۶) - (۴۲ : ۷۷)

۲۔ صحیح آرزوؤں کا پورا نہ ہونا خدا کا عذاب ہے ۔ (۵۴ : ۳۴)

۳۔ جنتی معاشرہ میں وہ سب کچھ ملے گا جسے وہ چاہیں گے ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ (۳۵ : ۵۰)

۴۔ تمہاری آرزوئیں اور خواہشات قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ ہونی چاہئیں ۔ (۳۰ : ۷۶) - (۲۹ : ۸۱)

متفرق

۱۔ حضرت داؤدؑ سے کہا گیا کہ لوگوں کے فیصلے الحق کے مطابق کرو اور اس میں لوگوں کی یا اپنی خواہشات کا اتباع مت کرو۔ ایسا کرو گے تو تم خدا کی راہ سے دور ہٹ جاؤ گے ۔ (۲۶ : ۳۸) ۔ یہی رسول اللہؐ سے کہا گیا ۔ (۴۹ : ۵۰)

۲۔ جماعتِ مومنین کو حکم کہ عدل کرنے میں خواہشات کا اتباع مت کرو ۔ (۱۳۵ : ۴)

۳۔ وحی، رسول کے اپنے خیالات یا جذبات کی پیدا کردہ نہیں ہوتی ۔ یہ اسے خارج سے ملتی ہے (۴-۳ : ۵۳)

۴۔ بیوی بچوں کی محبت کا جذبہ بڑا مزین ہے ۔ اس میں کوئی برائی نہیں لیکن جب ان میں اور کسی مستقل قدر میں تصادم ہو تو پھر مستقل قدر کا تحفظ ضروری ہے ۔ (۱۴ : ۳)

۵۔ بنی اسرائیل چاہتے تھے کہ دین ان کی خواہشات کے مطابق آئے جو نبی ایسی بات کہتا جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوتی وہ اس کے درپے آزار ہو جاتے ۔ (۸۷ : ۲) - (۷۰ : ۵)

۶۔ جو لوگ اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ جماعتِ مومنین بھی صحیح راستے سے ہٹ جائے ۔ (۲۷ : ۴)

—————(۰)—————

۹۔ خوف و حزن

خوف و حزن بنیادی طور پر خوف اس پریشانی کو کہتے ہیں جو کسی آنے والے (متوقع) خطرہ کے احساس سے

پیدا ہو۔ اور حزن اس غم یا فکر کو کہتے ہیں جو اس حادثہ کے نتیجہ کے طور پر لاحق ہو۔ یعنی خوف کا تعلق مستقبل میں واقعہ ہونے والے حادثہ کے احساس سے ہوتا ہے اور حزن کا تعلق ماضی میں گزرے ہوئے حادثہ کی وجہ سے پیدا شدہ نقصان سے ہوتا ہے۔ لیکن بالعموم، خوف، کسی محسوس خطرہ سے پیدا شدہ پریشانی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور ذہنی پریشانی یا قلبی افسردگی اور دل گرفتگی کو حزن سے تعبیر کیا جاتا ہے

خوف، وہ زہر ہلاہل ہے جس سے شرفِ انسانیت تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ دنیا میں انسان، دوسرے انسان کے سامنے یا تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے جھکتا ہے۔ (اسے طمع کہتے ہیں) یا کسی خطرہ سے بچنے کے لئے۔ طمع کے جذبہ پر انسان پھر بھی نسبتاً آسانی سے قابو پا لیتا ہے۔ لیکن خوف پر قابو پانا، مقابلۃً مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تحفظِ خویش، زندگی کا بنیادی تقاضا ہے اور جب انسان سمجھتا ہے کہ اس کی حفاظت خطرہ میں ہے تو اس کا یہ جبلی تقاضا بڑی شدت سے ابھرتا ہے اور اسے ہر (جائز و ناجائز) ذریعہ اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ زندگی کی انتہائی کامیابی یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا نہ ہوں جن سے انسان پر خوف و حزن طاری رہے۔ قرآنی معاشرہ ایسے حالات پیدا کرتا ہے جن میں افرادِ معاشرہ خوف و حزن سے مامون رہیں۔ اس سے بڑھ کر اور جنت کیا ہو سکتی ہے کہ کسی کو کسی قسم کا خوف اور دل گرفتگی نہ ہو۔

جب قرآنی معاشرہ قائم نہ ہو، تو قرآن کریم کی تعلیم، انسان کے اندر ایسا انقلاب پیدا کرتی ہے کہ وہ کسی سے خوف کھائے ہی نہیں۔ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ انسان، زندگی کی بلند اقدار کو اس قدر اہمیت دینے لگ جاتا ہے کہ وہ ان کے تحفظ کے لئے طبیعی زندگی کے ہر مفاد کو بطیبِ خاطر قربان کر دینے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ اور جب انسان کی یہ کیفیت ہو جائے تو پھر اسے کسی قسم کا خوف و حزن لاحق ہی نہیں ہو سکتا۔ اسے خوف ایک ہی ہوتا ہے یعنی قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے جو نقصان پہنچ سکتا ہے، اس کا احساس۔ اس کو 'خدا سے ڈرنا' کہتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ "خدا سے ڈرنا نہیں" بلکہ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی سے جو نقصانات اور خطرات لاحق ہوتے ہیں، ان سے بچنے کا احساس ہے۔ اسی احساس سے انسان، ان کی خلاف ورزی سے محترز رہتا ہے۔

قرآنی معاشرہ کے افراد کی نمایاں خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون۔ ان پر کسی قسم کا خوف اور حزن نہیں ہوتا۔ مؤمن کہتے ہی اسے ہیں جو خود بھی امن میں ہو اور دوسروں کے امن کا ذمہ دار بھی بنے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ ہم قرآنی معیار کے مطابق مومن کی زندگی بسر کر رہے ہیں یا نہیں، محسوس کسوٹی یہ ہے

کہ دیکھا جائے کہ ہم پر کسی قسم کا خوف وحزن تو طاری نہیں ۔ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی حیثیت سے بھی۔ جب مومن یہ کہتا ہے کہ نفع یا نقصان خدا کے سوا کوئی نہیں پہنچا سکتا (یعنی یہ صرف قانونِ خداوندی کے مطابق واقع ہوتا ہے۔) تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی قسم کا خوف یا طمع اس کے پاؤں میں لغزش نہیں پیدا کر سکتا۔

خوف کے معنوں میں خشیت کا لفظ بھی آتا ہے۔ یہ خوف سے زیادہ شدید ہوتا ہے کیونکہ اس کے بنیادی معنی پودے کا خشک ہو کر بالکل جھلس جانا ہیں۔ خشیتِ الٰہی سے مفہوم، قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے تباہ کن نتائج سے شدت کا خوف ہوگا۔

لیکن خوف وحزن سے مامون ومحفوظ رہنا، زندگی کا منفی پہلو ہے۔ اس کا مثبت پہلو کچھ حاصل کرنا اور اس طرح آگے بڑھنا ہے۔ اس کے لئے قرآن کریم میں سلامؔ کی اصطلاح آئی ہے جس کے معنی، مکمل ہونا یا تکمیل تک پہنچنا ہے۔ خوف و حزن سے مامونیت تکمیلِ ذات کے لئے شرطِ اول ہے۔ یہ دونوں گوشے مل کر مقصدِ حیات پورا کر سکتے ہیں۔ اسی لئے خدا کی صفت المؤمن (امن کا ضامن) کے ساتھ دوسری صفت السلام بھی ہے یعنی ہر شے کی نشوونما سے اسے تکمیل تک پہنچانے والا۔ اس اعتبار سے، ایک مؤمن مسلم بھی ہوتا ہے۔ خود امن میں اور دوسروں کو امن کی ضمانت دینے والا۔ اپنی ذات کی تکمیل کرنے والا اور دوسروں کی ذات کی تکمیل کے لئے ممد ومعاون بننے والا۔ (ان امور کے لئے دیکھئے عنوانات امن۔ ایمان۔ اسلام وغیرہ)

لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون

۱۔ جنت میں کسی قسم کا خوف وحزن نہیں ہوگا۔ (۴۹ : ۷) ۔ (۴۴ : ۳۵) ۔ (۱/۱ ۔ ۴ : ۳۹) ۔ (۶۸ : ۴۳) ۔ (۱۴ ۔ ۱۳ : ۴۶) ۔ (حزن تو احتیاج سے پیدا ہوتا ہے۔ ۹۲ : ۹)

۲۔ ایمان اور تقویٰ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انہیں کسی قسم کا خوف وحزن نہیں ہوتا۔ ان کے لئے اس دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبریاں ہوتی ہیں اور اخروی زندگی میں بھی۔ یہ خدا کا غیر متبدل قانون ہے۔ انہی کو اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ (۳۵ : ۷) ۔ (۶۴ ۔ ۶۲ : ۱۰) ۔ (۳۱ ۔ ۳۰ : ۴۱)

۳۔ مقتولین فی سبیل اللہ کو خود بھی خوف وحزن نہیں ہوتا۔ اور ان کی اس عظیم قربانی سے ان کے بعد معاشرہ بھی خوف وحزن سے مامون ہو جاتا ہے (۷۰ ۔ ۱۶۹ : ۳)

۴۔ آدمؑ سے کہا گیا کہ جو قوانینِ خداوندی کا اتباع کرے گا اس پر کسی قسم کا خوف وحزن نہیں ہوگا۔ (۳۸ : ۲) ۔ (۳۵ : ۷)

۵۔ یہود ہوں یا نصاریٰ۔ صابئین یا مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والے۔ جو بھی (قرآن کریم کے معیار کے مطابق) خدا اور آخرت پہ ایمان لے آئے گا۔ وہ خوف وحزن سے مامون ہوجائے گا۔ (۲ : ۶۲)۔ (۵ : ۶۹)

۶۔ ایمان و اعمالِ صالح سے خوف وحزن نہیں رہتا۔ (۲ : ۲۷۷)۔ (۶ : ۴۸)

۷۔ ایمان اور استقامت سے خوف وحزن باقی نہیں رہتا۔ (۴۱ : ۳۰-۳۱)۔ (۴۶ : ۱۳-۱۴)

۸۔ ایمان و اعمالِ صالح سے استخلاف فی الارض ملتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوف، امن سے بدل جاتا ہے (۲۴ : ۵۵)

۹۔ جنتی معاشرہ میں سلب ونہب اور ظلم و استبداد کا خوف نہیں ہوگا۔ (۲۰ : ۱۱۲)۔ (۷۲ : ۱۳)

۱۰۔ مومن کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔ (۵ : ۵۴)

۱۱۔ جنت میں حزن نہیں ہوگا۔ (۳۵ : ۳۴)

۱۲۔ مومنین کے دل میں فزعِ اکبر بھی حزن نہیں پیدا کر سکے گا۔ (۲۱ : ۱۰۳)

۱۳۔ جو قوانینِ خداوندی کے سامنے جھک جائے اور حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرے، اس کے لئے خوف وحزن نہیں۔ (۲ : ۱۱۲) ——— (۱۴) انفاق فی سبیل اللہ سے خوف وحزن باقی نہیں رہتا۔ (۲ : ۲۶۲)۔ (۲ : ۲۷۴)

۱۵۔ مومنین کے لئے دارالسلام ہے۔ (۶ : ۱۲۸)

مت خوف کھاؤ۔ مت گھبراؤ

۱۔ نظامِ خداوندی کے قیام کے سلسلہ میں بڑے بڑے خطرات اور خوف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو اس راہ میں استقامت کا ثبوت دے گا وہ کامیاب ہوگا۔ (۲ : ۱۵۵)

۲۔ خوف اور طمع کی حالت میں صرف قانونِ خداوندی کی طرف رجوع کرو۔ انسانوں کا خوف مت کرو۔ (۷ : ۵۶) مومنین کی یہی خصوصیت ہے۔ (۳۲ : ۱۶)۔ انبیاء کی بھی۔ (۲۱ : ۹۰)

۳۔ ساحرین کے مقابلہ کے وقت، خدا نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ مت خوف کھاؤ، تم ہی غالب رہو گے۔ (۲۰ : ۶۷) کوہِ طور پہ بھی یہی کہا۔ (۲۰ : ۲۱)۔ (۲۷ : ۱۰-۱۱)۔ (۲۸ : ۳۱)

۴۔ رسول اللہ نے اپنے یارِ غار سے کہا کہ مت گھبراؤ۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (۹ : ۴۰)

۵۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ کفار کی خاطر اپنی جان مت گھلاؤ۔ (۱۵ : ۸۸)۔ (۱۶ : ۱۲۷)۔ (۲۷ : ۷۰)۔ (۳۱ : ۲۳)۔ (مومنین

۶۔ حضرت لوطؑ کے مہمانوں نے ان سے کہا کہ آپ گھبرائیے نہیں۔ (۲۹ : ۳۳)

۷۔ جنگ میں شکست یا نقصان سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ (۱۵۲ : ۳)
۸۔ شیطان مومنوں کے دل میں حزن پیدا کرنا چاہتا ہے۔ (۱۷۴ : ۳) - (۱۰ : ۵۸)
۹۔ مخالفین کی باتیں رسول اللہ کے دل میں حزن پیدا کر دیتی تھیں۔ (۱۷۵ : ۳) - (۴۱ : ۵) (۳۳ : ۶) - (۶۵ : ۱۰) - (۲۳ : ۳۱) - (۷۶ : ۳۶)
۱۰۔ مت افسردہ خاطر ہو۔ مت ہمت ہارو۔ تم ہی غالب رہو گے کیونکہ تم صاحبِ ایمان ہو۔ (۱۳۸ : ۳)
۱۱۔ مومن وہ ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ مخالفین نے تمہارے خلاف بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے سو تم ان سے ڈرو، تو اس سے ان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا۔ (۱۷۲ : ۳)
۱۲۔ خوف، شرک کا لازمی نتیجہ ہے۔ (۸۱ : ۶)　　(۱۳) حضرت مریم کو آواز آئی کہ مت حزن کرو۔ (۲۴ : ۱۹)
۱۴۔ مافات پر حزن مت کرو۔ (۱۵۳ : ۳)

خوفِ خداوندی

۱۔ جو عذابِ آخرت سے ڈرتا ہے اس کے لئے خدا کے قانونِ مکافات میں نشانیاں ہیں۔ (۱۰۳ : ۱۱)
۲۔ جو مقامِ خداوندی اور اس کی وعید سے ڈرتا ہے اسے تمکن فی الارض عطا ہو جاتا ہے۔ (۱۴ : ۱۴)۔ اس کے لئے دو جنتیں ہوتی ہیں۔ (۴۶ : ۵۵) - (۴۱ - ۴۰ : ۷۹)
۳۔ شیطان سے مت ڈرو۔ مجھ سے ڈرو۔ نہ کفار سے دل گرفتہ ہو۔ (۱۷۶-۱۷۵ : ۳)
۴۔ قوانینِ خداوندی بھیجے اس لئے جاتے ہیں کہ لوگوں کو غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کر دیا جائے۔ (۵۹ : ۱۷)
۵۔ خدا کا قانونِ مکافات اپنی نتیجہ خیزی میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ (۱۵ : ۹۱)
۶۔ جو قانونِ مکافات سے خائف رہتا ہے اس کے سامنے قرآن پیش کرو۔ (۵۱ : ۶) - (۴۵ : ۵۰)
۷۔ جو خدا سے ڈرتا ہے وہ دنیا میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ (۲۳ : ۵)
۸۔ کائنات کی ہر شے۔ دآبہ۔ ملائکہ۔ احکام خداوندی کی معصیت سے ڈرتے ہیں۔ (۵۰ - ۴۹ : ۱۶)
۹۔ مومنین قانونِ مکافات سے ڈرتے ہیں۔ (۲۱ : ۱۳) - (۵۷ : ۱۷) - (۵۷ : ۲۳) - (۳۷ : ۲۴) (۲۳ : ۳۱) - (۷ : ۷۶) - (۱۰ - ۷۶)
۱۰۔ امم سابقہ کی داستانوں اور کھنڈرات میں قانونِ مکافات سے ڈرنے والے کیلئے نشانیاں ہیں (۳۷ : ۵۱)

۱۱۔ قانونِ مکافات سے نہ ڈرنے والے جہنم میں جاتے ہیں ۔ (۵۳ : ۴۷)
۱۲۔ مختلف پابندیاں اس لئے عائد کی جاتی ہیں کہ اس سے نظر آجائے کہ خدا کے قانونِ مکافات کا ڈر کسقدر ہے (۵: ۹۴)
۱۳۔ عذابِ جہنم کا احساس، قانونِ مکافات کی خلاف ورزی سے ڈراتا رہتا ہے ۔ (۱۶ : ۳۹)
۱۴۔ رسول اللہؐ نے کہا کہ اگر میں بھی قانونِ خداوندی کی معصیت کروں تو میں بھی خدا کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۔
(۶ : ۱۵) ۔ (۱۰ : ۱۵) ۔ (۳۹ : ۱۳)
۱۵۔ کفار کی یہ حالت ہے کہ انہیں قانونِ مکافات سے ڈراؤ تو اس سے ان کی سرکشی اور بڑھ جاتی ہے ۔ (۱۷ : ۶۰)
۱۶۔ "آدم کے دو بیٹوں" کے قصے کے ضمن میں، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں دراز دستی نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں خدا سے ڈرتا ہوں ۔ (۵ : ۲۸)
۱۷۔ شیطان (مفسدین کے سرغنہ) کی حالت یہ ہے کہ پہلے انسان کو انکارِ خداوندی پر اُکساتا ہے اور پھر خود بری الذمہ ہو کر کہتا ہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں ۔ (۸ : ۴۸) ۔ (۵۹ : ۱۶)
۱۸۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ تمہاری غلط روش سے تم پر خدا کا عذاب نہ آجائے ۔ (۱۹ : ۴۵)
۱۹۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ تم پہ خدا کا عذاب آجائے گا۔ (۷ : ۵۹) ۔ (۱۱ : ۲۶)
یہی حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا ۔ (۴۶ : ۲۱) ۔ اور دربارِ فرعون کے مردِ مومن نے (۴۰ : ۳۰) ۔
نیز نبی اکرمؐ نے اپنی قوم سے ۔ (۱۱ : ۳) ۔ اور حضرت شعیبؑ نے بھی ۔ (۱۱ : ۸۴)
۲۰۔ خشیتِ الٰہی سے جنت حاصل ہوتی ہے ۔ (۳۶ : ۱۱) ۔ (۵۰ : ۳۳) ۔ (۶۷ : ۱۲) ۔ (۹۸ : ۸)
۲۱۔ خشیتِ الٰہی سے بعض سنگ دل بھی موم ہو جاتے ہیں ۔ (۲ : ۷۴)
۲۲۔ اگر قرآن پہاڑ پہ نازل ہوتا تو وہ بھی خشیتِ خداوندی سے کانپ اٹھتا ۔ (۵۹ : ۲۱)
۲۳۔ ملائکہ خشیتِ خداوندی سے ڈرتے رہتے ہیں ۔ (۲۱ : ۲۸)
۲۴۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ لوگوں سے مت ڈرو ۔ خدا سے ڈرو ۔ (۲ : ۴۰) ۔ (۵ : ۴۴) ۔ یہی جماعتِ مومنین سے کہا گیا ۔ (۲ : ۱۵۰) ۔ (۵ : ۳) ۔ (۹ : ۱۳) ۔ حضرت زیدؓ سے کہا ۔ (۳۳ : ۳۷)
۲۵۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا تم خدا سے ڈرو ۔ (۲۰ : ۴۴) ۔ (۷۹ : ۱۹)
۲۶۔ مومن، خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا ۔ (۲ : ۱۵۰) ۔ (۵ : ۳ : ۴۴) ۔ (۹ : ۱۸) ۔ (۳۳ : ۳۹)

۲۷۔ متقین خدا سے ڈرتے ہیں ۔ (۴۹ : ۲۱) یہی صاحبانِ عقل و بصیرت ہیں ۔ (۲۱ : ۱۳)
۲۸۔ مومن قرآن پر غور کرتے ہیں تو کانپ اٹھتے ہیں ۔ (۲۳ : ۳۹) ۔ تنذیر انہی کو فائدہ دیتی ہے (۳ : ۲۰) (۱۸ : ۳۵) ۔ (۱۱ : ۳۶) ۔ (۲۶ : ۷۹) ۔ (۴۵ : ۷۹) ۔ (۹ : ۸۰) ۔ (۱۱ : ۸۷)
۲۹۔ خدا کی عظمت سے وہ لوگ ہیبت زدہ ہوتے ہیں جو کائنات کے نظم و نسق پر غور کرتے ہیں یعنی علومِ سائنس کے ماہر ۔ (۲۸ - ۲۷ : ۳۵)
۳۰۔ کامیابی انہی کے لئے ہے جو متقی ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں ۔ (۵۲ : ۲۴) ۔ (۱۲ : ۷۶)
۳۱۔ خدا تمہیں (اپنے قوانین کی خلاف ورزی سے) احتراز کی تاکید کرتا ہے ۔ (۲۹ : ۳)
۳۲۔ تورات میں ان لوگوں کے لئے ہدایت تھی جو خدا سے ڈرتے تھے ۔ (۱۵۴ : ۷)
۳۳۔ خدا ایک ہے ۔ دو نہیں ہیں ۔ اس لئے صرف خدا سے ڈرو ۔ (۵۱ : ۱۶)
۳۴۔ کم ہمت لوگ، اللہ کے مقابلہ میں انسانوں سے زیادہ ڈرتے ہیں ۔ (۷۷ : ۴)
۳۵۔ خدا کے مکرم بندے خشیتِ الہیٰ سے کانپتے ہیں ۔ (۲۸ : ۲۱) ۔ (بعض لوگ اس آیت میں "خدا کے مکرم بندوں" سے مراد ملائکہ بھی لیتے ہیں)

خشوع ۔ خضوع

۳۶۔ اس دن سب آوازیں خدا کے سامنے پست ہو جائیں گی ۔ (۱۰۸ : ۲۰)
۳۷۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ مومنین کے دل ذکر اللہ کے سامنے جھک جائیں ۔ (۱۶ : ۵۷)
۳۸۔ قرآن سن کر مومنین اور زیادہ جھک جاتے ہیں ۔ (۱۰۹ : ۱۷)
۳۹۔ مومنین کی صفت خاشعین ہوتی ہے ۔ (۱۹۹ : ۳) ۔ (۲ : ۲۳) ۔ (۳۵ : ۳۳) ۔ حضرات انبیاء کرام کی بھی (۹۰ : ۲۱)
۴۰۔ صلوٰۃ خاشعین پر گراں نہیں گذرتی ۔ (۴۵ : ۲)
۴۱۔ ان کے برعکس کفار کے لئے یہی لفظ ذلت کے معنوں میں آیا ہے ۔ (۴۵ : ۴۲) ۔ (۴۳ : ۶۸) ۔ (۴۴ : ۷۰) ۔ (۹ : ۷۹) ۔ (۲ : ۸۸) اور خضوع کا لفظ بھی (۴ : ۲۶)
۴۲۔ ایک مقام پر ارض کے لئے بھی خاشعۃ کا لفظ آیا ہے ۔ (۳۹ : ۴۱)

غیرِ خدا کا خوف

۱۔ فرعون کے خوف سے، قومِ بنی اسرائیل میں سے سوائے چند نوجوانوں کے، موسیٰؑ پر کوئی ایمان نہ لایا۔ (۸۳ : ۱۰)
۲۔ رسول سے کہا گیا کہ یہ لوگ تجھے غیر خداوندی قوتوں سے ڈراتے ہیں۔ (کس قدر ان کی حماقت ہے) ۔ (۳۶ : ۳۹)
۳۔ حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم فرعون سے مت ڈرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ (۴۶ - ۴۵ : ۲۰) ۔ تمہیں پیچھے سے بھی کوئی نہیں پکڑ سکے گا۔ (۷۷ : ۲۰) - (۱۴-۱۲ : ۲۶) - (۳۲ : ۲۸)
۴۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں تمہارے معبودانِ باطل سے کیوں ڈروں۔ ڈرنا تمہیں چاہیئے کہ خدا کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے ہو۔ (۸۲ - ۸۱ : ۶) —— (۵) تم اپنے خود ساختہ معبودوں سے ڈرتے ہو۔ (۲۸ : ۳۰)
۶۔ منافقین لوگوں سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے خدا سے ڈرا جائے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (۷۷ : ۴)

انعامِ خداوندی

۱۔ قریش کو بھوک کی طرف سے اطمینان اور خوف سے امن عطا کیا۔ (۴ : ۱۰۶)
۲۔ بھوک اور خوف، خدا کا عذاب ہے۔ (۱۱۲ : ۱۶)
۳۔ ایمان و اعمالِ صالحہ سے استخلاف فی الارض حاصل ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوف امن سے بدل جاتا ہے۔ (۱۴ : ۱۴) - (۵۵ : ۲۴) — (۴) تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک کر نہ لے جائیں۔ اس نے تمہیں مملکت عطا کی۔ (۲۶ : ۸)
۵۔ تم بلاخوف و خطر مکہ میں داخل ہو گے۔ (۲۷ : ۴۸)

متفرق

۱۔ منافقین کی یہ حالت ہے کہ کوئی خوف کی خبر سنتے ہیں تو تمہاری طرف لپک کر آجاتے ہیں۔ اور جب خوف جاتا رہتا ہے تو پھر وہی کچھ کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۱۹ : ۳۳)
۲۔ خوف و خطر کی کوئی بات معلوم ہو تو اسے یونہی نہ پھیلا دو۔ اسے ذمہ دار افرادِ مملکت تک پہنچاؤ تاکہ وہ تحقیق کر لیں۔ (۸۳ : ۴)
۳۔ آسمانوں کی بجلی میں خوف اور طمع دونوں کا امتزاج ہوتا ہے۔ (۱۲ : ۱۳) - (۲۴ : ۳۰)

۴۔ اُمِ موسٰیؑ سے کہا کہ بچے کو دریا میں بہا دو۔ اور خوف وحزن نہ کرو۔ (۲۰ : ۴۰)۔ (۷ : ۲۸)

۵۔ وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم خائف ہوتے ہو، اگر جہاد کے راستے میں حائل ہو گئی تو اس کے انجام کا انتظار کرو۔ (۲۴ : ۹)

۶۔ حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کے فراق سے حزن پیدا ہو گیا ہے۔ (۸۶؛ ۸۴ : ۱۲)

۷۔ ازواجِ رسولؐ اللہ کے دل میں افسردگی نہیں پیدا ہونی چاہیئے۔ (۵۱ : ۳۳)

۸۔ تورات میں ان لوگوں کے لئے ہدایت تھی جو خدا سے ڈرتے تھے۔ (۱۵۴ : ۷)

۹۔ مومن کا ایمان ہوتا ہے کہ مصیبت صرف قانونِ خداوندی کے مطابق آسکتی ہے۔ اس لئے وہ کسی غیر خداوندی قوت سے نہیں ڈرتا۔ (۵۱ : ۹)

۱۰۔ ساحرینِ دربارِ فرعون کی قوتِ ایمانی۔ ان کے دل میں کسی قسم کا خوف نہ رہا۔ (۷۲ : ۲۰)

۱۱۔ خدا نے حضرت یونسؑ کو غم سے نجات دی۔ (۸۸ : ۲۱)

۱۲۔ کفار کے دل میں مسلمانوں کا خوف، خدا کے خوف سے بھی زیادہ تھا۔ (۱۳ : ۵۹)

۱۳۔ منافق کو ہر طرف سے خطرہ کا خوف لاحق رہتا ہے۔ (۴ : ۶۳)

۱۴۔ اپنی سرحدوں کو مضبوط رکھو تاکہ دشمن تم سے خوف کھائے۔ (۶۰ : ۸)

۱۵۔ بھوک اور خوف خدا کا عذاب ہے (۱۱۲ : ۱۶)۔ ان سے نجات حاصل ہو جانا خدا کا انعام۔ (۴ : ۱۰۶)

۱۶۔ مومنین پر فزعِ اکبر سے بھی حزن طاری نہیں ہوتا۔ (۱۰۳ : ۲۱)

(۰)

۱۰۔ خیر و شر

نیز دیکھئے۔ تقدیر۔ حق و باطل

خیر۔ یہ مادہ بڑا وسیع المعانی ہے اور ہر اچھی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ مال و دولت کے لئے بھی اور اختیار و اقتدار کے لئے بھی۔ جو لوگ عمدہ خصائل اور محمودہ صفات کے حامل ہوں انہیں اخیار کہا جاتا ہے اور خوش شمائل خواتین کے لئے خیرات کا لفظ آتا ہے۔ ہر قسم کی خوبیاں جن معنوں میں خیرات کا لفظ ہمارے ہاں استعمال

ہوتا ہے، قرآن میں ان معانی کے لئے یہ لفظ نہیں آیا۔ اس کے مقابل میں لفظ شر آتا ہے۔ اس کے بنیادی معنی بکھر جانے اور ادھر ادھر اڑ جانے کے ہیں۔ یہ ہر قسم کی برائی۔ نقصان۔ ظلم۔ فساد کے لئے آتا ہے۔

خیر و شر کا مسئلہ اس وقت سے فلسفہ کا موضوع بنا چلا آ رہا ہے جس وقت سے انسان نے سوچنا شروع کیا ہے۔ لیکن اس کا کوئی اطمینان بخش حل ابھی تک انہیں نہیں مل سکا۔ قرآن کریم اس فلسفیانہ بحث میں نہیں الجھتا۔ وہ کہتا یہ ہے کہ اشیائے کائنات ہوں یا انسان کی اپنی صلاحیتیں۔ ان میں سے کوئی شے بھی فی ذاتہٖ نہ خیر ہوتی ہے نہ شر۔ ان کا استعمال انہیں خیر یا شر بنا دیتا ہے۔ اگر وہ نوعِ انسان کی بہبود کے لئے استعمال ہوتی ہے تو وہ خیر ہے۔ اس سے خود اُس فرد کی ذات میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ قوت، انسانیت کی تخریب کے لئے استعمال ہوتی ہے تو وہ شر بن جاتی ہے۔ اس سے اس فرد کی ذات کی نشو و نما رک جاتی ہے۔ حتّٰی کہ اگر کوئی قوت بے محل صرف ہو کر ضائع ہو جاتی ہے تو اسے بھی شر کہا جائے گا۔

خدا خیر کا سرچشمہ ہے۔ اور انسانوں کے لئے اس کی تعلیم یہ ہے کہ تم خدا کی پیدا کردہ قوتوں اور صلاحیتوں کو اس طرح استعمال نہ کرو کہ اس کا نتیجہ شر ہو۔

اس سلسلے میں تقدیر کا عنوان بھی دیکھئے اور حق و باطل کے عنوانات بھی۔

خیر

۱۔ خدا کے ہاں سے اعمال کا جو بدلہ ملتا ہے وہ خیر (بہتر) ہوتا ہے۔ (۲ : ۱۰۳)۔ (۳ : ۱۹۷)۔ (۱۱ : ۸۶)۔ (۱۸ : ۴۶)۔ (۱۹ : ۷۶)۔ (۲۳ : ۷۲)۔ (۲۸ : ۸۰)۔ (۲۰ : ۷۳)

۲۔ جو بطیبِ خاطر، رخصت کے امور میں بھی خیر کے پہلو کو ترجیح دے، وہ اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ مثلاً جہاں اجازت ہے کہ بے شک روزہ نہ رکھو، اگر کوئی شخص وہاں بھی اپنے اختیار سے روزہ رکھ لیتا ہے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ (۲ : ۱۸۴)

۳۔ یتیموں کی اصلاح کرنا، ان کے حق میں بہتر ہے۔ (۲ : ۲۲۰)

۴۔ شادی کے سلسلہ میں ہم آہنگیٔ فکر و نظر ضروری ہے۔ ہم آہنگ لونڈی (سے شادی) غیر ہم آہنگ آزاد عورت سے بہتر ہے۔ (۲ : ۲۲۱)

۵۔ کسی ضرورت مند کی اس طرح مدد کرنا کہ اسے جتا جتا کر اذیت پہنچائی جائے، اس سے تو بہتر ہے کہ اس سے

قاعدے کے مطابق نہ کرکے اسے ذلت سے بچا لیا جائے۔ (۲ : ۲۶۳)

۶۔ مقروض میں اگر ادائیگیٔ قرض کی استطاعت نہ رہے تو اُسے چھوڑ دینا بہتر ہوتا ہے۔ (۲ : ۲۸۰)

۷۔ خدا کی طرف سے سامانِ حفاظت اور نشوونما کا مل جانا، دنیا بھر کی متاع سے بہتر ہے۔ (۳ : ۱۵۶)۔ (۴۳ : ۳۲)

۸۔ قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے والے اگر مہلت کے وقفہ سے فائدہ اٹھا کر اپنی اصلاح نہیں کرتے تو یہ وقفہ ان کے لئے خیر کا موجب نہیں بلکہ نقصان کا باعث ہو جاتا ہے۔ (۳ : ۱۷۷)

۹۔ اچھی بیوی نہ ملنے کی صورت میں نکاح سے رکے رہنا زیادہ اچھا ہے۔ (۴ : ۲۵)

۱۰۔ میاں بیوی کی مناقشت کی صورت میں صلح کرا دینا بہتر ہوتا ہے۔ (۴ : ۱۲۸)

۱۱۔ مسجدِ ضرار کے سلسلہ میں کہا کہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر ہو، وہ بہتر ہے یا وہ مسجد جو جہنم کے کنارے بنائی گئی ہو۔ (۹ : ۱۰۹)

۱۲۔ حضرت یوسفؑ نے قید خانے کے ساتھیوں سے کہا کہ کیا متفرق آقا اچھے ہوتے ہیں یا ایک خدا جو تمام قوتوں کا مالک ہے۔ (۱۲ : ۳۹)

۱۳۔ جو جانور تم حج میں ساتھ لے جاتے ہو ان میں تمہارے لئے فائدے کی باتیں ہوتی ہیں۔ (۲۲ : ۳۶)

۱۴۔ بوڑھی عورتیں اگر اپنی چادروں کو اتار بھی رکھیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر وہ انہیں اوڑھے رکھیں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ (۲۴ : ۶۰)

۱۵۔ حضرت سلیمانؑ نے ملکۂ سبا سے کہا کہ جو کچھ مجھے خدا نے دے رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہارے پاس ہے۔ (۲۷ : ۳۶) —— (۱۶) عیسائی کہتے تھے کہ ہمارا اِلٰہ بہتر ہے یا ان مشرکین کے اِلٰہ۔ (۴۳ : ۵۸)

۱۷۔ گذشتہ اقوام کے سرکشوں کو تباہ کر دیا گیا۔ کیا تمہاری قوم کے سرکش ان سے بہتر ہیں جو انہیں چھوڑ دیا جائے گا؟ (۴۳ : ۵۴)۔ (۴۴ : ۳۷) —— (۱۸)۔ اپنے تنازعات کو مرکز کی طرف لے جاؤ۔ یہ بہترین روش ہے (۴ : ۵۹)

۱۹۔ اوزان اور پیمانے ٹھیک ٹھیک رکھو۔ یہ بہترین منہج ہے۔ (۱۷ : ۳۵)

۲۰۔ تقویٰ کا لباس خیر ہے۔ (۷ : ۲۶) —— (۲۱) حقداروں کو ان کا حق دیدو۔ یہ بہترین انداز ہے۔ (۳۰ : ۳۸)

۲۲۔ رسول سے مشورہ کرتے وقت، کچھ عوام کی بہبودی کے لئے دیدو۔ یہ بہتر ہے۔ (۵۸ : ۱۲)

۲۳۔ حرمات اللہ کی تعظیم کرنا، موجبِ خیر ہے۔ (۲۲ : ۳۰)

۲۴۔ جو کچھ تم مال و دولت خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے ہی لئے ہے۔ (۲ : ۲۷۲)

۲۵۔ تم بدلہ لے سکتے ہو۔ لیکن اگر تم (اجتماعی مفادِ کل کی خاطر) اس سے رک جاؤ اور اپنے مقام پر صابر رہو تو یہ تمہارے

لئے بہتر ہوگا۔ (۱۲۶ : ۱۶)

۲۶۔ جب قانونِ خداوندی کے مطابق زندگی کی خوشگواریاں حاصل ہوں (خیر) تو انہیں کوئی روک نہیں سکتا۔(۱۷ : ۶)۔(۱۰۷ : ۱۰)

۲۷۔ تم اپنے لئے جو خیر بھی آگے بھیجو گے اسے خدا کے ہاں موجود پاؤ گے۔ (۱۱۰ : ۲)۔(۲۹ : ۳)۔(۱۱۴ : ۳)۔(۲۰ : ۷۳)

۲۸۔ جو خیر بھی تم کرتے ہو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے۔ (۱۹۷ : ۲)۔(۲۱۵ : ۲)۔(۱۲۷ : ۴)

۲۹۔ صدقات کھلے بندوں دو یا چھپا کر، دونوں صورتوں میں تمہارے لئے بہتر ہے۔ (۲۷۱ : ۲)

۳۰۔ حضرت موسیٰؑ کی پکار کہ جو خیر بھی خدا کے ہاں سے ملے، میں اس کا محتاج ہوں۔ (۲۴ : ۲۸)

۳۱۔ خیر کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ (۷۷ : ۲۲)

۳۲۔ بہترین چیزوں (خیر) کی محبت، خدائی پروگرام کی تکمیل کے لئے ہونی چاہیئے۔ (۳۲ : ۳۸)

۳۳۔ انسان خیر (مال و دولت) کی محبت میں افراط تک چلا جاتا ہے۔ (۸ : ۱۰۰)

۳۴۔ خیر سے روکنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (۲۵ : ۵۰)۔ یہ دین کا دشمن ہے۔ (۱۲ : ۶۸)

۳۵۔ حکمت، خیرِ کثیر ہے۔ (۲۶۹ : ۲)

۳۶۔ اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ (۱۰۹ : ۳)۔ اگر یہ آدابِ محفل کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیانت سے کام لیتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ (۴۶ : ۴)

۳۷۔ جو نصیحت ان لوگوں سے کی جاتی ہے، اگر یہ اس کے مطابق چلیں تو ان کے لئے بہتر ہو۔ (۶۶ : ۴)

۳۸۔ بدو لوگ اگر عام آدابِ معاشرت کو ملحوظ رکھیں تو ان کے لئے بہتر ہو۔ (۵ : ۴۹)

۳۹۔ خیر کے کام چھپا کر کرو یا علانیہ، دونوں طرح درست ہے۔ (۱۴۹ : ۴)

۴۰۔ اے نوعِ انسان! اگر تم اس رسولؐ کی پیش کردہ وحی پر ایمان لے آؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ (۱۷۰ : ۴)

۴۱۔ عیسائیوں سے کہا کہ اگر تم تثلیث کا عقیدہ چھوڑ دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ (۱۷۱ : ۴)

۴۲۔ ایمان کے ساتھ خیر عمل ضروری ہے۔ (۱۵۹ : ۶)۔(۴۳)۔حضرت نوحؑ نے کہا کہ خدا میری جماعت کے لوگوں کو خیر عطا کریگا۔ (۳۱ : ۱۱)

۴۴۔ اطاعت اور انفاق تمہارے اپنے لئے ہی بہتر ہے۔ (۱۶ : ۶۴)۔(۴۵) جہاد سے ہر قسم کی خوشگواریاں (خیرات) حاصل ہونگی۔(۸۸ : ۹)

۴۶۔ خیرات (اچھے کاموں) کے لئے مسابقت کرو۔ (۱۴۹ : ۲)۔(۴۸ : ۵)

۴۷۔ انبیاءؑ کرام کی طرف اچھے کام کرنے (فعل الخیرات) کی وحی ہوئی تھی۔ (۷۳ : ۲۱)

۴۸۔ لوگوں کے تین گروہ ہوتے ہیں۔ اپنے آپ پر زیادتی کرنے والے۔ بین بین چلنے والے اور اچھے کاموں میں

کرنے والے ۔ (۳۲ : ۳۵) ۔ بلکہ دوڑ دوڑ کر اچھے کام کرنے والے ۔ (۱۱۳ : ۳)

۴۹۔ تمام انبیاءؑ اچھے کاموں (فعل الخیرات) میں تیز رو تھے ۔ (۹۰ : ۲۱) ۔ مومنین بھی (۶۱ : ۲۳)

۵۰۔ اللہ اور رسول جب کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر اس میں کسی مومن کو کوئی اختیار نہیں رہتا۔ (۳۶ : ۳۳)

۵۱۔ "متاعِ دنیا قلیل ہے ۔ آخرت خیر ہے ۔ (۷۷ : ۴)

۵۲۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ معاملات صاف رکھو یہ تمہارے لئے بہتر ہو گا ۔ (۸۵ : ۷)-(۸۴ : ۱۱)

۵۳۔ متقیوں کے لئے دارالآخرت خیر ہے ۔ (۱۶۹ : ۷) (۵۴) جہاد تمہارے لئے بہت بہتر ہے ۔ (۴۱ : ۹) - (۱۱ : ۶۱)

۵۵. خدا کی سرپرستی بہترین ثواب ہے ۔ (۴۴ : ۱۸)

۵۶۔ جب بات طے ہو جائے تو پھر سچی اطاعت ہی بہتر ہوتی ہے ۔ (۲۱ : ۴۷)

قرآن خیر ہے

(۱)۔ خدا نے کیا نازل کیا ہے ؟ خیر ۔ (۳۰ : ۱۶) —— (۲)۔ قرآن ہر متاعِ زیست سے بہتر ہے ۔ (۵۸ : ۱۰)

(۳)۔ اہلِ کتاب اور مشرکین ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ تم پر خیر نازل ہو ۔ (۱۰۵ : ۲)

(۴)۔ سابقہ انبیاء کی وحی کے جس حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے ، قرآن میں اس سے بہتر حکم لایا جاتا ہے ۔ (۱۰۶ : ۲)

۵۔ الحکمۃ (وحی) خیر کثیر ہے ۔ (۲۶۹ : ۲)

خیر امت

۱۔ تم بہترین امت ہو جسے نوعِ انسان کی بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے ۔ (۱۱۰ : ۳)

۲۔ مومنین کا مقام ، کفار کے مقابلہ میں بہر حال بہتر ہے ۔ (۷۳ : ۱۹)

۳۔ جماعتِ مومنین خیر کی طرف دعوت دیتی ہے ۔ (۱۰۴ : ۳) (۴) حضرات انبیاءِ کرام سب اخیار تھے ۔ (۴۸ : ۳۸)

دارالآخرۃ خیر

۱۔ جب کسی دنیاوی مفاد اور مستقل قدر میں تصادم ہو ، تو مستقبل کی بھلائی اس میں ہوتی ہے کہ اسی مستقل قدر کی حفاظت کر لی جائے ۔ (۱۴ : ۳) - (۳۲ : ۶) - (۵۷ : ۱۲) - (۱۰۹ : ۱۲) - (۹۵ : ۱۶) - (۴۶ : ۱۸)

(۷۶ : ۱۹) - (۱۳۱ : ۲۰) - (۶۰ : ۲۸) - (۸۰ : ۲۸) - (۳۶ : ۴۲) - (۱۱ : ۶۲) - (۱۶-۱۷ : ۸۷)

۲- اتباعِ قرآن سے، دنیا کی خوشگواریاں بھی، اور دارِ آخرت کی سرفرازیاں بھی۔ (۳۰ : ۱۶)

۳- جو کچھ مستقل اقدار کی نگہداشت کے ساتھ ملے وہی بہتر ہوتا ہے۔ (۸۶ : ۱۱) - (۴۶ : ۱۸) - (۷۶ : ۱۹) — (۱۳۱ : ۲۰) - (۶۰ : ۲۸) - (۸۰ : ۲۸) - (۳۶ : ۴۲)

۴- سوچو کہ کفار اور مومنین میں سے کس کا مقام بہتر ہے۔ (۷۳ : ۱۹)

۵- اصحابِ جنت کا مقام بہتر ہے۔ (۱۵ : ۲۵) - (۲۴ : ۲۵) - (۶۲ : ۳۷) - (۴۰ : ۴۱) - جو اس دن اعمالِ حسنہ لے کر آئے گا، اس کے لئے بہتر ہوگا۔ (۸۹ : ۲۷) - (۸۴ : ۲۸) - یہ خیر البریہ ہیں۔ (۷ : ۹۸)

۶- متاعِ دنیوی کے مقابلہ میں جنت بہتر ہے۔ (۱۴ : ۳) - (۴۶ : ۱۸) - (۷) - دار الآخرت بہترین ہے۔ (۱۶۹ : ۷)

خدا کے متعلق

۱- خدا اُن معبودانِ باطل سے بہتر ہے۔ (۵۹ : ۲۷)　　(۲) خدا بہترین حفاظت کرنے والا ہے۔ (۶۴ : ۱۲)

۳- خدا خیر اور ابقیٰ ہے۔ (۷۳ : ۲۰)

۴- خیر الرازقین۔ (۱۱۴ : ۵) - (۵۸ : ۲۲) - (۷۲ : ۲۳) - (۳۹ : ۳۴) - (۱۱ : ۶۲)

۵- خیر الماکرین۔ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ (۵۴ : ۳) - (۳۰ : ۸) — (۶) خیر الفاتحین۔ (۸۹ : ۷)

۷- خیر الغافرین۔ (۱۵۵ : ۷) ——— (۸) خیر الوارثین۔ (۸۹ : ۲۱)

۹- حضرت نوحؑ نے کہا کہ اے میرے رب! میری کشتی کو خیریت سے اتار۔ تو بہترین اتارنے والا ہے۔ (۲۹ : ۲۳)

۱۰- خیر الراحمین۔ (۱۰۹ : ۲۳) - (۱۱۸ : ۲۳) ——— (۱۱) ھو خیر ثوابا۔ وخیر عقبا۔ (۴۴ : ۱۸)

۱۲- خیر الناصرین۔ (۱۴۹ : ۳) ——— (۱۳) - خیر الحاکمین (۸۷ : ۷) - (۱۰۹ : ۱۰) - (۸۰ : ۱۲)

۱۴- خیر الفاصلین۔ (۵۷ : ۶) ——— (۱۵) خدا کے ہاتھ میں خیر ہوتا ہے۔ (۲۵ : ۳)

۱۶- خدا پیدا کرتا ہے اور پھر انتخاب کرتا ہے۔ یہ قوت کسی اور کو حاصل نہیں۔ (۶۸ : ۲۸)

خیر و شر

۱- انسان خیر طلب کرنے سے تھکتا ہی نہیں۔ لیکن جب شر پہنچ جائے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ (۴۹ : ۴۱)

۲۔ جس طرح انسان خیر کے لئے جلدی مچاتا ہے۔ اگر خدا اس کے اعمال کے شر (نقصان رساں) نتائج برآمد کرنے میں اتنی جلدی کرے۔ تو اس کے لئے تباہی آجائے۔ (۱۱ : ۱۰)

۳۔ انسان جلد باز ہے۔ اپنے نقصان (شر) کو بھی اسی طرح طلب کرتا ہے۔ جس طرح اپنے خیر کو۔ یہ اپنا نفع نقصان خود نہیں پہچان سکتا۔ اس کے لئے وحی کی راہ نمائی کی ضرورت ہے۔ (۱۱ : ۱۷)

۴۔ خیر و شر تمہارے سامنے آتے ہیں تاکہ تمہاری مضمر صلاحیتوں کی نمود ہو سکے۔ (۳۵ : ۲۱)

۵۔ بخل کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ان کا مال و دولت ان کے لئے خیر ہے۔ وہ ان کے لئے شر ہے۔ (۱۷۹ : ۳)

۶۔ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور وہ درحقیقت موجب خیر ہو۔ (۱۹ : ۴) - اور ایک چیز کو تم اچھا سمجھو اور وہ تمہارے لئے شر کا موجب ہو۔ (۲۱۶ : ۲)

۷۔ عمل خیر و شر کا ذرہ ذرہ سامنے آجائے گا۔ (۸ - ۷ : ۹۹)

۸۔ جنہیں مال و دولت زیادہ حاصل ہے وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ اس سے خدا کو ان کی بہتری مقصود ہے۔ (بہتری اس صورت میں ہو گی اگر وہ اسے اس کے قوانین کے مطابق صرف کریں)۔ (۵۶ - ۵۵ : ۲۳)

۹۔ انسان بے صبرا ہے۔ جب خوش حال ہوتا ہے تو بخل کرتا ہے جب شر پہنچتا ہے تو چیخنے لگ جاتا ہے۔ (۲۱-۲۰ : ۷۰)

۱۰۔ نور و ظلمت خدا کے پیدا کردہ ہیں۔ اس سے مجوسیوں کے عقیدۂ ثنویت کا ابطال ہو گیا۔ (۱ : ۶)

۱۱۔ حق و باطل کی مثال پانی کے جھاگ یا سونے کے کھوٹ کی۔ باطل ضائع ہو جاتا ہے۔ حق باقی رہتا ہے۔ یعنی وہ جو نوعِ انسان کے لئے نفع بخش ہو۔ (۱۷ : ۱۳)

۱۲۔ خدا کے مخلص بندوں پر ابلیس (شر) کا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ (۴۲ - ۳۹ : ۱۵) - (۱۰۰-۹۹ : ۱۶) - (۶۵ - ۶۴ : ۱۷) - (۲۲ - ۲۱ : ۳۴)

شر

۱۔ کفار اور مشرکین۔ شر البریہ ہیں (۶ : ۹۸)

۲۔ برے اعمال کا بدلہ، موجب شر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ شر کی جگہ ہوتا ہے۔ (۶۰ : ۵) - (۳۴ : ۲۵)

۳۔ اعمال کے نتائج بتا دیں گے کہ بدترین ٹھکانہ کس کا ہے۔ (۷۵ : ۱۹)

۴۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کی حرکات دیکھ کر کہا کہ یہ اپنے لئے کسقدر برا ٹھکانہ تیار کر رہے ہیں۔ (۷۷ : ۱۲)

۵۔ خدا مومنین کو آخرت کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ (۱۱ : ۷۶)

۶۔ صحرائی قوم (جن) نے قرآن سنا تو جا کر اپنے لوگوں سے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ دنیا پر تباہی آنے والی ہے یا کچھ اور ہونے والا ہے۔ (۱۰ : ۷۲)

۷۔ جہنم کا عذاب بدترین ہے۔ (۲۷ : ۲۲) - یہ سرکشوں کا ٹھکانہ ہے۔ (۵۵ : ۳۸)

۸۔ مخلوقِ خداوندی کے شر کے پہلو سے پناہ طلبی۔ (۲ : ۱۱۳)۔ ایسے لوگوں کے شر سے حفاظت طلبی جو وساوس انگیزی سے عزائم کو کمزور کر دیں۔ (۴ : ۱۱۳)۔ حاسدین کے حسد سے حفاظت طلبی (۵ : ۱۱۳)۔ توہم پرستی کی تاریکیوں سے پناہ جوئی۔ (۳ : ۱۱۳)۔ فتنہ انگیزوں کی وسوسہ اندازی سے پناہ طلبی۔ (۵-۴ : ۱۱۴)

۹۔ انسان جب کامیاب ہوتا ہے تو اعراض برتتا ہے۔ جب ناکام (شر) ہوتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے (۸۳ : ۱۷)-(۵۱:۴۱)

۱۰۔ جن لوگوں نے تہمت تراشی سے فتنہ پیدا کرنا چاہا تھا وہ یہ نہ سمجھیں کہ اس سے وہ تمہیں کوئی نقصان (شر) پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے تو تمہیں کچھ فائدہ ہی ہوا۔ (۱۱ : ۲۴)

۱۱۔ غلط معاشرہ میں شر اڑ کر لگ جاتا ہے۔ (۷ : ۷۶)

۱۲۔ شیطان کی طرف سے کوئی ترغیب ہو تو قانونِ خداوندی سے اس کی پناہ طلب کرو۔ (۳۶ : ۴۱)

۱۳۔ شرالدواب (بدترین مخلوق) وہ ہے جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتی۔ (۲۲ : ۸) - (۵۵ : ۸)

۱۴۔ انسان بے صبرا واقع ہوا ہے۔ شر پہنچتا ہے تو چیخنے چلانے لگ جاتا ہے۔ (۲۰ : ۷۰)

۱۵۔ خیر و شر کا ذرہ ذرہ سامنے آ جائیگا۔ (۸ : ۹۹) — (۱۶) جہنم سے بڑے بڑے شعلے (شرار) اٹھیں گے۔ (۳۲ : ۷۷)

متفرق

۱۔ جب کسی اجتماعی معاملہ (یوم الجمعہ) کے لیے بلایا جائے تو کاروبار چھوڑ کر اس طرف فوراً آ جایا کرو۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے۔ (۹ : ۶۲)

۲۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ آپ کی زندگی کا آخری حصہ، پہلی زندگی کے مقابلہ میں بہتر ہوگا۔ (۴ : ۹۳)

۳۔ لیلۃ القدر، ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ (۳ : ۹۷)

۴۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میں بہترین مہمان نواز ہوں۔ (۵۹ : ۱۲)

۵۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم اپنی روش سے باز آجاؤ۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ (۵۴ : ۲)

۶۔ افکؔ کے متعلق افواہیں پھیلانے والے، تمہارے لئے شر نہیں بلکہ خیر کا موجب بن گئے۔ (۱۱ : ۲۴)

۷۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اگر میں غیب کا علم جانتا تو اپنے لئے بہت سا خیر جمع کر لیتا۔ (۱۸۸ : ۷)

۸۔ حج کے سلسلہ میں کہا کہ جو شخص دل کی رضامندی سے خیر کے کام کرے تو یہ اچھا ہے۔ (۱۵۸ : ۲) ۔ یہی روزوں کے سلسلہ میں فرمایا۔ (۱۸۴ : ۲)

۹۔ جنگ کے قیدیوں سے کہا کہ اگر تم میں خیر پایا گیا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں واپس دیدیا جائیگا۔ (۷۰ : ۸)

۱۰۔ دولت مند کو گھمنڈ ہوتا ہے کہ میں کچھ بھی کروں، خدا کے ہاں مجھے خیر ہی ملے گا۔ (۳۶ : ۱۸)

۱۱۔ مومنین کو ایک دوسرے کے متعلق نیک ظن سے نام لینا چاہیئے۔ (۱۲ : ۲۴)

۱۲۔ اگر تم غلاموں میں اچھی صلاحیت دیکھو تو انہیں مالی امداد دے کر آزاد کر دو۔ (یہ قبل از اسلام کے غلاموں کے متعلق ہدایت تھی۔ اسلام نے غلامی کا دروازہ بند کر دیا۔) ۔ (۳۳ : ۲۴)

۱۳۔ کفار کہتے تھے کہ رسول اللہؐ کو یہ کیوں نہیں ملا۔ وہ کیوں نہیں ملا۔ کہا کہ آپ کو اس سے بھی بہتر ملے گا۔ (۱۰ : ۲۵)

۱۴۔ کفار، مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اگر ایمان لے آنا کوئی اچھی چیز ہوتا تو وہ سب سے پہلے ایمان لے آتے (۱۱ : ۴۶)

۱۵۔ ایک دوسرے کو تمسخر نہ کرو۔ ہو سکتا ہے دوسرا فریق تم سے بہتر ہو۔ (۱۱ : ۴۹)

۱۶۔ خدا اس پر قادر ہے کہ ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے جو ان سے بہتر ہوں۔ (۴۱ : ۷۰)

۱۷۔ جنت کی عورتیں ہر قسم کی بھلائیوں کی پیکر ہوں گی۔ (۷۰ : ۵۵)

۱۸۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم خیر کے بدلے ادنیٰ زندگی اختیار کر رہے ہو۔ (۶۱ : ۲)

۱۹۔ تقویٰ بہترین زادِ راہ ہے۔ (۱۹۷ : ۲) — (۲۰) خیر بمعنی مال و دولت۔ (۱۸۰ : ۲)۔(۲۱۵ : ۲)۔(۲۷۲-۳ : ۲)

۲۱۔ ابلیس نے کہا کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں۔ (۱۲ : ۷) ۔ (۷۶ : ۳۸)

۲۲۔ ایک غلام وہ بھی ہے کہ کہیں بھیجو، کبھی خیر کی خبر نہ لائے۔ (۷۶ : ۱۶)

۲۳۔ کنارے پر کھڑے خدا کی عبودیت اختیار کرنے والے۔ خیر کا پہلو ہو تو فرمانبردار۔ ذرا نقصان کا احتمال ہو تو گریز کی راہیں تراشنے والے۔ (۱۱ : ۲۲)

۲۴۔ دوسروں کے ہاں اجازت سے جایا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ (۲۷ : ۲۴)

۲۵۔ قوی اور امین کارندہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ (۲۶ : ۲۸)—(۲۶) فرعون نے کہا کہ میں موسیٰؑ سے بہتر ہوں۔ (۵۲ : ۴۳)

۲۷۔ ازواج مطہرات کے سلسلہ میں۔ (۵ : ۶۶)

۱۱۔ خیانت ص۱

خیانت کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے امانت کا عنوان دیکھئے ۔جس شخص پر کسی بات یا معاملہ میں اعتماد کیا جائے، وہ اگر اس اعتماد کو جھٹکا دے کر توڑ ڈالے تو اسے خیانت کہا جائے گا۔ (یہی اس لفظ کے بنیادی معنی ہیں) ظاہر ہے کہ اگر باہمی اعتماد اور بھروسہ کی کیفیت یہ ہو جائے تو تمدنی زندگی درہم برہم ہو جاتی ہے اور کوئی شخص دوسرے کے ہاتھوں اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے قرآن نے خیانت کو بڑا سنگین جرم اور انسانیت کش برائی قرار دیا ہے خواہ یہ خیانت انفرادی ہو اور خواہ اس کا تعلق اجتماعی نظامِ زندگی سے ہو۔

۱۔ اے جماعتِ مومنین۔ اللہ اور رسول (یعنی نظامِ مملکت) سے خیانت نہ کرو۔ اپنی امانات کی حفاظت کرو۔ یعنی ملت کی جو ذمہ داریاں تمہارے سپرد ہوں اور جو راز تمہاری تحویل میں آتے جائیں۔ ان میں خیانت نہ کرو۔ (۲۷ : ۸)

۲۔ معاہدات توڑنا خیانت ہے۔ (۱۳ : ۵)۔ (۵۸ : ۸)۔ (۷۱ : ۸)۔

۳۔ عصمت کی حفاظت نہ کرنا خاوند کی خیانت ہے۔ (۵۲ : ۱۲)

۴۔ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں نے خیانت کی۔ دوسرے مقامات میں بتایا گیا ہے۔ کہ وہ اپنے خاوندوں کے مسلک پر ایمان نہیں لائی تھیں۔ اور (غالباً) فریقِ مخالف کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔ یہاں خیانت کا یہی مفہوم ہو سکتا ہے۔ (۱۰ : ۶۶)

۵۔ خدا نگاہ کی خیانتوں سے بھی واقف ہے (۱۹ : ۴۰)

۶۔ اپنے آپ سے خیانت۔ (۱۸۷ : ۲)۔ ایسے لوگوں کی وکالت نہیں کرنی چاہیئے۔ (۱۰۷ : ۴)

۷۔ کسی خائن کی وکالت نہیں کرنی چاہیئے۔ (۱۰۵ : ۴)

۸۔ خائنوں پر کامیابی کی راہیں نہیں کھلتیں۔ (۵۲ : ۱۲)

۹۔ خدا خائنین کو پسند نہیں کرتا۔ (۱۰۷ : ۴)۔ (۵۸ : ۸)۔ (۳۸ : ۲۲)

ص۱ :۔ اس لفظ کو خیر سے پہلے آنا چاہیئے تھا۔

د

۱۔ حضرت داؤد (علیہ السلام)

حضرت داؤد (علیہ السلام)

۱۔ انبیائے بنی اسرائیل میں حضرت داؤدؑ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ کیونکہ ان کے عہدِ حکومت میں اس قوم کی شوکت و ثروت اوجِ کمال تک پہنچ گئی تھی۔ ان کا زمانہ قریب ۱۰۰۰ ق۔م سمجھنا چاہیئے۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم کی ذریت (نسل) میں سے تھے (۸۵ : ۶) جب طالوت نے جالوت کے خلاف لشکر کشی کی ہے تو (حضرت) داؤد بھی اس (لشکر) میں شامل تھے۔ انہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ (۲۵۱ : ۲)۔ یہ ان کے زمانۂ قبل از نبوت کا واقعہ ہوگا۔ نبوت کے بعد آپ کو خدا کی طرف سے (جیسا کہ ہر نبی کو ملتی ہے) ایک کتاب ملی تھی (۱۶۳ : ۴) - (نیز ۵۵ : ۱۷)۔ واضح رہے کہ اس آیت میں کہا گیا ہے وَ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا۔ زبور کے معنی کتاب ہوتے ہیں۔ لیکن دوسری جگہ الزَّبُوۡر بھی آیا ہے۔ (۱۰۵ : ۲۱) جس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس کتاب کو الزبور کہا جاتا تھا۔ (یہ انجیل کے عہد نامہ عتیق میں شامل ہے اور جس طرح باقی انجیل کا حال ہے، اس میں کافی تحریف نظر آتی ہے)۔ جس زبور کا ذکر قرآن کریم میں ہے اس میں حکومت و اقتدار کے متعلق یہ اصول درج تھا کہ "زمین کی وارثت ان بندوں کو ملتی ہے۔ جن میں اس کی صلاحیت ہو" (۱۰۵ : ۲۱) خدا نے حضرت داؤدؑ کو علم عطا فرمایا تھا۔ (۱۵ : ۲۷)۔ اس علم کا تعلق "اخلاقیات" تک محدود نہیں تھا۔ اس کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ حتیٰ کہ اس میں لڑائی کے وقت پہننے کے لئے زرہ بکتر بنانے کا علم بھی شامل تھا۔ (۸۰ : ۲۱)۔ اسے خدا نے اپنے خاص فضل سے تعبیر کیا ہے۔ (۱۰ : ۳۴)

۲۔ حضرت داؤدؑ کی سلطنت بڑی وسیع تھی۔ پہاڑی قبائل کے بڑے بڑے سردار آپ کے مطیع و فرمان پذیر تھے۔ اور

آپ کے پروگرام کی تکمیل میں سرگرمِ عمل رہتے تھے۔ (۷۹ : ۲۱)۔ (۱۰ : ۳۴) (۱۸-۱۷ : ۳۸)۔ ان میں قبیلۂ طیر کے شاہسوار بھی شامل تھے۔ جن کے زیرِ تربیت 'رسالے (گھوڑوں کے لشکر) مرتب کئے جاتے تھے۔ (۷۹ : ۲۱)۔ (۱۰ : ۳۴)۔ (۱۹ : ۳۸)۔ یوں آپ کی سلطنت بڑی محکم ہو گئی تھی۔ (۲۰ : ۳۸)

(۳) اس قدر قوت کے ساتھ، انہیں دانش و بینش۔ اور معاملات میں صحیح صحیح فیصلہ کرنے کی استعداد بھی بڑی وافر عطا ہوئی تھی۔ (۲۰ : ۳۸)۔ آپ کو حکومت عطا کئے جانے سے مقصود یہ تھا کہ آپ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ حق کے ساتھ کریں۔ اور اس باب میں کسی کے جذبات کی رعایت نہ کریں۔ (۲۶ : ۳۸)۔ اسی لئے جہاں آپ کے متعلق کہا ہے کہ وہ ذَاالْاَیْدِ تھے۔ یعنی بڑی قوت کے مالک (۱۷ : ۳۸) اس کے ساتھ ہی کہا ہے کہ وہ اَوَّابٌ بھی تھے۔ یعنی خدا کے احکام کے پابند اور ہر معاملہ میں اسی کے قوانین کی طرف رجوع کرنے والے۔ (۱۷ : ۳۸)

اس سے واضح ہے کہ "خدا کے بندوں" کا مقام یہی نہیں کہ وہ خود عام اخلاق کے پابند ہوتے ہیں اور لوگوں کو انہی کی پابندی کی وعظ نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ انہیں علم۔ حکمت۔ سیاست۔ (حتیٰ کہ اسلحہ سازی تک کی استعداد)۔ معاملات میں فیصلے کرنے کی صلاحیت اور حکومت کے فرائض سرانجام دینے کی اہلیت حاصل ہوتی ہے۔ مختصراً یہ کہ وہ صاحبِ قوت ہوتے ہیں، اور ہر معاملہ میں قوانینِ خداوندی کی طرف رجوع کرنے والے۔

(۴)۔ معاملات میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت کے سلسلہ میں قرآن کریم میں ان کے سامنے پیش آمدہ ایک مقدمہ کا بھی ذکر ہے۔ مقدمہ کی نوعیت تو عمومی سی ہے۔ لیکن اس میں اصول بہت عظیم مضمر ہے۔ مقدمہ میں فریادی (مستغیث) نے کہا ہے کہ یہ (فریقِ ثانی) میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دُنبی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ میری ایک دُنبی بھی مجھ سے چھین کر اپنی دنبیوں میں ملا لے　ارادے اس کے یہ ہیں اور کہتا ہے مجھے اپنا بھائی!

اس مقدمہ میں تمثیلاً نظامِ سرمایہ داری کے ایک بنیادی اصول کو سامنے لایا گیا ہے۔ جس کی رو سے، ہر بڑا سرمایہ دار یہ چاہتا ہے کہ دوسروں کا کم سرمایہ سمٹ کر اسی کی طرف آجائے۔ اس مقدمہ کی تفصیل (۲۶-۲۱ : ۳۸) میں آئی ہے جہاں اس قسم کے نظام اور ذہنیت کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۵)۔ بنی اسرائیل، حضرت داؤدؑ کے زمانے میں ہی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے تھے اور اس سازش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح یہ سلطنت اجڑ جائے۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ اپنی خداداد فراست اور حکمت کی رُو سے، اس

مملکت کو محکم بنانے کی فکر کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ کے زمانے تک یہ محکم اور استوار رہی۔ (۹، ۸۰ : ۲۱)۔ بنی اسرائیل کی بھی وہ حرکات تھیں جن کی بنا پر حضرت داؤدؑ نے ان سے کہہ دیا کہ اگر وہ ان سے باز نہ آئے تو وہ ان نعمائے خداوندی سے محروم کر دئے جائیں گے۔ وہ ان سے باز نہ آئے اور ان کی یہ محرومی حضرت عیسےٰؑ کے زمانے میں تکمیل تک پہنچ گئی۔ (۸۰، ۵ : ۵)

(۶)۔ حضرت داؤدؑ کے بعد ان کے بیٹے، ان کے جانشین ہوئے۔ (۱۶ : ۲۷)۔ (۳۰ : ۳۸) یعنی وہ نبی بھی تھے اور حکمران بھی۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ حضرت داؤدؑ کے بیٹے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ اس کے اہل تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر بیٹا اہل ہو، تو اس کے اپنے باپ کے جانشین ہونے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہو سکتا۔ یعنی جس طرح یہ ٹھیک نہیں کہ کسی کو محض باپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے باپ کا جانشین بنا دیا جائے اسی طرح یہ بھی ٹھیک نہیں کہ کسی کو محض اس لئے جانشینی سے محروم قرار دے دیا جائے کہ وہ اس باپ کا بیٹا ہے۔ انتخاب، اہلیت کی بنا پر ہونا چاہیئے۔ آلِ داؤدؑ سے تاکید کی گئی کہ وہ خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق صرف کریں۔ اسے شکرِ نعمت کہا جاتا ہے۔ (۱۳ : ۳۴)

۲۔ دآبہ

دآبہ:۔ (مادہ د۔ ب۔ ب)۔ یہ ایک جامع لفظ ہے جس کے اندر ہر قسم کے ذی حیات آجاتے ہیں۔ (اس کی جمع دواب آتی ہے)۔ لیکن بعض اوقات خود دآبہ بھی جمع کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جہاں اس کے معنی ایسے جاہل اور جنگجو لوگ ہوتے ہیں۔ جن کی حالت جانوروں کی سی ہو۔

تخلیقِ دآبہ

۱۔ خدا نے ہر دآبہ کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں سے بعض رینگنے والے ہیں۔ بعض دو پاؤں پر چلنے والے۔ اور بعض چار پاؤں پر چلنے والے۔ (۴۵ : ۲۴)

۲۔ خدا نے زمین پر ہر قسم کے دآبہ پھیلا دیئے ہیں۔ (۲:۱۶۴) ۔ (۱۰ : ۳۱) ۔ (۲۹ : ۴۲) ۔ (۴ : ۴۵)

۳۔ ملائکہ اور دآبہ میں سے ہر ایک جو ارض و سمٰوات میں ہے، قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے۔
(۴۹ : ۱۶) ۔ (۱۸ : ۲۲)

۴۔ اگر اللہ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کی پوری گرفت کرتا تو زمین پر کوئی دآبہ باقی نہ رہتا۔ ظاہر ہے کہ یہاں دآبہ سے مراد خود انسان ہی ہیں۔ (۶۱ : ۱۶) ۔ (۴۵ : ۳۵)

۵۔ ہر دآبہ قانونِ خداوندی کی گرفت میں ہے۔ (۵۶ : ۱۱)

۶۔ زمین کے دآبہ اور پرندے، سب تمہاری مثل اُمم ہیں۔ (۳۸ : ۶)

۷۔ زمین میں کوئی دابہ نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو۔ (۶ : ۱۱) ۔ انسانوں کے سلسلہ میں خدا کی یہ ذمہ داری اس نظامِ مملکت کی طرف سے پوری ہوتی ہے۔ جو اس کے نام پر قائم ہوتا ہے۔
کوئی دآبہ ایسا نہیں جو اپنا رزق (اپنی پیٹھ پر) لادے لادے پھرے۔ خدا انہیں بھی اور انسانوں کو بھی رزق دیتا ہے۔ (۶۰ : ۲۹)

۸۔ سورۂ سبا میں حضرت سلیمانؑ کے نالائق بیٹے کو دآبہ (جسدِ بے روح) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۱۴ : ۳۴)

۹۔ سورۂ شوریٰ میں ہے کہ ارض اور سمٰوٰت، دونوں میں دآبہ ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعض آسمانی کرّے ایسے ہیں۔ جن میں ذی حیات موجود ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم نے یہ بھی کہا ہے کہ خدا اس پر بھی قادر ہے کہ وہ ان دونوں آبادیوں (زمین کی آبادی اور ان کرّوں کی آبادی) کو آپس میں ملا دے۔ اس وقت آسمانی کرّوں سے مواصلات قائم کرنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، اس کے نتیجہ میں ایسا بھی ممکن ہے۔ (۲۹ : ۴۲) نیز (۴۹ : ۱۶) میں سمٰوٰت میں دآبہ کی موجودگی کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

۱۰۔ سورۂ نمل میں ہے کہ اگر لوگوں نے عقل و خرد سے کام لے کر صحیح راستہ اختیار نہ کیا، تو پھر جنگجو وحشی لوگ (دآبہ) اسلحہ بند ان سے ٹکرائیں گے اور ان کی فصد کھول کر ان کے سرسام کی حدت کم کر دیں گے۔ (۸۲ : ۲۷)

۱۱۔ خدا نے الناس۔ اور انعام۔ اور دوآب پیدا کئے۔ (۲۸ : ۳۵)

۱۲۔ خدا کے نزدیک شرالدواب وہ ہیں جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے۔ (۲۲ : ۸) ۔ یہی لوگ کفر اختیار کرتے ہیں۔ (۵۵ : ۸)

۳۔ درجات

درجہ۔ درجات:۔ قرآن کریم کی رُو سے، زندگی ایک دائرے میں حرکت نہیں کرتی بلکہ آگے بڑھتی ہے اور اس کے ساتھ، بلندیوں کی طرف جاتی ہے۔ اسے ارتقاء کہتے ہیں۔ آگے بڑھنے اور اوپر چڑھنے کے لئے سیڑھی کی تشبیہ سے بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ سیڑھی کے ڈنڈوں کو، جبکہ ان پر انسان اوپر کی طرف چڑھ رہا ہو، درجات کہتے ہیں۔ اس سے مراد زندگی میں مختلف مراتب و منازل ہیں۔ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔

قرآنی پروگرام کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان کو معاشرتی زندگی میں عزت و تکریم کے مقام حاصل ہو جاتے ہیں اور اس کی ذات کی نشوونما بھی ہوتی جاتی ہے۔ جس سے وہ اُخروی زندگی میں ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم کے مدارج کو قرآن کریم میں بالعموم "درجات عنداللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ایک مومن کو جو مراتب اس دنیا کی زندگی میں حاصل ہوتے ہیں وہ بھی "درجات عنداللہ" کے دائرے سے باہر نہیں ہوتے۔ درجات عنداللہ سے مفہوم ہے معیارِ خداوندی کے مطابق بلندیٔ مدارج۔ عام دنیاوی معیار کے مطابق، غلط طریقوں سے حاصل کردہ عزت کو بھی بلند مرتبت کہہ دیا جاتا ہے، لیکن درجات عنداللہ سے مراد وہی بلندیٔ مرتبت ہوگی جو معیارِ خداوندی (قوانینِ خداوندی) کے مطابق حاصل ہو۔

قرآن کریم کی رُو سے، درجات کا معیار، صرف انسان کے جوہرِ ذاتی اور حسنِ کردار ہے۔ حسب و نسب یا دولت و حشمت نہیں۔

خدائے تعالےٰ

۱۔ خدا رفیع الدرجات ہے۔ (۴۰ : ۱۵)

مدارج عنداللہ

۱۔ جو لوگ قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے درجات بلند ہیں (۳ : ۱۶۱ - ۱۶۲)

۲۔ مومنین کی مختلف خصوصیات بیان کرنے کے بعد کہا کہ خدا کے نزدیک ان کے مدارج بلند ہیں۔ (۴-۲ : ۸)
۳۔ مجاہدین کے درجات، بیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہیں۔ (۹۵ : ۴)
۴۔ ایمان اور اعمالِ صالح سے بلندئ مدارج۔ (۷۵ : ۲۰)
۵۔ مہاجرین اور مجاہدین کے درجات نہایت عظیم ہیں۔ (۲۰ : ۹) (۶) مومنین کا مقام بلند ہے۔ (۲ : ۱۰)

معیارِ درجات

۱۔ ہر ایک کے مدارج اس کے اعمال کے مطابق ہوں گے۔ (۱۳۲ : ۶) - (۱۹ : ۴۶)
۲۔ درجات کا تعین خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ (۸۴ : ۶) - (۷۶ : ۱۲)
۳۔ ایمان و اعمالِ صالح سے بلندئ مدارج۔ (۷۵ : ۲۰) - ایمان اور علم سے بلندئ مدارج۔ (۱۱ : ۵۸) - پیشے کا اس پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ (۱۱۲-۱۱۱ : ۲۶) - نہ ہی حسب نسب کا۔ (۱۳ : ۴۹)

اختلافِ مدارج

۱۔ مختلف انبیاء کرام، بہ اعتبارِ نبوت ایک ہی رتبہ رکھتے ہیں لیکن ان کے تعلیم کے دائرۂ نفوذ کے اعتبار سے ان کے مدارج مختلف ہیں۔ (۲۵۳ : ۲) - (۲۸۵ : ۲)
۲۔ حضرت ابراہیمؑ کی رفعتِ درجات۔ (۸۴ : ۶)
۳۔ دنیا میں انسانوں کے مدارج مختلف ہیں تاکہ انسان کو سعی و عمل کے لئے متنوع مواقع حاصل ہوں۔ (۱۶۶ : ۶) تاکہ ایک دوسرے سے کام لیا جا سکے۔ (۳۲ : ۴۳)
۴۔ درجات، خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق متعین ہوتے ہیں۔ ہر صاحبِ علم کے اوپر ایک علیم ہے۔ (۷۶ : ۱۲)
۵۔ دنیاوی زندگی میں قوانینِ طبیعی کے مطابق کافر و مومن سب اپنی اپنی کوشش کی رُو سے مفادات حاصل کر سکتے ہیں۔ کسی کے راستے میں روک نہیں۔ لیکن اُخروی زندگی کے مدارج بہت بلند ہیں۔ (۲۱-۱۸ : ۱۷)
۶۔ مجاہدین (سعی و عمل میں مصروف رہنے والوں) کے درجات، بیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں (۴:۹۵)
۷۔ اربابِ علم کے مدارج بلند ہیں۔ (۱۱ : ۵۸) ——(۸) ایمان اور اعمالِ صالح سے بلند مدارج۔ (۷۵ : ۲۰)
۹۔ مہاجرین اور مجاہدین کے درجات عظیم ہیں۔ (۱۹ : ۹)

۱۰ - مجاہدین قبل از فتح مکہ کے درجات، بعد میں آنے والوں کی نسبت زیادہ عظیم ہیں - (۱۰ : ۵۷)

۱۱ - ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے - (۱۶۴ : ۳۷)

متفرق

۱ - مردوں اور عورتوں کے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں ہیں - لیکن ایک مقام ایسا ہے جہاں مردوں کو عورتوں پہ ایک درجہ حاصل ہے - اور وہ یہ کہ عورت، عدت کے دوران دوسری جگہ شادی نہیں کر سکتی - اور مردوں پہ اس کی کوئی پابندی نہیں - (۲۲۸ : ۲)

---

۴ - دعا

دعا - (د ع و) - اس کے معنی کسی کو پکارنا یا آواز دینا ہیں -

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں، ہر بات کے لئے ایک قانون مقرر کر رکھا ہے اور اس قانون کے خلاف کبھی نہیں ہو گا - (۶۲ : ۳۳) - جو انسان ان قوانین کے مطابق کام کرتا ہے، اس کی محنت کے خوشگوار نتائج اس کے سامنے آجاتے ہیں - (۴۰ : ۳۹ : ۵۳) - جو ان کی خلاف ورزی کرتا ہے، وہ نقصان اٹھاتا ہے - اگر کسی انسان کا قدم، قانونِ خداوندی کے خلاف، غلط راستے کی طرف اٹھ جائے، تو اسے چاہیئے کہ وہ خدا کے قانون کی طرف رجوع کرے - اسے اپنی مدد کے لئے پکارے - یعنی اس کی اطاعت کرے - اس کے مطابق عمل کرے - خدا کے قانون کو اس طرح پکارنا، دعا کہلاتا ہے - اور اس کے مطابق عمل کرنے سے جو کامیابی حاصل ہوتی ہے، اسے دعا کا قبول ہونا کہتے ہیں -

ہر عمل (کام) کا محرک، انسان کا ارادہ ہوتا ہے - جس قدر ارادہ مستحکم ہو گا اسی قدر انسان کے عمل میں پختگی اور ہمت میں بلندی ہو گی - اگر انسان، اپنے لئے کوئی پروگرام بنانے سے پہلے اچھی طرح سوچ سمجھ لے کہ اس باب میں خدا کا قانون کیا ہے، پھر اس قانون کے مطابق عمل کرنے کا تہیہ کرے، تو اس کے جذبات بیدار ہو جاتے ہیں - اور اس کی قوتِ عمل میں شدت پیدا ہو جاتی ہے - اس طرح اپنے اندر ایک نفسیاتی تغیر پیدا کرنے

کو بھی دعا اور اس کی قبولیت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ الدّواعی ان چیزوں کو کہتے ہیں جو انسان کے جذبات کو ابھار دیں۔ بالفاظِ دیگر اپنے ہر ارادہ اور عمل کو قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ رکھنے کی شدّتِ آرزو، دعا کہلاتی ہے اور اس کے نتائج، اس دعا کی قبولیت۔ اسی طرح کسی دوسرے کے لئے اپنے دل میں نیک آرزو رکھنا، اس کے حق میں دعا دینا کہلاتا ہے۔ جس شخص کو اس طرح دعا دی جاتی ہے، اسے اس کا اتنا ہی فائدہ ہوتا ہے کہ اسے اطمینان ہو جاتا ہے کہ مجھے اپنے اس کام میں اتنے لوگوں کی اخلاقی تائید حاصل ہے اس لئے میں غلط راستے پر نہیں چل رہا۔

حضرات انبیاء کرام وحی کے ذریعے خدا سے ہمکلام ہوتے تھے۔ اسے بھی بعض مقامات پر "خدا کو پکارنے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ وحی، حضراتِ انبیاء کرام سے مخصوص تھی اور غیر از نبی اس کی کنہ وحقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا، (اور نبی اکرمؐ کے بعد اس کا سلسلہ ہی بند ہو گیا) اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کے "خدا کو پکارنے" کی ماہیت کیا تھی اور خدا کی طرف سے اس "پکار کے جواب" کی حقیقت کیا۔ اب یہ چیز کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

(تفصیل کے لئے میری کتاب "کتاب التقدیر" دیکھئے۔ جس میں دعا کے موضوع پر بڑی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔)

صرف خدا کو پکارو

۱۔ جب میرے بندے مجھے پکاریں تو کہہ دو کہ میں ان کے قریب ہوں۔ ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ (۱۸۶ : ۲)۔ (۶۰ : ۴۰) اس آیت میں بھی دعا اور عبودیت کو مرادف قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ وہ کون ہے جو قلبِ مضطر کی پکار کا جواب دیتا ہے اور مصیبت رفع کرتا ہے۔ (۴۱ : ۶)۔ (۶۳ : ۶)۔ (۶۲ : ۲۷)

۳۔ خدا کی خالص اطاعت کرتے ہوئے اسے پکارو۔ (۲۹ : ۷)۔ (۲۲ : ۱۰)۔ (۶۵ : ۲۹)۔ (۱۴ : ۴۰)۔ (۶۵ : ۴۰)

(۴) خدا کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ (۸۸ : ۲۸)۔ (۱۸ : ۷۲)

۵۔ خدا کے اسماء الحسنیٰ ہیں۔ اسے جس نام سے جی چاہے پکارو۔ (۱۸۰ : ۷)۔ (۱۱۰ : ۱۷)

۶۔ اصحابِ کہف کا جرم یہ تھا کہ وہ صرف خدا کو پکارتے تھے۔ (۱۴ : ۱۸)

۷۔ اہلِ جنت صرف خدا کو پکارا کرتے تھے۔ (۲۸ : ۵۲)

۸۔ فرعون نے کہا کہ میں موسیٰؑ کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اسے کہو کہ اپنے رب کو مدد کے لئے پکارے۔ (۲۶ : ۴۰)

۹۔ مومنین صبح ومسا، خدا کو پکارتے رہتے ہیں۔ (۵۲ : ۶)۔ (۲۸ : ۱۸)

۱۰۔ مومن خدا کے سوا کسی کو نہیں پکارتے۔ (۶۸ : ۲۵)۔ وہ خوف وطمع میں اسی کو پکارتے ہیں۔ (۵۵ : ۷)۔

(۹۰ : ۲۱) ——— (۱۶ : ۳۲)

۱۱- جب اللہ کا بندہ اسے پکارنے کے لئے اٹھتا ہے تو مخالفین اس پر جھپٹ پڑنا چاہتے ہیں۔ (۷۲ : ۱۹)

۱۲- صرف خدا کو پکارو۔ (۱۷ : ۱۱۰)

غیر از خدا کسی کو نہ پکارو

۱- اس دن ایک پکارنے والا ان سے پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے تھے۔ وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دیں گے۔ (۵۲ : ۱۸) - (۶۴ : ۲۸)

۲- میں دون اللہ کو چھوڑ کر صرف خدا کو پکارتا ہوں۔ (۴۸ : ۱۹) - (۲۰ : ۷۲)

۳- خدا کے سوا کسی کو نہ پکارو۔ وہ تمہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ وہ تمہاری مصیبت دور نہیں کر سکتے۔ (۶ : ۷۱)- (۱۰۶ : ۱۰) - (۵۶ : ۱۷) - (۱۲-۱۳ : ۲۲) - (۷۲ : ۲۶) - (۳۸ : ۳۹)

۴- کیا تم خدا کے سوا اوروں کو پکارتے ہو۔ (۴۰ : ۶)۔ ایسا نہ کرو۔ اسی کو پکارو۔ (۴۱ : ۶)

۵- کہو کہ مجھے غیر اللہ کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔ (یہاں خدا کے پکارنے اور اس کی محکومیت اختیار کرنے کو مرادف قرار دیا گیا ہے۔ (۵۶ : ۹) - (۶۶ : ۴۰)

۶- ملائکہ ان کی وفات کے وقت پوچھیں گے کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے۔ (۳۷ : ۷)

۷- جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح کے بندے ہیں (۷ : ۱۹۴)۔ وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ (۷ : ۱۹۷) وہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے۔ (۲۲ : ۷۳) وہ تمہاری بات تک نہیں سن سکتے۔ (۷۲ : ۲۶) وہ ذرہ برابر قوت اور اقتدار کے مالک نہیں۔ (۲۲ : ۳۴) - (۱۳ : ۳۵)۔ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ (۴۰ : ۲۵) (۴۶ : ۴-۵)۔ وہ خود مخلوق ہیں۔ (۲۰ : ۱۶)

۸- یہ لوگ (قومِ حضرت الیاسؑ) بعل کو پکارتے ہیں اور خدائے احسن الخالقین کو چھوڑ رہے ہیں۔ (۱۲۵ : ۳۷)

۹- جنہیں تم پکارتے ہو وہ تمہاری پکار سن تک نہیں سکتے۔ اور اگر بفرضِ محال وہ اسے سن بھی لیتے تو اس کا جواب نہ دے سکتے۔ (۶۴ : ۲۸) - (۱۴ : ۳۵) - (۵ : ۴۶) -

۱۰- قیامت میں مشرکین کہیں گے کہ یہ ہیں وہ جنہیں ہم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے۔ (۱۶ : ۸۶)۔ وہ سب اس وقت غائب غلا ہو جائیں گے۔ (۷۴ : ۴۰) - (۴۸ : ۴۱)

۱۱- خدا کے سوا کسی کو پکارنے والے اپنے اس عقیدہ اور مسلک کے حق میں کوئی دلیل نہیں رکھتے - (۱۱۷ : ۲۳)۔ یہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں - (۶۶ : ۱۰)

۱۲- یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں - (۱۱۷ : ۴) - بلکہ شیطان کو (۱۱۷ : ۴)

۱۳- جنہیں یہ لوگ خدا کے سوا پکارتے ہیں انہیں گالی مت دو، ورنہ جہالت میں خدا کو گالی دیں گے (۱۰۸ : ۶)

۱۴- یہ الٰہ خدا کے مقابلہ میں ان کے کسی کام نہیں آسکتے - (۱۰۱ : ۱۱)

۱۵- انہیں پکارنے کے متعلق بس یوں سمجھو جیسا کوئی پیاسا دریا کے کنارے کھڑا، دریا کی طرف ہاتھ پھیلائے پانی کو پکار رہا ہو۔ اس طرح پانی اس تک نہیں پہنچ سکتا - (۱۴ : ۱۳)

۱۶- جنہیں یہ لوگ خدا سمجھ کر پکارتے ہیں، وہ خود خدا تک پہنچنے کے وسیلے ڈھونڈھتے رہتے ہیں - (۵۷ : ۱۷)

۱۷- جسے بھی خدا کے سوا پکارو وہ باطل ہوگا - (۶۲ : ۲۲) - (۳۰ : ۳۱)

۱۸- جنہیں یہ خدا کے سوا پکارتے ہیں، خدا ان کی حقیقت سے خوب واقف ہے (۴۲ : ۲۹) - وہ کسی امر کا فیصلہ نہیں کر سکتے - (۲۰ : ۴۰) - وہ شفاعت کا اقتدار نہیں رکھتے - (۸۶ : ۴۳)

۱۹- ان سے کہو کہ اپنے معبودوں کو بلاؤ اور پھر جو تدبیر کرنا چاہتے ہو کر دیکھو (۱۹۵ : ۷)

۲۰- خدا کے سوا کسی کو نہ پکارو ورنہ تم پہ عذاب آجائے گا - (۲۱۳ : ۲۶)

انسان مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے۔ پھر بھول جاتا ہے

۱- انسان مصیبت کے وقت بڑے ہی جھکاؤ سے خدا کو پکارتا ہے - اس کے بعد خدا کو بھول جاتا ہے (۱۲ : ۱۰) (۳۳ : ۳۰) - (۸ : ۳۹) - (۴۹ : ۳۹)

۲- حمل کے وقت خدا سے دعائیں کرتے ہیں کہ تندرست، صحیح وسالم بچہ پیدا ہو گیا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے - بعد میں کفر کرنے لگ جاتے ہیں - (۱۸۹ - ۱۹۰ : ۷)

۳- کشتی طوفان میں پھنستی ہے تو گڑگڑانے لگ جاتے ہیں - جب وہ ساحل پہ پہنچ جاتی ہے تو کفر و شرک کرنے لگ جاتے ہیں - (۶۷ : ۱۷) - (۳۲ : ۳۱)

۴- انسان شر کو اس طرح بلاتا ہے جس طرح خیر کو بلایا جاتا ہے - یہ بڑا جلد باز واقع ہوا ہے - (۱۱ : ۱۷) - (۴۹ : ۴۱) - (۵۱ : ۴۱)

مومنین کی دعائیں (آرزوئیں) یہ سب اجتماعی ہیں

۱۔ رب العالمین سے سیدھی۔ ہموار راہ پر چلنے کی دعا۔ (۷ - ۵ : ۱)

۲۔ (ربنا) دنیا میں بھی خوشگواریاں عطا کر اور آخرت میں بھی۔ (۲۰۱ : ۲)

۳۔ (ربنا) بھول چوک سے اگر ہمارا قدم غلط سمت کو اٹھ جائے تو اس کے نقصان سے ہماری حفاظت کر دے۔ ہماری قوتوں میں ایسا اضافہ کر دے کہ ہم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکیں۔ ہماری نشو و نما کا سامان عطا کر دے۔ اور ہمیں ان لوگوں پر غلبہ و نصرت عطا کر دے جو تیرے قوانین سے انکار کرتے ہیں۔ (۲۸۶ : ۲)

۴۔ (ربنا) صحیح راستہ مل جانے کے بعد ہمارے دل غلط سمت کو نہ مڑ جائیں۔ ہمیں سامانِ نشو و نما ملتا رہے (۷ : ۳)

۵۔ مجاہدین کی دعائیں۔ (ربنا) سہواً لغزشوں کے نقصانات سے حفاظت۔ ثابت قدمی۔ اور کفار پر کامیابی۔ (۴۶ : ۳) اس طرح انہیں دنیا اور آخرت کی خوشگواریوں کا حصہ مل گیا۔ (۲۵۰ : ۲)۔ (۱۴۷ : ۳)

۶۔ مومنین کی دعائیں جو کارگہِ کائنات میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ (۱۹۳ - ۱۹۱ : ۳)۔ دعا کی قبولیت یہ کہہ کر کہ میں کسی کام کرنے والے کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتا۔ (۱۹۴ : ۳)

۷۔ جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت، دونوں میں خدا کو پکارنا۔ یہ لوگ اپنے رزق کو دوسروں کی ضروریات کے لئے عام رکھتے ہیں۔ (۱۶ : ۳۲)۔ یہ لوگ قوانینِ خداوندی سے سرتابی نہیں برتتے۔ (۱۶۔۱۵ : ۳۲)

۸۔ صالحین کے زمرے میں شامل ہونے کی آرزو۔ (۸۳ : ۵)۔ قومِ ظالمین کے ساتھ شمار نہ ہو۔ (۴۷ : ۷)

۹۔ سہو و لغزش کے نقصان رساں نتائج سے محفوظ رہنے کی دعائیں۔ ان مومنین کی خصوصیات۔ (۱۶ - ۱۵ : ۳)۔ مومن خدا کو پکارتے تھے۔ یہ جنت میں ہوں گے۔ (۲۸ : ۵۲)

۱۰۔ مکہ کے مظلوم مسلمانوں کی پکار کہ ہمیں اس بستی سے نکال لے اور ہماری مدد کر۔ اس کے جواب میں مدینہ کے مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم ان کی مدد کے لئے کیوں نہیں اٹھتے۔ (۷۵ : ۴)

۱۱۔ حضرت عیسیٰؑ کی دعا کہ انہیں خدا اپنی طرف سے رزق عطا کرے۔ انہیں رزق کے لئے انسانوں کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ نظام ایسا متشکل ہو کہ رزق کے لئے کسی انسان کی محتاجی نہ رہے۔ (۱۱۴ - ۱۱۲ : ۵)

۱۲۔ "آدم" کی پکار کہ ہم نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے۔ ہمیں اس کے تباہ کن نتائج سے محفوظ رکھ۔ (۲۳ : ۷)

۱۳۔ ساحرینِ دربارِ فرعون کی دعا کہ ہمیں ہمت اور استقلال عطا فرما۔ اور مسلم کی موت مار (۱۲۶ : ۷)

۱۴۔ قومِ حضرت موسیٰؑ کی دعائیں کہ ہمیں ظالمین کا تختۂ مشق نہ بنا اور ان کے استبداد سے نجات دے۔ (۱۰ : ۸۵-۸۶)
یہی دعائیں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھیوں کی تھیں۔ (۶۰ : ۴-۵)

۱۵۔ اصحابِ کہف کی دعائیں کہ ان کے پیشِ نظر مہماتِ امور میں انہیں سیدھی راہ مل جائے۔ (۱۸ : ۱۰)

۱۶۔ عذابِ جہنم سے محفوظ رہنے کی دعا۔ (۲۵ : ۶۵)

۱۷۔ بیوی بچوں کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک کی دعا۔ متقین کا امام بننے کی دعا۔ (۲۵ : ۷۴)

۱۸۔ اپنی حفاظت کے لئے بھی دعائیں اور جو لوگ ایمان کے ساتھ پہلے چلے گئے، ان کے لئے بھی نیک آرزوئیں (۵۹ : ۱۰)

۱۹۔ جنت میں پہنچ کر اتمامِ نور کی دعائیں۔ اس سے واضح ہے کہ جنت آخری منزل نہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھا جائے گا۔ (۶۶ : ۸)

۲۰۔ جنت میں وہ سب کچھ ملیگا جو وہ مانگیں گے۔ (۳۶ : ۵۷) - (۳۸ : ۵۱) - (۴۱ : ۳۱) - (۴۴ : ۵۵)

۲۱۔ جنت میں ان کی پکار سلامتی کی ہوگی۔ اور آخری پکار اَنِ الحمد للہ رب العالمین۔ (۱۰ : ۱۰)

(نوٹ :۔ غور کیجئے کہ مومنین کی سب دعائیں اجتماعی ہیں۔ انفرادی ایک بھی نہیں)

حضرات انبیاءکرام کی دعائیں

۱۔ حضرت زکریاؑ کی اپنے رب سے اولاد کے لئے دعا۔ (۳ : ۳۷) - (۱۹ : ۴-۵) - یہ دعا اس طرح پوری ہوئی تھی کہ ان کی بیوی جو بانجھ تھی، اس کا نقص دور ہوگیا تھا۔ (۱۹ : ۱-۱۰) - (۲۱ : ۸۹-۹۰)

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا (آرزو) کہ ان کے والد صحیح راستے پر آجائیں۔ (۱۹ : ۴۸) - یہ دعا قبول نہیں ہوئی تھی۔

۳۔ حضرت نوحؑ کی دعا کہ کشتی سلامتی سے کنارے پر لگے۔ (۲۳ : ۲۹) - (۴) حضرت سلیمانؑ کی عملِ صالح کیلئے دعا۔ (۲۷ : ۱۹)

۵۔ حضرت نوحؑ نے مخالفین کے خلاف خدا کو پکارا۔ (۱۱ : ۴۵) - (۲۱ : ۷۶) - (۲۳ : ۲۶) - (۳۷ : ۷۵-۷۶) - (۵۴ : ۱۰)

۶۔ تعمیرِ کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی دعائیں۔ حصولِ رزق۔ مسلم رہنے کی آرزو۔ اپنی ذریت میں ایک رسول کی بعثت کی دعا۔ (۲ : ۱۲۶-۱۲۹) - (۱۴ : ۳۷-۴۱)

۷۔ حضرت شعیبؑ کی دعا کہ ہم میں اور ان مخالفین میں فیصلہ کر دے۔ (۷ : ۸۹)

۸۔ حضرت موسیٰؑ کی دعا کہ قومِ فرعون تباہ و برباد ہو جائے۔ (۱۰ : ۸۹) - (۴۴ : ۲۲)

۹۔ انبیاءؑ کرام خدا کو بیم و رجا کے عالم میں پکارتے تھے۔ (۹۰ : ۲۱)

۱۰۔ حضرت ایوبؑ نے خدا کو پکارا۔ (۸۳ : ۲۱)۔(۴۱ : ۳۸)—— (۱۱) حضرت یونسؑ نے خدا کو پکارا۔ (۸۸۔۸۷ : ۲۱)۔(۴۸ : ۶۸)

۱۲۔ رسول اللہؐ کی دعا رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا۔ (۱۱۴ : ۲۰) ———— (۱۳) خدا سمیع الدعا ہے (۳۸ : ۳)۔(۳۹ : ۱۴)

۱۴۔ جب حضرت موسٰیؑ نے دعا کی کہ انہیں فرعون کے خلاف کامیابی عطا ہو، تو جواب میں کہا کہ ہم نے تمہاری دعا سن لی ہے۔ (یا قبول کر لی ہے) اب تمہارے لیے ضروری ہے کہ اپنے پروگرام پر جم کر کھڑے ہو جاؤ اور ان لوگوں کا اتباع مت کرو جنہیں علم نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ دعا کی قبولیت کے یہ معنی نہیں کہ اس کے بعد انسان کو خود کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ انسان کو اس کے لئے نہایت استقامت سے مصروفِ سعی و عمل رہنا ہوگا۔ (۸۹ : ۱۰)۔(۴۲ : ۱۰)

دعا (آرزو) اور عمل (کام) کا رشتہ

۱۔ مومنین کی دعا کے بعد کہا کہ خدا نے ان کی دعا قبول کر لی۔ کیونکہ وہ کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا۔ اس کے بعد ان کی ہجرت اور جہاد کا ذکر ہے۔ (۱۹۴۔۱۹۱ : ۳)

۲۔ خدا کو پکارو۔ اور ملک میں فساد مت برپا کرو۔ اس کے قوانین کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ (۵۶۔۵۵ : ۷)

۳۔ حضرت موسٰیؑ سے کہا کہ ہم نے تیری دعا قبول کر لی ہے۔ (یعنی وہ ہمارے پروگرام کے مطابق ہے) اب تم ثابت قدمی سے کام لینا۔ اور ان لوگوں کا اتباع نہ کرنا جنہیں حقیقت کا علم نہیں۔ (۸۹ : ۱۰)

۴۔ قلبِ مضطر کو تسکین، خدا کو پکارنے سے ملتی ہے۔ یہ تسکین استخلاف فی الارض سے حاصل ہوتی ہے۔ (۶۲ : ۲۷) اور استخلاف فی الارض مشروط ہے ایمان اور اعمالِ صالح سے۔ (۵۵ : ۲۴)

۵۔ مومن خدا کو پکارتے ہیں اور اپنا رزق، دوسروں کی نشوونما کے لئے عام کر دیتے ہیں۔ (۱۶ : ۳۲)

۶۔ حضرت نوحؑ نے اپنے مخالفین کے خلاف خدا کو پکارا تو انہیں کشتی بنانے کا حکم دیا گیا (۲۷ : ۲۳)۔(۶۵ : ۳۷)

۷۔ جو لوگ قوانینِ خداوندی سے سرتابی اختیار نہیں کرتے ان کی دعائیں قبول —— ہوتی ہیں۔ (۱۶۔۱۵ : ۳۲) —— (۶۰ : ۴۰)۔ یعنی جو خدا کی پکار کو قبول کرتے ہیں۔ خدا ان کی پکار کو قبول کرتا ہے (۱۸۶ : ۲)

۸۔ اطاعت کو خدا کے لئے مخصوص کرتے ہوئے اسے پکارو۔ (۲۹ : ۷)۔(۱۴ : ۴۰)۔(۶۵ : ۴۰)

۹۔ خدا ان کی دعائیں قبول کرتا ہے جو ایمان اور اعمالِ صالح والے ہوں۔ یعنی ان کے ایمان و اعمالِ صالح کا نتیجہ ان کی آرزوؤں کی برآری ہوتا ہے۔ (۲۶ : ۴۲)

۱۰۔ کوئی شخص اگر دریا کے کنارے کھڑا پانی پانی کہتا رہے تو پانی اس کے منہ میں نہیں آجائے گا۔ اس کی شدتِ پیاس بجا، لیکن پانی تو اپنی کوشش ہی سے حاصل ہو سکے گا۔ (۱۴: ۱۳)

۱۱۔ جو خدا کے قانون سے انکار کرے اس کی دعا رائیگاں جاتی ہے۔ (۱۴: ۱۳)

۱۲۔ خدا کی رحمت تو انہی کے قریب ہوتی جو حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۵۶: ۷)

۱۳۔ مکہ کے مظلوم خدا کو مدد کے لئے پکارتے ہیں اور خدا مدینہ کے مسلمانوں سے کہتا ہے کہ تم ان کی مدد کے لئے کیوں نہیں اٹھتے (۷۵: ۴)

۱۴۔ خدا کو پکارنے کے معنی ہیں، اس کی راہ نمائی کے مطابق چلنا اور اپنی پست خواہشات سے بچنا۔ (۷۱: ۶) نیز اس کے معنی محکومیت (عبودیت) اختیار کرنا ہیں۔ (۶۰: ۴۰)

دعوت الی اللہ

۱۔ اس سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف دعوت دے اور عملِ صالح کرے اور کہے کہ میں مسلم ہوں۔ (۳۳: ۴۱)

۲۔ رسول اس بات کی طرف دعوت دیتا ہے جو تمہیں زندگی عطا کرے۔ (۲۴: ۸)۔ مومن لبیک کہتے ہیں۔ (۵۱: ۲۴)۔ رسول کی دعوت کو عام لوگوں کی دعوت جیسا نہ سمجھو۔ (۶۳: ۲۴)

۳۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میں نے انہیں دن رات تیری طرف دعوت دی لیکن یہ ایک نہیں سنتے (۵-۸: ۷۱)

۴۔ اے رسول! ان سے کہہ کہ یہ ہے میرا راستہ جس کی طرف میں تمہیں علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتا ہوں۔ (۱۰۸: ۱۲)

۵۔ میں تمہیں بھی خدا کی طرف بلاتا ہوں اور خود بھی اسی کی طرف اپنا رخ کرتا ہوں۔ (۳۶: ۱۳)

۶۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کا خطاب۔ میں تمہیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ تم مجھے جہنم کی طرف بلاتے ہو۔ (۴۲: ۴۰)

۷۔ تم انہیں ہزار ہدایت کی طرف دعوت دو، یہ کبھی بھی اس طرف نہیں آئیں گے۔ (۱۹۳: ۷)۔ (۱۹۸: ۷)۔ (۹: ۱۴) — (۵۷: ۱۸)۔ (۴۵: ۲۱)۔ (۵: ۴۱)

۸۔ تم خدا کو پکارو اور معبودانِ باطل کو بھول جاؤ۔ وہ تمہاری مصیبت کو رفع کر دیگا۔ (۴۱: ۶)

۹۔ قومِ ثمود نے حضرت صالحؑ سے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ ہم انہیں پکارنا چھوڑ دیں جنہیں ہمارے اسلاف پکارتے چلے آئے ہیں۔ ان کے برعکس جو دعوت تم ہمیں دیتے ہو، ہمیں اس کی صداقت میں شبہ ہے۔ (۶۲: ۱۱)

۱۰۔ تمہاری دعوت صراطِ مستقیم کی طرف ہے۔ (۷۳: ۲۳) —— (۱۱)۔ تمہاری دعوت مشرکین پر بڑی گراں گذرتی ہے۔ (۱۳: ۴۲)

۱۲۔ خدا تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ یہ لوگ تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ (۲۲۱: ۲)۔ یہ بات نکاح کے انتخاب کے سلسلہ میں کہی گئی ہے۔

۱۳۔ اللہ دارالسلام کی طرف دعوت دیتا ہے۔ (۲۵ : ۱۰) —— (۱۴) خدا تمہیں دعوت دیتا ہے کہ تمہاری حفاظت کا سامان عطا کر دے (۱۰ : ۱۴)

۱۵۔ رسول کی دعوت، ایمان باللہ کی دعوت ہے (۸ : ۵۷) —(۱۶) امت مسلمہ کی دعوت، خیر کی طرف دعوت ہے (۱۰۴ : ۳)

۱۷۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ یہ عورتیں مجھے جس طرف بلاتی ہیں اس کے مقابلہ میں، میں جیل خانہ کو ترجیح دیتا ہوں۔ (۳۳ : ۱۲)

۱۸۔ اپنے رب کی طرف حکمت اور موعظتِ حسنہ کے ساتھ دعوت دو۔ (۱۲۵ : ۱۶)

۱۹۔ اے رسول! تم اپنے رب کی طرف دعوت دیئے جاؤ۔ (۶۸ : ۲۲)۔ (۸۷ : ۲۸)۔ (۱۵ : ۴۲)

۲۰۔ خدائے واحد کی طرف دعوت۔ (۱۲ : ۴۰)۔ ایمان کی طرف دعوت۔ (۱۰ : ۴۰)

۲۱۔ اسلام کی طرف دعوت۔ (۷ : ۶۱)۔ کتاب اللہ کی طرف دعوت۔ (۲۳ : ۳)

۲۲۔ دعوت الی السجود۔ یعنی قوانینِ خداوندی کی اطاعت۔ (۴۳ : ۶۸)

۲۳۔ وہ دعوت جس میں کوئی کجی یا پیچیدگی نہیں۔ (۱۰۸ : ۲۰)

۲۴۔ اے میری قوم! داعیٔ الی اللہ کی دعوت پر لبیک کہو۔ (۳۲-۳۱ : ۴۶)

۲۵۔ رسول اللہ داعیاً الی اللہ تھے (۴۶ : ۳۳) (۲۶) تم نہ مُردوں کو سنا سکتے ہو، نہ بہروں کو۔ (۸۰ : ۲۷)۔ (۵۲ : ۳۰)

۲۷۔ لہٗ دعوۃُ الحق۔ (۱۴ : ۱۳)

متفرق

۱۔ وحی کی راہ نمائی کے بغیر انسان فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اس کے لئے کون سا راستہ بھلائی کا ہے۔ وہ جب اپنے جذبات کے تابع چلتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں کی بھی آرزو کرتا ہے جو درحقیقت اس کے لئے خرابی کا موجب ہوتی ہیں۔ (۱۱ : ۱۷) —— (۲)۔ ملائکہ کی دعائیں مومنین کے لئے۔ (۷ : ۴۰)

۳۔ اہلِ جہنم فرشتوں سے کہیں گے کہ ہمارے لئے خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس خدا کے احکام و قوانین نہیں آئے تھے؟ (۵۰-۴۹ : ۴۰) اس سے ظاہر ہے کہ مومنین کے لئے فرشتوں کی دعاؤں سے کیا مفہوم ہے۔

۴۔ عذاب دیکھ کر، مخالفین کی دعائیں (چیخ پکار) کہ ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا فرما۔ (۴۴ : ۱۴)۔ (۱۰۷ : ۲۳)۔ (۹۳ : ۲۸)۔ (۱۲ : ۳۲)۔ (۷۶ : ۳۳)۔ (۳۷ : ۳۵)۔ (۱۶ : ۳۸)۔ (۶۱ : ۳۸)۔ (۱۱ : ۴۰)۔ (۵۰-۴۹ : ۴۰)۔ (۲۹ : ۴۱)۔ (۱۲ : ۴۴)۔

۵۔ قومِ سبا کی آرزو کہ ساری دنیا کی دولت سمٹ کر ان کے ہاں آجائے لیکن وہ مستقل اقدار کے پابند نہیں رہنا چاہتے تھے (۳۴:۱۹)
۶۔ کفار کا خدا کو پکارنا رائیگاں جاتا ہے۔ (۱۳ : ۱۴) - (۴۰ : ۵۰)
۷۔ تقلید کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے ایک گڈریا اپنی بھیڑوں کو آواز دے رہا ہو۔ وہ آواز جس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ وہ بس ایک اشارہ ہوتا ہے جس پر بھیڑیں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ (۲ : ۱۷۰ - ۱۷۱)
۸۔ انسان اپنے لئے منفعت کی دعاؤں سے تھکتا ہی نہیں۔ (۱۱ : ۱۷) -(۴۹ : ۴۱)-(۵۱ : ۴۱)
۹۔ انسان مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر یوں منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے کبھی خدا کو پکارا ہی نہ تھا۔ (۶ : ۶۳-۶۴) -(۷ : ۱۸۹ - ۱۹۰) -(۱۰ : ۱۲،۲۲) -(۲۹ : ۶۵) -(۳۰ : ۳۳) (۳۲ : ۳۱) - (۳۹ : ۴۹)
۱۰۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہمارے لئے خدا سے یہ کچھ کھانے کے لئے مانگو۔ (۲ : ۶۱) اور گائے ذبح کرنے کے سلسلہ میں، گائے کی تفاصیل کے لئے بھی یہی کچھ کہا۔ (۲ : ۶۸ - ۷۰) - قومِ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ خدا سے دعا کرو کہ وہ ہم پر سے عذاب اٹھالے۔ (۷ : ۱۳۴) - (۴۳ : ۴۹)

۵۔ دنیا

(نیز دیکھئے ارض۔ تمکن۔ استخلاف وغیرہ)

دنیا۔ (مادہ۔ د۔ ن۔ و) اس کے بنیادی معنی قریب ترین چیز کے ہیں اور اس کے عام معنی ہیں یہ طبیعی دنیا جس میں انسان بستا ہے۔ اس کے لئے لفظ ارض بھی آیا ہے۔

قرآن کریم کے پیش کردہ تصورِ حیات کی رُو سے انسان عبارت ہے اس کے جسم اور اس کی ذات سے۔ مقصودِ حیات، انسانی ذات کا نشو و نما ہے تاکہ یہ مرنے کے بعد، زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہوسکے۔ اس کی نشو و نما ان اقدار کے احترام اور پابندی سے ہوسکتی ہے جنہیں قرآن کریم بطور مستقل اقدار عطا کرتا ہے۔ لیکن زندگی کی موجودہ سطح پر انسانی ذات کی نشو و نما، انسانی جسم کے اندر رہتے ہوئے ہوسکتی ہے۔ اس لئے انسانی جسم کی پرورش اور نشو و نما بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کی پرورش اور نشو و نما اس کے طبیعی تقاضوں کے پورا کرنے سے ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے، انسان کی دنیاوی زندگی کا بہتر ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس مقام پر، قرآن کریم کی تعلیم، دنیا کے مذاہب سے الگ اور ممتاز ہو جاتی ہے جو دنیا اور اس کی جاذبیتوں کو

قابلِ نفرت قرار دیتے ہیں۔ اور ان کے ترک کر دینے میں "انسانی نجات" کا راز سمجھتے ہیں۔ قرآن، دنیاوی زندگی کے تقاضوں کو اسکے پروگرام کا جزو قرار دیتا ہے اور ان کا پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے کسی دنیاوی زندگی کے تقاضے اور مستقل قدر میں باہمی ٹکراؤ ہو جائے۔ جب ایسا ہو تو پھر اس مستقل قدر کے تحفظ کے لئے، طبیعی تقاضے کو قربان کر دینا چاہیئے تاکہ انسان کی ذات کی نشو و نما نہ رک جائے اور یوں اس کی اُخروی زندگی تباہ نہ ہو جائے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں اسے "حیات الدنیا" اور حیات الآخرۃ" کا تقابل کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں وہ کہتا ہے کہ حیاتِ دنیا اور اس کی متاع کی قیمت مقابلۃً بڑی حقیر ہوتی ہے۔ جو لوگ متاعِ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں اور مستقل اقدار (یعنی اپنی ذات کے مفاد) کی حفاظت نہیں کرتے، انہیں وہ سخت خسارے میں قرار دیتا ہے۔ کیونکہ وہ عاجلہ مفاد کو مستقل مفاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ عاجلہ مفاد (یعنی انسان کی طبیعی زندگی سے متعلق سامان نشو و نما) طبیعی قوانین کے مطابق حاصل ہو سکتے ہیں اور اس میں کافر و مومن کی کوئی تمیز نہیں۔ جو بھی ان قوانین کے مطابق کام کرے گا، اسے یہ مفاد حاصل ہو جائیں گے لیکن جو شخص انہی مفاد کو زندگی کا مقصد بنائے گا اور مستقل اقدار (یا حیاتِ اُخروی) کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اس کی اگلی زندگی تباہ ہو جائے گی۔

لہٰذا، قرآن کی رو سے، حیاتِ انسانی کا مقصد یہ ہے کہ طبیعی قوانین کے مطابق کام کر کے فطرت کی قوتوں کو مسخر کیا جائے اور ان کے ماحصل کو مستقل اقدار کے مطابق صرف کیا جائے۔ اس سے ہمارے سامنے تین گروہ آ جاتے ہیں:-

۱۔ جو لوگ قوانینِ طبیعی کے مطابق کام کرنے سے متاعِ دنیا حاصل کریں اور انہیں مستقل اقدار کے مطابق صرف کریں، ان کی دنیاوی زندگی بھی درخشندہ ہوگی اور اُخروی زندگی بھی تابناک۔ انہیں مومن کہا جائے گا۔

۲۔ جو لوگ قوانینِ طبیعی کے مطابق کام کر کے متاعِ دنیا حاصل کریں۔ لیکن مستقل اقدار کی پرواہ نہ کریں، ان کو دنیاوی مفاد حاصل ہو جائینگے۔ لیکن اُخروی زندگی تاریک رہے گی۔ انہیں کافر کہا جاتا ہے۔ یعنی مستقل اقدار کے منکر۔

۳۔ جو لوگ طبیعی قوانین کے مطابق کام نہ کریں، انہیں متاعِ حیات حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے ان کی دنیاوی زندگی تاریک ہوگی۔ اور جب انہوں نے متاعِ حیات ہی حاصل نہیں کی تو اسے مستقل اقدار کے مطابق صرف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ اس لئے ان کی اُخروی زندگی بھی تاریک ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیاوی زندگی کو قابلِ نفرت قرار دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں دیگر متعلقہ عنوانات۔ مثلاً رزق۔ حکومت (استخلاف)۔ فضل۔ تسخیرِ کائنات، معاشی نظام۔ آخرت بھی دیکھنے ضروری ہیں۔

دنیاوی زندگی کی آسائشیں خدا کا انعام ہیں

۱۔ جو دنیاوی مفاد چاہتا ہے اسے سمجھ لینا چاہئے کہ خدا کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کے مفاد ہیں (۱۳۴ : ۴)

۲۔ حسن کارانہ انداز سے زندگی بسر کرنے والوں کی یہ دنیا خوشگوار ہوتی ہے۔ (۱۰ : ۳۹)

۳۔ قارون سے لوگوں نے کہا کہ تم بے شک دنیاوی مفاد میں بھی اپنا حصہ رکھو لیکن مستقل اقدار کو فراموش نہ کرو۔ (۷۷ : ۲۸)

۴۔ تمکن فی الارض خدا کی نعمت ہے۔ (۱۰ : ۷) - (۱۲۹ : ۷) - (۱۳۷ : ۷) - (۲۶ : ۸) - (۵۶ ؛ ۲۱ : ۱۲) -
(۱۰۱ : ۱۲) - (۸۴ : ۱۸) - (۵-۶ : ۲۸)

بنی اسرائیل کے لئے تمکن فی الارض۔ (۲۱ : ۵) —— (۱۰۴ : ۱۷)

جماعتِ مومنین کے لئے تمکن فی الارض۔ (۲۶ : ۸) —— (۴۱ : ۲۲) —— (۲۷ : ۳۳)

یہ ایمان و عملِ صالح کا لازمی نتیجہ ہے۔ (۹۷ : ۱۶) …… (۵۶ : ۲۴)

ارض خدا کی ہے۔ انہیں ملتی ہے جو قانونِ مشیت کے مطابق اسے حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرے (۱۲۸ : ۷) - (۱۰۵ : ۲۱)

۵۔ دنیا میں اقتدار اور ایک دوسرے پر فضیلت۔ (۱۶۶ : ۶) - (۱۴ : ۱۰) - (۹۲ : ۲۷) - (۳۹ : ۳۵)

۶۔ حضرات انبیاء کے مخالفین کی تباہی اور تمکن فی الارض۔ (۱۴ : ۱۴)

۷۔ حضرت داؤدؑ، صاحبِ اقتدار تھے۔ (۲۶ : ۳۸)

۸۔ وہ کون ہے جو دنیاوی زینت کی چیزوں کو حرام قرار دے۔ (۳۲ : ۷)

۹۔ "آدم کی جنت" میں خوراک - لباس - مکان - بلا جگر پاش مشقتوں کے ملتا تھا۔ (۱۱۸ - ۱۱۷ : ۲۰)

۱۰۔ دنیا میں آدم" کے لئے مستقر اور ایک مدت کے لئے متاع ہے۔ (۳۶ : ۲) - (۱۰ : ۷) - (۲۴ : ۷)

۱۱۔ ایمان اور تقویٰ سے ارض و سما کی برکات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (۹۶ : ۷)۔ امتیازی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ (۲۹ : ۸)۔ متاعِ حسنہ ملتی ہے۔ (۳ : ۱۱) : (۵۲ : ۱۱)۔ حالت سنور جاتی ہے۔ (۱-۳ : ۴۷) مال و دولت میں ترقی ہوتی ہے۔ (۱۰-۱۲ : ۷۱)۔ زمین و آسمان سے کھانے کو ملتا ہے۔ (۶۶ : ۵)۔ عزت کی روٹی ملتی ہے۔ (۴ : ۸)

۱۲۔ نزولِ قرآن سے مقصد یہ ہے کہ مومنین کو ثبات و استحکام نصیب ہو جائے۔ (۱۰۲ : ۱۶)

۱۳۔ بھوک اور خوف خدا کا عذاب ہے (۱۱۲ : ۱۶) اس سے نجات مل جانا خدا کا انعام ہے۔ (۱-۵ : ۱۰۶)

۱۴۔ محلات اور قلعے خدا کا انعام ہیں۔ (۷ : ۷۴)

۱۵۔ قرآنی پروگرام کے مطابق عمل کرنے سے اسی دنیا میں کامیابی سامنے آجاتی ہے (۶ : ۱۳۶)۔(۱۱ : ۹۳)۔(۳۹ : ۳۹)

۱۶۔ مومنین کو دنیا میں، صحیح نظریۂ زندگی پر زندگی پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ثبات واستحکام حاصل ہوجاتا ہے (۱۴ : ۲۷)

دنیاوی آسائشوں سے محرومی خدا کا عذاب ہے

۱۔ خوف اور بھوک خدا کا عذاب ہے۔ (۱۶ : ۱۱۲)

۲۔ جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتیگا اس کی معیشت تنگ ہو جائے گی۔ اور جس کی یہاں معیشت تنگ ہو جاتی ہے اسے آخرت میں بھی اندھا اٹھایا جاتا ہے۔ (۲۰ : ۱۲۴)۔ یہاں کا اندھا، وہاں بھی اندھا ہوتا ہے۔ (۱۷ : ۷۲)

۳۔ دنیاوی زندگی میں ذلت خدا کا عذاب ہے۔ (۲ : ۶۱)۔(۲ : ۸۶)۔(۲ : ۱۴۴)۔(۳ : ۱۱۱)۔(۵ : ۳۳)۔(۵ : ۴۱)۔(۷ : ۱۵۲)۔(۹ : ۲)۔(۳۹ : ۲۶)۔(۱۶ : ۴۱)۔ اس عذاب سے محفوظ رہنا خدا کی رحمت ہے۔ (۱۱ : ۶۶)

۴۔ حسنات سے عزت ملتی ہے۔ سیّآت سے ذلت۔ (۱۰ : ۲۶)

۵۔ ایمان لے آنے سے ذلت کا عذاب اٹھا لیا جاتا ہے۔ (۱۰ : ۹۸)

۶۔ غلط معاشی نظام سے ذلت نصیب ہوتی ہے۔ (۸۹ : ۱۶ - ۲۰)

۷۔ قوانینِ خداوندی کا اتباع نہ کرنے سے ذلت وخواری چھا جاتی ہے۔ (۲۰ : ۱۲۴)۔ جو اس طرح ذلیل ہو جائے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ (۲۲ : ۱۸)

۸۔ جنگ میں شکست اور ذلت کا عذاب۔ (۹ : ۲؛ ۱۴)۔(۹ : ۲۶)

۹۔ کائنات پر غور وفکر کرنے سے قومیں ذلت سے محفوظ ہوجاتی ہیں۔ (۳ : ۱۸۹ - ۱۹۱)

۱۰۔ کفار کو چیلنج، کہ دیکھو! ذلت آمیز عذاب کس پر آتا ہے۔ (۳۹ : ۳۹ - ۴۰)

۱۱۔ منافقین کو دنیا میں عذاب۔ (۹ : ۵۵)۔(۲۲ : ۱۱)

۱۲۔ قحط سالی اور پیداوار کی کمی خدا کا عذاب ہے۔ (۷ : ۱۳۰)

۱۳۔ شکر سے نعمتوں میں اضافہ۔ کفران سے عذاب۔ (۱۴ : ۷)۔ کفرانِ نعمت کرنے والے لیڈر قوم کو ذلت ورسوائی کے جہنم میں لے جاتے ہیں۔ (۱۴ : ۲۸-۲۹)

۱۴۔ اقوام کی اس دنیا میں تباہی۔ (۱۰ : ۵۰) — (۱۱ : ۶۷) — (۱۱ : ۹۴) (۱۶ : ۴۵)
(۱۸ : ۵۷-۵۹) — (۱۹ : ۷۳-۷۶) — (۲۶ : ۱۴۶-۱۵۱) — (۲۸ : ۵۸)

۱۵۔ لوگوں کے غلط اعمال سے دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے اور وہ پھر اس کا مزہ چکھتے ہیں۔ (۳۰ : ۴۱-۴۲)۔ باغ والوں کی مثال۔ (۱۸ : ۳۲-۴۴) — (۶۸ : ۱۷-۳۳)

۱۶۔ سامری کی سزا یہ تھی کہ اُسے اچھوت قرار دے دیا گیا۔ (۲۰ : ۹۷)

مومنین کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں

۱۔ جو دنیا کی متاع چاہتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا کے ہاں دنیا اور آخرت دونوں کے مفاد ہیں۔ (۳ : ۱۴۴) — (۳ : ۱۵۱) — (۴ : ۱۳۴)

۲۔ دنیا کی زینت کی چیزوں کو کون حرام قرار دے سکتا ہے یہ یہاں بھی مومنوں کو ملیں گی اور آخرت میں انہی کے لئے مخصوص ہوں گی۔ (۷ : ۳۲)

۳۔ مومنین کے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں ہیں۔ (۲ : ۲۰۱)۔ (۷ : ۱۵۶)۔ (۱۰ : ۶۲-۶۵) (۱۶ : ۳۰)۔ (۴۰ : ۵۱) — (۴۱ : ۳۰-۳۱)۔ دونوں میں ثبات و استحکام ملتا ہے۔ (۱۴ : ۲۷)۔ ارض و سما کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (۳ : ۱۴۷)۔ (۷ : ۹۶)۔

۴۔ دنیا اور آخرت دونوں کی بابت غور و فکر کرنا چاہیئے۔ (۲ : ۲۲۰)

۵۔ خدا مومنین کا دنیا اور آخرت دونوں میں سرپرست ہوتا ہے۔ (۱۲ : ۱۰۱)۔ انہیں دونوں میں مدد دیتا ہے۔ (۲۲ : ۱۵)۔ اس کی رحمت ہوتی ہے۔ (۴ : ۱۳۴) — (۲۴ : ۱۴)

۶۔ ہجرت کرنے والوں کی یہ دنیا بھی خوشگوار اور آخرت بھی۔ (۱۶ : ۴۱)

۷۔ جنت بھی اور فتح قریب بھی۔ (۶۱ : ۱۰-۱۳)

۸۔ مومن اور کافر کی نہ زندگی ایک جیسی ہو سکتی ہے نہ موت۔ (۴۵ : ۲۱)

۹۔ حضرت ابراہیمؑ کو دنیا میں بھی منتخب کیا اور آخرت میں بھی۔ (۲ : ۱۳۰)۔ (۱۶ : ۱۲۱) — (۲۹ : ۲۷)

۱۰۔ حضرت عیسےٰؑ وجیہاً فی الدنیا والآخرۃ۔ (۳ : ۴۴)

۱۱۔ بیوی بچے آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں لیکن مقصد متقیوں کا امام بننا ہے۔ (۲۵ : ۷۴)

۱۲۔ جیسے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں، اس کے برابر وہ کیسے ہو سکتا ہے جسے صرف متاعِ دنیا حاصل ہو
اور اس کی آخرت تاریک ہو۔ (۶۱ : ۲۸)

دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب

۱۔ جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتتا ہے اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے اور وہ آخرت میں بھی اندھا ہی اٹھایا جاتا ہے۔
(۱۲۴ : ۲۰)۔ یہاں کا اندھا وہاں کا بھی ہی ہوتا ہے۔ (۱۷ : ۷۲)

۲۔ کتاب کے ایک حصے پہ ایمان لانے اور دوسرے سے انکار کرنے سے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب ہوتا ہے (۸۵-۸۶:۲)

۳۔ اسلامی نظام کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب۔ (۳۳ : ۵) - (۷۴ : ۹)
(۳۳ : ۵۷) - (۵۲ : ۴۷) - (۶۸ : ۴۴)

۴۔ خدا کی راہ سے روکنے والوں کا یہی انجام ہوگا۔ (۱۱۴ : ۲) - (۲۲-۱۹ : ۱۱) - (۳۴ : ۱۳) - (۵ : ۲۷)
(۲۶ : ۳۹) - (۴۰ : ۳۹)

۵۔ مومن عورتوں کے خلاف ناحق تہمت لگانے والے۔ (۲۳ : ۲۴) فواحش پھیلانے والے (۱۹ : ۲۴)۔ (ان مقامات
میں اور ۳ میں۔ دنیا کا عذاب، حکومت کی طرف سے سزا کے طور پہ وارد ہوتا ہے۔)

۶۔ منافقین اور کفار سے جنگ کرو۔ انہیں دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی۔ (۷۴ : ۹)

۷۔ یہودیوں کی سزا۔ (۲۰-۲۱ : ۳) - (۴۱ : ۵) - (۳ : ۵۹)

۸۔ خدا کے بارے میں ناحق جھگڑنے والے۔ (۹ : ۲۲)

۹۔ تذبذب کی حالت میں رہنے والوں کا انجام۔ (۱۱ : ۲۲)۔ منافقین کا۔ (۶۹ : ۹)

۱۰۔ مرتد کے اعمال، دنیا اور آخرت دونوں میں رائیگاں جاتے ہیں۔ (۲۱۷ : ۲)

۱۱۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ اگر (بفرضِ محال) تو ان کفار کی طرف ذرا سا بھی جھک جاتا تو تمہیں دنیا اور آخرت دونوں میں
دگنی سزا ملتی۔ (۷۴-۷۵ : ۱۷)

۱۲۔ سرکش اور جابر آخر الامر ناکام رہتے ہیں اور پھر انہیں جہنم کا عذاب بھی ملتا ہے۔ (۱۵-۱۶ : ۱۴)

۱۳۔ اقوامِ سابقہ کی اس دنیا میں تباہی اور پھر آخرت کا عذاب۔ (۶۰ : ۱۱) - (۷۶ : ۱۱) - (۹۴ : ۱۱) -
(۹۹ : ۱۱) - (۲۶-۲۷ : ۱۶) - (۵۷-۵۹ : ۱۸) - (۴۲ : ۲۸) - (۱۶ : ۴۱)

۱۴۔ حضرت عیسٰیؑ کی تعلیم سے انکار کرنے والوں (خانقاہیت کے پرستاروں) کو دنیا اور آخرت میں عذاب۔ (۵۵ : ۳)

دنیاوی مفاد اور مستقل اقدار (آخرت) میں تصادم کے وقت مستقل اقدار کو ترجیح دینی چاہیئے

حیٰوۃ الدنیا اور حیاتِ آخرت کا تقابل

۱۔ بیوی بچے آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں لیکن مقصد امام المتقین بننا ہے۔ (۷۴ : ۲۵)

۲۔ تم (جنگ کے وقت) صرف مفادِ دنیا چاہتے تھے، لیکن خدا چاہتا تھا کہ تمہاری نگاہ آخرت پر رہے (۶۷ : ۸)-(۳۸ : ۹)

۳۔ جو اس طرح کے تصادم کے وقت صرف دنیا چاہتا ہے، اسے دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ لیکن جو آخرت کو ترجیح دیتا ہے اس کی عاقبت خوشگوار ہو جاتی ہے۔ (۲۰ : ۴۲)

۴۔ لوگ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتے ہیں اور جب اس سے نجات مل جاتی ہے تو اس سے سرکشی برتنے لگ جاتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ مفادات جن کی خاطر وہ ایسا کرتے ہیں عارضی ہیں۔ آخری فیصلے خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق ہوتے ہیں۔ (۲۳ : ۱۰)

۵۔ دنیاوی متاع وجۂ کشش ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم مستقل اقدار کے ساتھ ٹکراؤ کے وقت کیا کرتے ہو۔ (۷ : ۱۸)

۶۔ جو مستقل اقدارِ حیات کو بیچ کر متاعِ دنیا خرید لیتے ہیں، وہ سخت تباہی میں جا گرتے ہیں۔ (۸۶ : ۲) — (۴۱ : ۴۷) — (۷۵ : ۱۶)

۷۔ جو مفادِ آخرت کے مقابلہ میں متاعِ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ سخت گمراہی میں ہیں۔ (۳ : ۱۴) - (۹۶-۹۵ : ۱۲) (۱۰۹-۱۰۷ : ۱۶) - (۸۱-۷۹ : ۲۸) - (۳۸-۳۷ : ۷۹) - (۱۷-۱۶ : ۸۷)

۸۔ مستقل اقدار سے انکار کرنے والوں کو دنیاوی مفاد بہت دیدہ زیب نظر آتے ہیں۔ (۲۱۲ : ۲)

۹۔ جسے دنیا اور آخرت دونوں کی خوشگواریاں حاصل ہوں اس کے برابر وہ کیسے ہو سکتا ہے جسے صرف متاعِ دنیا حاصل ہو اور اس کی آخرت تاریک ہو۔ (۶۱ : ۲۸)

۱۰۔ دنیاوی مفاد اور مفادِ اُخروی کا مقابلہ ہو، تو دنیاوی مفاد ہیچ ہو جاتے ہیں بہت کم قیمت۔ (۱۴-۱۳ : ۳) — (۷۷ : ۴) - (۳۸ : ۹) - (۲۶ : ۱۳) - (۹۶-۹۵ : ۱۶) - (۴۶-۴۵ : ۱۸) - (۶۰ : ۲۸) - (۳۹ : ۴۰) (۳۶ : ۴۲) - (۳۵ : ۴۳) - (۳۶ : ۴۷) - (۲۰ : ۵۷)

۱۱۔ حیاتِ اخروی کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی لہو ولعب کی حیثیت رکھتی ہے (۳۲-۳۱ : ۶) - (۶۴ : ۲۹) - (۸۳ : ۴۳) - (۳۵ : ۴۷) - (۲۰ : ۵۷) - جو کچھ خدا سے ملتا ہے وہ لہو اور تجارت سے زیادہ نفع بخش ہے - (۱۱ : ۶۲) - "حیات" کہلانے کی مستحق حیاتِ اُخروی ہے - (۶۴ : ۲۹) - (۲۴ : ۸۹)

۱۲۔ ایسے تصادم کے وقت، متاعِ دنیا بڑی فریب انگیز بن جاتی ہے۔ (۱۸۴ : ۳) - (۱۳۱ : ۲۰) - (۶۰ : ۲۸) - (۵۱ : ۷) - (۳۳ : ۳۱) - (۵ : ۳۵) - (۲۵ : ۴۵) - (۴۱ : ۵۷) - (۲۰ : ۵۷)

۱۳۔ جو اس طرح متاعِ دنیا سے فریب کھا جاتے ہیں وہ مستقل اقدار (اپنے دین) کو لہو ولعب (مذاق) سمجھنے لگ جاتے ہیں (۵۸-۵۷ : ۵) - (۷۰ : ۶) - (۵۱ : ۷) - (۳۵ : ۴۵)

۱۴۔ دیکھنا! مال و دولت کی فراوانی تمہیں مستقل اقدار (قوانینِ خداوندی) کی طرف سے غافل نہ کر دے۔ (۱۱ - ۹ : ۶۳) - باغ والوں کی مثال - (۴۴ ؛ ۳۲ : ۱۸) - (۳۰ ؛ ۱۶ : ۶۸) - نہ ہی بیوی بچوں کی کشش - (۹ : ۶۳) - (۱۴ : ۶۴) مومنین کو یہ غافل نہیں کر سکتی - (۳۷ : ۲۴)

۱۵۔ اگر دنیا کی کوئی کشش، نظامِ خداوندی اور جہاد سے عزیز تر ہو گئی تو ایمان گیا۔ (۲۴ : ۹)

۱۶۔ خبیث و طیّب برابر نہیں ہو سکتے خواہ خبیث کی کثرت تمہیں کتنی ہی کیوں نہ لبھائے۔ (۱۰۰ : ۵)

۱۷۔ جو لوگ ایمان کے بدلے کفر خریدتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ (۱۷۶ - ۱۷۵ : ۳) - ان کے برعکس، مومن، دنیا کے بدلے آخرت خریدتے ہیں - (۷۴ : ۴)

طبیعی قوانین کے اتباع سے دنیاوی مفاد حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے ساتھ مستقل اقدار کا خیال نہ رکھا جائے تو مآل کار تباہی آجاتی ہے۔

۱۔ دنیاوی زینت کی چیزیں یہاں ہر ایک کو مل سکتی ہیں، لیکن آخرت میں یہ مومنین کے لئے مخصوص ہونگی - (۳۲ : ۷)

۲۔ جو صرف دنیا چاہتا ہے اسے یہ مل جاتی ہے۔ جو دنیا اور آخرت دونوں چاہتا ہے اسے دونوں مل جاتی ہیں۔ (۲۰۰ : ۲) - (۱۴۴ : ۳) - (۱۵۱ : ۳) - دنیاوی معیشت خدا کے قانونِ (طبیعی) کے مطابق تقسیم ہوتی ہے - (۳۲ : ۴۳)

۳۔ جو صرف مفادِ دنیا چاہتا ہے۔ (اور ان کے حصول کے لئے طبیعی قوانینِ خداوندی کا اتباع کرتا ہے) اسے یہ مفاد مل

جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ مستقل اقدار سے اعراض برتتا ہے اس لئے اس کا مستقبل تاریک ہوتا ہے۔ (۲:۱۲۶)
(۲:۲۰۰) - (۲:۲۱۲) - (۷:۳۲) - (۱۱:۱۵-۱۶) - (۱۷:۱۸-۲۰) - (۳۱:۲۴) —
(۳۹:۸) - (۴۲:۲۰) - (۴۶:۲۰) - یہ صرف مفادِ عاجلہ چاہتے ہیں۔ (۹:۶۹) - (۱۰:۷) —
(۴۸:۱۱) - (۱۴:۳۰) - (۲۵:۱۸) - (۳۰:۷) - (۷۵:۲۰-۲۱) - (۷۶:۲۷)

۴۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم اپنا حصہ دنیا میں لے چکے، اب جہنم میں جاؤ۔ (۴۶:۲۰)

۵۔ خدا پر افتراء باندھنے والوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ (۱۰:۷۰) از خود حرام و حلال کی فہرستیں مرتب کرنے والوں کا بھی یہی حشر ہوتا ہے۔ (۱۶:۱۱۶) - یہ لوگ ایمان کے بدلے کفر خرید لیتے ہیں۔ (۳:۱۷۵-۱۷۶) - ان کے برعکس مومن دنیا کے بدلے آخرت خرید تے ہیں۔ (۴:۷۴)

۶۔ بے شمار قوموں کی یہی حالت ہوئی۔ انہیں کثرت سے مال و دولت اور شان و شوکت میسر آگئی لیکن ان کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہ ہوا۔ یعنی اسی دنیا میں ان کا مستقبل تاریک ہو گیا۔ آخرت میں ان کے لئے الگ عذاب ہو گا۔
(۳:۱۳۶) — (۶:۶) — (۶:۱۱) — (۶:۴۲-۴۵) — (۶:۴۴) - (۹:۶۹) -
(۹:۸۵) - (۱۰:۱۳) - (۱۰:۸۸) - (۱۶:۳۶) — (۲۱:۱۱) — (۲۷:۶۹) - (۳۰:۴۲) -
(۳۴:۳۴-۳۶) — (۳۵:۴۴) — (۴۰:۲۱) — (۴۰:۸۲) — (۴۵:۳۲)
(اس ضمن میں عنوانات - قوم - اور قوموں کے عروج و زوال کے ابدی اصول - بھی دیکھئے)

۷۔ انہی کو مترفین کہا گیا ہے جن کا انجام جہنم ہے۔ (۵۶:۴۴-۴۵) - (۷۷:۴۶) - (۳۸:۶۹) - یہی لوگ انبیاء کرام کی دعوت کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ (۴۳:۲۳)

۸۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ زندگی صرف اسی دنیا کی ہے۔ اس کے بعد کچھ نہیں۔ (۶:۲۹) - (۲۳:۳۷) - (۴۵:۲۴) یہ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۱۵:۳) - (۴۷:۱۲) - ان کے تمام اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۱۸:۱۰۲-۱۰۴) ان کے لئے تھوڑے وقت کے لئے ہنسنا اور زیادہ وقت کے لئے رونا ہے۔ (۹:۸۲)

۹۔ جو صرف مفادِ دنیا کی خاطر خرچ کرتا ہے۔ اس کی کھیتی تباہ ہو جاتی ہے (۳:۱۱۶) - وہ کھیتی زمین کے اوپر ہی اوپر ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے اعمال کے نتائج میں ثبات نہیں ہوتا۔ (۱۰:۲۴) - (۱۸:۴۵-۴۶)

۱۰۔ ان لوگوں کو جب متاعِ دنیا حاصل ہوتی ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر انعاماتِ خداوندی کی بارش ہو رہی ہے اور نہیں جانتے کہ ان کا انجام تباہی ہے۔ (۲۳:۳۵) - تم ان کے ساز و سامان کو دیکھ کر کسی فریب میں مت آجاؤ۔ یہ تو ان کے لئے

فتنہ بن جائے گا۔ (۹ ، ۸۵) ۔ (۲۰ : ۱۳۱) ۔ (۳۱ : ۳۳) ۔ (۳۵ : ۵) ۔ (۴ : ۴۰) ۔ یہ ابلیس کی فریب انگیزی ہے ۔ (۱۵ : ۳۹) ۔ اس کی ہوس موت تک ختم نہیں ہو سکتی ۔ (۱۰۲ : ۱-۸) ۔ اس سے انسان مستقل اقدار کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے اور جہنم میں جا گرتا ہے ۔

۱۱۔ ایسے لوگوں سے اعتراض برتو ۔ ان کا مبلغِ علم ہی اتنا ہے ۔ (۵۳ : ۲۹)

۱۲۔ خدا چاہتا ہے کہ وہ انسان کو آسمان کی بلندیوں تک لے جائے لیکن یہ زمین کی پستیوں کے ساتھ چمٹ جاتا ہے ۔ اور ذلیل و خوار ہو جاتا ہے ۔ (۷ : ۱۷۶-۱۷۷)

۱۳۔ انہیں اسی کھیل کود میں مست رہنے دو ۔ (۴۳ : ۸۳)

متفرق

۱۔ ماں باپ کے ساتھ دنیا میں رفاقت کرو ۔ (۳۱ : ۱۵)

۲۔ کفر و شرک کی طرف دعوت کا دنیا اور آخرت دونوں میں کوئی وزن نہیں ۔ (۴۰ : ۴۳)

۳۔ سماء میں بھی وہی الٰہ ہے اور ارض میں بھی وہی ۔ (۴۳ : ۸۴) ۔ اگر ان میں الگ الگ الٰہ ہوتے تو فساد برپا ہو جاتا ۔ (۲۱ : ۲۱-۲۲)

۴۔ ساحرینِ دربارِ فرعون کا فرعون کو جواب کہ تیری دسترس صرف ہماری دنیاوی حیات تک ہو سکتی ہے تو ہمیں طبیعی نقصان پہنچا سکتا ہے ۔ اس سے آگے تو کچھ کر ہی نہیں سکتا ۔ (۲۰ : ۷۲)

۵۔ حضورؐ کی ازواجِ مطہراتؓ سے کہا گیا کہ اگر تم متاعِ دنیا چاہتی ہو تو تمہیں قیدِ نکاح سے آزاد کر دیا جا سکتا ہے ۔ (۳۳ : ۲۸)

۶۔ یونہی مفادِ دنیا حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے جنگ چھیڑ دیا کرو ۔ (۴ : ۹۴)

۷۔ اپنی لونڈیوں کو عصمت فروشی پر مجبور مت کرو کہ اس سے دنیاوی فائدہ حاصل کر لو ۔ (۲۴ : ۳۳)

۸۔ دنیاداری کی چکنی چپڑی باتیں کرنے والے منافق ۔ (۲ : ۲۰۴ - ۲۰۶)

۹۔ اس دنیا کی زندگی میں تم ان کے طرفدار ہو سکتے ہو لیکن بتاؤ کہ مکافاتِ عمل کے خلاف ان کا حمایتی کون ہوگا ۔ (۴ : ۱۰۹)

۱۰۔ مذہبی پیشوا محض دنیاوی زندگی کے مفاد کے اشتراک پر باطل پرستی اختیار کئے رہتے ہیں ۔ (۲۹ : ۲۵)

۱۱۔ دنیاوی معیشت ہمارے طبیعی قانون کے مطابق تقسیم ہوتی ہے ۔ (۴۳ : ۳۲)

۱۲۔ مسلمانوں کی ابتدائی زندگی میں ہنوز غربت تھی ۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ کفار کی متاعِ حیات کی کشش تمہیں "عجیب

رفیقوں کی طرف بے رخی برتنے کا موجب نہ بن جائے۔ (۲۸ : ۱۸)

(۰)

۶- دوستی

دوستی - قرآنِ کریم میں دوستی کی ایک نوعیت تو وہ بیان کی گئی ہے جو انسان کو خدا سے یا خدا کو انسان سے ہے اسے ولی کے عنوان میں بیان کیا جائے گا۔ دوستی کی دوسری قسم وہ ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے سے ہوتی ہے۔ زیرِ نظر عنوان میں، دوستی کی اسی قسم کے متعلق گفتگو کی جائے گی۔

قرآنِ کریم، انسانوں کے باہمی تعلقات دو قسم کے بتاتا ہے۔ ایک تعلق وہ ہے جو جماعتِ مومنین کے ایک فرد کو دوسرے فرد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسے قلبی تعلق کہا جائے گا۔ اس قسم کے تعلقات میں باہمی کوئی راز نہیں ہوتا۔ کسی قسم کی غیریت، اجنبیت اور دوئی نہیں ہوتی۔ یہ "من تو شدم تو من شدی" کی کیفیت ہوتی ہے۔ تعلقات کی دوسری قسم، وہ ہوتی ہے جو مختلف اقوام میں، معاہدات کی رُو سے پیدا ہوتے ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ اس قسم کے تعلقات پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ پہلی قسم کے نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی رو سے، محبت یک قلبی اور راز داری کا رشتہ، آئیڈیالوجی کے اشتراک سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا، جو لوگ آئیڈیالوجی میں مشترک نہ ہوں، ان سے اس قسم کے تعلقات پیدا نہیں ہو سکتے۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جن لوگوں سے اس قسم کے یک دلی کے تعلقات نہ رکھے جا سکیں، ان سے عام انسانیت کا سلوک بھی نہ کیا جائے۔ آجکل دنیا میں تو یہی ہو رہا ہے۔ انسانیت کا سلوک اپنی قوم کے افراد سے ہی کیا جاتا ہے۔ غیر اقوام کے افراد سے ایسا سلوک نہیں کیا جاتا۔ لیکن قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ انسانیت کا سلوک ہر انسان سے کیا جائے گا۔ خواہ وہ تمہاری جماعت کا فرد (مومن) ہو اور خواہ غیر مسلم۔ حتیٰ کہ خواہ وہ تمہارا دشمن بھی کیوں نہ ہو۔ اس سے بھی عدل و انصاف کیا جائے گا۔

جماعتِ مومنین کے باہمی تعلقات

۱- مومنین کے دوست، خدا اور اس کا رسول اور جماعتِ مومنین کے افراد ہیں۔ یہی وہ گروہ ہے جو غالب آئیگا (۵ : ۵۵-۵۶)

۲۔ مومن ایک دوسرے کے سامنے جھک جانے والے۔ اور غیروں کے مقابلہ میں سخت ہیں۔ (۵ : ۵۴)۔ (۴۸ : ۲۹)

۳۔ مومن۔ مہاجرین و انصار۔ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (۸ : ۷۲) جنہوں نے ہجرت نہیں کی وہ ان میں شامل نہیں۔ (۴ : ۸۸-۸۹)۔ (۸ : ۷۲)۔ کفار ایک دوسرے کے دوست۔ (۸ : ۷۲-۷۳)

۴۔ مومن آپس میں دینی بھائی ہیں۔ (۴۹ : ۱۰)۔ البتہ قانون کی رو سے رشتہ داری کے حقوق الگ ہیں۔ (۶ ؛ ۴۴ : ۲۳)

۵۔ مومن ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (۹ : ۷۱)

۶۔ خدا نے اپنے انعامِ خصوصی سے مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا۔ (۳ : ۱۰۲)۔ (۴۹ : ۱۰)۔ ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا۔ الف بین قلوبہم۔ (۳ : ۱۰۲)۔ یہ وہ چیز ہے جو ساری دنیا کی دولت خرچ کرنے پر بھی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ (۸ : ۶۴)

۷۔ اگر کبھی مومنین کی دو پارٹیوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر جو پارٹی اس صلح نامہ کی خلاف ورزی کرے اسے بزورِ حق کے سامنے جھکا دو۔ (۴۹ : ۹)

۸۔ باہمی مودّت کے تعلقات۔ (۱۹ : ۹۶)

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات

۱۔ جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ اگر تم نے یہود و نصاریٰ کا اتباع کیا تو خدا سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔ (۲ : ۱۲۰)۔ (۳ : ۹۹)۔ کفار کی اطاعت بھی نہیں۔ (۳ : ۱۴۸)

۲۔ کوئی مومن کسی غیر مسلم (کافر) کے ساتھ دوستی کے تعلقات نہیں رکھ سکتا۔ جو ایسا کرے گا اس سے خدا کا کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔ غیر مسلموں کی طرف سے تخریب سے بچنے کے لئے پوری پوری تدابیر کرنی چاہئیں۔ (۳ : ۲۷)

۳۔ تم اپنے سوا کسی کو بھی اپنا رازدار دوست مت بناؤ۔ وہ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے وہ تمہاری کامیابی سے ناخوش اور ناکامی سے خوش ہوتے ہیں۔ ان کے سینوں میں تمہارے خلاف بغض کی آگ شعلہ زن ہوتی ہے۔ (۳ : ۱۱۷-۱۱۹)۔ (۹ : ۵۰)

۴۔ یہ تمہارے دشمن ہیں۔ (۴ : ۴۵)۔ (۴ : ۱۰۱)

۵۔ منافقین کو بھی اپنا دوست نہ بناؤ، وہ تمہیں بھی اپنے ہی جیسا کافر بنا دیں گے۔ ان "منافقین" میں وہ مسلمان بھی شامل تھے۔ جنہوں نے (استطاعت رکھنے کے باوجود) ہجرت نہیں کی تھی۔ (۴ : ۸۸-۸۹)—

(۷ : ۸) - (۵۰ : ۹) - (۴ : ۷۳)

۶۔ جو لوگ خدا کی ہدایت کے بعد، سبیل المومنین چھوڑ کر غیر مسلموں سے اپنا رشتہ جوڑ لیتے ہیں تو ان کا شمار انہی میں سے ہو جاتا ہے ۔ (۱۱۵ : ۴)

۷۔ جو لوگ غیر مومنین کے ساتھ دوست داری کے تعلقات رکھتے ہیں ۔ کیا وہ ان کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں ۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ عزت تمام تر قوانین کی رو سے حاصل ہوتی ہے ۔ (۱۳۹ : ۴) ۔ ایسے لوگ اپنے خلاف، خدا کی حجت کو مسلّم کر لیتے ہیں ۔ (۱۴۴ : ۴)

۸۔ یہود و انصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ ۔ وہ (تمہارے خلاف) ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں جو ان سے دوستی رکھیگا وہ انہی میں سے شمار کیا جائے گا ۔ (۵۱ : ۵)

۹۔ جو لوگ تمہارے دین کو مذاق سمجھیں ان سے دوست داری کے تعلقات قائم مت کرو ۔ (۵۷ : ۵)

۱۰۔ یہودیوں کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ وہ کفار سے دوستی رکھتے تھے ۔ (۸۰ : ۵) ۔ اگر یہ مومن ہوتے تو ایسا نہ کرتے (۸۱ : ۵)

۱۱۔ یہود، مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے ۔ نصاریٰ ان سے ذرا نرم تھے ۔ کیونکہ ان میں ان کے راہب تھے جو طبعاً نرم خو ہوتے ہیں ۔ (۸۲ : ۵)

۱۲۔ اشتراکِ ذہنیت کی بنا پر ظالمین ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں ۔ (۱۳۰ : ۶) ۔ (۱۹ : ۴۵) ۔ ان کی طرف ذرا نہ جھکو ۔ (۱۱۳ : ۱۱) ۔ (۹ - ۸ : ۶۸)

۱۳۔ کفار کے دوست شیاطین ہوتے ہیں ۔ (۲۷ : ۷)

۱۴۔ کفار ایک دوسرے کے دوست ہیں ۔ (۷۳ : ۸) ۔ یہ تو مومنین کے خلاف، معاہدات کا بھی پاس نہیں کرتے ۔ اگر یہ غالب آجائیں تو مومنین کی تخریب میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں ۔ (۱۰ - ۸ : ۹) ۔ اگر یہ اپنا مسلک چھوڑ کر، تمہارے ساتھ آملیں تو پھر تمہارے دین کے بھائی بن جائیں گے ۔ (۱۱ : ۹)

۱۵۔ جماعتِ مومنین سے کہا گیا کہ خدا جب تک یہ نہ دیکھ لے کہ تم میں سے کون کون کفار کی دوستی نہیں چھوڑتا، اس وقت تک تمہیں نہیں چھوڑے گا ۔ (۱۶ : ۹)

۱۶۔ اگر تمہارے آباء ۔ اخوان ۔ رشتہ دار ۔ بیوی ۔ بچے کسے باشد ۔ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح دیتے ہیں تو ان سے کبھی دوست داری کے تعلقات نہ رکھو ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو پھر انتظار کرو کہ خدا تمہارے متعلق کیا فیصلہ کرتا ہے ۔ وہ تمہیں کبھی کامیابی کی راہ نہیں دکھائے گا ۔ اس لئے کہ اس صورت میں تم مومن نہیں، فاسق ہو گے

(۲۴-۲۳ : ۹) - مومن کبھی ایسا نہیں کریں گے - (۲۲ : ۵۸)

۱۷- مشرکین نجس ہیں - انہیں مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے دو - (۲۸ : ۹) - ان سے اعراض برتو - (۹۴ : ۱۵)

۱۸- شیطان اور اسکی ذریت کی دوستی، خدا کی مخالفت ہے (۵۱ : ۱۸) - (۴۵ : ۱۹) - (۴-۳ : ۲۲)

۱۹- معبودانِ باطل مومنین کے دشمن ہوتے ہیں - (۷۷ : ۲۶) --- (۲۰) - کفار کے پشت پناہ مت بنو - (۸۶ : ۲۸)

۲۱- جن لوگوں پہ خدا کا غضب ہے ان سے دوستی مت رکھو - (۱۴ : ۵۸) - (۱۳ : ۶۰)

۲۲- خدا کے دشمن اور اپنے دشمنوں کے ساتھ دوستی مت رکھو - تمہارے لئے ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے، جنہوں نے علانیہ ان لوگوں سے تعلقات منقطع کر لئے - (۷-۱ : ۶۰) - ان لوگوں سے تم انصاف و احسان کا برتاؤ کر سکتے ہو لیکن دوست داری کے تعلقات قائم نہیں کر سکتے (۹-۸ : ۶۰) -

۲۳- جو دین کی تکذیب کرتے ہیں ان کی طرف ذرا نہ جھکو - ان سے مفاہمت مت کرو - (۱۱۳ : ۱۱) - (۹-۸ : ۶۸)

۲۴- جو لوگ کفار کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں وہ منافق ہیں - کیا یہ ان کے ہاں عزت ڈھونڈتے ہیں ؟ عزت تو سب کے سب قوانین خداوندی کے ساتھ متمسک رہنے سے ملتی ہے - (۱۳۹ : ۴)

۲۵- ان کفار سے حسن کارانہ انداز سے الگ ہو جاؤ - (۸۵ : ۱۵) - (۱۰ : ۷۳)

۲۶- ظالمین ایک دوسرے کے دوست ہیں (۱۹ : ۴۵) --- (۲۷) منافقین تمہارے دشمن ہیں - (۴ : ۶۳)

مودّت

۱- میاں بیوی کے باہمی تعلقات مودّت کے ہونے چاہئیں - (۲۱ : ۳۰)

۲- رسول اللہؐ نے مخالفین (قریش) سے کہا کہ میں تم سے اجرِ رسالت تو کچھ نہیں مانگتا لیکن تم کم از کم باہمی رشتہ داری کے تعلقات کا تو پاس کرو - (۲۳ : ۴۲)

۳- معبودانِ باطل (بت) ان لوگوں میں باہمی تعلقات کا موجب بن جاتے ہیں - (۲۵ : ۲۹)

۴- غیر مسلموں کے ساتھ مودّت کے تعلقات استوار نہیں کئے جا سکتے - (۱ : ۶۰) - ہاں ! یہ اگر خدائے واحد پر ایمان لے آئیں تو پھر تمہارے دوست بن سکتے ہیں - (۷ ؛ ۴ : ۶۰)

۵- خدا مومنین کے دل میں جذباتِ مودّت پیدا کرے گا - (۹۶ : ۱۹)

نوٹ :- خدا کی ایک صفت الودود بھی ہے - (۹۰ : ۱۱) - (۱۴ : ۸۵)

قانون مکافات کے خلاف کسی کی دوستی کام نہیں آسکے گی

۱۔ جب اعمال کے نتائج سامنے آئیں گے تو کسی کی دوستی کسی کے کام نہیں آئے گی۔ (۲۵۴ : ۲)۔ (۴۱ : ۴۱)
۲۔ قیامت میں مجرم کہے گا کہ کاش ! میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا۔ (۲۸ : ۲۵)
۳۔ قیامت میں خدا کے سوا کوئی دوست نہیں ہوگا۔ (۴۶ : ۴۲)۔ (۱۰ : ۴۵)
۴۔ وہاں دوست بھی دشمن ہو جائیں گے۔ لیکن متقین ایک دوسرے کے دوست ہوں گے۔ (۶۷ : ۴۳)
۵۔ کوئی دوست دوسرے کے کام نہیں آئے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ (۱۰-۱۱ : ۷۰)

۷۔ دولت

دولت۔ کے معنی گردش کرنے کے ہیں۔ جن معانی میں دولت کا لفظ ہمارے ہاں استعمال ہوتا ہے ان معانی میں یہ لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا۔ اس کے لئے مال کا لفظ آیا ہے جسے "اموال" کے عنوان میں لکھا جا چکا ہے۔ (نیز انفاق اور بخل کے عنوانات میں بھی۔ اور "معاشی نظام" کے عنوان میں اسے تفصیل سے لکھا جائے گا) زیر نظر عنوان میں یہ بتایا جائیگا کہ قرآن کریم نے انسانی زندگی میں دولت کا کیا مقام بتایا ہے۔

مال و دولت خدا کا انعام ہے اور اس کا حاصل کرنا ضروری۔ مفلسی اور غریبی خدا کا عذاب ہے اور ایسی حالت پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا، قرآن کریم کے نزدیک مغضوب علیہ قوم کا شیوہ۔ لیکن دولت، مقصود بالذات نہیں، مختلف مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ دولت کا اچھا یا برا ہونا، اس مقصد کی نسبت سے متعین ہوگا جس کے حصول کے لئے اسے صرف کیا جائے گا۔ دولت کو، خدا کے بتائے ہوئے (جائز) طریقوں سے حاصل کرنا، اور پھر اسے اس کے متعین کردہ مقاصد کے حصول کے لئے صرف کرنا، یہ ہے مومن کا طریق زندگی۔ محض دولت، عزت و تکریم کا معیار نہیں قرار پا سکتی۔

حضرت انبیاء کرامؑ کی دعوتِ انقلاب پر سب سے پہلے غریبوں کی جماعت لبیک کہتی تھی۔ کیونکہ وہ انقلاب، دنیا سے سلب و نہب کا نظام مٹا کر اس کی جگہ ایسے نظام کے قیام کے لئے لایا جاتا تھا۔ جس میں کوئی انسان کسی دوسرے کی محنت پر ڈاکہ نہ ڈال سکے۔ اور یہی وجہ تھی کہ دولت مند طبقہ اس دعوت کی مخالفت میں سب سے پہلے آگے بڑھتا تھا۔ یہ طبقہ ہر

جائز اور ناجائز طریقہ سے دولت کماتا ہے۔غلط معاشرہ ان کے محض دولت مند ہونے کی وجہ سے، انہیں عزت وتکریم کا بلند مقام دے دیتا ہے۔اس طرح وہ اپنی دولت و قوت کے نشہ میں بدمست ہو کر حق کی آواز اور اس آواز کو بلند کرنے والی غریبوں کی جماعت کا تمسخر اڑاتا، انہیں اذیتیں پہنچاتا، اور چاہتا ہے کہ اس نئے نظام میں بھی انہیں، محض دولت کی بنا پر، بلند مقام دیا جائے۔یہ انقلاب اس کی اجازت نہیں دیتا اور ان سے کسی مفاہمت کے لئے تیار نہیں ہوتا۔آخر الامر حق غالب آتا ہے۔اور ان کا مال و دولت، انہی غریبوں کی جماعت کے ہاتھ آجاتا ہے جو اسے نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے عام کر دیتی ہے۔

اس دولت مند طبقہ کو قرآن کریم مختلف اصطلاحات سے پکارتا ہے۔کہیں انہیں مترفین کہتا ہے۔جس کے معنی ہیں وہ لوگ جو دوسروں کی کمائی پر عیش و آرام کی زندگی بسر کریں۔کہیں انہیں الملاء کہتا ہے۔اس کا عام ترجمہ تو "سردارانِ قوم" کیا جاتا ہے لیکن بنیادی طور پر اس کے معنی ہوتے ہیں وہ لوگ جن کے خزانے بھرے ہوئے ہوں۔وہ انہیں کہیں "اولی النعمۃ" کہتا ہے۔حضرات انبیاء کرام کے پیغام کی مخالفت ان سب کی طرف سے ہوتی تھی۔

انبیاءؑ کی دعوت پر سب سے پہلے غریبوں کی جماعت لبیک کہتی تھی

۱۔ خود نبی اکرمؐ غریب تھے۔خدا نے انہیں غنی کر دیا تھا۔ (۹۳ : ۸)

۲۔ اپنی دعوت کے آغاز میں حضورؐ کے پاس دولت کے خزانے نہیں تھے جن کی کشش سے لوگ آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ (۶ : ۵۰)

۳۔ بعد میں حضورؐ ایک مملکت کے سربراہ تھے لیکن افرادِ معاشرہ کی معاشی ذمہ داریاں اس قدر تھیں کہ مملکت کے پاس بھی وافر سامان و ذرائع نہیں تھے۔ (۹ : ۹۲)

۴۔ قریشِ مکہ ان مفلس مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ (۲ : ۲۱۲)۔(۹ : ۷۹)۔اور انہیں بے وقوف کہتے تھے۔ (۲ : ۱۳)

۵۔ رسول اللہؐ سے ارشاد کہ ان رفقاء کی غربت (افلاس) کی وجہ سے انہیں دھتکار نہ دیں۔(۶ : ۵۲)-(۱۸ : ۲۸) یہ متاعِ بے بہا ہیں۔ (۸ : ۶۲-۶۴)۔(۱۵ : ۸۸)۔(۲۶ : ۲۱۵)

۶۔ حضرت نوحؑ سے طبقۂ امراء کا مطالبہ کہ اپنے ساتھیوں کو جو ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں، الگ کر دیجئے تو ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔آپ کا انکار۔ (۱۱ : ۲۷-۲۹)۔(۱۱ : ۳۸)۔(۲۶ : ۱۱۱-۱۱۵)

محض دولت وجۂ تکریم نہیں ہو سکتی

۱۔ بنی اسرائیل کا اعتراض کہ طالوت کو ہمارا کماندار کیوں مقرر کیا جا رہا ہے۔ اس کے پاس تو مال و دولت نہیں ہے۔ (۲ : ۲۴۷)

۲۔ شہادت سچی دو، خواہ وہ امیر آدمی کے بھی خلاف کیوں نہ جائے۔ قانون کی نگاہ میں، امیر اور غریب دونوں برابر ہیں۔ (۴ : ۱۳۵)

۳۔ غلط کار دولت مند جہنم میں، اور صحیح راستے پر چلنے والے غریب، جنت میں۔ (۷ : ۴۸-۴۹)

۴۔ مال و دولت کی فراوانی سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ مقصودِ حیات حاصل ہو گیا۔ مقصد اسے حاصل ہو گا جو اس کے ساتھ قوانینِ خداوندی کا بھی اتباع کرے۔ (۲۳ : ۵۵-۶۰)

۵۔ معیارِ تکریم تقویٰ (بلندیٔ کردار اور پاکیزگیٔ سیرت۔ ذاتی جوہر) ہے۔ (۴۹ : ۱۳)

دولت مند اس انقلاب کی مخالفت کرتے تھے۔

۱۔ رسول اللہؐ کی مخالفت قریش کے الملاء کی طرف سے ہوئی۔ (۳۸ : ۶)

۲۔ حق کی مخالفت کرنے والے، اکابر مجرمین ہوتے تھے۔ (۶ : ۱۲۴)

۳۔ قومِ نوحؑ کے دولت مند لوگوں (الملاء) نے مخالفت کی۔ (۷ : ۶۰)۔ (۲۳ : ۲۴)۔ (۷۱ : ۲۱) قومِ عاد کے الملاء نے حضرت ہودؑ کی مخالفت کی۔ (۷ : ۶۶)۔ (۲۶ : ۱۲۸-۱۳۰)۔ قومِ ثمود کے امراء نے حضرت صالحؑ کی مخالفت کی۔ (۷ : ۷۵-۷۶)۔ (۲۶ : ۱۴۶-۱۵۰)۔ قومِ شعیبؑ کے دولت مند طبقہ نے بھی۔ (۷ : ۸۸)۔ (۷ : ۹۰)۔ قومِ فرعون کے ملاء نے بھی۔ (۱۰ : ۸۸)۔ (۲۶ : ۳۴)۔ (۲۰ : ۸ ۲)۔ (۳۸ : ۲۸)۔ (۴۳ : ۵۱-۵۴)۔

۴۔ قومِ لوط نے کہا کہ یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ انہیں بستی سے نکال دو۔ (۷ : ۸۲)

۵۔ لوگ فارغ البالی میں قوانینِ خداوندی کے خلاف سازشیں شروع کر دیتے ہیں۔ (۱۰ : ۲۱)

۶۔ قومِ نوحؑ کے دولت مند لوگوں نے کہا کہ یہ ذلیل لوگ ہیں جو حضرت نوحؑ کے ساتھ ہو لئے ہیں۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ میں انہیں تمہارے اعتراض کی وجہ سے دھتکار نہیں سکتا۔ (۱۱ : ۲۷-۲۹)۔ (۱۱ : ۳۸)۔ (۲۶ : ۱۱۱-۱۱۴)

۷۔ مترفین (دوسروں کی کمائی پر عیش اڑانے والے) ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ (۱۱۶-۱۱۷ : ۱۱)
۸۔ ہر رسول کی مخالفت بڑے لوگوں نے کی اور خدا نے آخر الامر اسی جماعت کو ان کے ملک کا وارث بنا دیا ــــــ
(۱۴-۱۳ : ۱۴) - (۳۳ : ۲۳) - (۲۹-۳۴ : ۳۴) - (۲۳-۲۱ : ۴۳)
۹۔ جس بستی کے دولت مند لوگ جرائم پر اتر آتے ہیں، وہ ہلاک ہو جاتی ہے۔ (۱۶ : ۱۷)
۱۰۔ مترفین ہمیشہ اسلاف کے مسلک پر رہنا چاہتے ہیں کیونکہ اس سے انہیں اپنی سرمایہ پرستی کے جواز کی سند و تائید مل جاتی ہے۔ (۸۷ : ۱۱) - (۷۸ : ۳۸) - (۲۳-۲۱ : ۴۳)
۱۱۔ رسول اللہ کی مخالفت بھی اس طبقہ کی طرف سے ہوئی۔ وہ کہتے تھے کہ اگر نبوت ملنی تھی تو مکہ اور طائف کے کسی امیر آدمی کو ملتی۔ یعنی یہ لوگ وحی کو بھی معیشت کے تابع رکھنا چاہتے تھے۔ (۶ : ۳۸) - (۳۲-۲۹ : ۴۳)
۱۲۔ ہر دور میں مترفین، جرائم پر اترتے رہے اور عوام ان کا اتباع کرتے رہے۔ یوں تباہی آتی رہی (۱۱۶ : ۱۱)
۱۳۔ حضرت موسیٰ کو فرعون اور اس کے دولت مند سرداروں کی طرف بھیجا گیا تھا۔ (۱۰۳ : ۷) - (۱۰۹ : ۷) - (۱۲۸ : ۷)
(۷۵ : ۱۰) - (۹۷ : ۱۱) - (۴۶ : ۲۳) - (۳۲ : ۲۸) - (۴۶ : ۴۳)
۱۴۔ انہی (بڑے لوگوں) کی مخالفت کے ڈر سے لوگ ایمان نہیں لاتے تھے۔ (۸۳ : ۱۰)
۱۵۔ دعوتِ سلیمانی پر ملکۂ سبا کے الملاء نے اس سے کہا کہ ہمارے پاس بڑی قوت ہے۔ (۳۳-۳۲ ؛ ۲۹ : ۲۷)
۱۶۔ مترفین پر گرفت ہوتی ہے۔ (۶۴ : ۲۳) انہیں پکڑ کر ان کے محلات کی طرف لایا جاتا ہے۔ تاکہ ان سے پوچھ گچھ کی جائے۔ (۱۳ : ۲۱)
۱۷۔ مترفین کا آخری ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے۔ (۴۵ : ۵۶)
۱۸۔ مترفین، دنیاوی زندگی ہی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ اسی لئے آسمانی انقلاب کی مخالفت کرتے ہیں۔ (۳۳ : ۲۳)۔ اسی وجہ سے یہ ظلم پر اتر آتے ہیں اور جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ (۱۱۶ : ۱۱)
۱۹۔ ہر رسول کی مخالفت مترفین کی طرف سے ہوتی تھی۔ (۳۴ : ۳۴)
۲۰۔ ان کی دلیل یہ ہوتی تھی کہ ہم اپنے اسلاف کے مسلک کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ مترفین میں مذہبی پیشواؤں کا طبقہ بھی شامل ہے۔ یہ بھی تو دوسروں کی کمائی پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۲۳ : ۴۳)
۲۱۔ ان کے جرائم جب حد سے بڑھ جاتے ہیں تو قوم پر تباہی آ جاتی ہے۔ (۱۶ : ۱۷)
۲۲۔ یہی اولی النعمۃ (اربابِ دولت) تھے جو رسول اللہ کی مخالفت کرتے تھے۔ (۱۱ : ۷۳)

۲۳۔ اسی دولت (نعمت) کے غلط استعمال سے بلیڈر، قوم کو تباہی کے جہنم میں لے جاتے ہیں۔ (۲۸ : ۱۴)۔ اور ان پر خوف اور بھوک کا عذاب طاری ہوجاتا ہے۔ (۱۶:۱۱۲)۔ اگر یہ لوگ سمجھیں کہ یہ نعماء خدا کی طرف سے ملی ہیں تو ان کا غلط استعمال نہ کریں۔ (۱۶:۵۳)۔ (۱۶:۷۱)۔ (۱۶:۷۲)۔ (۲۹:۶۷)

۲۴۔ شکرِ نعمت سے مراد ہے انہیں قوانینِ خداوندی کے مطابق صرف کرنا۔ (۱۶:۱۱۴)

۲۵۔ سرمایہ داری کی ذہنیت یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہم نے اپنی ہنرمندی سے کمایا ہے اس لئے اسے ہم جس طرح جی چاہے تصرف میں لائیں۔ (۲۸ : ۷۸)۔ (۳۹ : ۴۹-۵۰)

۲۶۔ ہر شخص (اور قوم) سے ان نعماء کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (۱۰۲ : ۸)

مال و دولت خدا کا انعام ہے

۱۔ قومِ ثمود سے کہا گیا کہ تمہیں کس قدر فارغ البالی حاصل ہے: (۷ : ۷۴)

۲۔ ایمان و تقویٰ سے ارض و سما کی برکات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (۷ : ۹۶)

۳۔ جب خدا انہیں معاشی سہولتیں دیتا ہے تو یہ بُخل کرتے ہیں۔ (۹: ۷۵-۷۶)

۴۔ خدا ظالمین کے ملک و دولت کا وارث جماعتِ مومنین کو بنا دیتا ہے۔ (۱۴ : ۱۴)

۵۔ مال کی گردش اس طرح ہونی چاہیئے کہ یہ اوپر کے طبقہ ہی میں نہ پھرتی رہے۔ (۵۹ : ۷)

دولت کے غلط مصرف پر خدا کی گرفت

۱۔ نبی کی آمد پر ان لوگوں پر گرفت ہوتی تھی کیونکہ یہی سب سے پہلے حق کی آواز کی مخالفت کرتے تھے۔ (۷:۹۴-۹۵)

۲۔ دولت مند جب جرائم پر اتر آتے ہیں تو بستی تباہ ہوجاتی ہے۔ (۱۷ : ۱۶)

۳۔ باغ والوں کی مثال سے بتایا گیا ہے کہ وہ خوش حال جس نے خدا فراموشی اختیار کر رکھی تھی، تباہ و برباد ہو گیا۔ (۱۸ : ۳۲ - ۴۴) - (۶۸ : ۱۷ - ۳۳)

۴۔ دولت مند جب ظلم پر اتر آتے ہیں تو قوم تباہ ہوجاتی ہے۔ (۲۱ : ۱۱-۱۵)۔ ان کے ذرائع پیداوار (ارض) میں کمی واقع ہونی شروع ہوجاتی ہے۔ (۲۱ : ۴۴)

۵۔ غلط کار دولت مندوں پر جب گرفت ہوتی ہے تو وہ چلانے لگ جاتے ہیں۔ (۲۳ : ۶۴-۶۶)

۶۔ دولت کے نشہ میں لوگ خدا کے قوانین کو بھلا دیتے ہیں - (۱۸ : ۲۵)

۷۔ قارون کہتا تھا کہ مجھے سب کچھ اپنی ہنرمندی کے صدقے ملا ہے ۔وہ تباہ ہوگیا۔ (۸۰-۷۶ : ۲۸) یہی ذہنیت ہر سرمایہ دار کی ہوتی ہے - (۴۹ : ۳۹)

۸۔ دولت مند چاہتا ہے کہ غریب کا ایک پیسہ بھی چھین لے -یہ ظلم ہے - (۲۴-۲۳ : ۳۸)

۹۔ مترفین جہنم میں - (۴۵ : ۵۶)

۱۰۔ انسان پر جب ذرا تنگی آتی ہے تو چیخنے لگ جاتا ہے اور جب خوش حالی آتی ہے تو پھر بخل کرنے لگ جاتا جاتا ہے - لیکن مصلّین کی یہ حالت نہیں ہوتی - (۲۲-۱۹ : ۷۰) - (۱۷-۱۵ : ۸۹)

۱۱۔ جس معاشرہ میں یتیموں کی تکریم اور مسکینوں کی روٹی کا انتظام نہیں ہوتا، وہ ذلیل وخوار ہوجاتا ہے۔ (۱۸-۱۷ : ۸۹)

۱۲۔ ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی ہوس انسان کو جہنم تک پہنچا دیتی ہے -(۸-۱ : ۱۰۲)

۱۳۔ دولت جمع کرتے رہنا اور اسے بہبودِ انسانیت کے لئے صرف نہ کرنا ،جہنم کے عذاب کا مستوجب بنا دیتا ہے ۔
(۳۴ : ۹) - (۱۸-۱۷ : ۷۰) - (۲۰ : ۸۹) - (۷-۲ : ۱۰۴)

۱۴۔ مال و دولت انہیں اس گرفت اور تباہی سے بچا نہیں سکتے - وہ ان کے کسی کام نہیں آسکتے ۔ (۱۰ : ۳) - (۳ : ۱۱۶) - (۴۸ : ۷) - (۱۵ : ۸۴) - (۳۹ : ۵۰) - (۴۰ : ۸۲) - (۱۰ : ۴۵) - (۱۷ : ۵۸) - (۲۸ : ۷۶) - (۱۱ : ۹۲) - (۲ : ۱۱۱) -

۱۵۔ جب انسان اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے لگ جاتا ہے تو تباہ ہو جاتا ہے ۔ (۸ : ۹۲) - (۷ : ۹۶) - یہ لوگ بہت کم صداقت کی طرف آتے ہیں - (۵ : ۸۰)

---

۸ ۔ دیت (خون بہا)

دیت - یا خون بہا کی تفصیل تو قتل کے عنوان میں ملے گی ۔ اس جگہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے، دیت صرف قتلِ خطا (سہواً قتل) کے لئے ہے ۔قتل بالارادہ کے لئے دیت نہیں۔ سورۂ النساء میں اس صراحت موجود ہے کہ :-

۱۔ قتل خطا کا واقعہ اپنی مملکت میں ہو تو قاتل کے لئے تو اس کی سزا (ا) ایک مومن غلام کا آزاد کرنا۔ اور (ب) مقتول کے ورثا کو خون بہا ادا کرنا ہے۔ اگر وہ معاف کر دیں تو اور بات ہے۔

۲۔ اگر مقتول مومن ہو لیکن اس قوم میں رہتا ہو جو تمہاری دشمن ہے، تو اس کے لئے صرف غلام آزاد کرنا ہے۔ دیت نہیں۔

۳۔ اگر مقتول اس قوم کا فرد ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہے، تو دیت بھی ادا کرنی ہوگی۔ اور غلام بھی آزاد کرنا ہوگا۔ اگر غلام نہ ملے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے ہوں گے۔ (۴: ۹۲-۹۳)

۴۔ حکومت کا فریضہ ہوگا کہ اس باب میں مقتول کے ورثا کی مددگار بنے۔ (۱۷ : ۳۳)

(۰)

۹۔ دین

دین (مادہ۔ د۔ی۔ ن) یہ مادہ بڑا وسیع المعنی ہے۔ اس میں ایک طرف غلبہ۔ اقتدار۔ حکومت۔ مملکت۔ آئین۔ قانون۔ نظم و نسق۔ فیصلہ۔ ٹھوس نتائج۔ جزا و سزا۔ بدلہ۔ کا مفہوم ہوتا ہے، اور دوسری طرف یہ اطاعت و فرماں پذیری کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ نیز اس سے مراد عادتِ مستمرہ بھی ہوتی ہے۔ یعنی ایسی روش جو التزاماً ویسی ہی رہے۔

اسلام ایک نظامِ زندگی ہے۔ کسی نظام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں کسی کا غلبہ و اقتدار ہو، اور لوگ اس صاحبِ اقتدار کی اطاعت کریں۔ صحیح نظام کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں:۔

۱۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان پر غلبہ و اقتدار نہ رکھے ــــ (۲) غلبہ و اقتدار قانون کا ہو۔

۳۔ یہ قانون غیر متبدل ہو۔ یعنی کسی کی مصلحت کے تابع بدلتا نہ رہے۔

۴۔ اس کی حدود میں رہنے والے اس قانون کی اطاعت بہ طیبِ خاطر کریں۔

۵۔ اس میں اتنی قوت ہو کہ یہ اپنے فیصلوں کو منوا سکے۔

۶۔ اس کے مطابق چلنے کے خوشگوار نتائج بھی سامنے آجائیں اور اس کی خلاف ورزی کرنے کے نقصانات بھی مبیّن ہوں۔

دین اسلام ان تمام شرائط کو پورا کرتا ہے۔ اس میں غلبہ و اقتدار قانونِ خداوندی کو حاصل ہوتا ہے جو قرآن کریم کے اندر ہے اور جس کے تعمیری نتائج ہر ایک کے سامنے آ سکتے ہیں۔ اگر دین کے پاس غلبہ و اقتدار نہ رہے۔ یعنی وہ قوتِ نافذہ سے محروم ہو جائے تو پھر وہ دین نہیں رہتا، مذہب بن جاتا ہے جو چند لفظی عقائد اور رسمی حرکات و سکنات کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے جس کے کوئی ٹھوس نتائج سامنے نہیں آتے۔ اسی لئے دین کے لئے ایک آزاد مملکت کی ضرورت لاینفک ہے۔ حضرات انبیاء کرام دینِ خداوندی پیش کرتے تھے لیکن ان کے بعد ان کے نام لیوا اسے مذہب میں تبدیل کر دیتے تھے۔ (اسلام کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے) مذہب کا لفظ تک بھی قرآن کریم میں نہیں آیا۔ دین درحقیقت مذہب کو مٹانے کے لئے آتا ہے اسی لئے یہ اس کے خلاف چیلنج ہوتا ہے۔

خارجی کائنات میں دینِ خداوندی از خود جاری و ساری ہے۔ کیونکہ اشیائے کائنات قانونِ خداوندی کی اطاعت کے لئے مجبور ہیں۔ انسانی دنیا میں یہ نظام انسانی ہاتھوں سے قائم ہوگا۔ کیونکہ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ یہ جی چاہے تو قانونِ خداوندی کی اطاعت کرے اور جی چاہے تو اس کے خلاف چلا جائے۔ دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نتیجہ اس دنیا میں بھی جنت بداماں معاشرہ ہوگا اور اخروی زندگی بھی جنتی۔ اس کی خلاف ورزی سے یہ دنیا بھی جہنم ہو جائے گی اور اخروی زندگی بھی جہنمی۔

اسلام، نوعِ انسان کے لئے مکمل اور ابدی دین ہے۔ یعنی ایسا نظامِ مملکت (معاشرہ) جس میں قوانینِ خداوندی عملاً نافذ ہوتے ہیں اور زندگی اقدارِ خداوندی کے قالب میں ڈھلتی ہے۔

(نوٹ:۔ لفظ دَین (دَ کے زبر کے ساتھ) کے معنی قرضہ ہیں۔ وہ اس عنوان میں نہیں آئے گا)

دین کے معنی

۱۔ قانون

حضرت یوسفؑ، اس ملک کے بادشاہ کے قانون کی رو سے، اپنے بھائیؑ کو زبردستی اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ (۱۲: ۷۶)

قانونِ خداوندی کے مطابق زانی کو سزا دینے میں نرمی مت برتو۔ (۲۴: ۲)

کیلنڈر بارہ مہینے کا رکھو۔ یہ دینِ قیّم ہے۔ (۹: ۳۶)

اطاعت

۱۔ خدا کی محکومیت، دل کے پورے خلوص کے ساتھ اختیار کرنا۔ (۳۹:۲)۔(۳۹:۳)۔(۳۹:۱۱)۔
(۳۹:۱۴)۔(۹۸:۵)

اطاعت خالص خدا کی ہونی چاہیئے۔ (۲۹:۷)۔(۴۰:۱۴)۔(۴۰:۶۵)

۲۔ کائنات کی ہر شے قوانینِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ یہی دین ہے۔ (۳:۸۲)۔(۱۶:۵۲)

۳۔ حکومت صرف خدا کی ہوسکتی ہے۔ اس کے سوا کسی کی محکومیت جائز نہیں۔ یہ دینِ قیم ہے۔ (۱۲:۴۰)۔ اس لئے دین کے تمکن کے لئے اپنی مملکت کا ہونا لاینفک ہے۔ (۲۴:۵۶)

۴۔ جب لوگ مصیبت میں پھنستے ہیں تو خدا کو اسطرح پکارتے ہیں گویا وہ خالص اس کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں جب مصیبت سے نجات مل جاتی ہے پھر وہی کچھ کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۱۰:۲۲)۔(۲۹:۶۶)۔(۳۱:۳۱)

۵۔ اگر منافق اپنی اطاعت خدا کے لئے خالص کر دیں تو وہ مومن ہو جائیں گے (۴:۱۴۶)

۶۔ تم اپنے دین (اطاعت) کی بابت خدا کو نہ بتاؤ۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ (۴۹:۱۶)

مکافاتِ عمل

۱۔ کفار سے کہا کہ تمہارے اعمال کا بدلہ تمہارے لئے ہے۔ میرے اعمال کا میرے لئے۔ (۱۰۹:۶)

۲۔ مکافاتِ عمل ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔ ایسا ہو کر رہے گا۔ (۵۱:۶)

۳۔ قانونِ مکافاتِ عمل کے بارے میں کون تمہاری تکذیب کر سکتا ہے؟ (۹۵:۷)۔ یہ وہ ہے جو یتیموں کو دھکے دیتا ہے۔ مسکینوں کے رزق کا اہتمام نہیں کرتا۔ صلوٰۃ کے مقصد سے بے خبر ہے، اسے محض دکھاوے کے لئے ادا کرتا ہے۔ اور رزق کے سرچشموں کو روک رکھتا ہے۔ (۱۰۷:۱-۷)

۴۔ یہ لوگ قانونِ مکافات کی تکذیب کرتے ہیں۔ (۸۲:۹)

۵۔ اس دن خدا انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ (۲۴:۲۵)

۶۔ کفار کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہم سے ہمارے اعمال کا مواخذہ ہو گا۔
(۵۳:۳۷)۔(۵۶:۸۶)

یوم الدین

یعنی جب اعمالِ انسانی کے نتائج مرتب ہو کر سامنے آجائیں۔

۱۔ یوم الدین کا مالک خدا ہے۔ یعنی اعمالِ انسانی خدا کے قوانین کے مطابق نتائج مرتب کرتے ہیں۔ ان پر کسی اور کا اختیار اور اقتدار نہیں۔ (۱ : ۳)۔ یوم الدین وہ ہے جب کسی کو کسی پر کسی قسم کا اختیار و اقتدار نہیں ہوگا۔ اور اقتدار صرف خدا کا ہوگا۔ (۸۲ : ۱۷ - ۱۹)

۲۔ یوم الدین، فیصلہ کا دن ہے۔ (۳۷ : ۲۰-۲۱)

۳۔ یوم الدین میں جہنمیوں کی حالت (۵۱ : ۱۲-۱۳)۔ (۵۶ : ۵۶)۔ (۸۲ : ۱۴-۱۵)۔ یہ اب بھی موجود ہے۔

۴۔ حضرت ابراہیمؑ کا اعلان کہ یوم الدین کو خطاؤں سے حفاظت، خدا ہی کر سکتا ہے۔ (۲۶ : ۸۲)

۵۔ ابلیس، یوم الدین تک ہدایت سے محروم رہے گا۔ اسے یوم بعث تک مہلت دی گئی ہے۔ (۱۵ : ۳۵-۳۶)۔ (۳۸ : ۷۸-۷۹) ——— (۶) یوم الدین کی تکذیب کرنے والے۔ (۷۴ : ۴۶)۔ (۸۳ : ۱۱)

۷۔ یوم الدین کی تصدیق کرنے والے۔ (۷۰ : ۲۶)

بمعنی غلبہ

۱۔ تمہارا غلبہ مکمل ہو گیا اس لئے کفار مایوس ہو گئے کہ اب تم ان سے مفاہمت نہیں کرو گے۔ (۵ : ۳)

مملکت و حکومت

۱۔ ایمان و عمل صالح کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض ہے تاکہ دین کو تمکن حاصل ہو جائے۔ (۲۴ : ۵۵)

دینِ خداوندی (اسلام)

۱۔ خدا کی محکومیت (عبودیت) پورے خلوص کے ساتھ اختیار کرنا۔ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ۔ یہ ہے دینِ قیّم۔ (۹۸ : ۵)

۲۔ اسلامی برادری میں شامل ہونے کے لئے اہلِ کتاب کو بھی دین الحق اختیار کرنا ہوگا۔ اور اس طرح ان قوانین و احکام

کی اطاعت کرنی ہوگی جو نظامِ خداوندی کی طرف سے نافذ ہوں۔ اگر وہ ایسا کرنا نہ چاہیں تو پھر انہیں اسلامی مملکت میں ذمیوں کی حیثیت سے رہنا ہوگا۔ (۹:۲۹)

۳۔ کائنات کی ہر شے قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرتی ہے۔ اسی کا نام دینِ خداوندی ہے۔ کیا یہ لوگ اس کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرنا چاہتے ہیں؟ (۳:۸۲)

۴۔ جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین پسند کرے گا، تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اس سے خود اس کا نقصان ہوگا۔ (۳:۸۴)۔ (۵:۳)

۵۔ لوگ دینِ خداوندی میں فوج در فوج داخل ہوں گے۔ (۱۱۰:۲)

۶۔ خدا نے اپنے رسول کو ضابطۂ ہدایت یعنی دین الحق دے کر بھیجا تاکہ یہ دین، تمام دیگر ادیان (نظامہائے زندگی) پر غالب آجائے۔ (۹:۳۳)۔ (۴۸:۲۸)۔ (۶۱:۹)

۷۔ حکومت صرف خدا کے لئے ہے۔ یہی دینِ قیم ہے۔ (۱۲:۴۰)

۸۔ ہر طرف سے منہ موڑ کر دین کی طرف متوجہ ہو۔ انسان بھی اپنی تخلیق کے اعتبار سے اشیائے کائنات میں سے ہی ایک ہے۔ جب باقی تمام اشیائے کائنات دینِ خداوندی پر ہیں، تو انسان کو بھی اسی دین پر ہونا چاہیئے۔ یہ دینِ قیم ہے۔ (۱۰:۱۰۵)۔ (۳۰:۳۰)۔ (۳۰:۴۳)

۹۔ خدا نے انبیائے سابقہ کو الدین کے لئے چن لیا تھا۔ (۲:۱۳۲)۔ ان سب نے ایک ہی دین دیا تھا۔ لیکن بعد میں ان کے متبعین نے تفرقہ پیدا کر لیا۔ (۲۳:۵۲-۵۳)

۱۰۔ خدا نے تمہیں بھی دین کا وہی راستہ دکھایا ہے جو انبیائے سابقہ کو دکھایا تھا۔ اسی دین کو قائم کرو اور تفرقہ مت پیدا کرو۔ (۶:۱۶۰)۔ (۴۲:۱۳)۔ (۴۵:۱۷-۱۸)۔ یہ شرک ہے۔ (۳۰:۳۲)

۱۱۔ الدین خدا کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ اہلِ کتاب نے اس میں خواہ مخواہ اختلافات پیدا کر دیئے۔ (۳:۱۸)

۱۲۔ یہ اہلِ کتاب دین کے معاملہ میں تمہیں طعن دیتے ہیں۔ (۴:۴۶)۔ (۹:۱۲)

۱۳۔ جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی، وہ اگر دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو انہیں مدد دو۔ بشرطیکہ وہ ان لوگوں کے خلاف نہ جائے جن سے تمہارا معاہدہ ہے۔ (۸:۷۲)

۱۴۔ غیر مسلم اگر اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے۔ (۹:۱۱)

۱۵۔ جن بچوں کے باپ کا تمہیں علم نہ ہو، وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ (۳۳ : ۵)

۱۶۔ دین بیگار نہیں ہے۔ اسے بطیبِ خاطر اختیار کیا جاتا ہے۔ (۲۲ : ۷۸)

۱۷۔ انہوں نے خدا کے شریک بنا رکھے ہیں جو دین کے معاملہ میں ان کیلئے راستے تجویز کرتے ہیں (اسے شریعت کہا جاتا ہے) (۴۲ : ۲۱)

۱۸۔ اس سے زیادہ حسین دین کس کا ہو سکتا ہے جو خدا کے قوانین کے سامنے جھک جائے اور ملتِ ابراہیمی کا اتباع کرے۔
(۴ : ۱۵۲)-(۶ : ۱۶۲)——(۱۹) خدا نے اسلام کو بہ حیثیتِ دین تجویز کر دیا۔ (۵ : ۳)

۲۰۔ دین مکمل کر دیا۔ (۵ : ۳)۔ (اس کے معنی غلبہ بھی ہو سکتے ہیں)

۲۱۔ اہلِ کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم منافقانہ طور پر مسلمان ہو کر ان میں شامل ہو جایا کرو۔ لیکن اعتماد صرف اس کا کرو جو تمہارے دین کا اتباع کرے۔ (۳ : ۷۲-۷۳) — (۲۲) جو تمہارے دین کو مذاق سمجھے اسے دوست مت بناؤ۔
(۵ : ۵۷)۔ حتیٰکہ جو اپنے دین کو بھی مذاق سمجھیں انہیں چھوڑ دو۔ (۶ : ۷۰)؛ (۷ : ۵۱)

۲۳۔ جو دین سے پھر جائے (مرتد) ہو جائے اور بحالتِ کفر وفات پا جائے، اس کے اعمال غارت ہو جائیں گے۔ (۲ : ۲۱۷)

۲۴۔ جو دین میں تفرقہ پیدا کر دیں ان سے رسول کا کوئی تعلق نہیں۔ (۶ : ۱۶۰)۔ (۴۲ : ۱۳)۔ یہ شرک ہے (۳۰ : ۳۲)

۲۵ منافق کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے فریب (زعمِ باطل) میں مبتلا کر رکھا ہے۔ (۸ : ۴۹)

۲۶۔ خدا کا وعدہ ہے کہ ایمان و اعمالِ صالح کا لازمی نتیجہ استخلاف فی الارض ہوگا تاکہ دین کو تمکن حاصل ہو جائے (۲۴ : ۵۵)

۲۷۔ رسول اللہؐ نے تمام نوعِ انسان کو پکار کر کہہ دیا کہ اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہو تو سن لو کہ میں صرف خدا کی محکومیت اختیار کرتا ہوں۔ کسی اور کی نہیں۔ (۱۰ : ۱۰۴)

۲۸۔ دین کے سلسلہ میں جو کچھ ضروری تھا اسے خدا نے (قرآن میں) بیان کر دیا۔ جن باتوں کا اس میں ذکر نہیں آیا وہ دین سے متعلق نہیں اس لئے ان کی بابت مت کرید کیا کرو۔ (۵ : ۱۰۱-۱۰۲)

دین کے معاملہ میں زبردستی (اکراہ) نہیں

۱۔ جو لوگ دین کے معاملہ میں زبردستی کریں ان کے خلاف جنگ کرو۔ تاآنکہ وہ زبردستی کرنا چھوڑ دیں اور دین کا معاملہ صرف اللہ کے لئے رہ جائے۔ (۲ : ۱۹۳)-(۸ : ۳۹)-(۲۲ : ۴۰) - (۲) لا اکراہ فی الدین۔ (۲ : ۲۵۶)

۳۔ جب تک ایمان دل میں نہ اترے اسے دین نہیں کہا جا سکتا۔ (۴۹ : ۱۴-۱۶)

۴۔ کفار اور مشرکین تم سے جنگ کرتے رہیں گے تاوقتیکہ تمہیں تمہارے دین سے نہ پھرا لیں۔ (۲ : ۲۱۷)

۵۔ جو دین سے پھر جائے (مرتد) ہو جائے اور پھر بحالت کفر مر جائے تو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے (یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ ایسے شخص کو قتل کر دو)۔ (۲:۲۱۷) —— (۶) ۔ اے ایمان والو! جو تم میں سے مرتد ہو جائے تو ہو جائے۔ ان کی جگہ اور قوم سے آئے گا جو مومنانہ خصوصیات کی حامل ہوگی۔ (۵۴ : ۵)

۷۔ قوم شعیب نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ تم سابقہ مسلک اختیار کر لو ورنہ ہم تمہیں بستی سے نکال باہر کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ خواہ ہم اس مسلک کو ناپسند کرتے ہوں پھر بھی اسے اختیار کر لیں؟ (۷ : ۸۸)

۸۔ الحق خدا کی طرف سے آگیا ہے۔ جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔ جس کا جی چاہے انکار کر دے۔ (۱۸:۲۹)

۹۔ دین، بیگار نہیں ہے۔ (۷۸ : ۲۲)

متفرق

۱۔ مختلف مقامات سے لوگوں کو مرکز میں آکر دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنی چاہیئے۔ (۱۲۲ : ۹)

۲۔ جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے قتال نہیں کیا ان سے تولی جائز ہے۔ (۹-۸ : ۶۰)

۳۔ فرعون نے لوگوں سے کہا کہ موسیٰ، تمہارا دین بدل دے گا۔ (۲۶ : ۴۰)

۴۔ اعراب سے کہا کہ تم نے اسلامی حکومت کی اطاعت اختیار کی ہے۔ ایمان تمہارے دلوں میں نہیں اترا۔ اس لئے اسے دین نہیں کہیئے۔ (۱۶-۱۴ : ۴۹)

۵۔ اہل کتاب سے کہا کہ اپنے دین میں غلو مت کرو۔ (۱۷۱ : ۴) — (۷۷ : ۵)

۶۔ توہم پرستانہ رسومات سے دین میں التباس پیدا ہو جاتا ہے۔ (۱۳۸ : ۶)

۷۔ اہل کتاب نے دین میں تحریف کر دی ہے جس کی وجہ سے وہ فریب میں مبتلا رہتے ہیں۔ (۲۴ : ۳)

۸۔ مناسک اپنے اپنے وقتوں میں ہر قوم کے لئے الگ الگ تھے۔ الامر کے معاملہ میں جھگڑا نہیں ہونا چاہیئے وہ ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ (۳۴ : ۲۲) ۔ الامر دین کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ یہ وحی ہے بنی اسرائیل کو الامر دیا گیا۔ تو انہوں نے اس میں اختلافات پیدا کر دیئے۔ اب اسی الامر کا راستہ رسول اللہ کو دکھایا گیا۔ (۱۸-۱۷ : ۴۵)

۹۔ دین کا راستہ دشوار گزار گھاٹی ہے۔ محکوموں کو آزاد کرانا۔ محتاجوں کے رزق کا انتظام کرنا۔ یتیموں کے رفیق بننا۔ مٹی میں ملے ہوئے مسکینوں کو اٹھا کر گلے لگانا۔ (۱۷-۱۱ : ۹۰)

(-)

ذ

۱۔ ذکر

__ذکر۔ تذکار__۔ کسی چیز کو محفوظ کر لینا۔ کسی بات کو یاد کر لینا۔ حفاظت کرنا۔ ضائع نہ کرنا۔ اور تذکرہ کے معنی ہیں وہ جس سے کسی کو کوئی بات یاد دلائی جائے۔

شہرت اور شرف و عزت کو بھی ذکر کہتے ہیں۔ نیز عبرت و موعظت کو بھی۔ ذِکرٌ اس کتاب کو بھی کہتے ہیں جس میں دین کی تفصیلات اور امتوں کے قوانین درج ہوں۔ لہٰذا، یہ لفظ، قانون کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ذکر اللہ سے مراد قوانینِ خداوندی ہیں جن کے اتباع سے شرف و عزت اور غلبہ اور قوت حاصل ہوتے ہیں نیز اقوامِ سابقہ کے وہ تاریخی شواہد جن سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں "اللہ کے ذکر" سے مراد ہوتا ہے زبان سے اللہ۔ اللہ کہنا اور اسے تسبیح کے دانوں پر گنتے جانا۔ یا خانقاہوں میں "ہُو حق" کی ضربیں قلب پر لگانا۔ یہ ذکر اللہ کا قرآنی مفہوم نہیں۔ قرآنِ کریم کی رو سے، ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ انسان زندگی کے ہر شعبے میں اور سفرِ حیات کے ہر موڑ پر، خدا کے قانون کو سامنے رکھے اور اس کے مطابق چلے۔ خدا کے احکام و ضوابط کو ہر وقت سامنے رکھے۔ انہیں کبھی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دے۔

قرآنِ کریم نے جو بار بار کہا ہے کہ وہ لوگوں کو یاد دھانی کراتا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ یاد دھانی کس بات کی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہ نمائی کے لئے جو تعلیم بھیجی، وہ اصولی طور پر شروع سے آخیر تک ایک ہی تھی لیکن وہ ذہنِ انسانی کی آمیزش یا حوادثِ زمانہ کی وجہ سے اپنی اصل شکل میں کہیں باقی نہ رہی تھی۔ قرآن اسی فراموش کردہ تعلیم کی یاد دہانی کراتا ہے۔ وہ کوئی نئی بات نہیں کہتا۔ وہی مستقل اقدار جو وقتاً فوقتاً دی جاتی رہیں، وہ انسانوں کی توجہ انہی کی طرف مبذول کراتا ہے۔ خود قرآن کے اندر جو اصول و احکام بیان کئے گئے ہیں، انہیں بھی وہ بار بار، مختلف پہلوؤں

سے سامنے لاتا ہے اور اس طرح ایک مقام کی یاد دہانی دوسرے مقام سے ہوجاتی ہے۔ قرآن آسمانی تعلیم کی فراموش کردہ حقیقتوں کی یاد دہانی ہے۔ اسی کو تذکرہ اور ذکر کہا جاتا ہے، نیز وہ اقوامِ سابقہ کے احوال و کوائف سے اس حقیقت کی یاد دہانی کراتا ہے کہ خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت کس قدر سخت ہوتی ہے۔ اس طرح بار بار یاد دہانی سے انسان کے دل میں ان قوانین کی اہمیت اور عظمت کا احساس پیدا ہوجاتا ہے اور انسان ان کی پابندی طرف توجہ دیتا ہے۔

ذکراللہ

۱۔ حزب الشیطان نے خدا کا ذکر بھلا دیا۔ انہوں نے قوانینِ خداوندی کو پسِ پشت ڈال دیا۔ (۱۹ : ۵۸)

۲۔ قرآن ذکر اللہ ہے جس سے مومنین کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ (۲۳ : ۲۹)

۳۔ یوم الجمعہ کی آواز پہ ذکر اللہ کی طرف آؤ۔ (۹ : ۶۲) — (۴) اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ (۲۸ : ۱۳)

۵۔ کفار، رحمٰن کے ذکر سے انکار کرتے ہیں۔ (۳۶ : ۲۱)۔ اعراض برتتے ہیں۔ (۴۲ : ۲۱)

۶۔ خمر اور میسرہ تمہیں ذکرِ اللہ سے روکتے ہیں۔ (۹۱ : ۵)

۷۔ مومنین کو کاروبار (تجارت وغیرہ) ذکر اللہ سے روکتے نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ وہ کاروبار میں خدا کے قوانین کو نظرانداز کردیں۔ (۳۷ : ۲۴)

۸۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ میں اچھی چیزوں کو بھی قوانینِ خداوندی (یا نظامِ خداوندی) کی وجہ سے پسند کرتا ہوں کہ یہ اس نظام کے فروغ کا ذریعہ بنتی ہیں۔ (۳۲ : ۳۸)

۹۔ جو رحمٰن کے ذکر سے غافل ہوجاتا ہے، شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ (۳۶ : ۴۳)

۱۰۔ دیکھنا! تمہاری دولت یا اولاد تمہیں ذکر اللہ سے غافل نہ کردے۔ (۹ : ۶۳)

۱۱۔ جو ذکرِ اللہ سے اعراض برتتا ہے وہ جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ (۱۷ : ۷۲)

۱۲۔ اللہ کا ذکر سب سے بلند (اکبر) ہے۔ (۴۵ : ۲۹)

۱۳۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ مومنین کے دل ذکر اللہ سے پگھل جائیں۔ (۳ : ۸)۔ (۳۵ : ۲۲)۔ (۱۶ : ۵۷)

۱۴۔ جن کے دل ذکر اللہ کی طرف سے سخت ہوجاتے ہیں ان کے لئے تباہی ہے۔ (۲۲ : ۳۹)

۱۵۔ جو خدا کو بہت یاد کرتا ہے اس کے لئے رسول اللہؐ کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے۔ (۲۱ : ۳۳)

۱۶۔ جو صفاتِ خداوندی کو اپنے سامنے رکھتا ہے اس کی ذات کی نشوونما ہوجاتی ہے۔ (۱۵ : ۸۷)

۱۷۔ جب خدائے واحد کا ذکر کیا جائے۔ تو مشرکین پر سخت ناگوار گذرتا ہے اور جب اس کے ساتھ اور بھی شریک کئے جائیں تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ (۴۶ : ۱۷)۔(۴۵ : ۳۹)

۱۸۔ حج کے سلسلہ میں کہا کہ تم خدا کا ذکر ایسے کرو جس طرح اس وقت اپنے آباء و اجداد کا ذکر کرتے ہو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (۲۰۰ : ۲)

۱۹۔ اے ایمان والو! اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو۔ یعنی اس کے احکام و قوانین کو اپنے سامنے رکھو۔ (۴۱ : ۳۳)

۲۰۔ جس کا دل ہمارے ذکر سے غافل ہو جائے اس کا اتباع مت کرو۔ (۲۸ : ۱۸)۔ اس سے اعراض برتو۔ (۲۹ : ۵۳)

۲۱۔ مومن سے جب کوئی غلطی ہو جاتی ہے۔ تو وہ خدا کا ذکر کرتا ہے اور اپنی غلطی کے نقصان کی تلافی کر لیتا ہے۔(۳:۱۳۴)

۲۲۔ شعراء کے برعکس، مومن خدا کا ذکر کثرت سے کرتے اور ظالم سے بدلہ لیتے ہیں۔ (۲۲۷ : ۲۶)

۲۳۔ قوموں نے خدا کے ذکر کو فراموش کر دیا۔ تو اُن پہ عذاب آگیا۔ (۱۱۱-۱۱۰ : ۲۳)

۲۴۔ حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون کی طرف بھیجا گیا تو کہا کہ یاد رکھو! میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ اس سے واضح ہے کہ خدا کے ذکر سے کیا مفہوم ہے۔ انقلابی جدوجہد۔ (۱۴ : ۲۰)۔(۳۴ : ۲۰)۔(۴۲ : ۲۰)

۲۵۔ جہنم اس کے لئے ہے جس کی آنکھوں پر میرے ذکر کی طرف سے پردے پڑے رہیں۔ (۱۰۱-۱۰۰ : ۱۸)

۲۶۔ جو میرے ذکر سے اعراض برتتا ہے اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے۔ (۱۲۴ : ۲۰)

۲۷۔ حضرت زکریاؑ سے کہا کہ اپنے رب کو شدت سے یاد کرو۔ (۴۰ : ۳)

۲۸۔ رسول اللہؐ کی وساطت سے، عام مومنین سے کہا کہ اپنے رب کو یاد کرو۔ (۲۰۵ : ۷)۔(۲۴ : ۱۸)۔(۴۱ : ۳۳)

۲۹۔ اسمِ رب (خدا کی صفتِ ربوبیت) کو سامنے رکھو۔ (۸ : ۷۳)۔(۲۵ : ۷۶)

۳۰۔ تم میرا ذکر کرو۔ میں تمہیں شرف و عزت عطا کر دوں گا۔ (۱۵۲ : ۲)

۳۱۔ مناسکِ حج کے سلسلہ میں کہا کہ اللہ کو یاد کرو۔ (۱۹۸ : ۲)—(۳۲) اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا اور بتایا ہے۔ (۲۳۹ : ۲)—(۳۳) صلوٰۃ کے بعد کھڑے۔ بیٹھے۔ لیٹے خدا کو یاد کرو۔ (۱۰۳ : ۴)

۳۴۔ مناسکِ حج کے سلسلہ میں کہا کہ جانور ذبح کرتے وقت خدا کا نام لو۔ (۲۸ : ۲۲)—(۳۶ : ۲۲)

۳۵۔ مناسکِ حج کے ضمن میں کہا کہ خدا کا ذکر کرو۔ (۲۰۳ : ۲)

۳۶۔ مومنین سے کہا کہ خدا نے اس کتاب کو نازل کر کے تم پر جو نعمت ارزانی کی ہے اسے یاد کرو۔ (۲۳۱ : ۲) پھر اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ تمہیں اس نے قرآن کے ذریعے بھائی بھائی بنا دیا۔(۱۰۲ : ۳)۔(۷ : ۵)

۳۷۔ اسی جانور کا گوشت حلال ہے جس پہ خدا کا نام لیا جائے۔ (۴ : ۵)۔ (۱۱۹-۱۲۲ : ۶)۔ (۱۳۹ : ۶)

۳۸۔ میدانِ جنگ میں قوانینِ خداوندی کو سامنے رکھو اور ثابت قدم رہو۔ اس سے کامیابی حاصل ہوگی۔ (۴۵ : ۸)

۳۹۔ جب تم تلاشِ رزق کے لئے نکلو تو خدا کے قوانین کو سامنے رکھو۔ تاکہ تم کامیاب ہو۔ (۱۰ : ۶۲)

۴۰۔ مساجد میں خدا کا ذکر ہوتا ہے (۱۱۴ : ۲)۔ (۴۰ : ۲۲)۔ (۳۶ : ۲۴)

۴۱۔ ہر قوم کے لئے جانور ذبح کرنے کا ایک طریق تھا کہ جس کے مطابق وہ اس پہ خدا کا نام لیتے تھے۔ (۳۴ : ۲۲)

۴۲۔ مومن، کارگہِ کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اور اس طرح کھڑے۔ بیٹھے۔ لیٹے خدا کو یاد کرتے ہیں (۱۸۹-۱۹۰ : ۳)

۴۳۔ منافق بہت کم اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ (۱۴۲ : ۴)

۴۴۔ کفار کے دل پہ ہمارے ذکر کی طرف سے پردے پڑے رہتے ہیں۔ (۱۰۱ : ۱۸)

۴۵۔ جہنم میں جانے والوں سے کہا جائے گا کہ تم ان لوگوں سے مذاق کیا کرتے تھے جو تمہیں صحیح راستہ بتایا کرتے تھے اور یوں تم نے میرا ذکر بھلا دیا تھا۔ (۱۱۰ : ۲۳)

۴۶۔ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے لئے رسول اللہؐ کی زندگی میں اسوۂ حسنہ۔ (۲۱ : ۳۳)

۴۷۔ مومن مردوں اور عورتوں کی صفات۔ اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے۔ (۳۵ : ۳۳)

۴۸۔ منافقین نے خدا کو بھلا دیا۔ خدا نے ایسا کر دیا کہ وہ خود اپنی ذات کو بھول گئے۔ (۶۷-۷۰ : ۹)۔ (۱۹ : ۵۹)

قرآن کریم یا وحیٔ خداوندی، ذکر ہے

۱۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اس پہ تعجب ہے کہ خدا کی طرف سے ذکر (دی) تم میں سے ایک انسان کی طرف کیوں آئی؟ (۶۳ : ۷)۔ یہی حضرت ہودؑ نے کہا۔ (۶۹ : ۷)

۲۔ یہ (قرآن) ذکرِ مبارک ہے جسے خدا نے نازل کیا ہے۔ (۵۰ : ۲۱)

۳۔ قرآن، ذکر للعالمین ہے۔ (۹۱ : ۶)۔ (۱۰۴ : ۱۲)۔ (۸۷ : ۳۸)۔ (۵۲ : ۶۸)۔ (۲۷ : ۸۱)۔ کفار اس کی سخت مخالفت کرتے تھے۔ (۵۱ : ۶۸)

۴۔ قرآن ذکر ہے۔ (۱۲۱ : ۱۱)۔ (۶۹ : ۳۶)۔ (۲-۵ : ۴۳)۔ (۱۰ : ۶۵)

۵۔ قرآن ذکر اللہ ہے جس سے مومنین کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ (۲۳ : ۳۹)

۶۔ جب کبھی ان کی طرف خدا کا ذکر آیا تو انہوں نے اسے ہنسی میں ٹال دیا۔ (۲ : ۲۱)۔ (۵ : ۲۶)۔ (۱۹۷ : ۳۷)

۷۔ رسول اللہ پر ذکر نازل ہوا۔ (۹ ؛ ۶ ، ۱۵۱) - (۴۴ : ۱۴) - (۹۹ : ۲۰) - (۸ : ۳۸) - (۲۵ : ۵۴)

۸۔ اہلِ کتاب کو اہل الذکر کہا گیا ہے۔ (۴۳ : ۱۶) - (۷ : ۲۱)

۹۔ قومیں جب "الذکر" کو بھلا دیتی ہیں تو تباہ ہو جاتی ہیں۔ (۱۸ : ۲۵)

۱۰۔ تنذیر انہی کے لئے ہے جو الذکر کا اتباع کرتے ہیں۔ (۱۱ : ۳۶)

۱۱۔ کیا یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان سے وحی کو الگ ہٹا دیں؟ (۵ : ۴۳)

۱۲۔ قرآن کو ذی الذکر کہا گیا ہے۔ (۱ : ۳۸) —— (۱۳) فلاں نے مجھے الذکر سے بہکا دیا۔ (۲۸ : ۲۵)

۱۴۔ جو لوگ الذکر سے (جو کتابِ عزیز ہے) انکار کرتے ہیں (ان کے لئے تباہی ہے) (۴۱ : ۴۱)

۱۵۔ قرآن کو ذکر کے لئے آسان بنایا گیا ہے۔ (۴۰ ؛ ۳۲ ؛ ۲۲ ؛ ۱۷ : ۵۴)

۱۶۔ قرآن ذکر الحکیم ہے۔ (۵۷ : ۳) —— (۱۷) ہم نے تمہیں اپنی طرف سے ذکر عطا کیا ہے۔ (۹۹ : ۲۰)

۱۸۔ قرآن، لوگوں کے لئے ذکر ہے۔ (۱۱۳ : ۲۰)

۱۹۔ ذکر کو پیش کرنے والی (یا اس کی اطاعت کرنے والی) جماعتیں۔ (۳ : ۳۷) - (۵ : ۷۷)

۲۰۔ عرب جاہلیہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس ذکر ہوتا تو ہم خدا کی اطاعت کرتے۔ (۱۶۸ : ۳۷)

۲۱۔ خدا نے ہماری طرف ذکر نازل کیا ہے۔ (۱۰ : ۶۵)

۲۲۔ موسیٰؑ کو کتاب دی جو ذکر للمتقین تھی۔ (۴۸ : ۲۱) - (۴۳ : ۲۸) - (۵۴ : ۴۰)

۲۳۔ مومنین کے سامنے جب آیاتِ خداوندی پیش کی جاتی ہیں تو وہ بے سوچے سمجھے ان پر نہیں گر پڑتے (۷۳ : ۲۵)۔ وہ قوانینِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ (۱۵ : ۳۲)۔ اگر ان کے دل میں کوئی "شیطانی خیال" یونہی گھومتے گھماتے بھی آ جائے۔ وہ قانونِ خداوندی کو یاد کر لیتے ہیں تو انہیں فوراً بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ (۲۰۱ : ۷)

۲۴۔ قرآن ذکریٰ للعالمین ہے۔ (۹۱ : ۶) - ذکریٰ للذاکرین ہے۔ (۱۱۴ : ۱۱)

۲۵۔ قرآن، انسان کے لئے ذکریٰ ہے (۳۱ : ۷۴)۔ (۲۶) کفار کا اعتراض کہ اس شخص پر بالخصوص ذکر کیوں نازل ہوا ہے۔ (۸ : ۳۸)

۲۷۔ قرآن مومنین کے لئے ذکریٰ ہے۔ (۲ : ۷) - (۱۱ : ۱۲۰) - (۵۱ : ۲۹) - اربابِ دانش کے لئے ذکر (۴۳ : ۳۸)۔ اس کا اتباع کرو۔ لیکن تھوڑے لوگ اس کا خیال رکھتے ہیں۔ (۳ : ۷)

۲۸۔ قرآن، تذکرہ ہے۔ سو جن کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے والا راستہ اختیار کر لے۔ (۲ : ۲۰) - (۷۳ : ۵۶)
(۱۲ : ۶۹) - (۴۸ : ۶۹) - (۹ ، ۳۰) - (۵۵ - ۵۴ : ۷۴) - (۲۹ : ۷۶) - (۱۱-۱۲ : ۸۰) - یہ خدا کا کلام

ہے۔ لیکن تھوڑے لوگ اس کا خیال رکھتے ہیں۔ (۴۲ : ۶۹)

۲۹۔ یہود و نصاریٰ کی کتابوں کو ذکر کہا گیا ہے جسے انہوں نے بھلا دیا تھا۔ (۱۴-۱۳ : ۵)

۳۰۔ یہ لوگ تذکرہ سے اعراض برتتے ہیں۔ (۴۹ : ۷۴)

۳۱۔ مختلف احکامات کے بعد کہا کہ یہ اس لئے دیئے گئے ہیں کہ تم انہیں اپنے پیشِ نظر رکھو۔ (۲۲۱ : ۲)-(۱۵۳ : ۶)
(۲۶ : ۷)-(۲۵ : ۱۴)-(۹۰ : ۱۶)-(۱-۲۴)-(۲۷ : ۲۴)

۳۲۔ قرآن نازل کیا تاکہ اس سے اربابِ عقل و بصیرت بات سمجھ لیں۔ (۲۹ : ۳۸)

۳۳۔ ہم مختلف مثالوں سے بات واضح کرتے ہیں تاکہ لوگ اسے سمجھ لیں۔ (۲۵ : ۱۴)-(۲۷ : ۳۹)

۳۴۔ رسول اللہ کو انبیاء سابقہ کے احوال بذریعہ وحی بتائے، تاکہ لوگ اس سے اندازہ لگا سکیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں ——
(۴۶ : ۲۸)—(۳۵) وحی کی تعلیم شروع سے مربوط چلی آ رہی ہے تاکہ لوگ بات سمجھ سکیں۔ (۵۱ : ۲۸)

۳۶۔ قرآن کو آسان بنایا تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔ (۵۸ : ۴۴)

۳۷۔ قرآن میں تصریفِ آیات سے مقصد یہ ہے کہ لوگ سمجھ جائیں۔ (۴۱ : ۱۷)

۳۸۔ قرآن تذکرہ ہے۔ سو جس کا جی چاہے اسے یاد رکھے۔ تمہیں وہی یاد رکھنا چاہیئے جو خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہو۔ (۵۶-۵۴ : ۷۴)—(۳۹) قرآن کی آیات اس قوم کے لئے واضح کر دی گئی ہیں جو انہیں یاد رکھنا چاہے۔ (۱۲۷ : ۶)

۴۰۔ رسول اللہ مذکِّر (یاد دہانی کرانے والے) تھے۔ (۲۱ : ۸۸)—(۴۱) قرآنی تنذیر سے مقصد تذکیر ہوتا ہے۔ (۴۶ : ۲۸)

۴۲۔ اس سے ظالم کون ہو گا کہ اسے آیاتِ خداوندی کی یاد دہانی کرائی جائے اور وہ ان سے منہ موڑ لے۔ (۵۷ : ۱۸)-(۲۲ : ۳۲)

ذکر بمعنی عبرت و موعظت۔ یاد دہانی

۱۔ قرآن کے ذریعے انہیں عبرت دلاؤ۔ (۷۰ : ۶)-(۴۵ : ۵۰)

۲۔ تم انہیں عبرت دلائے جاؤ۔ ان کے سامنے قرآن پیش کئے جاؤ۔ (۲۹ : ۵۲)

۳۔ تو انہیں عبرت دلائے جا۔ تیرا منصب ہی یہی ہے۔ (۱۰-۹ : ۸۷)-(۲۱ : ۸۸)

۴۔ انہیں یاد دلائے جاؤ۔ مومنین کو یہ چیز نفع بخشتی ہے۔ (۵۵ : ۵۱)—(۵)۔ انہیں ایام اللہ کی یاد دلاؤ۔ (۵ : ۱۴)

۶۔ جب تمہیں عبرت دلائی جاتی ہے یا یاد دہانی کرائی جاتی ہے۔ (تو تم اور زیادہ بے راہ رو ہو جاتے ہو)۔ (۹ : ۳۶)

۷۔ کفار کو جب عبرت دلائی جاتی ہے تو وہ عبرت نہیں پکڑتے۔ (۱۳ : ۳۷)

۸۔ جن امور کی انہیں یاد دلائی جاتی تھی۔ جب انہوں نے انہیں پس پشت ڈال دیا تو پہلے ان پر آسائشوں کے دروازے کھل گئے اور پھر عذاب نے آ پکڑا۔ (۶:۴۴) ۔(۷:۱۶۵)۔ نصاریٰ نے اس کا ایک حصہ فراموش کر دیا۔ (۵:۱۴)
۹۔ یہ تو ایک یاد دہانی ہے۔ سو جس کا جی چاہے اس سے عبرت حاصل کرے۔ (۷۴:۵۶) ۔(۷۶:۲۹) ۔(۸۰:۱۱-۱۲)
۱۰۔ یہ ایک یاد دہانی ہے تاکہ یہ اپنے فرائض کی نگہداشت کریں۔ (۶:۶۹)
۱۱۔ قوموں کی تباہی سے پہلے انہیں یاد دہانی کرانے والا آتا ہے۔ (۲۶:۲۰۸-۲۰۹)
۱۲۔ آخرت کو سامنے رکھنے سے سیرت کی پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔ (۳۸:۴۶)
۱۳۔ مختلف مظاہرِ فطرت کی طرف توجہ دلانے کے بعد کہا کہ ان میں اربابِ دانش کے لئے یاد دہانی ہے (۳۹:۲۱)۔ (۵۰:۸)۔ اسی طرح تاریخی شواہد بیان کرنے کے بعد کہا۔ (۵۰:۳۷)
۱۴۔ رسول بھی آ گیا۔ اب اس کے بعد انہیں اور کب یاد دہانی ہوگی؟ (۴۴:۱۳)
۱۵۔ جب جہنم سامنے آ جائے تو پھر عبرت و موعظت حاصل کرنے سے کیا فائدہ؟ (۴۷:۱۸) ۔(۸۹:۲۳)
۱۶۔ اسے تعلیم دو۔ ہو سکتا ہے کہ اسے اس سے عبرت حاصل ہو جائے۔ (۸۰:۴)
۱۷۔ کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جس کا جی چاہے عبرت حاصل کر لے۔ (۳۵:۳۷)
۱۸۔ یہ بتانے کے بعد کہ سامانِ رزق میں تمہارا کس قدر حصہ ہے اور خدا کا کس قدر، کہا کہ یہ تذکرہ ہے (۵۶:۷۳)۔ چوپائے مسخر کر دیئے۔ یہ نعمت ہے۔ جس کا ذکر کرو۔ (۴۳:۱۳) ۔(۹:۱۲)
۱۹۔ بارش کی مثال سے کہا کہ اس طرح ہم مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور یہ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔ (۷:۵۷) دیگر مظاہرِ فطرت کے بعد بھی یہی کہا۔ (۱۰:۳) ۔(۱۶:۱۳) ۔(۲۵:۶۲) ۔(۳۲:۴) ۔(۳۹:۲۱) ۔(۴۰:۱۳) ۔(۵۰:۸) ۔(۵۱:۴۹) ۔(۸۸:۲۱)۔ اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ کیا اس سے تم عبرت نہیں حاصل کرتے۔ (۱۱:۲۴) ۔(۴۰:۵۸)
۲۰۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ اگر میں اپنے متبعین کو اس لئے دھتکار دوں کہ یہ غریب ہیں تو مجھے خدا کے عذاب سے کون بچا سکتا ہے ——— کیا تم اس سے بات نہیں سمجھتے؟ (۱۱:۳۰)
۲۱۔ خالق کبھی ان کے برابر ہو سکتا ہے جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ کیا تم اس سے بات نہیں سمجھتے؟ (۱۶:۱۷)
۲۲۔ زمین میں جو کچھ ہے خدا کا ہے۔ کیا تم اس سے بات نہیں سمجھتے۔ (۲۳:۸۵)
۲۳۔ تم اللہ کی اولاد کا عقیدہ رکھتے ہو؟ کیا تم بات نہیں سمجھتے۔ (۳۷:۱۵۵)

۲۴۔ جو جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے اس کی عقل و فکر ماؤف ہو جاتی ہے۔ کیا تم بات نہیں سمجھتے۔ (۲۳ : ۴۵)
۲۵۔ نشاۂ ثانیہ کے سلسلہ میں کہا کہ کیا تم بات نہیں سمجھتے؟ (۶۲ : ۵۶)
۲۶۔ خدا کا علم ہر شئے کو محیط ہے۔ کیا تم اس سے بات نہیں سمجھتے؟ (۸۱ : ۶)
۲۷۔ عبرت یا یاد دہانی ارباب بصیرت ہی حاصل ——— کر سکتے ہیں۔ (۱۹ : ۱۳) - (۹ : ۳۹) وہ جو اس کی طرف رجوع کرے۔ (۲۶۹ : ۲) - (۷ : ۳) - (۱۴ : ۵۲) - (۱۳ : ۴۰)
۲۸۔ حضرت موسٰی نے کہا کہ فرعون سے نرمی سے بات کرنا۔ شاید وہ اس سے بات سمجھ لے۔ (۴۴ : ۲۰)
۲۹۔ ظہورِ نتائج کے وقت انسان عبرت حاصل کرے گا۔ لیکن اس وقت اس کا عبرت حاصل کرنا کس کام کا؟ ——— (۳۵ : ۶۹) — (۲۳ : ۸۹)
۳۰۔ انہیں یاد دہانی کرائے جاؤ۔ اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن عبرت تو وہی حاصل کر سکتا ہے جو غلط روی کے نتائج سے ڈرتا ہو۔ (۵۵ : ۵۱) - (۱۰-۹ : ۸۷)
۳۱۔ انہیں جب عبرت حاصل کرنے کو کہا جاتا ہے تو یہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ (۱۳ : ۳۷)
۳۲۔ قومِ فرعون پہ ہلکے ہلکے عذاب آتے رہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔ (۱۳۰ : ۷)
۳۳۔ جنگ سے عبرت حاصل کریں۔ (۵۷ : ۸)۔ لیکن یہ ایسا نہیں کرتے۔ (۱۲۶ : ۹)
۳۴۔ انہیں یاد دہانی کراتے جاؤ۔ تم یاد دہانی کرانے والے ہو۔ (۲۱ : ۸۸)
۳۵۔ عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے قرآن کی آیات مفصل ہیں۔ (۱۲۷ : ۶)
۳۶۔ قرآن کے احکام و اصول، عبرت و موعظت ہیں ان کے لئے جو انہیں اپنے سامنے رکھیں۔ (۱۱۴ : ۱۱)
۳۷۔ بہت کم لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (۶۲ : ۲۷)

ذکر بمعنی شرف و عزت

۱۔ رسول اللہ نے کہا کہ یہ (قرآن) میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے بھی اسی طرح باعثِ شرف و عزت ہے۔ جس طرح مجھ سے پہلے انبیاء کے لئے وجۂ شرف تھا۔ (۲۴ : ۲۱)
۲۔ قرآن تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے وجۂ شرف ہے۔ (۴۴ : ۴۳)
۳۔ ہم نے یہ کتاب نازل ..... کی ہے جو خود تمہارے شرف کا موجب ہے۔ (۱۰ : ۲۱)۔ لیکن اس سے روگردانی

کرتے ہو۔ (۶۱ : ۲۳)

۴۔ رسول اللہ کے ذکر (شرف و عظمت) کو خدا نے بلند کر دیا۔ (۴ : ۹۴)

ذکر کے مختلف معانی

۱۔ حضرت یوسفؑ کے ساتھی قیدی کو وہ بات اپنے آقا سے کہنی یاد نہ رہی جو حضرت یوسفؑ نے اس سے کہی تھی۔ (۱۲:۴۲)

۲۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے کہ اس کے سامنے آیات اللہ کا ذکر کیا جائے تو وہ ان سے اعراض برتے۔ (۱۸ : ۵۷)

۳۔ جب یہ بات یاد آجائے تو پھر ان کے پاس مت بیٹھو۔ (۶ : ۶۸)

۴۔ یہ پوچھتے ہیں کہ وہ انقلاب جس کا تم ذکر کرتے رہتے ہو، کب آئے گا؟ (۷۹ : ۴۳)

۵۔ رسول اللہ کی ازواجِ مطہرات سے کہا کہ جو کچھ تمہارے گھروں میں تلاوت ہوتا ہے، اسے یاد رکھو۔ اسے ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے رکھو۔ (۳۳ : ۳۴)

۶۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ میری نعمتوں کو یاد رکھو۔ (۲ : ۴۰)۔(۲ : ۴۷)۔(۲ : ۶۳)۔(۲ : ۱۲۲)

۷۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی نعمتوں کو یاد کرو۔ (۵ : ۲۰)۔(۱۴ : ۶)

۸۔ جماعتِ مومنین سے کہا کہ تم میری نعمتوں کو یاد کرو۔ جب میں نے تمہیں تمہارے دشمن کی دست درازیوں سے محفوظ رکھا (۵ : ۱۱)۔(۳۳ : ۹)۔ تم قلیل و کمزور تھے۔ (۸ : ۲۶)

۹۔ نوعِ انسان سے کہا کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ (۳۵ : ۳)

۱۰۔ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی اس نعمت کو یاد کرو، کہ اس نے تمہیں قومِ نوحؑ کا جانشین بنایا۔ (۷ : ۶۹)
یہی حضرت صالحؑ نے قومِ ثمود سے کہا۔ (۷ : ۷۴) اور حضرت شعیبؑ نے (۷ : ۸۶)

۱۱۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ جو احکام تورات میں دیئے گئے ہیں، انہیں اپنے پیشِ نظر رکھو۔ (۲ : ۶۳)۔(۷ : ۱۷۱)۔

۱۲۔ مومنین کے دل میں اگر یونہی کوئی غلط خیال آجاتا ہے تو وہ فوراً قوانینِ خداوندی کو اپنے سامنے سے لے آتے ہیں۔ (۷ : ۲۰۱) ــــ (۱۳) کشتی پر سوار ہو تو خدا کی نعمت کو یاد کرو۔ (۴۳ : ۱۲)

۱۴۔ اتباع صرف قرآن کا کرو۔ کسی اور کا نہ کرو۔ لیکن بہت کم ہیں جو اس حقیقت کو یاد رکھتے ہیں۔ (۷ : ۳)

۱۵۔ تذکیر کے معنی بات یاد دلانا۔ (۱۰ : ۶۱)

۱۶۔ کیا انسان کو یہ بات یاد نہیں کہ ہم نے اسے اسطرح پیدا کیا کہ اس سے پہلے یہ کوئی شے ہی نہیں تھا ـــــ

(۶۷ : ۱۹) — (۱ : ۶)

۱۷۔ ذکر کے معنی اطاعت کے ہیں کیونکہ اس کے بعد تَوَلَّيْتُمْ اور اِعْتَدَوْا آیا ہے۔ (۶۵-۶۴ : ۲)

۱۸۔ ذکر کے معنی جہاد بھی ہو سکتے ہیں۔ (۱۰۳ : ۴) ۔ (۴۵ : ۸) ۔ طاغوتی قوتوں کے خلاف نبرد آزمائی (۴۳ : ۲۱) — (۲۰ : ۳۴ ؛ ۴۴)

۱۹۔ ہم نے زبور میں الذکر کے بعد لکھ دیا تھا کہ زمین صالحین کی وراثت ہے۔ (۱۰۵ : ۲۱)

انبیاءؑ کرام کا ذکر

۱۔ خدا کی اس رحمت کا ذکر جو اس نے زکریاؑ پر کی۔ (۲ : ۱۹)

۲۔ انبیاءؑ سابقہ کے تذکرہ کے بعد کہا کہ هٰذَا ذِكْرٌ۔ یہ ان کا ذکر ہے۔ (۴۹ : ۳۸)

۳۔ حضرت عیسٰیؑ سے کہا کہ میری نعمت کو یاد کرو۔ (۱۱۰ : ۵)

۴۔ حضرت ایوبؑ کا تذکرہ، عابدین کے لئے ذکر ہے۔ (۸۴ : ۲۱)

۵۔ قرآن میں مریمؑ کا قصہ بیان کرو۔ (۱۶ : ۱۹) ۔ ابراہیمؑ کا (۴۱ : ۱۹) ۔ موسٰےؑ کا (۵۱ : ۱۹) ۔ اسمٰعیلؑ کا (۵۴ : ۱۹)
ادریسؑ کا (۵۶ : ۱۹) ۔ داؤدؑ کا (۱۷ : ۳۸) ۔ ایوبؑ کا (۴۱ : ۳۸) ۔ ابراہیمؑ ۔ اسحٰقؑ ۔ یعقوبؑ کا (۴۵ : ۳۸)
اسمٰعیلؑ ۔ الیسعؑ ۔ ذاالکفلؑ کا۔ (۴۸ : ۳۸) حضرت ہودؑ کا (۲۱ : ۴۶)

متفرق

۱۔ جس پر خدا کا نام لیا جائے، اسے کھاؤ۔ جس پر نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ۔ (۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲ : ۶) ۔ (۴ : ۵)

۲۔ حضرت موسٰیؑ کو جب فرعون کی طرف بھیجا گیا تو کہا کہ یاد رکھو! میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ اس سے واضح ہے کہ خدا کا ذکر کیا ہوتا ہے! انقلاب آفرین جدوجہد۔ (۱۴ : ۲۰) ۔ (۴۲ : ۲۰)

۳۔ ازواجِ مطہرات سے کہا گیا کہ تمہارے ہاں جو کتاب و حکمت کی تلاوت ہوتی ہے اسے پیشِ نظر رکھا کرو۔ (۳۴ : ۳۳)

۴۔ بنی اسرائیل کو نعمائے خداوندی کی یاد دہانی۔ (۴۰ ؛ ۴۷ ؛ ۶۳ ؛ ۱۲۲ : ۲)

۲۔ ذلّت، پستی

(عزّت)۔ تکریم

ذلّت۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ کسی قوم کی غلط روش کا نتیجہ اس دنیا میں ذلت و خواری، اور اگلی دنیا میں عذاب ہے۔ اگلی دنیا کا عذاب یہاں دیکھا نہیں جا سکتا اس لئے اس کے متعلق کوئی مرئی شہادت پیش نہیں کی جا سکتی۔ اس بنا پر انسان خود فریبی میں مبتلا رہ سکتا ہے کہ اس کی (غلط) روش غلط نہیں۔ لیکن دنیا کی ذلت و خواری ایسی چیز ہے جسے یہاں دیکھا جا سکتا اس لئے اس باب میں کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی قوم دنیا میں ذلیل اور پست ہے، وہ اپنی ضروریاتِ زندگی تک کے لئے دوسروں کی محتاج ہے، اسے اپنی حفاظت اور سلامتی کی طرف سے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے تو اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ صحیح روش پر نہیں چل رہی۔ اور جب وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہے تو اس کی عاقبت بھی سنوری ہوئی نہیں ہو سکتی۔ وہ وہاں بھی عذاب میں مبتلا ہوگی۔ (اس معیار اور اصول کے متعلق "دنیا" کے عنوان میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ اسے دیکھ لینا ضروری ہے۔)

۱۔ قرآن کریم میں ذلت کے مقابلہ میں عزت کا لفظ آیا ہے۔ عزت کے معنی غلبہ اور قوت ہے۔ اس لئے ذلت، ہر قسم کی پستی، زبوں حالی، محتاجی، زیردستی اور محکومیت ہے۔ اور یہی صحیح اور غلط روش کے پرکھنے کا محسوس معیار ہے۔

۲۔ خدا کی ایک صفت عزیز بھی آئی ہے اس کے معنی صاحبِ غلبہ کے ہیں۔ اسے (اور خدا کی صفت عزّت کو) غلبہ کے عنوان کے تحت دیکھئے۔

۳۔ تکریم میں عزت اور فراوانی کا تصور ہوتا ہے ہم نے اسے بھی، اسی عنوان کے تحت درج کر دیا ہے۔ دراصل کرَم کا مادہ عربوں کے ہاں بڑا وسیع المعانی تھا۔ اس کے اندر ہر فضیلت اور شرف و مجد کے امور و خصائل آ جاتے تھے۔ قرآن کریم نے بھی جہاں یہ مادہ استعمال کیا ہے، اس کے بڑے وسیع معنی ہیں۔ ہمارے ہاں چونکہ تکریم کا لفظ بالعموم عزت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے ہم نے اسے اس مقام پر درج کر دیا ہے۔

۴۔ اصولی طور پر قرآن نے کہا ہے کہ خدا نے تمام بنی آدم کو واجب التکریم پیدا کیا ہے۔ (۱۷:۷۰) اس لئے پیدائش کی نسبت سے کسی بچے کو صاحبِ عزت اور کسی کو ذلیل سمجھنا، اس اصولی تعلیم کے خلاف ہے۔ یہ اصول، مساواتِ انسانیہ

اور احترامِ آدمیت کا منشور ہے۔

ذلت خدا کا عذاب ہے

۱۔ کتابِ خداوندی کے ایک حصہ پر ایمان لانے اور دوسرے حصہ سے انکار کر دینے کا فطری نتیجہ اس دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ شدید ہے۔ (۲:۸۵)

۲۔ جماعتِ مومنین کے دشمنوں کو جنگ میں شکست ہوگی اور اس طرح وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔ (۳:۱۱۱)۔(۳:۱۲۶)۔(۹-۱۴)۔(۵:۵۹)

۳۔ نظامِ خداوندی کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ یہ ان کی دنیا میں ذلت ہوگی۔ آخرت کا عذاب الگ ہوگا۔ (۵:۳۳)۔(۹:۶۳)۔(۵۸:۵)۔(۵۸:۲۰)

۴۔ منافقین اور یہود، جو جماعتِ مومنین کی مخالفت کرتے تھے، ان کے لئے دنیاوی زندگی میں ذلت اور آخرت میں عذابِ عظیم۔ (۵:۴۱)۔(۵۸:۱۶)

۵۔ مفتری علی اللہ۔ اور حق کی تکذیب کرنے والے، دونوں کے لئے ذلت آمیز عذاب۔ (۶:۹۴)

۶۔ جماعتِ مومنین کے مخالفین کی ذلت آمیز تباہی۔ (۳:۱۷۷)۔(۶:۱۲۵)۔(۹:۲)۔(۹:۱۴)

۷۔ انبیاء کے مخالفین پر مصائب اور محتاجی کا عذاب۔ (۷:۹۴)

۸۔ اعمالِ حسنہ سے کبھی ذلت آمیز زندگی نہیں ہو سکتی۔ ذلت، اعمالِ سیئہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ (۱۰:۲۶-۲۷)

۹۔ قومِ یونسؑ جب ایمان لے آئی تو اس سے دنیاوی ذلت کا عذاب اٹھ گیا۔ (۱۰:۹۸)

۱۰۔ حضرت صالحؑ اور ان کے ساتھی ذلت کے عذاب سے محفوظ رکھے گئے۔ (۱۱:۶۶)

۱۱۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ذلت آمیز تباہی کس کے حصے میں آتی ہے یہ تکذیبِ صداقت کا نتیجہ ہوگا۔ (۱۱:۹۳)

۱۲۔ حق و صداقت کے مخالفین کے لئے قیامت میں بھی ذلت آمیز عذاب ہوگا۔ (۱۶:۲۷)

۱۳۔ رسول اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم پر ذلت و خواری کا عذاب مسلط کرنے سے پہلے ہمیں متنبہ کیوں نہ کیا گیا۔ (۲۰:۱۳۴)

۱۴۔ خدا کے بارے میں بلا علم و دلیل جھگڑا کرنے والوں کو دنیا میں ذلت آمیز عذاب (۲۲:۸-۹)

۱۵۔ تکذیبِ آیاتِ خداوندی کرنے والوں کو ذلت آمیز عذاب۔ (۲۲ : ۵۷)۔(۲۵ : ۶۹)۔(۳۹ : ۲۶)

۱۶۔ قوانینِ خداوندی سے استہزا کرنے والوں کی ذلت آمیز تباہی۔ (۲۱ : ۷)۔(۱۸ : ۳۷)۔(۴۵ : ۹)

۱۷۔ محکومیت، ذلت آمیز عذاب ہے۔ (۲۳ : ۴۷)۔(۲۷ : ۳۷)۔(۳۴ : ۱۴)۔(۴۳ : ۵۲)۔(۴۴ : ۳۰)

۱۸۔ قومِ عاد کو دنیا میں ذلت آمیز عذاب۔ (۴۱ : ۱۶)۔(۴۱ : ۱۷)۔ اور قیامت کا عذاب اس سے بھی ذلیل تر۔

۱۹۔ مخالفینِ حق و صداقت، ذلت سے جھکی ہوئی نگاہوں کے ساتھ آئیں گے۔ (۴۲ : ۴۵)۔(۶۸ : ۴۳)

(۷۰ : ۴۴)۔(۷۹ : ۹) — (۲۰)۔ قیامت میں ذلت آمیز عذاب۔ (۴۶ : ۲۰)

۲۱۔ کسی کو گھروں سے نکال باہر کرنے والوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔ (۵۹ : ۲)

۲۲۔ منافقین، مسلمانوں کو ذلیل کہتے تھے۔ حالانکہ عزت سب مومنین کے لئے تھی۔ (۶۳ : ۸)

۲۳۔ قوانینِ خداوندی کی اطاعت نہ کرنے سے ذلت نصیب ہوتی ہے (۲۲ : ۱۸)۔ اسے پھر کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

۲۴۔ خدا کی طرف سے ذلت یونہی نہیں آجاتی۔ تم یتیموں کی عزت نہیں کرتے تھے۔ محتاجوں کے رزق کا انتظام نہیں کرتے تھے۔ مالِ وراثت اکیلے کھا جاتے تھے۔ مال جمع کئے چلے جاتے تھے۔ اسی لئے تم ذلیل ہوگئے۔ (۸۹ : ۱۵-۲۰)

۲۵۔ کفار کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔ (۳ : ۱۷۷)۔ معصیتِ خدا و رسول سے۔ (۴ : ۱۴)۔(۴ : ۳۷)

(۴ : ۱۰۲)۔(۴ : ۱۵۱) — (۲۶)۔ کمینے دشمن کو ذلیل کہا گیا ہے۔ (۶۸ : ۱۰)

۲۷۔ خدا و رسول کو اذیت دینے والوں کے لئے ذلت آمیز عذاب۔ (۳۳ : ۵۷)

۲۸۔ قیامت کے دن کی ذلت بہت بڑی ہوگی۔ (۱۶ : ۲۷)

۲۹۔ ملوکیت میں صاحبانِ عزت کو ذلیل کر دیا جاتا ہے۔ (ملکۂ سبا کا قول)۔ (۲۷ : ۳۴)

۳۰۔ خدا، رسول اور اس کے ساتھیوں کو قیامت میں ذلیل نہیں کرے گا۔ (۶۶ : ۸)

۳۱۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلت آمیز عذاب آتا ہے۔ (۱۱ : ۳۹)۔

یہی رسول اللہؐ نے اپنی قوم سے کہا۔ (۳۹ : ۴۰)

۳۲۔ مؤمنین کی دعائیں کہ ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ (۳ : ۱۹۴)۔(۲۶ : ۸۷)

۳۳۔ کارگہِ کائنات پر غور و فکر نہ کرنے والے "آگ کے عذاب" میں جو بڑا رسواکن ہے۔ (۳ : ۱۹۱)

۳۴۔ مساجد اللہ کی تخریب سے دنیا اور آخرت میں ذلت آمیز ذلت۔ (۲ : ۱۱۴)

۳۵۔ رزق کی تنگی، ذلت کا عذاب ہے۔ (۸۹ : ۱۶)

بنی اسرائیل کی ذلّت کی زندگی

۱۔ بنی اسرائیل نے جب سخت کوشی کی بجائے سہل انگاری کی زندگی کو ترجیح دی تو اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس پر ذلت و پستی کا عذاب مسلط ہو گیا۔ (۶۱ : ۲)

۲۔ یہ جماعتِ مومنین کے خلاف نبرد آزما ہوں گے تو شکست کھائیں گے اور ذلیل و خوار ہوں گے۔ (۱۱۱ : ۳)

۳۔ بنی اسرائیل اپنی غلط روش کی وجہ سے چالیس سال تک بیابانوں میں مارے مارے پھرتے رہے۔ (۲۶ : ۵)

۴۔ رسول اللہ کے زمانے کے یہودی جو اسلام کی مخالفت کرتے تھے، ان کے لئے دنیاوی زندگی میں ذلت و خواری اور آخرت میں عذابِ عظیم۔ (۹۰ : ۲) ۔ (۴۱ : ۵)

۵۔ گؤسالہ پرستی کا نتیجہ دنیا میں ذلت و خواری تھی۔ جو، انسان ہوتے ہوئے حیوانات کے سامنے جھک جائے یا سنگ و خشت کو سجدے کرنے لگ جائے اس کی ذلت میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔ (۱۵۲ : ۷)

۶۔ فرعون کی محکومیت ذلت آمیز عذاب تھا جس سے بنی اسرائیل کو نجات دلائی گئی۔ (۳۰ : ۴۴)

۷۔ بنی اسرائیل کو فرعون کے "مقام کریم" (باعزت مقامات) کا وارث بنایا گیا۔ (۵۸ : ۲۶) ۔ (۲۶ : ۴۴)

عزّت

۱۔ خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق زندگی بسر کرنے سے عزت ملتی ہے۔ اس کی خلاف ورزی سے ذلت (۲۵ : ۳)

۲۔ خدا کے نبی، دنیا اور آخرت دونوں میں معزز و مکرم ہوتے ہیں۔ (۴۴ : ۳)

۳۔ اعمالِ حسنہ کا نتیجہ عزت۔ اعمالِ سیّئہ کا نتیجہ ذلت و خواری ہے۔ (۲۷ - ۲۶ : ۱۰)

۴۔ عزت سب، اللہ۔ اس کے رسول اور جماعت مومنین کے لئے ہے۔ (۸ : ۶۳)

۵۔ اسلام کا خدا، بلندیوں کی طرف لے جانے والے راستوں کا مالک ہے۔ (۳ : ۷۰)

۶۔ منافق غیروں کے ہاں عزت تلاش کرتا ہے۔ عزت تو اللہ ہی کے ہاں سے مل سکتی ہے۔ (۱۳۹ : ۴) ۔ (۶۵ : ۱۰) (۸ : ۶۳) ــــ (۷)۔ یہ غیراللہ کو الٰہ مانتے ہیں تاکہ ان کے ہاں سے انہیں عزت (غلبہ۔ قوت) مل جائے۔ (۸۱ : ۱۹)

۸۔ عزت خدا کے ہاں سے ملتی ہے۔ اعمالِ صالحہ انسان کو بلندیوں کی طرف لیجاتے ہیں (۱۰ : ۳۵) ۔ (۹)۔ جنت کا مستحق، صاحبِ عزت و تکریم ہوتا ہے (۲۷ : ۳۶)

۱۰۔ کفر سے جھوٹی عزت حاصل ہوتی ہے۔ (۲ : ۳۸)۔ اُسے انانیت کہا جائے گا۔ یا پندارِ نفس۔ منافق کو بھی

ے ڈوبتی ہے ۔ (۲۰۶ : ۲) ——— (۱۱)۔ خدا رب العزت ہے۔ (۱۸۰ : ۳۷)

۱۲۔ ابلیس نے خدا کی عزت کی قسم کھائی تھی ۔ (۸۲ : ۳۸)

۱۳۔ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ واجب العزت وہ ہے جو سب سے زیادہ فرائض شناس ہے ۔ (۱۳ : ۴۹)

۱۴۔ دنیاوی عزت و اکرام سے انسان غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ (۱۵ : ۸۹)

۱۵۔ جو معاشرہ میں تنہا رہ جائے (یتیم) اس کی عزت کرنا نہایت ضروری ہے ۔ (۱۷ : ۸۹)

۱۶۔ جب ملوک کسی ملک پہ غلبہ حاصل کرتے ہیں تو وہاں کے اعزّہ کو اذلّہ بنا دیتے ہیں۔ (۳۴ : ۲۷) - (۸ : ۶۳)

۱۷۔ مومن ایک دوسرے کے سامنے جھکے ہوئے ہوتے ہیں (اذلّہ) لیکن مخالفین کے مقابلہ میں غلبہ و اقتدار کے مالک ہوتے ہیں۔ (۵۴ : ۵)

۱۸۔ مال و دولت حاصل کر لینے والا اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ صاحبِ عزت ہے (۳۴ : ۱۸)

باعزت روٹی (رزق کریم)

(۱) مومنین مجاہدین کے لئے رزق کریم ۔ (۴ : ۸) - (۷۴ : ۸) - (۵۰ : ۲۲) - (۲۶ : ۲۴) - (۴ : ۳۴)

(۲) نساء النبی کو بھی ۔ (۳۱ : ۳۳)

کریم (صاحبِ عزت و تکریم)

۱۔ خدا کریم ہے ۔ (۱۱۶ : ۲۳) - (۴۰ : ۲۷) - (۶ : ۸۲)۔ اکرم ہے ۔ (۳ : ۹۶)۔ ذوالجلال والاکرام ہے ——— (۲۷ : ۵۵) - (۷۸ : ۵۵)

۲۔ اس کے رسول کریم ہوتے تھے۔ (۱۷ : ۴۴) - (۴۰ : ۶۹) - (۱۹ : ۸۱)۔ مومن بھی صاحبِ تکریم ہوتے ہیں۔ (۲۷ : ۳۶) - (۴۲ : ۳۷) - (۳۵ : ۶۰)

۳۔ قرآن بھی کریم ہے ۔ (۷۷ : ۵۶) - (۱۳ : ۸۰)۔ اس کے لکھنے والے مکرم تھے ۔ (۱۶ : ۸۰)

۴۔ مومنوں کو اجرِ کریم ملے گا ——— (۳۱ : ۳۳) - (۴۴ : ۳۳) - (۱۱ : ۳۶) - (۱۱ : ۵۷) - (۱۸ : ۵۷)۔ انہیں مدخلِ کریم میں داخل کیا جائے گا ۔ (۳۱ : ۴)۔ ان میں سے اکرم وہ ہوگا جو سب سے زیادہ تقوٰی شعار ہوگا۔ (۱۳ : ۴۹)

۵۔ ملائکہ - عبادِ مکرم ہیں - (۲۶ : ۲۱) - کراماً کاتبین (۱۱ : ۸۲)
۶۔ حضرت ابراہیمؑ کے مہمان معزز تھے - (۲۴ : ۵۱)
۷۔ قومِ فرعون کو مقامِ کریم سے نکال باہر کیا - (۵۸ : ۲۶) — (۲۶ : ۴۴)
۸۔ اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ شجرۃ الزقوم کو چکھو - تم بڑے عزیز الکریم بنے پھرتے تھے - (۴۹ : ۴۴)
۹۔ مومن کو اگر کبھی لغو کے پاس سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ کراماً گذر جاتا ہے - (۷۲ : ۲۵)
۱۰۔ جو معیارِ خداوندی کی رد سے ذلیل ہو جائے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا - (۱۸ : ۲۲)

متفرق

۱۔ انسانی اعمال کو محفوظ کرنے والے ملائکہ کو کراماً کاتبین کہا گیا ہے - یعنی باعزت لکھنے والے - (۱۱ : ۸۲)
۲۔ قرآنِ کریم لکھنے والے بھی صاحبِ عزت تھے - (۱۲ : ۸۰)
۳۔ اہلِ جہنم سے کہا جائے کہ تم دنیا میں بڑے صاحبِ عزت بنے پھرتے تھے - (۴۹ : ۴۴)
۴۔ ماں باپ سے باعزت طریق پہ بات کرو - (۲۳ : ۱۷)

(۰)

۲۔ ذوالقرنین

ذوالقرنین - سورۂ کہف میں ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے (اس کے لفظی معنی ہیں دو سینگوں والا) قرآن نے متعین طور پہ نہیں بتایا کہ اس سے کون مراد ہے - غالباً اس لئے کہ اس زمانے کے مخاطب عرب، اس لقب سے اچھی طرح جانتے تھے کہ اس سے کون مراد ہے ورنہ وہ وہیں دریافت کرتے کہ یہ کس کا ذکر ہو رہا ہے - قرآن کریم نے اس سلسلہ میں جو واقعات بیان کئے ہیں - ان سے عصرِ حاضر کی تحقیق کا رخ اس طرف گیا ہے کہ اس سے مراد ایران کا شاہنشاہ کیخسرو (خرس یا سائرس) ہے اور اس کے دو سینگوں سے مراد میڈیا اور فارس کی دو سلطنتیں ہیں - کوئی سو سال کا عرصہ ہوا، اصطخر کے کھنڈرات سے شہنشاہ خرس کا ایک مجسمہ برآمد ہوا ہے جس کے سر پہ مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں - (SIR PERCY SYKES) نے اس مجسمہ کا فوٹو اپنی کتاب (A HISTORY OF PERSIA) کی جلد اول کے شروع میں دیا ہے - یہ شاہنشاہ، زرتشت کا

کا پیرو تھا ۔ لیکن اس نے یہودیوں کو بابل کی اسیری سے نجات دلاکر، انہیں دوبارہ بیت المقدس میں آباد کیا تھا۔ اس سے اس کی وسعتِ ظرف اور انصاف پروری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس نے ہر جگہ کمزور قوموں کی حمایت کی۔ اور انہیں بالادستوں کے ظلم وستم سے نجات دلاکر ان کی حفاظت کا سامان بہم پہنچایا۔ اس کے یہی جوہرِ انسانیت ہیں جس کی وجہ سے قرآن کریم نے اس کے تذکرہ کو اپنے دامن میں محفوظ کرکے اسے حیاتِ جاوداں عطا کردی ہے۔

۱۔ اہلِ ایران اسے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء میں حکومتِ ایران کے زیرِ اہتمام اس کی یاد میں ایک عظیم الشان جشن منایا گیا جس میں ساری دنیا کی قوموں کے نمائندے بطور مہمان شریک ہوئے۔ ایرانی ابھی تک اپنا سلسلہ زمانہ قبل از اسلام کے مشاہیرے ملاتے رہتے ہیں اور اس میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

۲۔ قرآن اس کے تذکرہ کی ابتدا اس طرح کرتا ہے کہ خدا نے اسے تمکن فی الارض عطا کیا تھا اور ہر قسم کے اسباب ووسائل کی فراوانی بخشی تھی۔ (۸۳-۸۴ : ۱۸)

اس نے پہلے ایران سے مغرب کی سمت کا رخ کیا اور اور لیڈیا کے دارالحکومت سارڈس کو فتح کرکے سمندر کے کنارے تک جا پہنچا جہاں اسے یوں دکھائی دیا جیسے سورج سیاہ پانی میں ڈوب رہا ہے (۸۵-۸۶ : ۱۸)۔ پھر اس نے مشرق کی طرف لشکر کشی کی اور باختر کے علاقہ کی طرف گیا۔ (۸۹-۹۱ : ۱۸)۔ اس کی تیسری مہم کوہ کاکیشیا کی طرف تھی۔ جہاں اس نے درۂ کوہ میں ایک مضبوط دیوار بنا کر اس علاقہ کے باشندوں کو شمال کی طرف سے حملہ کرنے والے وحشی قبائل — (یاجوج، ماجوج) کی مار دھاڑ سے محفوظ کر دیا۔ (۹۲-۹۸ : ۱۸) اس نے یہ سب کچھ بغیر کسی معاوضہ کے کیا۔ اس کی یہی مظلوم پروری ہے جس کی بنا پر قرآن نے اس کا ذکر اس حسن وخوبی سے کیا ہے۔

(یاجوج۔ ماجوج کے متعلق متعلقہ عنوان دیکھئے۔ نیز تفصیل کے لئے دیکھئے میری لغات القرآن۔ اور میری تصنیف "برقِ طور")

———(-)———

۴۔ ذوالکفل

ذوالکفل۔ قرآن کریم میں (حضرت) ذوالکفل کا ذکر، دو مقامات پر آیا ہے (۸۵ : ۲۱)۔ (۴۸ : ۳۸)۔ چونکہ ان کا ذکر انبیاء کرام کے زمرے میں آیا ہے اس لئے انہیں نبی شمار کیا گیا ہے لیکن ان کا مزید تعارف نہیں آیا۔ قیاس یہ ہے کہ یہ وہی ہیں جنہیں تورات میں حزقی ایل نبی کہہ کر پکارا گیا ہے اور جن کا صحیفہ عہدِ عتیق میں ہے۔

ر

۱۔ رَبّ

رَبٌّ ۔ (ر۔ب۔ب) اس کے بنیادی معنی نشوو نما دینا ہیں۔ یعنی کسی شے کو اس کے نقطۂ آغاز سے، بتدریج نشوونما دیتے ہوئے تکمیل تک پہنچانا۔ ایسا کرنے والے کو رَبّ کہتے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ آقا اور مالک کے معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا۔ اس کی جمع اَرْبَابٌ آتی ہے۔ نیز بڑے بھائی کو بھی رَبٌّ کہا جاتا ہے۔

بہت بڑی جماعت کے لئے اَلرُّبَّۃُ آتا ہے۔ یہاں سے جماعت کو رِبِّیٌّ کہتے ہیں اس کی جمع رِبِّیُّوْنَ آتی ہے۔

اَلرَّبَّانِیُّ ۔ جس کی نسبت رب کی طرف ہو۔ نیز معلم کو بھی کہتے ہیں جو لوگوں کی ذہنی نشوونما کرتا ہے۔

اَلرَّبِیْبَۃُ ۔ بیوی کی لڑکی جو اس کے پہلے خاوند سے ہو۔

قرآن کریم میں خدا کے لئے رب کا لفظ آتا ہے اور لفظ اللہ کے بعد (کہ جو اس کا ذاتی اسم ہے) سب سے زیادہ اسی کا استعمال ہوا ہے۔ اس لئے کہ خدا کی صفتِ ربوبیت، بنیادی ہے۔ خالقیت (پیدا کرنے) کے بعد، ہر شے کو نشوونما دیتے ہوئے اسے بتدریج اس کے نقطۂ تکمیل تک پہنچا دینا، اسی صفتِ خداوندی کا مظاہرہ ہے۔ خارجی کائنات میں اس کی اس صفت کا مظاہرہ خدا کے قوانینِ فطرت کی رو سے از خود ہوتا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک انسانوں کا تعلق ہے، یہ پروگرام انسانی رفاقت سے بروئے کار آتا ہے۔ اس کے لئے ایک ایسے نظامِ معاشرہ کی ضرورت ہے جس میں افرادِ معاشرہ کی طبعی نشوونما اور ان کی ذات کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما بطریقِ احسن ہوتی جائے۔ اسی کو نظامِ خداوندی یا اسلامی مملکت کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں رب کا لفظ اتنی کثرت سے آیا ہے کہ ان تمام الفاظ کا درج کرنا بڑی تفصیل چاہتا ہے۔ ہم اس عنوان کے تابع۔ خدا کی صفتِ ربوبیت کی مختلف نوعیتوں کا ذکر کریں گے۔ ان تمام مقامات کا احاطہ نہیں کریں گے۔ جہاں لفظ رَبّ آیا ہے۔

رب العالمین

خدا کی بنیادی صفت یہ ہے کہ وہ خارجی کائنات اور عالمگیر انسانیت کا نشو ونما دینے والا ہے۔ اس کے لئے قرآن کریم میں رب العالمین کی اصطلاح آتی ہے۔ اس کی یہی رب العالمینی کی صفت ہے جس کی وجہ سے وہ درخورِ حمد وستائش ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کے افتتاحیہ کی ابتدا الحمدللہ رب العالمین سے ہوتی ہے۔ (۱ : ۱)۔
(۲۸ : ۵) - (۴۵ : ۶) - (۷۱ : ۶) - (۱۶۲ : ۶) - (۵۴ : ۷) - (۶۱ : ۷) - (۱۲۱ ؛ ۱۰۴ ؛ ۹۷ : ۷)
(۱۰ : ۱۰) - (۱۸۲ : ۳۷) - (۷۵ : ۳۹) - (۶۵ : ۴۰)

رب السمٰوٰت والارض

(۱۶ : ۱۳) — (۱۰۲ : ۱۷) — (۳۶ : ۴۵)۔ رب السمٰوٰت السبع (۸۶ : ۲۳)

ربِ کعبہ

مکہ کا رب۔ (۹۱ : ۲۷) — ربِ کعبہ (۳ : ۱۰۶)

رب المشارق والمغارب

رب المشارق۔ (۵ : ۳۷) والمغارب۔ (۴۰ : ۷۰)۔ رب المشرقین والمغربین۔ (۱۷ : ۵۵)
رب الفلق۔ (۱ : ۱۱۳) رب المشرق والمغرب (۲۸ : ۲۶) - (۹ : ۷۳)
رب الناس۔ (۱ : ۱۱۴) — ربکم ورب آبائکم (۲۶ : ۲۶) - (۸ : ۴۴)
رب العرش العظیم وکریم (۱۲۹ : ۹) - (۸۶ : ۲۳) - (۱۱۶ : ۲۳) — رب الشعریٰ (۴۹ : ۵۳)
رب العزت (۱۸۰ : ۳۷) — رب کل شئی (۱۶۵ : ۶) — رب کریم (۶ : ۸۲) - اکرم (۳ : ۹۶)
ربک الاعلیٰ۔ (۱ : ۸۷) — رب رحیم۔ (۵۸ : ۳۶) — رب عظیم۔ (۹۶ : ۵۶) - (۵۲ : ۶۹)
ربک فکبر (۳ : ۷۴) — ربیّون۔ کئی انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کی معیت میں خداپرستوں کی کثیر جماعت نے قتال کیا۔ (۱۴۵ : ۳)

ربانی

ہر بنی کی تعلیم یہ تھی کہ تم ربانی بنو۔ (۳ : ۷۸)۔ بنی اسرائیل کے ربانی۔ (۵ : ۴۴)۔
وہ انہیں بُری باتوں سے روکتے نہیں تھے۔ (۵ : ۶۳)۔

بڑا بھائی

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم اور تمہارا رب جا کر مخالفین سے لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ اس کے معنی بڑے بھائی (حضرت ہارونؑ) کے بھی لئے جاتے ہیں۔ (۵ : ۲۴)

ارباب

۱۔ حضرت یوسفؑ کا وعظ کہ ارباب متفرقہ اچھے ہیں یا ایک خدا۔ (۱۲ : ۳۹)
۲۔ اہلِ کتاب کو دعوت کہ ہم ایک دوسرے کو رب نہیں بنائیں گے۔ (۳ : ۶۴)۔ خدا نے اس کا حکم نہیں دیا کہ تم انبیاء اور ملائکہ کو رب بنا لو۔ (۳ : ۷۹)
۳۔ نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کو رب بنا رکھا تھا۔ (۹ : ۳۱)

ربائب

بیوی کی پہلے خاوند سے لڑکیوں سے نکاح حرام ہے۔ (۴ : ۲۳)

رَبّنا و ربّی۔ مومنین اور حضرات انبیاء کرام کی دعائیں

(۱)۔ تقبل منا (۲ : ۱۲۷)۔ (۲)۔ واجعلنا مسلمین لک (۲ : ۱۲۸)۔ (۳)۔ اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ (۲ : ۲۰۱)۔ (۴)۔ افرغ علینا صبرا۔ (۲ : ۲۵۰)۔ (۵)۔ لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ..... الخ۔ (۲ : ۲۸۶) (۶)۔ لاتزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا (۳ : ۸)۔ (۷)۔ فاغفرلنا ذنوبنا (۳ : ۱۶)۔ (۸)۔ فقنا عذاب النار۔ (۳ : ۱۹۱)
۹۔ لاتخزنا یوم القیمۃ (۳ : ۱۹۴)۔ (۱۰) توفنا مع الابرار۔ کفر عنا سیاتنا (۳ : ۱۹۳)۔ (۱۱) یدخلنا مع القوم الصالحین

(۸۴ : ۵) - (۱۲) ظلمنا انفسنا ..... (۲۳ : ۷) - (۱۳) لاتجعلنا مع القوم الظالمین (۴۷ : ۷) - (۱۴) لاتجعلنا فتنة للقوم الظالمین (۸۵ : ۱۰) - (۵ : ۶۰) - (۱۵) اطمس علی اموالہم ..... (۸۸ : ۱۰) - (۱۶) واجعلنی مقیم الصلوٰة (۴۰ : ۱۴) (۱۷) آتنا من لدنك رحمة (۱۰ : ۱۸) - (۱۸) اصرف عنا عذاب جہنم (۶۵ : ۲۵) - (۱۹) ہب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرة اعین (۴۷ : ۲۵) - (۲۰) ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا - (۳۰ : ۴۱) - (۱۳ : ۴۶) - (۲۱) اغفرلنا و اخواننا الذین سبقونا بالایمان (۱۰ : ۵۹) - (۲۲) لاتجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا (۱۰ : ۵۹) - (۲۳) جنتیوں کی دعا - اتمم لنا نورنا (۸ : ۶۶) - (۲۴) دعائے ابراہیمؑ . رب اجعل ہذا بلدا آمنا (۱۲۶ : ۲) - (۲۵) دعائے حضرت ذکریاؑ ہب لی من لدنك ذریة طیبة (۳۸ : ۳) - (۲۶) دعائے حضرت موسیٰؑ . رب ارنی انظر الیك - (۱۴۳ : ۷) (۲۷) ماں باپ کے لئے دعا - ارحمہما کما ربیانی صغیرا - (۲۴ : ۱۷) - (۲۸) حضورؐ کی دعا - ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق - (۸۰ : ۱۷) - (۲۹) حضرت موسیٰؑ کی دعا - اشرح لی صدری (۲۵ : ۲۰) - (۳۰) - حضور کی دعا - رب زدنی علما (۱۱۴ : ۲۰) - (۳۱) رب احکم بالحق (۱۱۲ : ۲۱) - (۳۲) انصرنی بما کذبون (۲۶ : ۲۳) - (۳۳) - انزلنی منزلا مبارکا (۲۹ : ۲۳) - (۳۴) لاتجعلنی فی القوم الظالمین (۹۴ : ۲۳) - (۳۵) اعوذ بك من ہمزات الشیاطین (۹۷ : ۲۳) - (۳۶) رب اغفر وارحم (۱۱۸ : ۲۳) - (۳۷) ہب لی حکما والحقنی بالصالحین (۸۳ : ۲۶) - (۳۸) اوزعنی ان اشکر نعمتك (۱۹ : ۲۷) - (۱۵ : ۴۶) - (۳۹) انی ظلمت نفسی (۴۴ : ۲۷) - (۱۶ : ۲۸) - ۴۰ - انی لما انزلت الی من خیر فقیر (۲۴ : ۲۸) - (۴۱) انصرنی علی القوم المفسدین (۳۰ : ۲۹) - (۴۲) - ہب لی من الصالحین (۱۰۰ : ۳۷) - (۴۳) ہب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی (۳۵ : ۳۸) - (۴۴) ابن لی عندك بیتا فی الجنة (۱۱ : ۶۶) - (۴۵) لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا (۲۶ : ۷۱) - (۴۶) اغفرلی ولوالدی (۲۸ : ۷۱) -

متفرق

۱- اللہ کے سوا کسی کو رب تسلیم نہ کرو - (۱۶۴ : ۶)

۲- وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ہذا القرآن مہجورا (۳۰ : ۲۵)

۳- ابلیس کی دعا - فانظرنی الی یوم یبعثون - (۷۹ : ۳۸)

۲- ربٰوا

ربٰوا (مادہ ر۔ ب۔ و) زیادہ ہونا۔ بڑھنا۔ اس کا عام ترجمہ سود کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے۔ قرآن کریم کا اپنا الگ مخصوص، معاشی نظام ہے۔ اس کی تفصیل "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی۔ اس وقت صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ وہ اصولی طور پر یہ کہتا ہے کہ جہاں معاوضہ کا سوال ہو تو معاوضہ صرف محنت (LABOUR) کا لیا جاسکتا ہے محض سرمایہ (CAPITAL) پر معاوضہ نہیں لیا جاسکتا۔ جو معاوضہ سرمایہ پر لیا جائے اسے ربٰوا کہا جائیگا خواہ اس کی شکل کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ قرض پر کچھ زیادہ لینا، ربٰوا کی ایک شکل ہے۔ اس کی متعدد شکلیں اور بھی ہیں۔ مثلاً مکانات کا کرایہ۔ زمین کی بٹائی دوسرے کے کاروبار میں روپیہ لگا کر، نفع لینا۔ وغیرہ وغیرہ۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ تجارت میں بھی سرمایہ پر منافع لیا جاتا ہے۔ وہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ تجارت میں سرمایہ بھی لگایا جاتا ہے اور محنت بھی کی جاتی ہے۔ اس سے منافع صرف اس قدر لیا جاسکتا ہے جو محنت کا معاوضہ ہو۔ اگر اس کے ساتھ سرمایہ پر بھی منافع لے لیا جائے تو وہ ربٰوا کی شق میں آجائے گا۔ (تفصیل اس کی "بیع" کے عنوان میں ملے گی)

قرآن کریم کا نظام یہ ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ محنت کر کے کمائے۔ یعنی پیدا کرے۔ اس میں سے بقدر اپنی ضروریات کے لے اور باقی نوعِ انسان کی نشو ونما کے لئے دیدے۔ اس سے واضح ہے کہ ربٰوا اس نظام کی ضد ہے۔ اس میں انسان اپنی فاضلہ دولت کو دوسروں کی نشو ونما کے لئے دے دینے کے بجائے، اسے دوسروں کی محنت کی کمائی حاصل کرنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اسے اسلامی نظام کے خلاف اعلانِ جنگ کہا ہے۔

۱۔ کسی کو قرضہ دیا جائے تو صرف "راس المال" (PRINCIPAL MONEY) واپس لیا جاسکتا ہے۔ اس سے زائد کچھ نہیں لیا جاسکتا۔ کچھ زائد لینا ظلم ہے۔ (۲ : ۲۷۹)

۲۔ جب تم تک یہ حکم پہنچے تو قرض خواہ کے ذمے جس قدر سود ہو اُسے چھوڑ دو۔ اگر وہ تنگ دست ہے تو اُسے قرضہ کی واپسی کی مہلت دو۔ اور اگر وہ اس قابل ہی نہیں کہ قرض واپس دے سکے، تو اسے معاف کر دو۔ (۲ : ۲۷۸ ۔ ۲۸۰)

۳۔ اگر تم اس مسلک کو اختیار نہیں کرو گے تو اسے خدا اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ سمجھا جائے گا۔ (۲ : ۲۷۹)

۴۔ ربٰوا ہوسِ زر پرستی کی وجہ سے لیا جاتا ہے۔ اس سے ذہنیت ایسی ہو جاتی ہے۔ جیسے کسی کو سانپ نے ڈس لیا

ہو اور وہ بری طرح مضطرب و بیقرار ہو - (۲ : ۲۷۵)

۵- یہ لوگ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو ربٰو ہی کی ایک شکل ہے - یہ غلط ہے - بیع میں محنت کا معاوضہ لیا جاتا ہے - اس لئے وہ حلال ہے - ربٰو میں سرمایہ پہ معاوضہ لیا جاتا ہے - وہ حرام ہے - (۲ : ۲۷۵)

۶- ربٰو کے متعلق سطحی طور پہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے قومی دولت میں اضافہ ہوتا ہے - یہ غلط ہے اس سے قوم کی اکتسابی قوتیں مضمحل ہو جاتی ہیں اسی لئے انفرادی اور قومی دولت میں آخر کار کمی ہوتی ہے - اس کا نتیجہ جہنم کی زندگی ہے - (۳ : ۱۲۹ - ۱۳۰)

۷- قومی دولت میں اضافہ ان عطیات (صدقات) سے ہوتا ہے جسے تم رفاہی امور کے لئے دیتے ہو - ربٰو سے قومی معیشت تباہ ہو جاتی ہے - (۲ : ۲۷۶)

۸- اگر تم کسی کو اس کے واجبات سے زیادہ دو اور نیت یہ ہو کہ اس سے تم اس کے مال میں سے کچھ زیادہ لے لوگے تو یہ ذہنیت تباہ کن ہے - قانونِ خداوندی کی رو سے صرف وہ مال بڑھتا ہے جسے تم دوسروں کی نشو و نما کے لئے دے دیتے ہو - (۳۰ : ۳۹)

۹- یہود کی تباہی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ ربٰو کا کاروبار کرتے تھے حالانکہ انہیں اس سے روکا گیا تھا - یہ "لوگوں کا مال" ناجائز طریق سے کھانا ہے - اس کا نتیجہ الم انگیز تباہی ہے (۴ : ۱۶۰ - ۱۶۱)

ہم اپنے موجودہ نظام سے قرآن کے معاشی نظام تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں - اس میں بینکنگ سسٹم کیا ہوگا - انشورنس کی شکل کیا ہوگی - بین الاقوامی کاروبار کیسے چلے گا - ان امور کی وضاحت قرآن کے "معاشی نظام" کے عنوان میں ملے گی -

---

۳- رجعت الی اللہ

رجوع (ر - ج - ع) کے معنی ہیں پلٹنا - لوٹنا - واپس ہونا - اور رَجْعٌ کے معنی ہیں پلٹانا - قرآن کریم میں یہ الفاظ ان معانوں میں بھی استعمال ہوئے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر معانی میں بھی مثلاً (امداد وغیرہ حاصل کرنے کے لئے) کسی کی طرف رجوع کرنا - کسی کی طرف متوجہ ہونا یا انسان کے قدم کا کسی خاص منزل کی طرف اٹھنا - کسی خاص سمت کی طرف بڑھتے چلے جانا - کسی

محور کے گرد گردش کرنا۔

قرآن کریم کی رو سے، دین کا بنیادی نقطہ قانونِ مکافاتِ عمل ہے۔ عام طور پر انسان یہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ سوسائٹی کی گرفت میں نہ آئے تو پھر وہ جو جی میں آئے کرے، اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ سوسائٹی کے نظام سے بالا خدا کا نظامِ مکافاتِ عمل ہے۔ اس کی رُو سے انسان کہیں بھی ہو اور وہ کچھ بھی کرے، اس کے عمل کا نتیجہ مرتب ہو کر رہتا ہے۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے قرآن کریم میں اس قسم کے الفاظ آتے ہیں کہ تم کہیں بھی ہو، تمہارا ہر قدم خدا کے قانونِ مکافات کی طرف اٹھ رہا ہے۔ تم کشاں کشاں اس کی طرف جا رہے ہو۔ تم اس سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتے۔ تم تو خود بخود اس کی طرف بڑھے چلے جاتے ہو۔ اس کے لئے اس نے " الیہ ترجعون " کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یہ (الیہ ترجعون) اِس زندگی میں بھی ہوتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی۔ اسے کہتے ہیں۔ خدا کے ہاں جانا۔ اس کے حضور پیش ہونا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کسی خاص مقام پر بیٹھا ہے اور ہم مرنے کے بعد اس مقام پر جا کر اس کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ خدا تو ہر مقام پر موجود ہے۔ وہ مکان اور زمان کی نسبتوں سے بلند ہے۔ اس لئے "خدا کی طرف" جانے سے مفہوم، کسی خاص سمت یا مقام کی طرف جانا نہیں۔ بلکہ انسان کا، خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے، اپنے اعمال کے نتائج کو اپنے سامنے بے نقاب دیکھنا ہے۔

ویدانت۔ یعنی ہندوؤں کے تصوف کی رو سے یہ مانا جاتا ہے کہ شروع میں صرف خدا کی ذات تھی اس میں سے تمام انسانوں کی روحیں نکلیں۔ پھر یہ سب روحیں اپنے کُل سے جا کر مل جائیں گی۔ یہ عقیدہ یکسر باطل ہے۔ انسان خدا کی مخلوق ہیں، اس کا جزو نہیں ہیں۔ اس لئے اس جزو کے کُل سے دوبارہ جا ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن بدقسمتی سے خود ہمارے ہاں کے تصوف (وحدتِ وجود) میں بھی یہی عقیدہ آگیا ہے۔ اور اس کے لئے قرآن کریم کی اس قسم کی آیات کو بطورِ سند پیش کیا جاتا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اس آیت یا اسی قسم کی دیگر آیات سے یہ قطعاً مراد نہیں کہ ہم خدا سے نکلے تھے اور پھر اسی میں جا ملیں گے۔ ان سے یا تو یہ مراد ہوتی ہے کہ خدا کی راہ میں جس قدر تکالیف و مصائب آتی ہیں آنے دو۔ ان کے علی الرغم ہمارا ہر قدم اسی کی طرف اُٹھے گا۔ ہم اپنا رُخ ادھر سے کبھی نہیں موڑیں گے۔ ہم اس منزل کی طرف بڑھے جائیں گے جو خدا نے ہمارے لئے مقرر کی ہے۔ اور یا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہر عمل کا نتیجہ خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے مرتب ہوتا ہے اور ہم اس کی گرفت کے دائرے سے باہر جا نہیں سکتے۔ (ان تمام امور کی تفصیل لغات القرآن میں ملے گی)

بعض آیات میں مرجع۔ مآل یا انجام کار کے لئے مصیر یا مآب جیسے الفاظ بھی آئے ہیں۔ ان مقامات میں بھی مفہوم یہی

ہے کہ ہر معاملہ کا مآل و انجام خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کے مطابق ہوتا ہے - نیز یہ کہ انسانی زندگی کا مآل یہ ہے کہ یہ اپنے اندر صفاتِ خداوندی کو (علیٰ حدِ بشریت) منعکس کر کے خدا کے رنگ میں رنگا جائے - ان صفاتِ خداوندی کا اظہار انسان کے کیرکٹر سے ہوتا ہے -

تخلیقِ کائنات کے سلسلہ میں 'مبدآء' اور معآد کے الفاظ آئے ہیں - مبداء کے معنی ہیں تخلیق کی ابتداء - اور معاد کے معنی ہیں اشیائے کائنات کو مختلف گردشیں دے کر ان میں نت نئے اضافے کرتے جانا - اس کا تعلق تو تخلیق کے عنوان سے ہے لیکن اعادہ کے لحاظ سے ان آیات کو یہاں بھی درج کر دیا گیا ہے - اس سے مفہوم گردشیں دینا ہے -

قانونِ مکافاتِ عمل

(بلا تخصیص اس امر کے کہ ظہورِ نتائج اس دنیا میں ہو یا آخرت میں)

۱- خدا کے بندے اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ ان کا ہر قدم اس کی طرف اٹھ رہا ہے (۴٦ : ۲) - (٦۰ : ۲۳)

۳- ظہورِ نتائج کے وقت سے خائف رہو - (۲۸۱ : ۲)

۴- ہر معاملہ کا فیصلہ خدا کے قانونِ مکافات کی رو سے ہوگا - (۵۴ : ۳) - (۴۸ : ۵) - (۱۰۵ : ۵) -
(٦۰ : ٦) - (۱۰۸ : ٦) - (۱٦۵ : ٦) - (۴ : ۱۰) - (۲۳ : ۱۰) - (۷۰ : ۱۰) - (۴ : ۱۱)
(۸ : ۲۹) - (۱۵ : ۳۱) - (۲۳ : ۳۱) - (٦۸ : ۳۷) - (۷ : ۳۹)

۵- تم سب اس کی طرف لوٹ رہے ہو - (۲۴۵ : ۲) - (۴ : ۱۰) - (۴٦ : ۱۰) - (۵٦ : ۱۰) - (۴ : ۱۱)
(۳۴ : ۱۱) - (۴۰ : ۱۹) - (۳۵ : ۲۱) - (۹۳ : ۲۱) - (۱۱۵ : ۲۳) - (٦۴ : ۲۴)
(۸۸ ؛ ۷۰ : ۲۸) - (۲۱ ؛ ۱۷ : ۲۹) - (۵۷ : ۲۹) - (۱۱ : ۳۰) - (۱۱ : ۳۲)
(۲۲ : ۳٦) - (۸۳ : ۳٦) - (۴۴ : ۳۹) - (۴۳ : ۴۰) - (۷۷ : ۴۰) - (۲۱ : ۴۱)
(۱۴ : ۴۳) - (۴۵ : ۴۲) - (۱۵ : ۴۵)

٦- اے نفسِ مطمئنہ - ارجعی الیٰ ربک - اپنے اعمال کے نتائج دیکھنے کے لئے اس کی طرف رجوع کر - (۲۸ : ۸۹)

۷- تمہاری رجعت یقیناً خدا کی طرف ہے - (۸ : ۹٦)

۸- کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بلا مقصد پیدا کیا ہے اور تم نے ہمارے قانونِ مکافات کی طرف نہیں جانا - (۱۱۵ : ۲۳)

۹- سب اقوام ہمارے قانونِ مکافات کے سامنے حاضر ہوں گی - (۳۲ : ۳٦)

۱۰۔ فرعون اس زعمِ باطل میں مبتلا تھا کہ اس نے ہماری طرف آنا ہی نہیں - (۳۹ : ۲۸)

ہر قدم خدا کی متعین کردہ منزل کی طرف اٹھنا

۱۔ مومنین پہ ہزار مصیبتیں آئیں، ان کا ہر قدم خدا کی متعین کردہ منزل کی طرف اٹھتا ہے (۱۵۶ : ۲)

قانونِ مکافاتِ عمل کی طرف قدم اٹھنا

(مرنے کے بعد کی زندگی میں)

۱۔ موت کے بعد کی زندگی میں تم خدا کی طرف رجوع کروگے۔ (۲۸ : ۲) - (۵۵ : ۳) - (۳۶ : ۶) - (۶۲ : ۶) - (۵۶ : ۱۰) - (۷۰ : ۱۰) - (۳۵ : ۲۱) - (۵۷ : ۲۹) - (۱۱ : ۳۰) - (۱۱ : ۳۲) - (۸ : ۶۲) - (۲۶ - ۲۵ : ۸۸)

۲۔ ساحرینِ دربارِ فرعون نے کہا کہ تمہاری دھمکیوں سے ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہمارے اعمال کا فیصلہ خدا کے ہاں سے ہوگا۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے - (۵۰ : ۲۶)

۳۔ سرمایہ پرست کہتے ہیں کہ اول تو قیامت آئیگی ہی نہیں۔ اور اگر ہمیں خدا کی طرف جانا بھی ہوا تو ہم وہاں بھی مزے کریں گے - (۵۰ : ۴۱)

۴۔ کفار کہتے ہیں کہ موت کے بعد پھر زندہ ہونا، یہ تو کچھ امرِ محال سا نظر آتا ہے۔ (۳ : ۵۰)

مصیر

۱۔ تمام امور خدا کی طرف لوٹتے ہیں - (۴۲ : ۵۳)

۲۔ الی اللہ المصیر۔ (۲۸۵ : ۲) - (۲۸ : ۳) - (۱۸ : ۵) - (۴۸ : ۲۲) - (۴۲ : ۲۴) - (۱۴ : ۳۱) - (۱۸ : ۳۵) - (۳ : ۴۰) - (۱۵ : ۴۲) - (۴۳ : ۵۰) - (۴ : ۶۰) - (۳ : ۶۴)

۳۔ مصیر بمعنی "ٹھکانا" بھی متعدد آیات میں آیا ہے۔ بالخصوص جہنم کے لئے۔ لیکن چونکہ اس کا تعلق زیرِ نظر موضوع سے نہیں اس لئے ان آیات کو یہاں درج نہیں کیا گیا۔

رغب

۱- اپنے رب کی طرف راغب ہو۔ (۸ : ۹۴)

۲- ہم اپنے رب کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ (۵۹ : ۹) - (۳۲ : ۶۸)

عاد

۱- جیسے ابتدا ہوئی تھی ویسے ہی معاد (لوٹانا) ہوگا۔ (۲۹ : ۷) - (۴ : ۱۰) - (۳۴ : ۱۰) - (۲۱:۱۰۴)
(۲۷ : ۶۴) - (۱۹ : ۲۹) - (۱۱ : ۳۰) - (۲۷ : ۳۰) - (۱۳ : ۸۵)

۲- ارض سے ابتدا - اسی میں لوٹائے جاؤ گے (۵۱ : ۱۷) - (۶۹ : ۱۷) - (۵۵ : ۲۰) - (۱۸ : ۷۱) - عید (۱۱۴)

رجوع کے عام معانی (پلٹنا - گردش کرنا - واپس آجانا)

۱- جس طرح تم نے زندگی کی ابتدا کی تھی - اسی کی طرف پھر لوٹ جاؤ گے (تعودون) - (۳۰ : ۷)

۲- کتنی قومیں ہم نے ہلاک کر دیں جو ان کی طرف پلٹ کر نہیں آئیں - (۳۱ : ۳۶)

۳- جس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے وہ پلٹ کر نہیں آتی - (۹۵ : ۲۱)

۴- خدا اس پر قادر ہے کہ انسان کو لوٹا دے (موت کے بعد زندگی دے) - (۸ : ۸۶)

۵- واسمار ذات الرجع - (۱۰ : ۸۶) - مختلف گردشوں والے اجرام فلکی۔

۶- مجرمین کی (موت کے بعد) درخواست کہ ہمیں واپس بھیج دے تاکہ ہم اچھے کام کر کے دکھائیں - (۱۰۰ - ۹۹ : ۲۳)
(۱۰۲ : ۲۶) - (۱۲ : ۳۲) - (۵۸ : ۳۹) - (۱۳ : ۵۷)

۷- تم موت کے وقت زندگی کو لوٹا کر بتاؤ - (۸۷ : ۵۶)

۸- منافقین مسلمانوں کے ساتھ مل جاتے تھے تاکہ اس طرح شاید مومن پھر سے کفر کی طرف لوٹ آئیں - (۷۱ : ۳)

۹- خدا ایسا کر دے کہ نہ وہ آگے جا سکیں نہ پیچھے لوٹ سکیں - (۶۷ : ۳۶)

۱۰- عذاب خداوندی آگیا تو اتنی مہلت بھی نہیں ملے گی کہ یہ اپنے اہلِ خانہ کی طرف لوٹ آئیں - (۵۰ : ۳۶)

۱۱- کارگہ کائنات پر غور و فکر کے لئے نگاہ کو دوڑاؤ - وہ خاسر دنامراد واپس آ جائے گی اور اسے کہیں کوئی سقم نظر

نہیں آئے گا - (۳ : ۷۶)

حق کی طرف رجوع کرنا

۱۔ اواب - (۱۷ : ۲۵) - (۱۷ : ۳۸) - (۳۸ : ۲۴) - (۳۸ : ۳۰) - (۳۸ : ۴۴) —
(۳۹ : ۱۷) - (۳۹ : ۵۴) - (۴۰ : ۱۳) - (۴۲ : ۱۰) - (۴۲ : ۱۳) - (۵۰ : ۳۲-۳۳)
(۶۸ : ۳۲) - (۹۴ : ۸)

۲۔ انسان نے ہماری ہی طرف آنا ہے - وہاں اس کا حساب ہو جائے گا - (۲۵ : ۸۸)

۳۔ ہلکا عذاب اس لئے آتا ہے کہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں - (۷ : ۱۶۸) — (۳۰ : ۴۱) —
(۳۲ : ۲۱) — (۴۳ : ۴۸)

۴۔ خدا تفصیلِ آیات کرتا ہے تاکہ شاید یہ لوگ حق کی طرف رجوع کریں - (۷ : ۱۷۴) - (۴۶ : ۲۷)

۵۔ وعظِ ابراہیمی اس لئے تھا کہ اس کی نسل کے لوگ حق کی طرف رجوع کریں - (۴۳ : ۲۸)

۶۔ صمٌّ - بکمٌ عمیٌ فھم لا یرجعون (۲ : ۱۸)

۷۔ انا الی اللہ راغبون - (۹ : ۵۹) - (۶۸ : ۳۲)

انابت الی اللہ

۱۔ جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے، خدا اس کے سامنے کامیابی کی راہیں کشادہ کر دیتا ہے - (۲۷ : ۱۲) - (۴۲ : ۱۳)

۲۔ اس کا اتباع کرو جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے (۳۱ : ۱۵)

۳۔ حضرت داؤدؑ کی انابت الی اللہ (۳۸ : ۲۴) - حضرت سلیمانؑ ..... (۳۸ : ۳۴)

۴۔ انبیاء اور مومنین کی انابت الی اللہ (۱۱ : ۸۸) - (۳۹ : ۱۷) - (۳۹ : ۵۴) - (۴۰ : ۱۳)
(۴۲ : ۱۰) - (۶۰ : ۴)

عبدِ منیب - (۳۱ : ۳۰) — (۹ : ۳۴) — (۵۰ : ۸) — (۵۰ : ۳۳)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کی انابت - (۱۱ : ۷۵)

۶۔ انسان مصیبت کے وقت خدا کی طرف رجوع کرتا ہے - (۳۰ : ۳۳) - (۳۹ : ۸)

مآب

۱- حسن مآب - (۱۴ : ۳) - (۲۹ : ۱۳) - (۲۵ : ۳۸) - (۴۰ : ۳۸) - (۴۹ : ۳۸)

۲- اہل جہنم کا مآب - (۵۵ : ۳۸) - (۲۲ : ۷۸) (۳) الیٰ دیہ مآب - (۳۹ : ۷۸)

ہر معاملہ کا فیصلہ قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے

۱- تمام امور خدا کی طرف لوٹتے ہیں - (۲۱۰ : ۲) — (۸۲ : ۳) — (۱۰۸ : ۳) — (۴۴ : ۸) — (۱۲۳ : ۱۱) — (۷۶ : ۲۲) — (۴ : ۳۵) — (۲۲ : ۳۶) — (۸۳ : ۳۶) — (۵۳ : ۴۲) — (۵ : ۵۷)

۲- زمین پر جو کچھ ہے ہم اس کے وارث ہیں - اور سب ہماری طرف قدم بڑھاتے ہیں - (۴۰ : ۱۹) - (۶۴ : ۲۴)

مآل و انجام - الیک المصیر

۱- ہر معاملہ کا آخری مستقر وہی ہے - (۲۸۵ : ۲) - (۲۷ : ۳) - (۱۸ : ۵) - (۴۸ : ۲۲) - (۴۲ : ۲۴) - (۱۴ : ۳۱) - (۱۸ : ۳۵) - (۳ : ۴۰) - (۱۵ : ۴۲) - (۴۳ : ۵۰) - (۴ : ۶۰) - (۳ : ۶۴) - (۲) - الیہ مآب - (۳۶ : ۱۳) - (۳۹ : ۷۸)

۳- ساحرینِ دربارِ فرعون نے کہا کہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں - (۱۲۵ : ۷) — (۵۰ : ۲۶) - ہر ایک مومن کا اعلان - (۱۴ : ۴۳)

۴- رجم - رجیم

رجم کے بنیادی معنی پتھروں سے مارنا ہیں - زمانۂ قدیم میں سزائے موت کا ایک طریق یہ بھی تھا کہ مجرم کو پتھر مار مار کر مار دیتے تھے - اسے سنگسار کرنا بھی کہتے ہیں - قرآن کریم میں کسی جرم کی سزا رجم (سنگسار کرنا) نہیں آئی - یہ جو

کہا جاتا ہے کہ شادی شدہ مرد اور عورت اگر زنا کے مرتکب ہوں، تو ان کی سزا رجم ہے، یہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ قرآن کریم میں زنا کی سزا سو کوڑے ہے۔ رجم نہیں۔ (دیکھئے عنوان زنا)

۲۔ رجم کے معنی دور ہٹا دینا اور محروم کر دینا بھی ہیں۔ شیطان کو جو رجیم کہا گیا ہے، تو اس کے معنی ہیں کہ اُسے نوازشاتِ خداوندی سے محروم کر دیا گیا۔ یہی معنی لعنت کے ہیں۔ (دیکھئے عنوان لعنت اور شیطان)۔ شیطان کے لئے رجیم ان آیات میں آیا ہے (۳ : ۳۶) - (۱۵ : ۱۷) - (۱۵ : ۳۴) — (۱۶ : ۹۸) — (۳۸ : ۷۷) — (۸۱ : ۲۵)

۳۔ اٹکل پچو باتیں کرنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اسے "دُور کی کوڑی لانا" کہا جاتا ہے۔ (۱۸ : ۲۲)

زمانۂ قدیم میں مندروں اور معبدوں میں کاہن ہوتے تھے جو لوگوں کو غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ (اب بھی جہالت آمیز ملکوں میں ایسا ہوتا ہے) قرآن کریم نے کہا ہے کہ وہ محض قیاس آرائیاں ہوتی تھیں جن کا مدار جہالت پہ تھا۔ قرآن، سراپا علم ہے اس لئے نزولِ قرآن کے بعد، ان لوگوں کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اب انہیں آسمانوں سے کوڑے پڑتے ہیں: (۱۵ : ۱۷-۱۸) - (۳۷ : ۶-۹) - (۶۷ : ۵) - (۷۲ : ۸-۹)

۵۔ رحمت

رحمت (ر-ح-م) خدا کی صفتِ ربوبیت کے ساتھ ہی اس کی صفتِ رحمت ہے۔ رحمت اس عطیہ کو کہتے ہیں جو کسی کی کمی پوری کرنے کے لئے "ضرورت کے تقاضا کے مطابق دیا جائے" اس میں لطافت اور لچک کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ یعنی وہ سامانِ نشوونما جو خدا کی طرف سے انسانوں کو بلا مزد و معاوضہ ملتا ہے۔ چونکہ انسانی نشوونما میں، جسمانی نشوونما اور اس کی ذات کی نشوونما دونوں شامل ہیں، اس لئے رحمت میں بھی ہر دو قسم کا سامان شامل ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں وحی کو بھی رحمت کہا گیا ہے اور اسی جہت سے رسول اللہ کو رحمۃ للعالمین۔

رحمت کی نسبت سے خدا کی صفت، رحیم اور رحمٰن ہے۔ رحیم کے معنی ہیں عمومی حالت میں مسلسل سامانِ نشوونما

بہم پہنچانے والا ۔ اور رحمٰن کے معنی ہیں ہنگامی ضرورت کے وقت شدت اور غلبہ کے ساتھ سامانِ نشو و نما عطا کرنے والا

اس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ قرآن کی رو سے خدا کے رحم کا تصور، اس تصور سے یکسر مختلف ہے جس پر عیسائیت کی عمارت قائم ہے ۔ عیسائیت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی نجات اس کے اعمال کی رو سے نہیں ہوسکتی ۔ یہ صرف خدا کے رحم سے ہوسکتی ہے ۔ اور اس کے رحم کا تقاضا تھا کہ اس نے اپنے اکلوتے بیٹے (حضرت مسیحؑ) کے خون کو انسانوں کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا ۔ قرآن کی رو سے رحم کا کوئی ایسا تصور نہیں ۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، خدا کے رحم سے مطلب یہ ہے کہ انسان کو اپنی طبیعی زندگی اور ذات کی نشو و نما کے لئے جس سامان کی ضرورت تھی، وہ خدا نے بلا مزد و معاوضہ اسے عطا کر دیا ہے ۔

عام طور پر عدل اور رحم دو متضاد صفات شمار کی جاتی ہیں ۔ لیکن خدا کی یہ صفات متضاد نہیں ۔ مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک شخص آگ میں انگلی ڈالتا ہے تو اس کی انگلی جل جاتی ہے اس سے اسے سخت تکلیف ہوتی ہے ۔ یہ خدا کے اٹل قانون (یعنی عدل) کا تقاضا ہے ۔ اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ۔ لیکن اس نے اس کے ساتھ ہی ایسی دوائیاں پیدا کردی ہیں جن سے اس جلن اور درد کو آرام ہوجاتا ہے ۔ یہ اس کا رحم ہے ۔ یہ بھی عالمگیر ہے اور جو چاہے اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے ۔ اس کو توبہ کہتے ہیں ۔

خدا کی رحیم اور رحمٰن کی صفت قرآن کریم میں بے شمار مقامات میں آئی ہے ۔ ہم نے ان تمام آیات کو درج نہیں کیا ۔ صرف ان آیات کو درج کیا ہے جن میں ان صفات کے ساتھ کوئی اور خصوصیت بھی شامل ہے ۔

رحمت

۱۔ اگر خدا کا قانونِ رحمت نہ ہوتا (یعنی غلطی کے بعد اصلاح کی گنجائش کا قانون) تو بنی اسرائیل، اپنے جرائم کی پاداش میں تباہ ہوجاتے ۔ (۲ : ۶۴) ۔ (۷ : ۱۴۹) ۔ (۱۷ : ۸) ۔

۲۔ خدا کی طرف سے نبوت ملنا نبی کے لئے بھی رحمت ہے اور نوعِ انسان کے لئے بھی رحمت (۲ : ۱۰۵) ۔
(۳ : ۷۳) ۔ (۶ : ۱۵۵) ۔ (۷ : ۵۲) ۔ (۱۰ : ۵۸) ۔ (۱۱ : ۲۸) ۔ (۱۱ : ۶۳) ۔۔۔
(۱۷ : ۸۶ - ۸۷) ۔ (۱۸ : ۶۵) ۔ (۱۹ : ۵۰) ۔ (۲۱ : ۷۵) ۔ (۲۱ : ۸۴ - ۸۶) ۔ (۲۸ : ۴۶) ۔
(۲۸ : ۸۶) ۔ (۴۳ : ۳۲ ۔ ۳۳) ۔ (۴۴ : ۶) ۔

۳۔ قانونِ قصاص، جس میں قوموں کی زندگی کا راز مضمر ہے، خدا کی رحمت ہے ۔ (۲ : ۱۷۸)

۴- حضورؐ کا نرم دل ہونا خدا کی رحمت تھی - (۳ : ۱۵۸) - رسول اللہؐ مومنین کے لئے رحمت ہیں - (۹ : ۶۱) رحمۃ للعالمین - (۲۱ : ۱۰۷)

۵- تم غلط افواہوں کے پیچھے لگ جاتے تو تباہ ہو جاتے - تم نے خدا کی راہ نمائی سے فائدہ اٹھایا تو اس تباہی سے بچ گئے۔ یہ خدا کی رحمت تھی - (۴ : ۸۳) - (۴ : ۱۱۳)

۶- خدا نے اپنے اوپر رحمت واجب قرار دے رکھی ہے (۶ : ۱۲ ؛ ۵۴) لیکن مجرمین (جو جرائم سے باز نہ آئیں) اپنے کئے کی سزا پاکر رہیں گے - (۶ : ۱۴۸) - اس سے رحمت کا قرآنی تصور واضح ہو جاتا ہے - یہ رحمت مشروط ہے رسالت محمدیہ پر ایمان اور اعمالِ صالح سے - (۷ : ۱۵۶-۱۵۷) - رحمت ہر شے کو محیط ہے - (۷ : ۱۵۶) - (۴۴ : ۷) - جب وہ رحمت کا ارادہ کرے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا - (۳۹ : ۳۸)

۷- کسی مضرت رساں واقعہ (یا تکلیف) کا رفع ہو جانا رحمت ہے - (۱۰ : ۲۱) - (۲۱ : ۸۴)

۸- قرآن خدا کے فضل و رحمت سے عطا ہوا ہے - (۱۰ : ۵۸) - یہ رحمت ہے (۷ : ۲۰۳) - (۱۲ : ۱۱۱) - (۱۶ : ۶۴ ؛ ۸۹) - (۱۷ : ۸۲) - (۲۷ : ۷۷) - (۲۹ : ۵۱) - (۳۱ : ۳) - (۴۴ : ۶) - (۴۵ : ۲۰)

۹- غلطی کی اصلاح ہو جانا رحمت ہے - (۲ : ۶۴) - (۱۱ : ۴۷) - (۲۵ : ۴۸)

۱۰- رحمت بمقابلہ عذاب - (۶ : ۱۵-۱۶) - (۱۷ : ۵۴) - (۲۱ : ۲۹)

۱۱- تورات رحمت تھی - (۶ : ۱۵۵) - (۷ : ۱۵۴) - (۱۱ : ۱۷) - (۲۸ : ۴۳) - (۴۶ : ۱۲)

۱۲- حضرت ایوبؑ کو ان کے اہل کا مل جانا رحمت تھی - (۲۱ : ۸۴) - (۳۸ : ۴۳)

۱۳- عیسائی راہبوں کے دل میں رافت اور رحمت ہوتی تھی - یہاں رحمت کے معنی عام نرمی کے ہیں - یہ اس لفظ کے بنیادی معنی ہیں - (۵۷ : ۲۷)

۱۴- مومن ایک دوسرے کو مرحمت کی تلقین کرتے رہتے ہیں (۹۰ : ۱۷)

۱۵- اپنے والدین کی طرف رحمت کا بازو جھکاؤ - (۱۷ : ۲۴)

۱۶- آدمؑ کی پکار کہ اگر تیری رحمت نہ ہوئی تو ہم تباہ ہو جائیں گے - (۷ : ۲۳) - حضرت نوحؑ کی پکار (۱۱ : ۴۷)

۱۷- خدا کی رحمت (وحی) کی راہ نمائی سے انسان برائی سے بچ سکتا ہے - (۱۲ : ۵۳)

۱۸- رحمتِ خداوندی کی رُو سے لوگ اختلاف سے بچ سکتے ہیں (۱۱ : ۱۱۸-۱۱۹)

۱۹۔ معاملات کے فیصلے کے دن تباہی سے وہی بچے گا جس پر خدا کی رحمت ہو گی ۔ (۴۲ : ۴۴)

۲۰۔ جنت میں داخلہ خدا کی رحمت ہے ۔ (۱۰۶ : ۳) — (۴۹ : ۷) — (۹-۸ : ۴۰) —
(۳۰ : ۴۵) — (۱۳ : ۵۷)

۲۱۔ حضرت عیسیٰؑ، خدا کی طرف سے رحمت تھے ۔ (۲۱ : ۱۹) ۔ تمام انبیاء رحمت میں داخل تھے ۔ (۸۶ : ۲۱)

۲۲۔ خدا صاحبِ رحمت ہے ۔ (۱۳۴ : ۶) — (۵۸ : ۱۸)

۲۳۔ حضرت موسٰیؑ کو ہارونؑ جیسا بھائی مل جانا خدا کی رحمت تھی ۔ (۵۳ : ۱۹)

۲۴۔ ایمان اور اسلام خدا کی رحمت ہے جو چاہے اسے حاصل کر سکتا ہے ۔ (۹۹ : ۹) — (۸ : ۴۲) ۔ (۳۱ : ۷۶)

۲۵۔ اگر خدا کی رحمت نہ ہوتی (یعنی تم احتیاط نہ برتتے) تو ایک گروہ تمہیں گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ۔ (۸۳ : ۴)
(۱۱۳ : ۴) ۔ واقعۂ افک کی تباہیوں سے بچ جانا خدا کی رحمت تھی ۔ (۲۱-۲۰ ؛ ۱۴ : ۲۴)

۲۶۔ رحمت بمقابلہ ہلاکت ۔ (۲۸ : ۶۷) — (۲۷) جو کچھ تم جمع کرتے ہو خدا کی رحمت اس سے بہتر ہے (۳۲ : ۴۳)

خدا کی رحمت کس پر ہوتی ہے

۱۔ راہِ حق میں ہر مصیبت کو استقامت سے برداشت کرنے والے ۔ (۱۵۷ : ۲)

۲۔ مومن، مہاجر اور مجاہد ۔ (۲۱۸ : ۲) ۔ مقتولین فی سبیل اللہ ۔ (۱۵۶ : ۳) — (۹۵ : ۴) ——
(۹۶ : ۴) — (۲۱ : ۹) ۔ دوہرا حصہ ۔ (۲۸ : ۵۷)

۳۔ اتباعِ قرآن سے ۔ (۱۵۶ : ۶) ۔ اعتصام بالقرآن سے ۔ (۱۷۶ : ۴)

۴۔ محسنین ۔ دوسروں کی کمی کو پورا کرنے والے ۔ (۵۶ : ۷) ۔ (۵۶ : ۱۲)

۵۔ جو وحی کی دی ہوئی وارننگ سے اپنے آپ کو محتاط کرے ۔ (۶۳ : ۷)

۶ حضرت ہودؑ اور ان کے متبعین کا تباہی سے محفوظ رہنا، خدا کی رحمت تھی ۔ (۷۲ : ۷) ——
(۵۸ : ۱۱) — (۶۶ : ۱۱) — (۹۴ : ۱۱)

۷۔ جو رسالتِ محمدیہ پر ایمان لائے اور اعمالِ صالح کرے ۔ (۱۵۷-۱۵۶ : ۷) ۔ رسول اللہؐ مومنین کے لئے رحمت ہیں ۔ (۶۱ : ۹) — (۸) ۔ قرآن کو خاموشی اور توجہ سے سننے سے (۲۰۴ : ۷)

۹ ۔ ایمان و اعمالِ صالح سے ۔ (۷۱ : ۹) ۔ اطاعت و اعمالِ صالح سے ۔ (۵۶ : ۲۴) ۔ اطاعتِ خدا و رسول

سے (۱۳۱ : ۳)۔ تقویٰ سے ۔ (۴۵ : ۳۶)

۱۰۔ جنہیں لوگ مقربین خداوندی سمجھ کر ان کی پوجا شروع کر دیتے ہیں وہ خود خدا کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہیں ۔ (۵۷ : ۱۷) — (۱۱) خدا سے حفاظت طلب کرنے سے رحمت مل جاتی ہے ۔ (۴۶ : ۲۷)

۱۲۔ قوانینِ خداوندی اور آخرت سے انکار کرنے والا رحمتِ خداوندی سے مایوس ہوتا ہے ۔ (۲۳ : ۲۹)۔ ان کے برعکس مومن ہوتے ہیں ۔ (۹ : ۳۹)

۱۳۔ اے میرے بندو ! میری رحمت سے ناامید نہ ہو ۔ غلطی کر بیٹھے ہو تو میرے قوانین کی طرف رجوع کرو ۔ قرآن کی اطاعت کرو ۔ قبل اس کے کہ مہلت کا وقفہ گذر جائے ۔ (۵۳-۵۵ : ۳۹)۔ رَوح اللہ سے کافر مایوس ہوتے ہیں ۔ (۸۷ : ۱۲) — (۱۴)۔ رحمت ، توبہ سے مشروط ہے ۔ (۷-۹ : ۴۰)

۱۵۔ جماعتِ مومنین سے کہا ہے کہ رسول پر ایمان لاؤ (اس کی بات مانو) تمہیں رحمت کا دہرا حصّہ دیا جائیگا۔ (۲۸ : ۵۷)

۱۶۔ مومن ایک دوسرے کو مرحمت کی تلقین کرتے رہتے ہیں ۔ (۱۷ : ۹۰)

۱۷۔ تقویٰ شعار کو رحمت ملتی ہے ۔ (۴۵ : ۳۶) ۔ (۱۰ : ۴۹)

رحمت کی آرزو (دعا)

۱۔ عام مومنین کی طرف سے ۔ (۲۸۶ : ۲) ۔ (۸ : ۳) ۔ (۹ ، ۱۰ : ۲۳) ۔ (۱۱۸ : ۲۳) ۔ (۱۵۵ : ۷)

۲۔ اصحابِ کہف کی طرف سے (۱۰ : ۱۸)

۳۔ حضرت سلیمانؑ کی دعا کہ مجھے اپنی رحمت سے عبادِ صالحین میں داخل کر لے ۔ (۱۹ : ۲۷)

۴۔ مومن ایک دوسرے کو مرحمت کی تلقین کرتے رہتے ہیں ۔ (۱۷ : ۹۰)

۵۔ حضرت موسٰیؑ کی دعا ۔ (۱۵۱ : ۷) ۔ (۸۶ : ۱۰) — (۶) اپنے ماں باپ کے لئے دعا ۔ (۲۴ : ۱۷)

۷۔ جنہیں لوگ خدا کے مقرب سمجھتے ہیں وہ بھی خدا کی رحمت کے آرزو مند ہوتے ہیں ۔ (۵۷ : ۱۷)

عام دنیاوی خوشگواریاں رحمت ہیں

۱۔ انسان سے جب کوئی رحمت چھن جاتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے ۔ (۹ : ۱۱) ۔ (۳۳ : ۳۰) ۔ (۳۶ : ۳۰) (۵۰ : ۴۱) ۔ (۴۸ : ۴۲) ۔ مخالفت شروع کر دیتا ہے ۔ (۲۱ : ۱۰)

۲۔ بڑی عمر میں اولاد کا مل جانا (۳، ۷ : ۱۱) - (۲ : ۱۹)۔حضرت مریم کو اولاد کی بشارت۔ (۲۱ : ۹)
۳۔ تمکن فی الارض - (۵۶ : ۱۲)
۴۔ اگر تم خدا کی رحمتوں کے خزانے کے مالک ہوتے تو انہیں ختم ہو جانے کے ڈر سے خرچ ہی نہ کرتے۔(۱۰۰ : ۱۷)
(۹ : ۳۸) — (۵) - دشمن سے حفاظت کا سامان - (۹۸ : ۱۸)
۶۔ سزا میں تخفیف (قانون کی رو سے) رحمت ہے - (۱۰-۲ : ۲۴) - قانون کا نرم کر دینا بھی - (۱۷۸ : ۲)
۷۔ بارش رحمت ہے - (۵۷ : ۷) - (۴۸ : ۲۵) - (۶۳ : ۲۷) - (۴۶ : ۳۰) - (۵۰ : ۳۰)
(۲۸ : ۴۲) ——— (۸) رات اور دن کا تنوع رحمت ہے - (۷۳ : ۲۸)
۹۔ میاں بیوی میں مودت اور رحمت پیدا کی - یعنی ایک دوسرے کے لیے سامانِ نشو و نما - (۲۱ : ۳۰)
۱۰۔ خدا رحمت کرنا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا - (۱۷ : ۲۳) - (۲ : ۳۵) - (۳۸ : ۳۹)
۱۱۔ کشتیوں میں محفوظ رہنا رحمت ہے - (۴۳ : ۱۱) - (۴۴ : ۳۶)
۱۲۔ رحمت کے جامع معانی - (۱۶ : ۱۸) - (۸ : ۴۲) - (۳۱ : ۷۶)
۱۳۔ عام سامانِ زیست - مال و دولت - (۲۸ : ۱۷)
۱۴۔ قصۂ حضرت موسٰیؑ میں یتیم بچوں کا دفن شدہ خزانہ - (۸۲ : ۱۸)
۱۵۔ جنگ کی وجہ سے آنے والی مصیبتوں سے بچ جانا رحمت ہے - (۲۵ : ۴۸)
۱۶۔ تکالیف کا دور ہو جانا رحمت ہے - (۷۵ : ۲۳)

رحیم ۔ رحمٰن

۱۔ خدا رحیم اور رحمٰن ہے - (۲ : ۱) - (۱۶۳ : ۲) - (۲۲ : ۵۹) - قرآن رحمٰن و رحیم کا نازل کردہ ہے (۲ : ۴۱)
۲۔ خدا غفور رحیم ہے - (۲۱۸ : ۲) - (مزید دیکھئے عنوان غفور)
۳۔ ارحم الراحمین - (۱۵۱ - ۷) - (۶۴ : ۱۲) - (۹۲ : ۱۲) - (۸۳ : ۲۱) - خیر الراحمین (۱۰۹ : ۲۳)
- (۱۱۸ : ۲۳) -

رحمٰن

۱۔ رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ (۵۵ : ۲)۔ ارض و سما کی تخلیق کی۔ (۲۵ : ۵۹)۔ (۳۷ : ۸)

۲۔ یہ رحمٰن کے بالمقابل دیویاں تراشتے ہیں۔ (۴۳ : ۱۷)۔ (۴۳ : ۱۹)۔ کہتے ہیں کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ (۴۳ : ۲۰)

۳۔ یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے کوئی شے تم پر نازل نہیں کی۔ (۳۶ : ۱۵)

۴۔ رحمٰن کے قانون کے مطابق مصیبت آئے تو اسے کوئی رفع نہیں کر سکتا۔ (۳۶ : ۲۳)

۵۔ بعث بعد الموت، رحمٰن کے وعدے کے مطابق ہے۔ (۳۶ : ۵۲)

۶۔ پرندوں کو فضا میں رحمٰن تھامے ہوئے ہے۔ (۶۷ : ۱۹)

۷۔ ہم رحمان پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۶۷ : ۲۹) — (۸) رحمٰن نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (۱۹ : ۶۱)

۹۔ رحمٰن مہلت کا وقفہ بڑھاتا ہے۔ (۱۹ : ۷۵)

۱۰۔ یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کی اولاد بھی ہے۔ (۱۹ : ۸۸)۔ (۱۹ : ۹۱-۹۲)۔ (۲۱ : ۲۶)

۱۱۔ رحمٰن مومنوں کے دلوں میں محبت ڈال دے گا۔ (۱۹ : ۹۶)

۱۲۔ رحمٰن عرش پر مستوی ہے۔ (۲۰ : ۵) — (۱۳) تمہارا رب رحمٰن ہے۔ (۲۰ : ۹۰)

۱۴۔ یہ رحمٰن کے ذکر سے انکار کرتے ہیں۔ (۲۱ : ۳۶)

۱۵۔ رحمٰن کے اذن کے بغیر کسی کا کسی کے ساتھ کھڑے ہونا کام نہیں دے سکے گا۔ (۱۹ : ۸۷)۔ (۲۰ : ۱۰۹)

۱۶۔ ہمارا رب رحمٰن ہے۔ (۲۱ : ۱۱۲)

۱۷۔ رحمٰن کے قانونِ مکافات سے ڈرنے والے۔ (۳۶ : ۱۱)۔ (۵۰ : ۳۳)۔ (۱۹ : ۴۵)

۱۸۔ اسے اللہ کہو یا رحمٰن کہو۔ بات ایک ہی ہے۔ (۱۷ : ۱۱۰)

۱۹۔ جو رحمٰن کے ذکر سے منہ موڑتا ہے اس کا قرین شیطان ہو جاتا ہے۔ (۴۳ : ۳۶)

۲۰۔ رحمٰن کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ (۴۳ : ۴۵)۔ (۲۱)۔ رحمٰن کی تخلیق میں کوئی نقص نہیں۔ (۶۷ : ۳)

۲۲۔ رحمٰن کے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ (۶۷ : ۲۰)۔ (۲۳)۔ قرآن میں آیات الرحمٰن ہیں۔ (۱۹ : ۵۸)

۲۴۔ رحمٰن کے خلاف سرکشی کرنے والے۔ (۱۹ : ۶۹)۔ (۲۵) رحمٰن نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (۱۹ : ۶۱)

۲۶۔ کیا ان کفار نے رحمٰن سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے۔ (۷۸ : ۱۹)
۲۷۔ عباد الرحمٰن کی خصوصیات ۔ (۶۳ : ۲۵)
۲۸۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے۔ (۶۰ : ۲۵)
۲۹۔ حضرت سلیمانؑ کا خط ملکۂ سبا کے نام ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ (۳۰ : ۲۷)
۳۰۔ کائنات کی ہر شے رحمٰن کی عبد ہے ۔ (۹۳ : ۱۹)
۳۱۔ محشر میں متقین خدا سے اعزاز حاصل کریں گے۔ (۸۵ : ۱۹)
۳۲۔ رحمٰن سے انکار کرنے والے ۔ (۳۳ : ۴۳) ۔ (۳۳) حضرت مریم نے رحمٰن کی پناہ مانگی ۔ (۱۸ : ۱۹)
۳۴۔ حضرت مریم کا رحمان کے لئے روزہ ۔ (۲۶ : ۱۹) ۔ (۳۵)۔ شیطان، رحمٰن کا سرکش ہے ۔ (۴۴ : ۱۹)
۳۶۔ اس دن سب آوازیں خدا کے حضور نرم پڑ جائیں گی ۔ (۱۰۸ : ۲۰)
۳۷۔ اس دن ملکت خدا کی ہوگی ۔ (۲۶ : ۲۵)
۳۸۔ رحمٰن کے سوا کسی کی حفاظت کام نہیں دے سکتی۔ (۴۲ : ۲۱)
۳۹۔ رحمٰن کی طرف سے جب بھی ذکر آیا لوگوں نے اس سے اعراض برتا ۔ (۵ : ۲۶)

رحیم

۱۔ خدا رحیم و ودود ہے ۔ (۹۰ : ۱۱) ۔ (۲)۔ رب رحیم ۔ (۵۸ : ۳۶)
۳۔ عزیز رحیم ۔ (۶۸ : ۲۶) ۔ (۲۱۷ : ۲۶) ۔ (۵ : ۳۶) ۔ (۴۲ : ۴۴)
۴۔ البرالرحیم ۔ (۲۸ : ۵۲) ۔ (۵) رحیماً ۔ (۲۹ : ۴) ۔ (۱۷ : ۶۶) ۔ (۴۳ : ۳۳)

رؤف رحیم

(۱۴۳ : ۲) ۔ (۱۱۷ : ۹) ۔ (۷ : ۱۶) ۔ (۴۷ : ۱۶) ۔ (۶۵ : ۲۲) ۔ (۲۰ : ۲۴) ۔
(۹ : ۵۷) ۔ (۱۰ : ۵۹)
رسول اللہؐ رؤف و رحیم تھے ۔ (۱۲۸ : ۹)

توابِ رحیم

(۲ : ۵۴) - (۲ : ۱۲۸) - (۲ : ۱۶۰) - (۴ : ۱۶) - (۴ : ۶۴) - (۹ : ۱۰۴) - (۹ : ۱۱۸)
(۴۹ : ۱۲) ——— توابًا رحیمًا - (۴ : ۱۶) - (۴ : ۶۵) - تواب حکیم (۲۴ : ۱۰)

متفرق

۱- محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم (۴۸ : ۲۹)
۲- رحم دل اولاد - (۱۸ : ۸۱)

——— (-) ———

۴- رزق

رزق - یہ بڑا جامع لفظ ہے۔ اس کا مفہوم "سامانِ زیست" کی اصطلاح سے سمجھا جا سکتا ہے یعنی ہر وہ شے جس سے انسان کی زندگی برقرار رہے اور اس کی نشو ونما ہوتی رہے۔ چاہے یہ اس شکل میں ہو جس میں یہ فطرت کی طرف سے ازخود ملتا ہے۔ اور چاہے اس شکل میں جس میں اسے انسان اپنے کسب و ہنر سے تبدیل کرتا ہے یعنی موہباتِ خداوندی اور مصنوعاتِ انسانی دونوں اس میں شامل ہیں۔ موہباتِ خداوندی ساری دنیا میں بکھری پڑی ہیں لیکن انہیں حاصل کرنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ جیسے زمین سے فصلیں اگانا۔ پھر ان کے انتظام اور تقسیم کا سوال آتا ہے۔ جو قوم خدا کے مقرر کردہ قوانینِ فطرت کے مطابق سعی و کاوش کرتی ہے، اسے رزق فراواں مل جاتا ہے۔ جو ایسا نہیں کرتی اسے بنی تُلی روزی ملتی ہے۔ اس کے لئے "من یشاء" کی اصطلاح آتی ہے۔ یعنی جو قوم فراوانی سے رزق حاصل کرنا چاہتی ہے وہ اگر قوانینِ خداوندی کے مطابق کام کرے تو اسے فراوانی سے رزق مل جاتا ہے۔ جو ایسا نہیں چاہتی اسے تنگی سے رزق ملتا ہے۔

پھر جو قوم اس رزق کو افرادِ کی ضروریات کے مطابق تقسیم کرتی ہے، اُسے خوش حالی نصیب ہوتی ہے۔ جس کے ہاں یہ تقسیم غلط پیمانوں کے مطابق ہو، وہاں معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یعنی بعض

طبقوں میں بلا ضرورت رزق جمع رہتا ہے اور دوسرے لوگوں کی ضروریات بھی پوری نہیں ہوتیں۔

محنت نہ کرنے کی وجہ سے رزق میں کمی ہوجائے یا غلط تقسیم کی وجہ سے، رزق کی تنگی بہر حال خدا کا عذاب ہے اور جس قوم کا رزق تنگ ہوجاتا ہے (اور وہ اس پر قناعت کرکے بیٹھ جاتی ہے) اس کی آخرت بھی خراب ہوتی ہے۔

جہاں تک خدا کے طبیعی قوانین کے مطابق محنت کرکے رزق حاصل کرنے کا تعلق ہے۔ اس میں کافر و مومن میں کوئی تفریق نہیں۔ جو بھی اسطرح محنت کرے گا۔ اسے اس کا ثمرہ مل جائے گا۔ یہ تمیز رزق کی تقسیم کے وقت شروع ہوتی ہے۔ مومن اسے مستقل اقدارِ خداوندی کے مطابق نوعِ انسان کی ربوبیتِ عامہ کے لئے صرف کرتا ہے۔ کافر اسے اپنی مصلحتوں کے مطابق تقسیم کرتا ہے جس سے معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اکتسابِ رزق (رزق حاصل کرنے) کی صلاحیتوں میں مختلف افراد میں فرق ہوتا ہے۔ اس سے ایک فرد زیادہ پیدا کرلیتا ہے۔ دوسرا کم کماتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے جو نظام قائم ہوتا ہے، اس میں زیادہ کمانے والا، اپنی فاضلہ کمائی کو نظامِ مملکت کی تحویل میں دے دیتا ہے تاکہ وہ اس سے ان لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کا انتظام کرے جن کی کمائی ان کی ضروریات پوری نہیں کر سکتی۔

تفصیل ان امور کی 'معاشی نظام' کے عنوان میں ملے گی۔

۲۔ قرآن کریم میں رزق کے لئے لفظ فضل بھی آیا ہے اور معیشت بھی۔

رزق کی بست وکشاد خدا کے قوانینِ فطرت کے مطابق ہوتی ہے یعنی انسانی حساب سے نہیں

۱۔ خدا رزق بغیر حساب دیتا ہے۔ یعنی ایک دانہ بونے سے بے شمار دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ (۲ : ۲۱۲)-(۳ : ۲۶)-(۳ : ۳۶)-(۲۴ : ۳۸)-(۴۰ : ۴۰)۔ یہ آیت رزقِ جنت سے متعلق ہے۔

۲۔ رزق کی بست وکشاد قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوتی ہے۔ (۲ : ۲۴۵)-(۹ : ۲۸)-(۱۳ : ۲۶)-(۱۷ : ۳۰)-(۲۸ : ۸۲)-(۲۹ : ۶۲)-(۳۰ : ۳۶-۳۷)-(۳۴ : ۳۶-۳۹)-(۳۹ : ۴۹-۵۲)-(۴۲ : ۱۲)-(۴۲ : ۱۹)

۳۔ رزق تلاش کرنے کی تاکید۔ (۲ : ۱۹۸)-(۵ : ۲)-(۱۶ : ۱۴)-(۱۷ : ۱۲)-(۱۷ : ۶۶)-(۲۸ : ۷۳)-(۲۹ : ۱۷)-(۳۰ : ۲۳، ۴۶)-(۳۵ : ۱۲)-(۴۵ : ۱۲)-(۴۸ : ۲۹)

(۸ : ۵۹) ۔ (۱۰ : ۶۲) ۔ (۳۰ : ۷۳)

۳۔ یہ اہلِ کتاب اگر تورات و انجیل کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے تو اوپر نیچے سے رزق ملتا ۔ (۶۶ : ۵)

۴۔ انسان مصیبت اپنے ہاتھوں سے لاتا ہے۔ اس لئے رزق کی تنگی بھی اس کی اپنی نالائقی کی وجہ سے ہوتی ہے ۔ یہ ہے ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر کے معنی ۔ (۳۷-۳۶ : ۳۰)

۵۔ سبا والوں کو رزق کی فراوانیاں حاصل تھیں۔ انہوں نے وسائلِ رزق کی طرف سے تغافل برتا۔ اور جوع الارض کی ہوس میں دست درازیاں شروع کردیں، تو تباہ ہوگئے ۔ (۱۹-۱۵ : ۳۴)

۶۔ خدا براہ راست رزق نہیں دیتا۔ ایسا سمجھنا گمراہی ہے ۔ (۴۷ : ۳۶)

۷۔ زمین سے رزق ایک خاص پیمانے کے مطابق نکلتا ہے ۔ اگر ایسا نہ ہو تو بالا دست لوگ سارا رزق سمیٹ کر بیٹھ جاتے اور سرکشی اختیار کرلیتے ۔ (۲۷ : ۴۲)

۸۔ رزق کی تنگی ہوتی ہے تو انسان خدا کو اس کا ذمہ دار قرار دے کر کوسنے لگ جاتا ہے۔ (۱۶ : ۸۹)

۹۔ جو رزق قوانینِ خداوندی کے مطابق حاصل کیا جائے وہی بہتر اور باقی رہنے کے قابل ہوتا ہے۔ (۹۶ : ۱۶) ۔ (۱۳۱ : ۲۰) ۔ (۶۰ : ۲۸) ۔ (۳۹ : ۳۴) ۔ (۳۶ - ۴۲) ۔ (۱۱ : ۶۲) ۔

باقیات الصالحات ۔ (۴۶ : ۱۸) ۔ (۷۶ : ۱۹)

۱۰۔ رزق کی دُعائیں

حضرت ابراہیم کی دعا کہ میں نے اپنی اولاد کو مکہ کی بے برگ وگیاہ وادی میں لبا دیا ہے۔ ان کے رزق کا سامان کردیجیو۔ (۱۲۶ : ۲) ۔ (۳۷ : ۱۴)۔ اس دعا کا نتیجہ ۔ (۵۷ : ۲۸)۔ حضرت عیسٰی کی دعا۔ (۱۱۴ : ۵)

۱۱۔ دنیا میں معیشت کی تقسیم خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتی ہے ۔ (۳۲ : ۴۳)

۱۲۔ زمین میں تمہارے لئے بھی معاش ہے (۱۰ : ۷) اور ان کے لئے بھی جنہیں تم رزق نہیں دیتے ۔ (۲۰ : ۱۵)

خدا رزاق ہے ۔ یعنی اس نے سامانِ رزق پیدا کر رکھا ہے

لیکن جہاں تک تقسیمِ رزق کا تعلق ہے ۔ خدا کے رازق ہونے کی ذمہ داری وہ نظامِ حکومت پوری کرتا ہے ، جو خدا کے نام پر قائم ہوتا ہے ۔ یعنی اسلامی نظامِ مملکت ۔

۱۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں۔ اور تمہاری اولاد کو بھی ۔ (۱۵۲ : ۶) ۔ (۳۱ : ۱۷) ۔ (۶۰ : ۲۹)۔ ظاہر

ہے کہ خدا کی یہ ذمہ داری نظامِ خداوندی کے ہاتھوں سے پوری ہوگی۔ ہر ذی حیات کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔
(۶ : ۱۱) - (۶۰ : ۲۹)

۲۔ زمین۔آسمان سے رزق۔ (۲۲ : ۲) - (۳۱ : ۱۰) - (۳۲ : ۱۴) - (۶۴ : ۲۷) - (۲۴ : ۳۴) -
(۳ : ۳۵) - (۱۳ : ۴۰) - (۵ : ۴۵) - (۱۱ : ۵۰) - (۲۲ : ۵۱)

۳۔ خدا رزق دیتا ہے۔کسی سے رزق مانگتا نہیں۔ (۱۳۲ : ۲۰) - (۵۸-۵۶ : ۵۱)

۴۔ خیرالرازقین۔ (۱۱۴ : ۵) - (۵۸ : ۲۲) - (۷۲ : ۲۳) - (۳۹ : ۳۴) - (۱۱ : ۶۲)

۵۔ کتنے جاندار ہیں جو اپنا رزق اپنی پیٹھ پہ لادے پھرتے ہیں؟ اللہ انہیں بھی دیتا ہے۔تمہیں بھی۔ (۶۰ : ۲۹)

۶۔ اس نے پیدا کیا۔ اور رزق مہیا کیا۔ (۴۰ : ۳۰)

۷۔ خدا کسی کو براہِ راست رزق نہیں دیتا۔ ایسا سمجھنا جہالت ہے۔ (۴۷ : ۳۶)

۸۔ ذرائع رزق (ارض) سب ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلے رہنے چاہئیں۔ (۱۰ : ۴۱)

۹۔ ایسی جگہ سے رزق جو انسان کے سان گمان میں بھی نہ ہو۔ (۳ : ۶۵)

۱۰۔ خدا کے رزق میں سے کھاؤ۔ (۶۰ : ۲) - (۱۵ : ۳۴) - (۱۵ : ۶۷)

۱۱۔ خدا رزاق ہے۔ (۵۸ : ۵۱)

۱۲۔ مکہ کی طرف جو کھانے پینے کی چیزیں باہر سے آتی تھیں انہیں "رزقاً من لّدنا" (ہماری طرف سے رزق) کہا۔ (۵۷ : ۲۸)

۱۳۔ خدا نے انسان کو پیدا کیا تو ساتھ ہی اس کے رزق کا سامان بھی کر دیا۔ (۴۰ : ۳۰)

۱۴۔ انسان جتنی محنت کرتا یا اس پر خرچ کرتا ہے، خدا کی طرف سے اس سے کہیں زیادہ ملتا ہے۔ اسے "رزق بغیر حساب" کہا گیا ہے۔ یعنی تمہارے حسابی تصور کے مطابق نہیں۔ (۲۱۲ : ۲) - (۲۶ : ۳) - (۳۷ : ۳) - (۳۸ : ۲۴) -
جنت میں (۴۰ : ۴۰)

۱۵۔ زمین کی پیداوار تمہارے لئے معیشت ہے اور ان کے لئے بھی جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔ (۲۰ : ۱۵)

خدا کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جس نے سامانِ رزق پیدا کر رکھا ہو۔

۱۔ اس اعتبار سے رزق عطا کرنے کی قدرت کسی اور میں نہیں۔ (۷۳ : ۱۶)۔ یہ سب خدا کی مخلوق و مملوک ہیں اور مملوک کو آقا جیسا اختیار کیسے ہو سکتا ہے۔ (۷۵ : ۱۶)

۲۔ معبودانِ باطل رزق کا اختیار نہیں رکھتے۔ (۲۷ : ۶۴) — (۱۷ : ۲۹)

۳۔ خدا رزق کے ذرائع ختم کر دے تو کوئی رزق نہ دے سکے۔ (۶۳-۶۷ : ۵۶) — (۲۱ : ۶۷) —
(۳۰ : ۶۷) — (۲۵-۳۲ : ۸۰)

رزقِ خداوندی اور انسانی محنت

(۶۳-۶۷ : ۵۶)۔ اس لئے انسان اس میں سے اپنی محنت کا حقدار ہو سکتا ہے۔ باقی حق خدا کا ہے۔ جو اس کے ضرورت مند بندوں کو مل جانا چاہیئے۔ (۶ : ۱۴۲)۔ (قرآن کریم میں اللہ کا یہی ایک حق مذکور ہے)

رزق میں انفاق

اپنی محنت کی کمائی سے دوسروں کو رزق دیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے خدا کے علاوہ اور بھی رازق ہو سکتے ہیں اسی لئے خدا کو خیر الرازقین کہا گیا ہے۔ (۵ : ۱۱۴) — (۲۲ : ۵۸) — (۲۳ : ۷۲) —— (۳۴ : ۳۹) — (۶۲ : ۱۱)

۱۔ مومن وہ ہیں کہ جو کچھ خدا نے رزق عطا کر رکھا ہے وہ اسے نوعِ انسان کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھتے ہیں (۲ : ۳) — (۸ : ۳) — (۲۲ : ۱۳) — (۱۶ : ۷۵) — (۲۲ : ۳۵) — (۲۸ : ۵۴) ——
(۱۴ : ۳۲) — (۲۹ : ۳۵) — (۳۸ : ۴۲)

۲۔ خدا نے رزق سطحِ ارض پر بکھیر رکھا ہے۔ اس میں سے فصل کاٹتے وقت، اس کا حق دے دیا کرو۔ اور (اپنی ضروریات کے تعین میں) اسراف مت کرو۔ (۶ : ۱۴۲) — (۱۷-۳۲ : ۶۸)

(نوٹ۔ سارے قرآن میں (۶ : ۱۴۲) صرف ایک آیت ہے جہاں خدا نے اپنے حق کا ذکر کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا ہے۔ حقوق اللہ کے الفاظ قرآن میں کہیں نہیں آئے)

۳۔ یہ کہنا کہ ہمیں سب کچھ ہماری کاریگری سے ملا ہے اس لئے اس میں کسی اور کا حق کچھ نہیں، گمراہی ہے (۳۹ : ۴۹-۵۲) قارون یہی کہتا تھا (۲۸ : ۷۸)۔ یہی نظام سرمایہ داری کی بنیاد ہے۔

۴۔ آخری انقلاب آنے سے قبل انفاق کرو۔ (۲ : ۲۵۴)۔ موت سے قبل۔ (۶۳ : ۱۰)

۵۔ انفاق نہ کرنے والوں کی ملامت (۳۹ : ۴۷)۔ (نوٹ۔ تفصیل کے لئے انفاق کا عنوان دیکھئے)

۶۔ رزق میں بخل کرنے والے یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ کوئی اچھی بات ہے۔ (۱۸۰ : ۳)۔ اس کا چھپانا جرم عظیم ہے۔ (۳۷ :۴)۔ (۷۶ : ۹)۔ رزق کے سرچشموں پر بند لگانے والے تکذیبِ دین کرتے ہیں (۷-۱ : ۱۰۷)

۷۔ مَا کسبتم سے بھی انفاق کرو۔ اور زمینی رزق سے بھی۔ (۲۶۷ ، ۲)

رزق کی تنگی خدا کا عذاب ہے

۱۔ بھوک اور خوف خدا کا عذاب ہے۔ (۱۱۲ : ۱۶)

۲۔ قریش پر خدا کے احسانات۔ بھوک کے لئے رزق دیا۔ (۵-۱ : ۱۰۶)

۳۔ جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتتا ہے۔ اس کی معیشت (روزی) تنگ ہو جاتی ہے اور وہ قیامت میں اندھا اٹھتا ہے۔ (۱۲۴ : ۲۰)

۴۔ لیکن اگر قوانینِ خداوندی کے مطابق تقسیمِ رزق نہ ہو تو قومیں فراوانیٔ معیشت سے بھی تباہ ہو جاتی ہیں (۵۸ :۲۸)

۵۔ جو تنگیٔ رزق جہاد وغیرہ کے سلسلہ میں آئے، وہ خدا کا عذاب نہیں (۱۵۵ : ۲)

رزق کمانے کی استعداد میں فرق

۱۔ اکتسابِ رزق کی استعداد میں فرق ہوتا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ جنہیں زیادہ استعداد حاصل ہے، وہ اپنی ساری کمائی سمیٹ کر بیٹھ جائیں۔ یہ انعاماتِ خداوندی سے انکار کے مرادف ہو گا۔ انہیں چاہیئے کہ فاضلہ رزق اپنے ماتحت کام کرنے والوں کو دے دیں۔ (۷۱ : ۱۶)

۲۔ اس سے یہ ذہنیت پیدا کر لینا کہ سب کچھ ہماری ہنرمندی سے ملتا ہے۔ اس لئے دوسروں کا اس میں کیا حق ہے، گمراہی ہے۔ (۷۸ : ۲۸)۔ (۵۲-۴۹ : ۳۹)

۳۔ استعداد کا اختلاف معاشرہ کا کاروبار چلانے کے لئے ہے۔ (۳۲ ، ۴۳)

رزقِ طیب

پہلی شرط یہ ہے کہ رزق حلال ہو اور دوسری یہ کہ اس حلال رزق میں سے جو تمہارے لئے خوشگوار ہو (طیب)، اسے کھاؤ۔ حلال میں سے "طیب" کا معیار ہر ایک کا اپنا اپنا ہو گا۔

۱۔ جو کچھ خدا نے رزق دیا ہے، اس میں سے طیّب کھاؤ۔ (۲ : ۵۷) - (۲ : ۱۶۸) - (۲ : ۱۷۲) — (۵ : ۸۸) - (۷ : ۱۶۰) - (۱۶ : ۱۱۴) - (۲۰ : ۸۱)

۲۔ رزقِ طیب کو کون حرام قرار دے سکتا ہے؟ (۵ : ۸۷) - (۷ : ۳۲)

۳۔ اپنی حکومت (یعنی حکومتِ خداوندی) ہو تو رزقِ طیب ملتا ہے (۸ : ۲۶) - (۱۰ : ۹۳) - (۴۵ : ۱۶)

۴۔ رزق حسناً۔ (۱۱ : ۸۸) - (۱۶ : ۶۷) - (۱۶ : ۷۵) - (۲۲ : ۵۸) - (۶۵ : ۱۱)

۵۔ خدا نے رزقِ طیب دیا ہے۔ (۱۰ : ۹۳) - (۱۶ : ۷۲) - (۱۷ : ۷۰) - (۴۰ : ۶۴)

۶۔ رزقِ خداوندی میں خود ہی حرام و حلال کی تفریق مت پیدا کرو۔ (۱۰ : ۵۹)

۷۔ رزقِ خداوندی میں سے معبودانِ باطل کے حصّے نکال کر اسے حرام مت کرو۔ (۱۶ : ۵۶)۔ ہر وہ شے جسے اللہ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر دیا جائے حرام ہو جاتی ہے (دیکھئے عنوان حرام)

رزقِ کریم۔ عزّت کی روٹی

۱۔ مومنین کے لئے عزت کی روٹی ہے۔ (۸ : ۴) - (۸ : ۷۴) - (۲۲ : ۵۰) - (۲۴ : ۲۶) (۳۴ : ۴) (۳۳ : ۳۱)

رزقِ حرام

۱۔ مشرکانہ تصوّرات و رسوم سے رزق حرام ہو جاتا ہے۔ (۶ : ۱۴۱؛ ۱۴۳-۱۴۵) - (۱۶ : ۵۶) -

۲۔ تم خود ہی رزق کو حرام و حلال قرار دینے لگ جاتے ہو۔ (۱۰ : ۵۹)

۳۔ رزقِ طیّب کو حرام مت بناؤ۔ (۵ : ۸۷)

اسراف

۱۔ رزق کے معاملہ میں، اپنی ضروریات کے تعین میں اسراف مت کرو۔ (۶ : ۱۴۲) - (۷ : ۳۱)۔ نہ ہی ہاتھ سکیڑ کر بیٹھ جاؤ۔ (۱۷ : ۲۹)

جنت میں رزق

۱۔ اہل جنت کے لیے رزق معلوم ہے ۔ (۴۱ : ۳۷)

۲۔ ملتا جلتا رزق ۔ (۲۵ : ۲) (۳)۔ مستقل رزق ۔ (۶۲ : ۱۹) ۔ (۵۴ : ۳۸)

۴۔ مقتولین فی سبیل اللہ کو رزق ۔ (۱۷۰-۱۶۸ : ۳)۔ مہاجرین اگر راستے میں وفات پاجائیں تو بھی رزق (۵۸ : ۲۲)

۵۔ رزق بغیر حساب ۔ (۴۰ : ۴۰)

۶۔ اہلِ جنت سے اہلِ جہنم کہیں گے کہ جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی عنایت کرو۔ (۵۰ : ۷)

۷۔ جہنم (کی زندگی) میں طعام نہ بھوک مٹا سکے گا نہ جسم کو فربہی دے سکے گا ۔ (۷ : ۸۸)

۸۔ "جنتِ آدم" (جنتِ ارض) میں بھوک، پیاس، لباس، مکان کی طرف سے اطمینان (۱۱۸ : ۲۰)۔ اس میں جہاں کسی کو بھوک لگے، سیر ہو کر کھانے کو مل جائے ۔ (۳۵ : ۲)

متفرق

۱۔ عام کھانے پینے کی چیزوں کے لئے رزق کا لفظ ۔ (۳۶ : ۳) ۔ (۵ : ۴) ۔ (۸ : ۴) ۔ (۳۷ : ۱۲) (۱۹ : ۱۸) — (۷ : ۶۵)

۲۔ مذہبی پیشوائیت دین کی تکذیب کو اپنے لئے ذریعۂ رزق بناتی ہے (۸۲ : ۵۶)

۳۔ تم سامانِ زیست اپنے مملوک کو یکساں نہیں دیتے ۔ (۲۸ : ۳۰)

۴۔ مویشیوں کا گوشت رزق ہے ۔ (۲۸ : ۲۲) ۔ (۳۴ : ۲۲) ۔ لحمِ طیور ۔ پرندوں کا گوشت (۲۱ : ۵۶)۔ لحماً طریا ۔ مچھلی کا گوشت (۱۴ : ۱۶) ۔ (۱۲ : ۳۵) صید البر والبحر ۔ خشکی اور پانی کا شکار (۹۶-۹۵ : ۵)

۵۔ رزق کا لفظ جملہ ضروریات کے لئے ۔ (۲۳۳ : ۲)

۶۔ کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے اپنی رزق کی ذمہ داری سے دستبردار مت ہو جاؤ ۔ (۲۲ : ۲۴)

(۰)

۷۔ رسول

رسول (ر ۔ س ۔ ل) اس لفظ کے عام معنی قاصد یا پیغام رساں کے ہیں ۔ لیکن یہ قرآن (یا دین) کی ایک

خاص اصطلاح ہے۔ جس برگزیدہ ہستی کو خدا کی طرف سے وحی ملتی تھی اسے نبی کہا جاتا تھا۔ لیکن نبی کا فریضہ یہ بھی تھا کہ وہ اس وحی (یعنی پیغامِ خداوندی) کو دوسرے انسانوں تک بھی پہنچائے۔ اس اعتبار سے اسی ہستی کو رسول کہا جاتا تھا۔ یعنی خدا کا پیغام دوسروں تک پہنچانے والا۔ نبی اور رسول میں کوئی فرق نہیں تھا۔ یہ ایک ہی شخصیت کے دو منصب تھے۔ نبی، رسول ہوتا تھا اور رسول نبی۔ نہ نبوت، بغیر رسالت کے مکمل ہوتی تھی نہ رسالت، بغیر نبوت کے۔ اس اعتبار سے، ایک ہی شخصیت کو کبھی نبی کہا جاتا تھا، کبھی رسول۔ نبوت (یعنی خدا کی طرف سے وحی کا پانا) ذاتِ نبئ اکرمؐ پر ختم ہوگئی۔ (اسی لئے ہم نے اوپر ماضی کے صیغے استعمال کئے ہیں) لیکن جو وحی حضورؐ کو ملی تھی، وہ قرآن کے اندر محفوظ ہے۔ اب اُمت کا فریضہ ہے کہ اس قرآن کو دوسروں تک بھی پہنچائے۔

لیکن رسول کا منصب اپنے پیغام کو دوسروں تک پہنچانا ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس کا منصب یہ بھی تھا کہ وہ اس پیغام کے مطابق ایک معاشرہ عملاً متشکل کرے۔ اسے نظامِ خداوندی یا اسلامی حکومت کہا جاتا ہے۔ نبئ اکرمؐ نے اس قسم کا نظام قائم کیا۔ حضورؐ کے بعد یہی نظام خلافت کی شکل میں قائم ہوا۔ اسے ہمیشہ کے لئے قائم رہنا چاہیئے تھا۔ یہ اب بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔ میری بصیرت کے مطابق اس نظام کی اطاعت کو "خدا اور رسول کی اطاعت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان اسلامی نظام)

لغت کی رو سے، رسول کا لفظ پیغامبر کے لئے بھی آتا ہے۔ اور اس کے پیغام کے لئے بھی۔ اس اعتبار سے، قرآن بھی 'خدا کا رسول' کہلائے گا۔

چونکہ نبیؐ اور رسولؐ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو تھے اس لئے قرآن کریم میں جو خصوصیات نبی کی بیان ہوئی ہیں وہ رسول کی بھی ہیں اور جو رسول کی بیان ہوئی ہیں وہ نبی کی بھی ہیں۔ اس لئے اس عنوان کے ساتھ 'نبی' کا عنوان بھی دیکھ لینا چاہیئے تاکہ مکمل تصویر سامنے آجائے۔ واضح رہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول صاحبِ شریعت ہوتا تھا اور نبی بغیر شریعت کے۔ یہ قرآن سے بے خبری کی دلیل ہے۔ قرآن کریم میں بالتصریح کہا گیا ہے کہ ہر نبی صاحبِ کتاب تھا اور ہر رسول صاحبِ کتاب۔

قرآن کریم بتاتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم کی طرف خدا کے رسول آتے رہے۔ لیکن اس میں تصریحاً ذکر انہی انبیائے کرام کا ہے جن سے عرب عام طور پر متعارف تھے۔ یعنی سامی اقوام کے رسول جو عرب اور اس کے گردوپیش کے علاقوں میں مبعوث ہوئے تھے۔ اس سلسلہ کی ابتدا حضرت نوحؑ سے ہوئی۔ لیکن نبوت کا خاتمہ (عرب ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں) نبئ اکرمؐ کی ذاتِ اقدس پر آکر ہوگیا۔ حضورؐ کے بعد دنیا میں کوئی نبی (یا رسول) خدا کی طرف سے

نہیں آسکتا۔ اب نبوت یا رسالت اپنی مکمل شکل میں قرآن کے اندر ہے جو تمام نوعِ انسان کے لئے آخری اکمل اور محفوظ ضابطۂ حیات ہے۔ لیکن رسول اللہؐ کی رسالت پر ایمان لانے والا اس کا مکلف ہے کہ وہ اصولی طور پر تمام سابقہ انبیاء (رسولوں) کی صداقت پر ایمان لائے یعنی اسے تسلیم کرے کہ وہ اپنے اپنے وقت میں خدا کی طرف سے سچے رسول تھے۔ لیکن اب ساری دنیا کے لئے رسول حضورؐ خاتم النبین ہی ہیں۔

جن رسولوں کا ذکر زیرِ نظر عنوان میں آتا ہے۔ ان کا تفصیلی تذکرہ خود ان سے متعلق عنوانوں میں آئے گا۔

اس سلسلہ میں عنوانات "انبیاء" اور "نبی" بھی دیکھنے ضروری ہیں۔ اور وحی بھی۔ یہ اس لئے کہ ختمِ نبوت کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے براہِ راست علم ملنے کا سلسلہ حضورؐ کے بعد ختم ہو گیا ہے، اس لئے اب کسی کا یہ دعوٰے کہ اسے خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے (خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے) دعوٰئے نبوت ہے۔ اور ختمِ نبوت کے منافی۔

آئندہ صفحات میں جہاں کسی نبی یا رسول کے ساتھ زمانہ حال کا صیغہ استعمال ہوا ہے (مثلاً رسول اپنی وحی کا اتباع کرتا ہے) تو ایسا قرآنی الفاظ کے تتبع میں کہا گیا ہے۔ ویسے ہمیں تمام انبیاء اور رسولوں کے لئے ماضی کے صیغے استعمال کرنے چاہئیں کیونکہ انبیاء سب گزر چکے اور اب کوئی نبی آ نہیں سکتا۔

رسول کی خصوصیات

۱۔ خدا کا عبد۔ (۲ : ۲۳) - (۲ : ۹۰) - (۸ : ۴۱) - (۱۲ : ۲۴) - (۱۶ : ۲) - (۱۷ : ۱) - (۱۸ : ۱) - (۱۹ : ۲) - (۲۵ : ۱) - (۲۹ : ۶) - (۳۷ : ۸۱) - (۳۷ : ۱۲۲؛ ۱۳۲) - (۳۷ : ۱۷۱) - (۳۸ : ۱۷) - (۳۸ : ۴۱) - (۳۸ : ۴۵) - (۴۰ : ۱۵) - (۵۳ : ۱۰) - (۵۴ : ۹) - (۵۷ : ۹) - (۶۶ : ۱۰)۔ وہ کسی کو اپنا عبد نہیں بنا سکتا۔ (۳ : ۷۸)

۲۔ رسول سے تاکید کہ وہ لوگوں کے خیالات کا اتباع نہ کرے۔ (۲ : ۱۲۰) - (۲ : ۱۴۵) - (۶ : ۵۶) - (۱ : ۴۳)۔ رسول اپنی وحی کا اتباع کرتا تھا۔ (۱۰ : ۱۰۹) - (۲ : ۳۳)

۳۔ رسالت وہبی تھی۔ یعنی وہ خدا کی طرف سے براہِ راست ملتی تھی اور اس میں اس کے اپنے کسب و ہنر یا خیالات کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ (۳ : ۷۳) - (۶ : ۱۲۵) - (۱۱ : ۱۴) - (۱۶ : ۲) - (۱۷ : ۶) - (۲۲ : ۷۵) - (۲۸ : ۸۶) - (۴۰ : ۱۵) - (۴۲ : ۲۴) - (۴۲ : ۵۱) - (۴۳ : ۳۱-۳۲) - (۵۳ : -۴)

رسول اپنی وحی کو رد و بدل نہیں کر سکتا تھا۔ (۱۶-۱۵ : ۱۰) ۔ وحی قلبِ نبوی پر نازل ہوتی تھی۔ (۱۹۴ : ۲۶)
وحی کے تین طریقے۔ (۵۱ : ۴۲)

۴۔ رسول کو ملک۔ علم۔ حکمت عطا ہوتا تھا۔ (۲۵۱ : ۲) ۔ (۱۱۳ : ۴) ۔ کتاب۔ حکم اور نبوت۔ (۹۰ : ۶) ۔
اسے وحی کے ذریعے وہ کچھ سکھایا جاتا تھا جس کا اسے از خود علم نہیں ہوتا تھا۔ (۱۱۳ : ۴)

۵۔ رسول اپنی وحی پر پہلے خود ایمان لاتا تھا۔ (۲۸۵ : ۲) ۔ (۱۴ : ۶) ۔ (۱۰۴ : ۱۰) ۔ (۲ : ۳۹) ۔

۶۔ رسول پر غائب کے امور از روئے وحی منکشف کئے جاتے تھے۔ یعنی اس پر جو وحی کی جاتی تھی۔ اس میں ایسی باتیں بھی ہوتی تھیں، جنہیں وہ انسان ہونے کی حیثیت سے جان نہیں سکتا تھا۔ (۴۴ : ۳) ۔ (۱۷۸ : ۳) ۔
(۵۰ : ۶) ۔ (۱۸۸ : ۷) ۔ (۲۰ : ۱۰) ۔ (۳۱ : ۱۱) ۔ (۴۹ : ۱۱) ۔ (۱۰۲ : ۱۲) ۔ (۴۶ : ۲۸) ۔
(۶۲ : ۳۳) ۔ (۶۹ : ۳۸)

۷۔ خدا، رسول کو اپنے احکام دیتا تھا۔ اسے "تلاوت" بھی کہتے ہیں۔ (۱۰۷ : ۳)

۸۔ رسول کو اپنی طرف سے دین کے معاملہ میں کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا۔ (۱۲۷ : ۳)

۹۔ رسول اپنی وحی میں کبھی خیانت نہیں کرتا تھا۔ (۱۶۰ : ۳)

۱۰۔ <u>بشریتِ رسول</u>

(۱) <u>مخالفین کا اعتراض کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو۔</u> (۹۲ : ۶) ۔ (۲۷ : ۱۱) ۔ (۱۰ : ۱۴) ۔ (۹۴ : ۱۷)
(۳ : ۲۱) ۔ (۲۴، ۳۳ : ۲۳) ۔ (۳۴-۳۳ : ۲۳) ۔ (۴۷ : ۲۳) ۔ (۱۵۴ : ۲۶) ۔ (۱۸۶ : ۲۶)
(۱۵ : ۳۶) ۔ (۲۴، ۱ : ۵۴) ۔ (۶ : ۶۴) ۔ (۲۵ : ۷۴)

یہ کیسا رسول ہے۔ کھانا کھاتا ہے۔ بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ (۸ : ۲۱) ۔ (۷ : ۲۵) ۔ اعتراف (۲۰ : ۲۵)
رسول مرد ہوتے تھے۔ (۱۰۹ : ۱۲) ۔ (۴۳ : ۱۶) ۔ (۷ : ۲۱) ۔ ان کے بیوی بچے بھی ہوتے تھے۔ (۳۸ : ۱۳)

(۲) <u>رسولوں کا اعتراف کہ ہم بشر ہیں</u>
(۱۱ : ۱۴) ۔ (۹۳ : ۱۷) ۔ (۱۱۰ : ۱۸) ۔ (۶ : ۴۱)

(۳) <u>رسول، دوسرے انسانوں کی طرح وفات پا جاتے تھے۔</u>

(۳۴ : ۲۱) ۔ قتل بھی کئے جا سکتے تھے۔ (۶۱ : ۲) ۔ (۸۷ : ۲) ۔ (۹۱ : ۲) ۔ (۲۰ : ۳) ۔ (۱۱۱ : ۳) ۔
(۱۴۳ : ۳) ۔ (۱۸۰ : ۳) ۔ (۱۸۲ : ۳) ۔ (۱۵۵ : ۴) ۔ (۷۰ : ۵) ۔ خود رسول اللہؐ کے متعلق۔ (۱۴۴ : ۳)

(۴) انہی میں سے رسول

(۳ : ۱۶۴) - (۷ : ۶۳) - (۷ : ۶۹) - (۹ : ۱۲۸) - (۱۰ : ۲) - (۳۸ : ۴) - (۵۰ : ۲)

(۵) جن و انس میں سے رسول - (۶ : ۱۳۱)

۱۱۔ باذنِ خداوندی رسول کی اطاعت کی جاتی تھی - (۴ : ۶۴)

۱۲۔ رسول، وحی کی رو سے غلطیوں سے بچتے تھے - (۱۲ : ۲۴) - (۳۴ : ۵۰)

۱۳۔ خدا پہ ایمان رکھنا اور رسولوں پہ ایمان نہ رکھنا خدا اور رسولوں میں تفریق کرنا ہے۔ خدا پہ ایمان اسی صورت میں واقعی اور مؤثر ہو سکتا ہے، جب وحی پہ ایمان لایا جائے - (۴ : ۱۵۰-۱۵۱)

۱۴۔ مبشرین و منذرین - (۲ : ۱۱۹) - (۲ : ۲۱۳) - (۴ : ۱۶۵) - (۶ : ۴۸) - (۱۷ : ۱۰۵) - (۱۸ : ۵۶) - (۲۵ : ۵۶) - (۳۳ : ۴۵) - (۳۴ : ۲۸) - (۳۵ : ۲۴) - (۴۱ : ۴) - (۴۸ : ۸) - (نیز دیکھئے عنوان تبشیر و تنذیر جو آگے آتا ہے -

۱۵۔ رسول کے آنے سے اتمامِ حجت ہو جاتی ہے - (۴ : ۱۶۵) - (۷ : ۹۴) - (۱۰ : ۴۷) - (۱۷ : ۱۵) - (۲۰ : ۱۳۴) - (۲۸ : ۵۹) - (۴۰ : ۵۱) - (۵۰ : ۲۸)

۱۶۔ اگر (بفرضِ محال رسول بھی معصیتِ خداوندی کرے تو خدا کے عذاب سے نہ بچ سکے - (۶ : ۱۵) - (۸ : ۶۷-۶۸) - (۱۰ : ۱۵) - (۱۱ : ۶۳) - (۱۱ : ۱۱۳) - (۱۷ : ۳۹) - (۱۷ : ۷۵) - (۲۶ : ۲۱۳) - (۳۹ : ۱۳) - (۴۶ : ۸) - (۷۲ : ۲۲)

۱۷۔ رسول اجرِ رسالت نہیں مانگتا

(۶ : ۹۱) - (۱۰ : ۷۲) - (۱۱ : ۲۹) - (۱۱ : ۵۱) - (۲۵ : ۵۷) - (۲۶ : ۱۰۹) - (۲۶ : ۱۲۷) - (۲۶ : ۱۴۵) - (۲۶ : ۱۶۴) - (۲۶ : ۱۸۰) - (۳۴ : ۴۷) - (۳۸ : ۸۶) - (۴۲ : ۲۳) - (۵۲ : ۴۰) - (۶۸ : ۴۶)

۱۸۔ حضرت موسیٰؑ کی خصوصیت کہ خدا نے ان کے ساتھ کلام کیا - اس کی تشریح وحی کے عنوان میں ملے گی - (۷ : ۱۴۳)

۱۹۔ خدا کو رسول بھی نہیں دیکھ سکتا - (۷ : ۱۴۳)

۲۰ رسول کو اپنی ذات کے لئے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں ہوتا - (۷ : ۱۸۸) - (۱۰ : ۴۹)

۲۱۔ خدا، رسول اور مومنین کو تباہی سے محفوظ رکھتا ہے - (۱۰ : ۱۰۳) - یہ غالب رہتے ہیں - (۳۷ : ۱۷۱-۱۷۳)۔ انکی

۔ مدد کرتا ہے اس دنیا میں ۔ (۴۰ : ۵۱) ۔ یہی غالب رہیں گے (۲۱ : ۵۸) ۔ (۸ : ۶۶)

۲۲۔ رسول اللہؐ دعوت الی اللہ علیٰ وجہ البصیرت دیتے تھے ۔ (۱۰۸ : ۱۲)

۲۳۔ رسول کا پیغام اس کی قوم کی زبان میں ہوتا تھا ۔ (۴ : ۱۴)

۲۴۔ خدا اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی نہیں کرتا ۔ (۴۷ : ۱۴) ۔ (۵۵ : ۴۰)

۲۵۔ رسول اپنی قوم کے بھائی بندوں میں سے ہوتے تھے ۔ (سورۂ شعراء ۲۶ آیات ۱۰۵ سے آگے ۔ مختلف انبیاء کے سلسلہ میں یہی کہا گیا ہے ۔ نیز یہ کہ وہ امن کے ضامن ہوتے تھے) امین ۔

۲۶۔ مرسلین خدا کے حضور ڈرتے نہیں تھے ۔ کیونکہ وہ مجرم نہیں ہوتے تھے ۔ (۱۰ : ۲۷)

۲۷۔ خدا کے برگزیدہ بندوں پر سلام ۔ (۵۹ : ۲۷) ۔ (۷۹ : ۳۷)

۲۸۔ رسول بھی اپنے پروگرام کی تکمیل کے لئے امداد کا خواستگار ہوتا تھا ۔ مہم کی گراں باری کا احساس بھی ہوتا تھا ۔ (۲۸ : ۳۱-۳۵) ۔ (۲۹) ۔ رسول، ملک کے صدر (مرکزی) مقام میں مبعوث ہوتا تھا ۔ (۵۹ : ۲۸)

۳۰۔ سلامٌ علی المرسلین ۔ (۳۷ : ۱۸۱) ۔ (۳۱) ۔ رسول دیدۂ بینا اور قوتِ بازو رکھتے تھے ۔ (۴۵ : ۳۸)

۳۲۔ رسولوں پر کتاب نازل کی اور ساتھ ہی میزان اور فولاد نازل کیا ۔ یعنی ذرائعِ قوت ۔ (۲۵ : ۵۷)

۳۳۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ۔ (۶۰ : ۱-۹) ۔ حضور نبی اکرمؐ کی زندگی میں بھی ۔ (۲۱ : ۳۳)

۳۴۔ رسولوں کی بیویاں اگر ایمان نہ لائیں تو وہ ان کے اہل نہیں ہو سکتیں ۔ حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی غیر مومن بیویاں ۔ (۶۶ : ۱۰) ۔ اولاد بھی ۔ پسر حضرت نوحؑ ۔ (۴۶ : ۱۱)

۳۵۔ وحی کے معاملات میں رسول کو کوئی دخل نہیں ہوتا تھا ۔ (۱۲۷ : ۳)

۳۶۔ رسول نبوت سے پہلے بھی اپنی قوم کا معتمد علیہ فرد ہوتا تھا ۔ (۶۲ : ۱۱) ۔ وہ اپنے دعوے کی صداقت کے ثبوت میں "اپنی قبل از نبوت زندگی کو بطور شہادت پیش کرتا تھا ۔ (۱۶ : ۱۰)

۳۷۔ ایک ہی فرد کو رسول بھی کہا گیا اور نبی بھی ۔ (۵۴-۵۱ : ۱۹)

۳۸۔ ہونے والے رسول کی نگہداشت شروع سے ہوتی تھی ۔ جب وہ مشیت کے پیمانے پر پورا اترتا تو اسے نبوت عطا کر دی جاتی تھی ۔ (۴۱-۳۷ : ۲۰)

۳۹۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ امید ہے کہ میرا خدا میری خطاؤں کو معاف کر دے گا ۔ (۸۲ : ۲۶)

فرائضِ رسالت

۱۔ وحی کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا (تلاوت) تعلیم کتاب وحکمت۔ تزکیہ۔ (۲ : ۱۲۹) - (۲ : ۱۵۱) (۳ : ۱۶۴) - (۶۲ : ۲) - (۶۵ : ۱۱) - (۹۸ : ۲)۔ خدا کی طرف سے رسول کو وحی ملنے کیلئے بھی تلاوت کا لفظ آیا ہے (۱۰۷:۳)

۲۔ اپنے متبعین کے اعمال کا نگران۔ (۲ : ۱۴۳)۔ ان کے معاملات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کرنا۔ (۵ : ۴۸)۔ وحی کے رُو سے ان زنجیروں کو توڑ ڈالنا جن میں نوعِ انسان گرفتار ہو۔ (۷ : ۱۵۷)

۳۔ ان فرائض کی سرانجام دہی کے سلسلہ میں مشکلات کا سامنا۔ (۲ : ۲۱۴) - (۹۴ : ۲)

۴۔ رسول کے ذمے ابلاغِ رسالت ہے۔ کسی کو ہدایت پر لے آنا نہیں (یعنی راستہ دکھا دینا۔ نہ کہ بالضرور اس راہ پہ چلا دینا) - (۲ : ۲۷۲) - (۳ : ۱۹) - (۵ : ۹۹) - (۷ : ۶۲) - (۷ : ۶۸) - (۷ : ۷۹) - (۹۳ : ۷) - (۸۰-۸۱ : ۲۶) - (۹۲ : ۲۶) - (۱۸ : ۲۹) - (۵۲-۵۳ : ۳۰)

حتیٰ کہ رسول اگر کسی کے متعلق دل سے بھی چاہے کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرے، تو ایسا کر دینا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا تھا۔ (۲۸ : ۵۶)

۵۔ رسول، دوسرے انسانوں سے اپنی اطاعت نہیں کراتا تھا۔ صرف انہیں ربانی بناتا تھا اس کتاب کی تعلیم سے جو اسے خدا کی طرف سے ملتی تھی۔ (۳ : ۷۸)

۶۔ رسول، خدا پر ایمان لانے کی منادی کرتا تھا۔ (۳ : ۱۹۲)

۷۔ رسول کو داروغہ بنا کر نہیں بھیجا جاتا تھا۔ (۴ : ۸۰) - (۶ : ۶۶) - (۶ : ۱۰۸) - (۴۲ : ۶) - (۲۲ : ۸۸)
(نیز دیکھئے عنوان رسالتِ محمدیہؐ)

۸۔ امورِ مملکت کی سرانجام دہی فرائضِ رسالت میں سے تھی۔ اس کی تفصیل عنوان "اطاعتِ خدا و رسول" میں دیکھئے۔ (۴ : ۸۳) —— (۹) - فریضۂ تبلیغ تو رسالت کا منصب تھا۔ لیکن رسول پر ذمہ داری اس کی اپنی ذات ہی کی ہوتی تھی - (۴ : ۸۴) — (۱۰) - اقامتِ صلوٰۃ کا فریضہ رسول کے ذمے - (۴ : ۱۰۲)

۱۱۔ لوگوں کے معاملات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کرنا۔ (۲ : ۲۱۳) - (۴ : ۱۰۵) - (۵ : ۴۸) - (۳۸ : ۲۶) - (۲۴ : ۴۸)

۱۲۔ جماعت کو جنگ کے لئے تیار اور آمادہ کرنے کا فریضہ۔ (۸ : ۶۵)۔ فوج کی سپہ سالاری۔ (۳ : ۱۲۰)

۱۳۔ جماعت کی تعلیم و تربیت ۔ راتوں کو تفکر و تدبر ۔ دن کو وسیع پروگرام ۔ (۹ - ۱ : ۷۳)

۱۴۔ رسول، وحی کو دوسروں تک پہنچانے میں بخل نہیں برتتا تھا۔ (۲۴ : ۸۱) ۔جو کچھ بھی اسے خدا کی طرف سے ملتا تھا ۔ اس کا فریضہ تھا کہ وہ تمام کا تمام دوسروں تک پہنچا دے ۔ (۶۷ : ۵) ۔ لہٰذا، رسول کی تعلیم میں کوئی سرِ ستور نہیں ہوتا تھا ۔ کوئی ایسا راز نہیں ہوتا تھا کہ جسے وہ بعض کو بتا دے اور دوسروں سے چھپائے رکھے ۔ اس میں "باطنی تعلیم" کا کوئی تصور نہیں تھا۔

سلسلۂ رسالت

۱۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت عیسیٰؑ تک سلسلۂ رسل جاری رہا ۔ (۸۷ : ۲) ۔قرآنِ کریم میں ہر جگہ سلسلۂ انبیاء کا آغاز حضرت نوحؑ سے بتایا گیا ہے ۔ (۱۶۳ : ۴)

۲۔ حضورؐ من زمرۂ رسل ہیں ۔ (۲۵۲ : ۲) ۔ (۳ : ۳۶) ۔

۳۔ رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت ۔ (۲۵۳ : ۲) ۔ (۵۵ : ۱۷)

۴۔ تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے ۔ان میں سے کسی کی تفریق نہیں کی جا سکتی ۔ (۲۸۵ : ۲) ۔(۱۳۶ : ۴) ۔ (۱۵۲-۱۵۰ : ۴) ۔ (۱۷۱ : ۴) ۔ (۱۲ : ۵) ۔ (لیکن اطاعت آخری رسول کی طرف نازل کردہ کتاب، قرآن مجید ہی کی کی جائے گی)

۵۔ خدا نے آدمؑ ۔ نوحؑ ۔ آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ کو برگزیدہ کیا ۔ اس میں رسالت کا ذکر نہیں ۔" آدمؑ" کی نبوت کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں ۔ (۳۲ : ۳) ۔ (آدمؑ کے متعلق عنوان آدم دیکھئے)

۶۔ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے ۔ (۴۷ : ۳)

۷۔ ہر نبی سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ اپنی امت کو تاکید کرے کہ اس کے بعد جب خدا کا دوسرا رسول آئے تو وہ اس پر ایمان لائیں ۔ (۸۰ : ۳)

۸۔ بعض رسولوں کا ذکر کیا ہے ۔ دوسروں کا نہیں کیا۔ (۱۶۴ : ۴) ۔ (۷۸ : ۴۰) ویسے، رسول ہر قریہ میں آتے رہے تھے۔ (۳۴ : ۳۴) ۔ (۲۳ : ۴۳)

۹۔ مختلف انبیاءؑ کا ذکر ۔ (۱۶۳ : ۴) ۔ (۸۶-۸۴ : ۶) ۔ (۷۵-۷۴ : ۱۰) ۔ (۵۸-۵۱ : ۱۹) ۔(۲۷-۲۶ : ۵۷) حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ دونوں نبی تھے ۔ (۵۳-۵۱ : ۱۹) ۔ دونوں صاحبِ کتاب تھے ۔ (۴۸ : ۲۱) ۔ (۱۱۷ : ۳۷)

۱۰۔ رسول بھیجنے سے مقصد اتمامِ حجت تھا۔ (۱۶۵ : ۴) – (۱۳۲ : ۶) – (۲۰۸ : ۲۶) – (مزید حوالے پہلے آ چکے ہیں)

۱۱۔ بنی اسرائیل کی طرف رسول آتے رہے۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ جس رسول کی کوئی بات ناپسند ہوئی۔ اس کے درپئے آزار ہو گئے۔ (۷۰ : ۵)

۱۲۔ تمام رسولوں سے پوچھا جائیگا کہ تمہیں تمہاری دعوت کا جواب کیا ملا تھا۔ (۱۰۹ : ۵)

۱۳۔ تمام رسولوں کی تکذیب ہوتی رہی۔ (۳۳ : ۶) – (۱۴۸ : ۶) – (۴۲ : ۲۲) – (۴۴ : ۲۳) – (۱۸ : ۲۹) – (۱۴ : ۵۰) – (۱۴ : ۳۸) – (۱۴ : ۳۶) – (۲۵ : ۳۵) – (۴ : ۳۵)۔ اور استہزاء (۷ : ۴۳) – (مزید تفصیل آگے آئے گی)

۱۴۔ تمام انبیاء کو ہدایت دی گئی۔ انہی کی ہدایت کی تم اقتدا کرو (جواب قرآن میں ہے)۔ (۹۱ : ۶)

۱۵۔ ہر نبی کے دشمن (شیاطین الانس والجن) ہوتے تھے۔ (۱۱۳ : ۶)۔ مجرمین بھی۔ (۳۱ : ۲۵)

۱۶۔ خدا لوگوں سے پوچھیگا کہ تم تک رسولوں نے پیغام پہنچایا تھا۔ اور رسولوں سے پوچھے گا کہ ان لوگوں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا تھا۔ (۶ : ۷)

۱۷۔ نوعِ انسان سے کہہ دیا گیا تھا کہ تمہارے پاس رسول آئیں گے۔ (۳۵ : ۷)

۱۸۔ اہلِ جنت کہیں گے کہ ہاں! ہم تک رسول بالحق آئے تھے۔ (۴۳ : ۷)۔ دوسرے لوگ بھی۔ (۵۳ : ۷)

۱۹۔ تمام بستیوں میں رسول۔ (۱۰۱ : ۷)۔ ہر قوم کے لئے رسول۔ (۴۷ : ۱۰) – (۷ : ۱۳) – (۳۶ : ۱۶)۔ لیکن رسول اللہؐ کے زمانے میں دوسرا رسول نہیں تھا۔ (۵۱ : ۲۵)۔ وہ زمانہ فترت کا تھا جس میں وحی کا سلسلہ منقطع تھا۔ (۱۹ : ۵)۔ یہ اس لئے کہ حضورؐ تمام نوعِ انسان کی طرف رسول تھے۔ (۱۵۸ : ۷) اس زمانے میں بھی اور قیامت تک۔ (۳-۲ : ۶۲)

۲۰۔ تمام رسول خدا کی عبدیت کی تعلیم دیتے تھے۔ (۸۴ ؛ ۶۱ ؛ ۵۰ ؛ ۲۶ : ۱۱) – (۴۰ : ۱۲)

۲۱۔ رسولوں کی معصیت سے قومیں تباہ ہو گئیں۔ (۵۹ : ۱۱)۔ (تفصیل متعلقہ عنوانات میں ملیگی)

۲۲۔ حضورؐ کو انبیائے سابقہ کے واقعات اس لئے بتائے جاتے تھے کہ آپ کی تثبیتِ قلب ہو۔ (۱۲۰ : ۱۱)

۲۳۔ تمام رسولوں کا استہزاء ہوتا تھا۔ (۳۲ : ۱۳) – (۱۱ : ۱۵) – (۱۰۶ : ۱۸) – (۲۱ : ۳۶) – (۴۱ : ۲۱) – (۴۱ : ۲۵) – (۲۴) ہر رسول توحید کا پیغام لے کر آتا تھا (۲۵ : ۲۱)

۲۵- ہر رسول کی تعلیم میں شیاطین آمیزش کر دیتے تھے۔ پھر خدا بعد کے رسول کے ذریعے اس آمیزش کو دور کر دیتا تھا۔ (۲۲ : ۵۲) – (۲۶) – یکے بعد دیگرے رسول – (۲۳ : ۴۴)

۲۷- تمام رسول، امتِ واحدہ تھے۔ (۲۳ : ۵۲)- اختلاف ان کی امتیں پیدا کر لیتی تھیں۔ (۲۳ : ۵۳)

۲۸- مجرمین ہر رسول کی مخالفت کرتے تھے۔ (۲۵ : ۳۱) – ہر باطل پرست (۴۰ : ۵)

۲۹- حضورؐ کی تثبیتِ قلب کے لئے قرآن بتدریج نازل کیا گیا – (۲۵ : ۳۲)

۳۰- تمام انبیاء سے میثاق – (۳۳ : ۷) – (۳۱) – مترفین (سرمایہ پرستوں) کی طرف سے ہر رسول کی مخالفت (۳۴ : ۳۴)

۳۲- مختلف انبیاء کا تذکرہ – (۳۸ : ۱۸ - ۴۸)

۳۳- مخالفین کی طرف سے جو کچھ ایک رسول سے کہا گیا وہی کچھ سب رسولوں سے کہا گیا۔ (۴۱ : ۴۳)

۳۴- دین اپنی اصل کے اعتبار سے شروع سے ایک ہی رہا ہے۔ اختلافات بعد والے ڈال دیتے تھے۔

(۱۴ – ۱۳ : ۴۲) – (۱۸ - ۱۶ : ۴۵)

مخالفین کے اعتراضات

۱- خدا ہم سے براہِ راست کلام کیوں نہیں کرتا – (۱۱۸ : ۲) – (۲۱ : ۲۵)

۲- تم ہمارے جیسے بشر ہو (تفصیل پہلے بھی گذر چکی ہے) اور تمہارے ساتھی ذلیل لوگ ہیں۔ (۱۱ : ۲۷) — (۱۷ : ۹۴) – (۲۳ : ۳۳ ؛ ۲۴) – (۳۳ : ۲۳) – (۲۵ : ۷ ؛ ۲۰) – (۲۶ : ۱۵۴ ؛ ۱۸۶) – (۶۴ : ۶) –

۳- تم رسول نہیں ہو – (۱۳ : ۴۳)

۴- ساحر و مجنون ہو – (۱۵ : ۶) – (۲۳ ، ۲۵) – (۳۶ : ۳۷) – (۵۲ : ۵۱) – شاعر (۳۶ : ۳۷) – خوابوں کی دنیا میں بسنے والا شاعر (۲۱ : ۵) – زمانے کی گردشیں اسے خود بخود مٹا دیں گی۔ (۳۰ : ۵۲) تردید، کہ یہ شاعری نہیں – (۶۹ : ۳۶) – (۴۱ : ۶۹)

۵- تم فرشتے کیوں نہیں لے آئے۔ (۱۵ : ۷) – (۱۴ : ۴۱)

۶- قومِ فرعون کا اعتراض کہ موسیٰؑ ہمارے جیسے بشر ہیں۔ اور ہماری محکوم قوم کے فرد ہیں۔ پھر ہم ان کی بات کیوں مانیں۔ (۲۳ : ۴۷) — (۷) تم مفتری علی اللہ ہو۔ اور تمہارا پیغام وحی نہیں سحر ہے – (۳۴ : ۴۳) –

۸- ساحر و کذاب – (۱۰ : ۲) – (۴ : ۳۸) – رجلِ مسحور – (۴۷ : ۱۷) – (۲۶ : ۱۵۳) – (۱۸۵ : ۲۶)

۹۔ تم میں کیا خوبی ہے جو تمہیں ہی نبوت کے لئے چن لیا گیا ! (۸ : ۳۸)۔ کسی بڑے آدمی کو رسول کیوں نہیں بنایا گیا۔ (۳۱ : ۴۳)

اطاعتِ خدا و رسول - خدا اور رسول سے مراد

۱۔ اس سے مراد اس نظام کی اطاعت ہے جو خدا کے قوانین کے نفاذ کے لئے رسول کے ہاتھوں متشکل ہوتا تھا۔ اس کے لئے جامع اصطلاح 'اطاعتِ خدا اور رسول' ہے۔ (۳۱ : ۳)۔(۱۳۱ : ۳)۔(۱۷۱ : ۳)۔ (تفصیل اس کی "اسلامی نظام" کے عنوان میں ملے گی۔)

۲۔ اس سے جنت ملتی ہے۔ معصیت سے جہنم۔ (۱۴-۱۳ : ۴)۔(۲۳ : ۷۲)

۳۔ خدا اور رسول۔ اور اولوالامر کی اطاعت۔ اولوالامر سے اختلاف کی صورت میں خدا و رسول، یعنی نظامِ خداوندی کے مرکز کی طرف رجوع کرو۔ (۵۹ : ۴)۔(۸۳ : ۴)۔(۵۱ : ۲۴)۔(۵۴ : ۲۴)

۴۔ جب منافقین کو ما انزل اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اعراض برتتے ہیں (۶۱ : ۴)۔(۱۰۴ : ۵)۔(۴۸ : ۲۴)۔

۵۔ رسول کو بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ قانونِ خداوندی کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔ (۶۴ : ۴)

۶۔ اطاعتِ خدا و رسول سے منعم علیہ حضرات کی رفاقت نصیب ہو جاتی ہے۔ (۶۹ : ۴)

۷۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ (۷۹ : ۴)۔ یعنی خدا کی اطاعت براہِ راست نہیں کی جا سکتی۔ ایک زندہ اتھارٹی کی وساطت سے کی جا سکتی ہے، جو قرآن کے احکام نافذ کرے۔

۸۔ ہجرت کو "خدا اور رسول کی طرف جانے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے "خدا اور رسول" کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی نظامِ خداوندی۔ (۱۰۰ : ۴)

۹۔ معصیتِ رسول اور غیر سبیل المومنین سے جہنم۔ (۱۱۵ : ۴)۔(۱۳ : ۸)۔ یہ مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک رسول کو اپنے معاملات میں حکم نہ بنائیں۔ (۶۵ : ۴)

۱۰۔ خدا اور رسول کے خلاف جنگ (نظام کے خلاف بغاوت)۔ (۳۳ : ۵)۔(۶۳ : ۹)

۱۱۔ خمر اور میسرہ کے امتناع کے بعد اطاعتِ خدا و رسول کا حکم۔ (۹۲ : ۵)۔ (۱۲)۔ قرآن اور رسول کی طرف رجوع کرنیکا حکم (۱۰۴ : ۵)

۱۲۔ اطاعتِ خدا و رسول کا حکم (۲۱-۲۰ : ۸)۔ رسولوں کے پروگرام میں ان کی مدد کرنا ضروری تھا۔ (۱۲ : ۵) —

(۷ : ۱۵۷) — (۹ : ۴۸)

۱۴۔ خدا اور رسول کی دعوت پر لبیک کہو جب وہ تمہیں اس بات کی طرف بلا رہا ہے جو زندگی عطا کرنے والی ہے۔ اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو - (۲۷ : ۲۴ : ۸)۔ رسول کو حکم کہ وہ خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے کرے۔ (۴ : ۱۰۵) — (۴۸ : ۵)

۱۵۔ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ خدا اور رسول کے لئے (یعنی مملکت کی تحویل میں)۔ (۴۱ : ۸)۔ انفال، اللہ اور رسول کے لئے (۱ : ۸)

۱۶۔ اگر دنیا کی کوئی چیز اللہ اور رسول سے زیادہ عزیز ہو گئی تو ایمان گیا۔ (۲۴ : ۹) ۔ (۶۱ : ۳۳)

۱۷۔ خدا اور رسول جو کچھ (صدقات میں سے) دیں اسے قبول کر لینا چاہیئے۔ (۵۹ : ۹) ۔ (۷ : ۵۹)

۱۸۔ "خدا اور رسول" کو راضی رکھنا چاہیئے۔ (۶۲ : ۹)۔ یعنی اسلامی نظام میں معاملہ افراد کے ساتھ نہیں ہوتا، نظام کے ساتھ ہوتا ہے۔ — (۱۹)۔ "خدا اور رسول" سے کفر کی سزا۔ (۸۴ - ۸۰ : ۹)

۲۰۔ مومنین کا شعار یہ ہونا چاہیئے کہ جب ان کے اختلافی امور کے فیصلے "خدا و رسول" کی طرف سے ہوں تو وہ سمعنا و اطعنا" ہیں۔ (۵۱ : ۲۴)۔ اور جب وہ کسی کام کے لئے بلائیں تو بلا اجازت وہاں سے نہ آئیں۔ (۶۲ : ۲۴) رسول کا بلاوا عام لوگوں کا بلاوا نہیں ہوتا۔ (۶۳ : ۲۴)

۲۱۔ تمکن فی الارض کے ساتھ اطاعتِ رسول کا حکم - (۵۶ - ۵۵ : ۲۴)

۲۲۔ خدا اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا - (۳۶ : ۳۳)

۲۳۔ لیکن اطاعت، دین (نظامِ مملکت) سے متعلق معاملات میں ہے، ذاتی معاملات میں نہیں۔ حضرت زیدؓ کا واقعہ۔ (۳۷ : ۳۳)۔ اسے "معروف" میں اطاعت کہا گیا ہے۔ (۱۲ : ۶۰)

۲۴۔ اطاعتِ خدا و رسول نہ کی جائے تو اعمال غارت ہو جاتے ہیں - (۳۳ - ۳۲ : ۴۷)

۲۵۔ خدا اور رسول کے فیصلے سے سبقت نہ کرو۔ نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو۔ (۳-۱ : ۴۹)

۲۶۔ ایمان والوں سے کہا کہ آمنوا برسولہٖ (۲۸ : ۵۷) اس کے معنی بات ماننے یا اطاعت کرنے کے ہیں۔

۲۷۔ خدا و رسول کے خلاف جنگ - (۵ : ۵۸)۔ یہ ذلیل ہوں گے (۲۰ : ۵۸)۔ ایسے لوگوں سے دوستی نہ رکھو - (۲۲ : ۵۸) - (۴ : ۵۹) -

۲۸۔ معصیتِ رسول کی سرگوشیوں سے روکا گیا - (۹ : ۵۸)

۲۹۔ رسول کی اطاعت معروف میں ہے۔ (۱۲ : ۶۰) — (۳۰) اطاعتِ خدا و رسول۔ (۱۲ : ۶۴)
۳۱۔ معصیتِ رسول سے تباہی۔ (۹ : ۶۹) (۳۲) رسول، مطاع و امین ہوتا ہے۔ (۲۱ : ۸۱)

رسالتِ محمدیہ

(۱) سابقہ انبیاء کی تعلیم کو سچ کر دکھانے والا (مصدق)۔ (۱۰۱ : ۲)۔ (۸۱ : ۳)۔ (۶ : ۶۱)۔(قرآن مجید کو بھی کتبِ سابقہ کا مصدق کہا گیا ہے۔ اس کے لئے عنوان قرآن دیکھئے)

۲۔ اہلِ کتاب اور مشرک نہیں چاہتے تھے کہ آپ کو وحی ملے۔ لیکن یہ وہی عطیہ ہے (۱۰۵ : ۲)۔ اہل کتاب آپ کو پہچانتے تھے۔ (۲۰ : ۶)۔ نبوت سے پہلے آپ جانتے ہی نہ تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں۔ (۵۲ : ۴۲)

۳۔ تبشیر و تنذیر

رسول کا فریضہ یہ ہوتا تھا کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے خوشگواریاں اور سرفرازیاں نصیب ہوں گی (اسے تبشیر کہا جاتا ہے۔ یعنی بشارت دینا) ان کی خلاف ورزی سے تباہیاں آجاتی ہیں۔ (اسے تنذیر کہتے ہیں۔ یعنی کسی کو خطرات سے آگاہ کرنا)۔ اس نہج سے رسولوں کو مبشر اور منذر کہا جاتا ہے۔ یہ عنوان پہلے آچکا ہے۔ ان کے فریضۂ تبشیر و تنذیر سے متعلق مقامات کے حوالے درج ذیل ہیں۔

(۱۱۹ : ۲) — (۱۹ : ۵) — (۱۹ : ۶) — (۵۱ : ۶) — (۷۰ : ۶) — (۹۳ : ۶) — (۱۸۸-۱۸۴ : ۷)
(۲ : ۱۰) — (۲ : ۱۱) — (۷ : ۱۳) — (۸۹ : ۱۵) — (۴۹ : ۲۲) — (۵۶ : ۲۵) — (۱۹۴ : ۲۶)
(۹۲ : ۲۷) — (۴۶ : ۲۸) — (۴۵ : ۳۳) — (۲۸ : ۳۴) — (۲۴ : ۳۵) — (۴۲ : ۳۵) —————
(۱۱-۱۰ ; ۶ : ۳۶) — (۶۵ : ۳۸) — (۷۰ : ۳۸) — (۸ : ۳۸) — (۲ : ۴۷) — (۴۵ : ۶۹)۔ سب سے پہلے اپنے اقربا کے لئے۔ (۲۱۴ : ۲۶)۔ پھر ام القریٰ والوں کے لئے۔ (۷ : ۴۲)۔ پھر عالمگیر انسانیت کے لئے۔ (۱۵۸ : ۷)

۴۔ دعائے ابراہیمیؑ کہ ان کی ذریت سے ایک رسول مبعوث ہو۔ (۱۲۹ : ۲)

۵۔ اتباعِ رسول۔ (۱۴۳ : ۲) — (۳۰ : ۳) — (۱۵۴ : ۶)

رسول اپنی وحی پر سب سے پہلے خود ایمان لاتا ہے۔ (۲۸۵ : ۲) — (۱۴ : ۶) — (۱۶۴ ; ۱۰۷ ; ۵۰ : ۶) —

(۲۰۳ : ۷) - (۱۵ : ۱۰) - (۱۰۹ : ۱۰) - (۹۱ : ۲۷) - (۸۵ : ۲۸) - (۱۲ : ۳۹)

اکثریت کا اتباع نہیں کرتا - (۱۱۷ : ۶) - لوگوں کے خیالات کا اتباع نہیں کرتا - (۲۶ : ۳۸) -

۶- جو قوم رسولؐ کے ہاتھوں حق کو مشہود ہوتا دیکھنے کے بعد بھی، ایمان کے بعد کفر اختیار کرلے، اسے ہدایت کس طرح مل سکتی ہے ؟ (۸۵ : ۳)

۷- جب تم میں رسول موجود ہے اور قرآن کے احکام تمہارے سامنے ہیں تو تم کس طرح کفر اختیار کرسکتے ہو (۱۰۰ : ۳)

۸- محمدؐ، فقط ایک رسول ہیں - ان سے پہلے بھی کئی رسول ہو گزرے ہیں - سو اگر وہ کل کو وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم یہ سمجھ لوگے کہ دین کا سلسلہ ختم ہو گیا ؟ (۱۴۳ : ۳) - (۴۴ : ۲۱)

۹- رسول اللہ خود جنگ میں شریک ہوتے تھے - (۱۵۲ : ۳)

۱۰- رسولؐ اللہ نرم دل تھے - (۱۵۸ : ۳) - مومنوں کی تکلیف آپ پر شاق گذرتی تھی - (۱۲۸ : ۹)

۱۱- رسولؐ اللہ کو حکم کہ آپ صحابہ سے مشورہ کیا کریں - (۱۵۸ : ۳)

۱۲- ہر امت پر ایک نگران - اور ان سب پر رسولؐ اللہ نگران - (۴۱ : ۴) - (۸۹ : ۱۶)

۱۳- تمام انسانوں کی طرف رسول - (۷۹ : ۴) - (۱۷۰ : ۴) - (۱۵۸ : ۷) - (۴۹ : ۲۲) - (۲۸ : ۳۴) — قیامت تک کے انسانوں کے لئے - (۱۹ : ۶) - (۳-۲ : ۶۲) - رحمۃ للعالمین (۱۰۷ : ۲۱) لیکن صرف انہی کے لئے جو ان پر ایمان لائیں - (۶۱ : ۹)

۱۴- کتاب و حکمت نازل کی - (۱۱۳ : ۴) - یعنی قوانین (الکتاب) اور ان کی غرض و غایت (الحکمۃ) - یہ دونوں خود قرآن مجید کے اندر ہیں -

۱۵- خدا اور اس کے رسول اور قرآن پر ایمان - کتب سابقہ اور انبیاء سابقہ پر ایمان - (۱۳۶ : ۴) - (۸-۷ : ۵۷) (۸ : ۶۴) - (۱۶) - اہلِ کتاب کی طرف رسول - (۱۵ : ۵) - (۱۹ : ۵)

۱۷- حضورؐ سے کہا گیا کہ مخالفین کی طعن آمیز باتوں سے افسردہ خاطر نہ ہوں - (۴۱ : ۵) - (۳۳ : ۶) - (۵ : ۱۰۱) (۹۷ : ۱۵) - (۱۲۷ : ۱۶) - (۱۳۰ : ۲۰) - (۷۰ : ۲۷) - (۶۰ : ۳۰) - (۳۰ : ۳۲) - (۷۶ : ۳۶) - (۱۷ : ۳۸) - (۱۵ : ۴۲) - (۳۵ : ۴۶) - (۳۹ : ۵۰) - (۴۵ : ۵۰) - (۵۴ : ۵۱) - (۴۸ : ۶۸) (۷ : ۵) - (۱۰ : ۷۳) - (۲۴ : ۷۶) - (۸-۷ : ۹۴)

۱۸- متنازعہ فیہ معاملات میں (لوگوں کے درمیان) فیصلے کرنا - (۱۰۵ : ۴) - (۴۲ : ۵) - (۴۸ : ۵)

۱۹۔ مومنین کے دوست، خدا۔ رسول اور مومن ہونے چاہئیں۔ (۵ : ۵۵-۵۶)۔ مزید تفصیل متعلقہ عنوانات میں ملے گی۔

۲۰۔ تبلیغِ رسالت کا حکم۔ اِس مشن کو لوگوں سے محفوظ رکھے جانے کی ضمانت۔ (۵ : ۶۷)

۲۱۔ <u>معجزات دکھانے سے انکار</u>۔ غیب کا علم نہیں جانتے تھے۔
نہ میرے پاس خزانے ہیں۔ نہ غیب کا علم جانتا ہوں۔ نہ میں فرشتہ ہوں۔ (۶ : ۳۵)-(۶ : ۵۰) —
(۷ : ۱۸۸) - (۱۱ : ۱۲) - (۱۱ : ۴۹) - (۱۳ : ۳) - (۱۲ : ۱۰۲) - (۱۵ : ۷) - (۱۵ : ۱۴)
(۱۷ : ۵۹) - (۱۷ : ۹۰-۹۵) - (۲۰ : ۱۳۳) - (۲۵ : ۷-۹) - (۲۶ : ۴) - (۴۲ : ۱۷) -
(۴۷ : ۲۹-۳۰) - (۶۷ : ۲۵-۲۶) - (۷۲ : ۲۷)
قرآن مجید ہی کافی معجزہ ہے۔ (۵۱ ؛ ۴۸ : ۲۹)۔ (قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے متعلق عنوان قرآن دیکھئے)

۲۲۔ میں تم پر داروغہ اور محافظ مقرر نہیں کیا گیا۔ (۶ : ۱۰۵) - (۱۷ : ۵۴) - (۳۹ : ۴۱) - (۴۲ : ۶)-
(۴۲ ، ۴۸) - (۵۰ : ۴۵) - (۸۸ : ۲۲)

۲۳۔ تم اپنی جگہ کام کرو۔ میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں۔ نتائج خود بتا دیں گے کہ کون راہِ راست پر ہے (۶ : ۱۳۶)
(۱۰ : ۴۱) - (۱۱ : ۱۲۱-۱۲۲) - (۲۰ : ۱۳۵) - (۳۲ : ۳۰) - (۳۷ : ۱۷۴ ؛ ۱۷۸) - (۳۹ : ۳۹)
(۵۲ : ۳۱) - (۶۸ : ۵-۶) - (۷۳ : ۱۰)

۲۴۔ رسول اللہؐ کا اعلان کہ میری صلوٰۃ۔ و نسکؔ۔ میری موت و حیات۔ سب اللہ کے لئے ہے۔ میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔ (۶ : ۱۶۲-۱۶۴)

۲۵۔ رحمت خداوندی مشروط ہے اتباعِ رسالتِ محمدیہ سے۔ آپؐ کا ذکر تورات و انجیل میں تھا۔ آپ کی بعثت کا مقصد نوعِ انسانی کو ان زنجیروں سے آزاد کرانا تھا، جن میں وہ جکڑی چلی آ رہی تھی۔ (۷ : ۱۵۷)

۲۶۔ آپ مجنون نہیں تھے۔ (۷ : ۱۸۴) - (۱۵ : ۶) - (۲۳ : ۷۰) - (۳۴ : ۴۶ ، ۴۳) - (۳۷ : ۳۶) - (۴۴ : ۱۴)
(۵۱ ؛ ۶۸ : ۲) - (۸۱ : ۲۶)
نہ مسحور (۱۷ : ۴۷-۴۸) - (۲۵ : ۸-۹)۔ نہ ساحر (۲۱ : ۳) - (۳۸ : ۴)۔ نہ شاعر (۵۲ : ۳۰)
نہ کاہن (۵۲ : ۲۹)۔ شاعری رسول کے شایانِ شان ہی نہیں ہوتی۔ (۳۶ : ۶۹)

۲۷۔ آپ اپنی ذات کے لئے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔ (۷ : ۱۸۸) - (۱۰ : ۴۹) - (۱۱ : ۴۸)

نہ کسی اور کے لیے (۲۱ : ۴۷)

۲۸۔ رسول اللہ سے تاکید کہ درگذر کیجئے۔ معروف باتوں کا حکم دیجئے۔ جاہلوں سے اعراض برتیے۔ شیطان کی طرف سے خدا کی پناہ میں آجائیے۔ (۲۰۰-۱۹۹ : ۷) - (۸۹ : ۴۳)

۲۹۔ جنگِ بدر کے سلسلہ میں صحابہ کا بعض معاملات میں حضورؐ سے اختلاف۔ (۶-۵ : ۸)۔ یہ اس لئے کہ حضور کو صحابہؓ سے مشورہ کرنے کا حکم تھا۔ (۱۵۸ : ۳)۔ لیکن آخری فیصلہ حضورؐ ہی کا تھا۔

۳۰۔ جنگِ بدر میں، تیر تم نے نہیں چلائے، خود خدا نے چلائے (کہ تم خدا ہی کے حکم کی تعمیل میں جہاد کر رہے تھے)۔ (۸ : ۱۷)

۳۱۔ رسول اللہ کے خلاف مخالفین کی تدابیر اور سازشیں۔ (۳۰ : ۸)

۳۲۔ جب تک رسول اللہ مکہ میں تھے، اہلِ مکہ پر عذاب نہیں آسکتا تھا۔ (۳۳ : ۸) کیونکہ ابھی اس بات کا امکان تھا کہ وہ توبہ کرلیں۔ عذاب رسول اللہ کے سامنے آجائے یا حضور کی وفات کے بعد۔ (۴۶ : ۱۰) - (۴۰ : ۱۳) - (۹۵-۹۳ : ۲۳) - (یہ عذاب وہ تھا جو مختلف جنگوں میں شکست کی صورت میں اہلِ مکہ پر آیا اور فتحِ مکہ پر منتج ہوا۔

۳۳۔ تیرے لئے خدا اور جماعتِ مؤمنین کافی ہے (۶۴-۶۲ : ۸) - (۸۸ : ۱۵) - (۲۸ : ۱۸) - (۲۱۵ : ۲۶)
محمد رسول اللہ والذین معہٗ - (۲۹ : ۴۸)۔ رسول کی تحسین جماعت کے لئے باعثِ تسکین ہوتی تھی۔ (۱۰۳ : ۹)

۳۴۔ جنگِ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں رسول اللہؐ کے فیصلہ پر خدا کی طرف سے تنبیہہ۔ (۶۸-۶۷ : ۸)۔ جنگ تبوک کے سلسلہ میں۔ (۴۳ : ۹) - (آیت (۶۷ : ۸) کے سلسلہ میں یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ اس میں حضورؐ کو تنبیہہ نہیں کی گئی، جماعت کے لئے ایک نکتہ کی وضاحت کی گئی ہے۔)

۳۵۔ رسول اللہ کو ہدایت اور دین الحق دے کر بھیجا تاکہ یہ دین تمام ادیان پر غالب آجائے۔ (۳۳ : ۹) - (۹ : ۶۱) - (۲۸ : ۴۸)

۳۶۔ ہجرت کے وقت (غار کا واقعہ) خدا کی امداد۔ (۴۰ : ۹)

۳۷۔ صدقات کی تقسیم کے بارے میں منافقین کی طرف سے حضورؐ کے خلاف الزامات۔ (۵۸ : ۹)۔ رسول اللہ کو اذیت پہنچانے والے۔ (۶۱ : ۹)

۳۸۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ تم منافقین کے لئے مغفرت مانگو بھی تو انہیں مغفرت نہیں دی جائے گی۔ (۸۰ : ۹)۔ نیز حکم کہ ان کے لئے دعا تک مت کرو۔ ان کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہو۔ (۸۴ : ۹) - (۱۱۳ : ۹)

۳۹۔ رسول کی طرف سے کسی کی خدمات کا اعتراف (تحسین) قربِ خداوندی کا موجب بن جاتا تھا (۹۹ : ۹)۔ اور ان کیلئے باعثِ تسکین (۱۰۳ : ۹)

۴۰۔ رسول اللہ کو خدا کی طرف سے اس بات کا علم نہیں دیا گیا تھا کہ منافق کون کون ہے۔ (۱۰۱ : ۹)

۴۱۔ دعوائے نبوت کی صداقت کی شہادت - اپنی عمر جو انہی لوگوں میں بسر کی تھی۔ (۱۶ : ۱۰)

۴۲۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ جو کچھ تم سے کہا جاتا ہے اس پر استقامت سے قائم رہو۔ (۱۱۲ : ۱۱)۔ کفار کی طرف مت جھکو۔ (۱۱۳ : ۱۱) - (۱۰-۹ : ۶۸) - انبیائے سابقہ کے واقعات سے تثبیتِ قلب حاصل کرو۔ (۱۲۰ : ۱۱)

۴۳۔ رسول اللہ کی دعوت الی اللہ علیٰ وجہ البصیرت تھی۔ (۱۰۸ : ۱۲) حکمت و موعظت پر مبنی (۱۲۵ : ۱۶)

۴۴۔ حضورؐ ایسی قوم کی طرف رسول تھے جس سے پہلے کئی قومیں گذر چکی تھیں۔ (۳۰ : ۱۳) - (۴۶ : ۲۸)۔ لیکن رسول کوئی نہیں آیا تھا (۴۶ : ۲۸) - (۶ : ۳۶)

۴۵۔ حضورؐ، قرآن کے ذریعے صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے تھے۔ (۱ : ۱۴) - (۶۴ : ۱۶)

۴۶۔ رسول اللہ سے ارشاد کہ ان لوگوں سے حسن کارانہ انداز سے الگ ہو جاؤ۔ (۱۹۹ : ۷) - (۸۵ : ۱۵) - (۹۴ : ۱۵) (۸۹ : ۴۳) - (۱۰ : ۷۳) - (۶-۱ : ۱۰۹) - (نیز دیکھئے سابقہ عنوان جس میں حضورؐ سے کہا گیا تھا کہ مخالفین کی طعن آمیز باتوں سے آپ افسردہ خاطر نہ ہوں)

۴۷۔ ان مخالفین پر غم نہ کھاؤ۔ ان کی خوشحالی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ (۸۸ : ۱۵) - (۱۲۷ : ۱۶) - (۶ : ۱۸) - (۱۳۱ : ۲۰) - (۳ : ۲۶) - (۸ : ۳۵)

۴۸۔ حضورؐ کو حکم کہ خدا کی محکومیت (عبودیت) اختیار کیے رہو۔ (۹۹-۹۸ : ۱۵)۔ اور قرآن کا اتباع کرو۔ (۲ : ۳۳)

۴۹۔ ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم۔ (۱۲۳ : ۱۶)۔ کیونکہ اصولی طور پر دین وہی چلا آرہا تھا۔

۵۰۔ شبِ ہجرت کا بیان۔ مسجدِ حرام (مکہ) سے مسجدِ اقصیٰ (مدینہ) کی طرف جانا۔ (۱ : ۱۷)

۵۱۔ کفار سے کوئی مفاہمت نہ کرو۔ (۱۱۳ : ۱۱) - (۷۴-۷۳) - (۲۸ : ۱۸) - (۴۸ : ۳۳) - (۹ : ۶۸)۔ (۷۶ : ۲۴) - (اس لئے کہ حق اپنے مقام پر اٹل ہوتا ہے وہ باطل سے مفاہمت کر ہی نہیں سکتا)

۵۲۔ رسول اللہ کے لئے خصوصی احکام

(۱) تہجد آپ کے لئے فرائض پر اضافہ تھا۔ (۷۹ : ۱۷)۔ نکاح کے احکام۔ (۵۲-۵۰ : ۳۳)

۵۳۔ حضور کی دعائیں

(۱) صدق کے ساتھ داخل ہونا اور باہر آنا۔ (۸۰ : ۱۷)۔ (۲)۔ غلبہ و نصرت۔ (۸۰ : ۱۷)

(۳) علم میں اضافہ کی دعا۔ (۱۱۴ : ۲۰) - (۴) حق کے ساتھ فیصلہ۔ (۱۱۲ : ۲۱)

(۵) مخالفین پر عذاب اس وقت آئے جب میں ان میں نہ ہوں (۹۵-۹۳ : ۲۳)۔ شیطانی سازشوں سے پناہ۔ (۹۷ : ۲۳)

۵۴- حضورؐ سے کہا گیا کہ تکمیلِ وحی کا انتظار کیا کرو۔ (۲۰ : ۱۱۴)

۵۵- یہ امت تمام لوگوں پر نگران - رسول اللہؐ امت پر نگران - (۲ : ۱۴۳) - (۲۲ : ۷۸)

۵۶- خدا، رسول اللہؐ کو بہت کچھ (دنیاوی ساز وسامان) دے گا۔ (۲۵ : ۱۰)

۵۷ رسول اللہؐ خدا سے فریاد کریں گے کہ اس میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ (مہجور بنا دیا) تھا۔ (۲۵ : ۳۰)

۵۸- حضورؐ اپنے زمانے میں ایک ہی رسول تھے۔ (۲۵ : ۵۱)

۵۹- ان لوگوں کے ساتھ قرآن کے مطابق جہاد کرو۔ (۲۵ : ۵۲)

۶۰- روح الامین نے قرآن قلبِ نبوی پر نازل کیا - (۲۶ : ۱۹۴) - ملا یہ خدا ہی کیطرف سے تھا - (۶ : ۷۶)-(۵۵ : ۱-۲)

۶۱- حضورؐ کے ہر کام پر خدا کی نگاہ ہوتی تھی - (۲۶ : ۲۱۸ - ۲۱۹)

۶۲- حضورؐ نبوت سے پہلے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ (۲۹ : ۴۸) - (مِنْ قَبْلِهٖ کی تصریح سے واضح ہے کہ نبوت کے بعد یہ کیفیت نہیں رہی تھی)

۶۳- نبی کا حق مومنین کی جان سے بھی زیادہ ہے - (۳۳ : ۶) - اور اس کی بیویاں امہات المؤمنین ہیں - (۳۳ : ۶)

۶۴- رسول اللہؐ کی زندگی میں اسوۂ حسنہ (۳۳ : ۲۱) - (۶۵) - رسول اللہؐ کی بیویوں سے خطاب - (۳۳ : ۲۸-۳۴)

۶۶- رسول اللہؐ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی - آپ خاتم النبیین تھے - (۳۳ : ۴۰)

۶۷- حضورؐ شاہد - داعی الی اللہ - اور سراج منیر تھے - (۳۳ : ۴۵ - ۴۶)

۶۸- رسول اللہؐ کے ہاں آنے جانے کے آداب - (۳۳ : ۵۳ - ۵۵) - (۴۹ : ۳ - ۵)

۶۹ اللہ اور اس کے ملائکہ کا حضورؐ پر صلوٰۃ اسلام - (۳۳ : ۵۶)

۷۰- رسول اور مومنین کو اذیت دینے والے - (۳۳ : ۵۷-۵۸) - (۷۱) - صرف ایک تلقین اور وہ یہ کہ سوچا کرو - (۳۴ : ۴۶)

۷۲- میں اگر سیدھے راستے پر ہوں تو وحی کی رو سے - اگر غلطی کرتا ہوں تو میری اپنی طرف سے ہوتی ہے (۳۴ : ۵۰)

۷۳- رسول اللہؐ منجملہ مرسلین تھے - (۳۶ : ۳)

۷۴- رسول اللہؐ شاعر نہیں تھے - نہ ہی شاعری رسولؐ کے شایانِ شان ہوتی ہے - (۳۶ : ۶۹) - (۳۷ : ۳۶) -
(۵۲ : ۳۰) - (۶۹ : ۴۱ - ۴۲)

۷۵- مخالفین آپؐ کو ساحر اور کذاب بھی کہتے تھے - (۳۸ : ۴)

۷۶- تمہیں بھی مرنا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے - (۳۹ : ۳۰) - (۷۷) - خدا اپنے بندے کے لئے کافی ہے (۳۹ : ۳۶)

۷۸۔ اعتراض کہ نبوت، مکہ اور طائف کے سرداروں میں سے کسی کو کیوں نہ دی گئی! (۴۳ : ۳۱)

۷۹۔ قرآن کو رسول اللہ کی زبان میں آسان بنا دیا گیا۔ (۴۴ : ۵۸)

۸۰۔ حضورؐ کو مخالفین نے مکہ سے نکال دیا تھا۔ (۴۷ : ۱۳)

۸۱۔ فاستغفر لذنبك ۔ وللمؤمنين والمؤمنٰت۔ (۳ : ۱۳۵)۔(۴۰ : ۵۵)۔(۴۷ : ۱۹)۔(۴۸ : ۲)

۸۲۔ رسول سے عہدِ اطاعت کرنا درحقیقت خدا سے عہد کرنا ہے۔ (۴۸ : ۱۰)۔ بیعتِ رضوان۔

۸۳۔ حضورؐ کا مکہ میں داخل ہونے کا خواب۔ (۱۷ : ۶۰)۔(۴۸ : ۲۷)

۸۴۔ اگر رسول لوگوں کی اطاعت شروع کردے تو مصیبت آجائے۔ (۴۹ : ۷)

۸۵۔ لوگوں کا اسلام لانا رسول پر احسان نہیں۔ یہ تو لوگوں پر خدا کا احسان ہے۔ (۴۹ : ۱۷)

۸۶۔ استقامت سے رہو۔ تم ہماری نگاہوں میں ہو۔ (۵۲ : ۴۸)

۸۷۔ رسول نہ تلاشِ راہ میں سرگرداں ہے۔ نہ بھٹک گیا ہے۔ یہ اپنی خواہشات سے کچھ نہیں کہتا۔ صرف وحی کی بات کرتا ہے (۵۳ : ۱-۴)۔ نبوت کی دیگر خصوصیات۔ (۵۳ : ۶-۱۸)

۸۸۔ عورتیں تک رسول اللہ سے اپنے معاملات کے بارے میں جھگڑتی تھیں۔ (۵۸ : ۱-۴)

۸۹۔ رسول اللہ سے علیحدگی میں بات کرنے کے لئے صدقہ کا حکم۔ (۵۸ : ۱۲-۱۳)

۹۰۔ مالِ فے کی تقسیم۔ (۵۹ : ۷)۔ اسی سلسلہ میں کہا کہ رسول جو کچھ دے اسے لے لو۔ جس چیز سے وہ روک دے اس سے رک جاؤ۔ (۵۹ : ۷)

۹۱۔ رسول اللہ کی بعثت کے متعلق حضرت عیسٰیؑ کی پیش گوئی۔ (۶۱ : ۶)

۹۲۔ حضورؐ اپنے مخاطبین کے لئے بھی رسول تھے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے بھی رسول۔ (۶۲ : ۲-۳)۔

۹۳۔ اے نبی! جس چیز کو خدا نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے، اسے حرام کیوں قرار دیتے ہو۔ (۶۶ : ۲)

۹۴۔ حضورؐ کی عائلی زندگی سے متعلق ہدایات و احکام۔ (۶۶ : ۱-۵)

۹۵۔ آپؐ کے لئے اجر غیر ممنون۔ (۶۸ : ۳)

۹۶۔ آپ خلقِ عظیم کے حامل تھے۔ (۶۸ : ۴)۔ رسولِ کریم تھے۔ (۶۹ : ۴۰)۔(۸۱ : ۱۹)

۹۷۔ اگر حضورؐ خدا پر افترا کرتے تو خدا شہ رگ کاٹ دیتا۔ (۶۹ : ۴۴-۴۶)۔ یعنی آپ کے مشن کو ناکام بنا دیتا۔

۹۸۔ حضورؐ کے خلاف مخالفتوں کا ہجوم۔ (۷۲ : ۱۹)

۹۹۔ حضورؐ کو مزمّل کہہ کر پکارا گیا اور جماعت کی تعلیم و تربیت کے متعلق مختلف ہدایات دی گئیں۔ (۲۰-۱ : ۷۳)

۱۰۰۔ حضورؐ کو مدثر کہہ کر پکارا گیا اور جماعت کی تربیت کا پروگرام دیا گیا۔ (۶-۱ : ۷۴)

۱۰۱۔ پروگرام کو بروئے کار لانے میں عجلت نہ کرو۔ ہدایات کی تکمیل کے بعد اسے شروع کرو (۷۵:۱۶-۱۷)-(۲۰ : ۱۱۴)

۱۰۲۔ توجہ اس کی طرف دو جو ہدایات حاصل کرنے کا متمنی ہے۔ (۱۲-۱ : ۸۰)

۱۰۳۔ رسول کریم۔ ذی قوت۔ مطاع۔ امین۔ علم کی افقِ مبین پر۔ (۲۲-۱۹ : ۸۱)

۱۰۴۔ حضورؐ قرآن میں سے کچھ بھولتے نہیں تھے۔ (۷-۶ : ۸۷)۔ (عربی زبان میں اِلّا مَا شَآءَ اللّٰہ ایسے مقام پر بولتے ہیں۔ جہاں کامل نفی مقصود ہو)

۱۰۵۔ حضورؐ کی قبل از نبوت کی زندگی۔ تلاشِ حقیقت میں سرگرداں۔ یتیم۔ نادار۔ یہ وعدہ کہ زندگی کا آخری حصہ پہلے کی نسبت بہتر ہو گا۔ اللہ بہت کچھ دے گا۔ (۸-۳ : ۹۳)

۱۰۶۔ شرحِ صدر۔ ذمہ داریوں کے بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ ذکر کو بلند کر دیا۔ (۴-۱ : ۹۴)

۱۰۷۔ حضورؐ کو الکوثر دیا گیا۔ اقامتِ صلوٰۃ۔ اور نحر کا حکم۔ (۳-۱ : ۱۰۸)

۱۰۸۔ فتح و نصرت مل جائے تو اپنے پروگرام کو آگے بڑھانے میں اور زیادہ محنت کرو۔ (۳-۱ : ۱۱۰)

۱۰۹۔ رسول اللہؐ کی شروع سے آرزو تھی کہ کعبہ، نظامِ اسلامی کا مرکز قرار پا جائے۔ لیکن کہ آپ کے اپنے وقت پر فتح ہوا۔ (۲:۱۴۴)

۱۱۰۔ آپؐ اس قوم کی طرف رسول تھے جس کی طرف اس سے پہلے رسول نہیں آیا تھا۔ (۴۴ : ۳)۔ (۶ : ۳۶)۔

۱۱۱۔ میں کوئی انوکھا رسول نہیں۔ (۹ : ۴۶)۔ (۱۱۲) حضورؐ کے دوست دار۔ اللہ۔ جبریلؑ۔ صالح مومنین۔ ملائکہ۔ (۶۶:۴)

۱۱۳۔ رسول بھی جسے چاہتا راہِ راست پر نہیں لا سکتا تھا۔ اس کے ذمے صرف تبلیغِ رسالت تھی۔ (۵۶ : ۲۸)

وہ جنہیں رسولؑ (یا مرسل) کہہ کر پکارا گیا ہے

قرآنِ کریم میں انبیاءِ کرام کو نبی کہہ کر بھی پکارا گیا ہے اور رسول (یا مرسل) کہہ کر بھی۔ جنہیں نبیؑ کہہ کر پکارا گیا ہے، ان کی تفصیل نبیؑ کے عنوان میں دی گئی ہے۔ یہاں ان حضرات کا ذکر آئے گا۔ جنہیں رسولؑ کہا گیا ہے۔ واضح رہے کہ ان میں سے کسی کو نبی کہا گیا ہو یا رسول۔ بات ایک ہی ہے۔ ان میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اسی لئے ایک ہی شخصیت کو رسولؑ بھی کہا گیا ہے اور نبی بھی۔

۱۔ نبی اکرمؐ۔ میں کوئی نیا رسول نہیں۔ (۹ : ۴۶)۔ اس طرح ثابت قدم رہو جس طرح سابقہ رُسُل ثابت قدم رہے تھے

(۴۶ : ۳۵) - (۲) - رسولوں کے وقفہ کے درمیان آنے والے - (۵ : ۱۹) - (۳) ما محمد الا رسول (۳ : ۱۴۴) الرسول النبی (۷ : ۱۵۷) - رسول اللہ الیکم جمیعًا (۷ : ۱۵۸) - محمد رسول اللہ - (۴۸ : ۲۹) - رسول اللہ و خاتم النبیین - (۳۳ : ۴۰) - پہلے نبی کہا پھر رسول - (۴۹ : ۱-۳) - مُرسل (۱۳ : ۴۳) - آپؐ کا اسم گرامی محمدؐ بھی تھا - (۳ : ۱۴۴) - (۳۳ : ۴۰) - (۴۷ : ۲) - (۴۸ : ۲۹) - اور احمدؐ بھی (۶۱ : ۶) اس کی بشارت حضرت عیسٰیؑ نے دی تھی -

۲- حضرت عیسٰیؑ - (۴ : ۱۷۱) - (۵ : ۷۵) - (۳) حضرت نوحؑ (۷ : ۶۱) - (۲۶ : ۱۰۷)

۴- حضرت موسٰیؑ - (۷ : ۱۰۴) - (۲۶ : ۱۶) - رسولاً نبیًا - (۱۹ : ۵۱) - موسٰیؑ و ہارونؑ کو رسول بنا کر بھیجا — (۲۳ : ۴۵) - (۲۶ : ۱۶) - (۵) - ہر امت کی طرف رسول - (۱۰ : ۴۷) - (۱۶ : ۳۶)

۶- حضرت صالحؑ - (۷ : ۷۷) - (۲۶ : ۱۴۳) - (۹۱ : ۱۳) - (۷) - حضرت یوسفؑ - (۴۰ : ۳۴)

۸- ابراہیمؑ - (۲۶ : ۵۷) - ذریتِ ابراہیمؑ - اسحٰقؑ و یعقوبؑ - کو کتاب و نبوت دی - (۲۹ : ۲۷) - یہ نبی تھے (۱۹ : ۴۹) — (۹) حضرت ہودؑ - (۱۱ : ۵۷) - (۲۶ : ۱۲۵)

۱۰- حضرت لوطؑ - (۲۶ : ۱۶۲) - (۳۷ : ۱۳۳) - (۱۱) - حضرت شعیبؑ - (۲۶ : ۱۷۸)

۱۲- حضرت اسماعیلؑ - رسولاً نبیًا - (۱۹ : ۵۴) - (۱۳) - حضرت یونسؑ مرسلین میں سے تھے - (۳۷ : ۱۳۹)

۱۴- حضرت الیاسؑ مرسلین میں سے تھے - (۳۷ : ۱۲۳)

متفرق

۱- ملائکہ کو رُسل کہا گیا ہے - (۶ : ۶۱) - (۷ : ۳۷) - (۱۰ : ۲۱) - (۲۲ : ۷۵) - (۳۵ : ۱) -

۲- خدا کے رُسل حضرت ابراہیمؑ کی طرف بشارت لے کر گئے تھے - یہ انسان ہی تھے (۱۱ : ۶۹) - (۲۹ : ۳۱) -

۳- رسول بمعنی قاصد - (۱۲ : ۵۰) - (۱۹ : ۱۹)

۴- جسے کتاب دی گئی اسے نبی کہا گیا - (۱۹ : ۳۰) - یہ تصریح اس لئے ضروری سمجھی گئی ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول وہ ہے جسے کتاب دی جائے، اور نبی بغیر کتاب کے ہوتا تھا، یہ غلط ہے اور قرآن مجید کے خلاف -

۸- رُشد

رُشد - یہ قرآن کریم کی ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس کے معنی ہوتے ہیں ایسی صلاحیت جس سے انسان معاملات کا صحیح حل باسانی معلوم کرلے۔ یا صحیح راستہ پالے۔ "صحیح راستہ" کی نسبت سے یہ غیّ (گمراہی) کے مقابلہ میں آتا ہے۔ نیز اس کے معنی صحیح راستہ پر پختگی سے چلتے کے رہنے کے بھی ہوتے ہیں۔ رشید کے معنی ہیں صحیح راستہ بتانے والا۔ یہی معنی مُرشد کے بھی ہوتے ہیں۔ چونکہ ہدایت وہی ہے جو خدا کی طرف سے ملے (یعنی قرآن کریم) اس لئے مرشد صرف خدا کی ذات ہے۔ اور کوئی نہیں - (۱۷ : ۱۸)

رُشد

۱۔ دین کے معاملہ میں کوئی اکراہ نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کی آمد سے رشد (صحیح راستہ) غیّ (غلط راستے) سے بالکل متمیز ہوگیا ہے - (۲۵۶ : ۲)

۲۔ غلط کار لوگوں کے سامنے سبیل الرشد آبھی جائے تو بھی وہ اُسے قبول نہیں کریں گے - (۱۴۵ : ۷)۔ یہاں بھی رشد کے مقابل لفظ غیّ آیا ہے - (۳)- رشد بمقابلہ شر - (۱۰ : ۷۲)

۴۔ جب تم دیکھو کہ یتیموں میں اپنے معاملات سلجھانے کی صلاحیت (رُشد) آگئی ہے تو ان کا مال انہیں لوٹا دو۔ (۶ : ۴) - (۵) اصحابِ کہف کی دعا کہ انہیں معاملات میں صحیح راہ (رشد) مل جائے - (۱۰ : ۱۸)

۶۔ صحیح راستہ جو خدا کی طرف سے ملے - (۲۴ : ۱۸)

۷۔ حضرت موسٰیؑ (نبوت سے پہلے) ایک مردِ بزرگ کے پاس رشد حاصل کرنے کے لئے گئے - (۶۶ : ۱۸)

۸۔ قرآن، رشد کی طرف ہدایت کرتا ہے - (۲ : ۷۲)

۹۔ قوانینِ خداوندی کے سامنے جھک جانے سے صحیح راستہ مل سکتا ہے - (۱۴ : ۷۲)

۱۰۔ رُشد بمقابلہ ضراً (نقصان) - (۲۱ : ۷۲)

۱۱۔ حضرت ابراہیمؑ کو رُشد عطا ہوا تھا۔ (۵۱ : ۲۱) - (۱۲) مومن ہی راشد ہیں - (۷ : ۴۹)

رشید

۱۔ حضرتِ لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم میں کوئی بھی رجلِ رشید نہیں ۔ (۱۱ : ۷۸)

۲۔ فرعون کے احکام رشید نہیں تھے ۔ (۱۱ : ۹۷)

۳۔ قوم مدین نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ تو ہی سب سے بڑا رشید رہ گیا ہے ؟ (۱۱ : ۸۷)

مرشد

۱۔ صحیح راہ وہی ہے جو خدا کی طرف سے ملے ۔ اس کے علاوہ کوئی ولی اور مرشد نہیں ۔ (۱۸ : ۱۷)

۲۔ خدا کی دعوت پر لبیک کہنے سے رشد حاصل ہوتا ہے ۔ (۲ : ۱۸۶)

سبیل الرشاد

دربارِ فرعون کے مردِ مومن نے کہا کہ میں تمہیں سبیل الرشاد کی طرف دعوت دیتا ہوں ——
(۴۰ : ۲۹) —— (۴۰ : ۳۸)

———(٥)———

۹۔ رشوت

رشوت ۔ قرآن کریم میں یہ لفظ تو نہیں آیا لیکن اس کا مفہوم بیان ہوا ہے ۔ رشوت سے مفہوم ہوتا ہے، کسی فیصلہ دینے والے (حاکم ۔ افسر ۔ منصف) کو روپیہ دے کر، غلط اور ناجائز فیصلہ اپنے حق میں کرا لینا ۔ کسی کا حق غصب کرنے، یا قانون شکنی کے مواخذہ سے بچنے کے لئے ہر قسم کا اقدام، قرآن کی رُو سے سنگین جرم ہے ۔ رشوت اس کی ایک شق کا نام ہے ۔ سورۂ بقرہ میں (روزوں کے احکام سے عین متصل) کہا گیا ہے کہ دوسروں کا مال ناجائز طریق پر مت کھاؤ ۔ اور نہ ہی ایسا کرو کہ حکام کو پیسے دے کر، دوسروں کا مال غصب کر لینے کے لئے اپنے حق میں فیصلہ لے لو ۔ (۲ : ۱۸۸)

———(٥)———

۱۔ رضائے خداوندی

ہمارے ہاں عام کیفیت یہ ہے کہ جب کسی سے پوچھا جائے کہ مذہبی احکام و فرائض کی بجا آوری کیوں کرنی چاہیئے تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس سے خدا خوش ہوتا ہے اور اگر ان کی خلاف ورزی کی جائے تو خدا ناراض ہو جاتا ہے۔ اس لئے احکام خداوندی کی اطاعت سے مقصود خوشنودیٔ باری تعالیٰ ہے۔ اسے رضا جوئی خداوندی بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی اللہ کو راضی رکھنے کے لئے۔ چنانچہ "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کے معنی کئے جاتے ہیں "خدا ان سے راضی یا خوش ہو گیا۔ اور وہ خدا سے راضی یا خوش ہو گئے۔"

خدا کے متعلق یہ تصوّر کہ وہ کسی بات سے خوش ہو جاتا ہے اور کسی سے ناراض، خدا کو انسانی کے جذبات سے متصف کرنا ہے۔ ذہنِ انسانی نے ہمیشہ خدا کا تصوّر ایک مطلق العنان بادشاہ کا سا قائم کیا ہے جو کسی بات پر خوش ہو جاتا ہے تو جاگیر بخش دیتا ہے۔ ناراض ہو جاتا ہے تو کھال کھنچوا دیتا ہے۔ ایسے حکمران کی حکومت میں ہر ایک کی کوشش اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح حاکم کو خوش رکھے۔ اس کی خوشنودی حاصل کرلے۔

لیکن قرآنِ کریم نے خدا کا جو تصور پیش کیا ہے وہ اس سے بلند اور متمیّز ہے۔ اس نے کہا ہے کہ خدا نے انسان کے سامنے ایک نصب العینِ حیات رکھ دیا ہے۔ اور پھر ایسے قوانین مرتب کر دیئے ہیں کہ اگر ان کے مطابق چلا جائے تو انسان اس نصب العین تک پہنچ جاتا ہے۔ ان کی خلاف ورزی کرے تو اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کو "رضوان اللہ" "مرضات اللہ" یا رضا جوئی خداوندی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رضا کے معنی ہوتے ہیں کسی سے متفق ہو جانا۔ اس کے مطابق کام کرنا۔ اس سے ہم آہنگ ہو جانا۔ قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی کا نام "مرضات اللہ" ہے۔ جب انسان، ان قوانین کے مطابق عمل کرتا ہے، تو ان قوانین کے نتائج، اس کے اعمال سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ اس طریقِ عمل کے نتیجہ کو "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی ہمارے اعمال کا مقصد ہونا چاہیئے۔ اسی کو ان الفاظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ خود اس عمل کے اندر مضمر ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے آپ ایک مزدور سے کہتے ہیں کہ وہ آپ کی ایک چٹھی آپ کے دوست کے مکان پر چھوڑ آئے جو یہاں سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کے لئے آپ اسے ایک روپیہ بطور اجرت دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مزدور کی "دو میل کی مسافت" اور "ایک روپیہ" میں کوئی داخلی تعلق نہیں۔ لیکن اگر آپ ہر روز صبح دو میل کی سیر کرتے ہیں جس سے آپ کی صحت

ایسی ہوجاتی ہے، تو آپ کے عمل کا یہ نتیجہ خود آپ کے عمل کے اندر مضمر ہوتا ہے کہیں خارج سے نہیں ملتا۔ قوانینِ خداوندی کے مطابق اسطرح عمل کرنیکا نام "رضا جوئی باری تعالیٰ" ہے یعنی قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ ہوجانا۔ ظاہر ہے کہ اس میں نہ تو "خوشنودی باری تعالیٰ کا وہ تصور ہے جس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ مزدوری یا خدا سے سوداگری ہے کہ ہم نے اس کا کچھ کام کیا اور اس کام کے عوض میں اس نے ہمیں کچھ دیا۔ اس قسم کے عمل کو وجہ اللہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی کسی خارجی معاوضہ کے تصور کے بغیر کام کرنا۔ اگر قوانینِ خداوندی کی اطاعت کے سلسلہ میں کسی خارجی مقصد کو سامنے رکھ لیا جائے تو یہ یا منافقت ہوجاتی ہے یا شرک۔ (مزید تفصیل کیلئے لغات القرآن دیکھئے)

۲۔ خدا نے جو کہا ہے کہ وہ کفر کو ناپسند اور ایمان کو پسند کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ چونکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان اس کے بتائے ہوئے طریق پر چل کر اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے، اس لئے اس راستے کو پسند کرتا ہے۔ اور اس کے خلاف جانے والی راہوں کو ناپسند۔ اس میں بھی (انسانی تصور کے مطابق) خدا کے خوش یا ناراض ہونے کا پہلو نہیں ہوتا۔

نوٹ:۔ "راضی برضا" کے عام مفہوم کے لئے تقدیر کا عنوان دیکھئے یا مکافاتِ عمل کا۔

(۰)

رضی اللہ عنہ

۱۔ ظہورِ نتائج کے وقت، صادقین کا صدق ان کے لئے نفع بخش ہوگا۔ اس کا نتیجہ جنت کی زندگی ہے۔ جس میں اعمال کے نتائج، قوانینِ خداوندی کے مطابق سامنے آجاتے ہیں یہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی تفسیر ہے۔ (۱۱۹ : ۵)

۲۔ مہاجرین و انصار کے السابقون الاولون کی یہی زندگی تھی۔ اور ان کی بھی جنہوں نے حسن کارانہ انداز سے ان کی پیروی کی۔ (۱۰۰ : ۹)

۳۔ ایمان والے، ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتے جو نظامِ خداوندی کے خلاف صف آرا ہوں، خواہ وہ ان کے کتنے ہی عزیز کیوں نہ ہوں۔ وہ اپنی زندگی کو قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ رکھتے ہیں (۲۲ : ۵۸)

۴۔ ایمان و عملِ صالح کا محرک یہی جذبہ ہونا چاہیئے۔ (۸ : ۹۸)

۵۔ جن مؤمنین نے حدیبیہ میں تجدیدِ بیعت کی تھی، انہوں نے قوانینِ خداوندی سے یکسر ہم آہنگی اختیار کی تھی۔ انہوں نے وہی کچھ کیا تھا جو ان حالات میں قانونِ خداوندی کا تقاضا تھا۔ (۱۸ : ۴۸)

۶۔ جس کی بات قانونِ خداوندی کے مطابق ہو، اسی کی حمایت کسی کے کام آسکتی ہے۔ (۱۰۹ : ۲۰)

(۲۸ : ۲۱) — (۲۶ : ۵۳)

۷۔ ان کے برعکس وہ لوگ ہیں جن کے سامنے محض دنیاوی زندگی کے مفاد ہوتے ہیں اور وہ اپنے اس مقصد کے مطابق کام کرتے ہیں۔ انہیں "رضوا بالحیوٰۃ الدنیا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۳۸ : ۹)۔ (۷ : ۱۰)

۸۔ مومن، خدا کے ہاں راضیۃ مرضیۃ جاتا ہے۔ (۲۸ : ۸۹)۔ (۲۱ : ۹۲)۔ حضرت اسماعیلؑ مرضیاً تھے۔ (۵۵ : ۱۹) اسے "عیشۃ راضیۃ" کہا گیا ہے۔ (۲۱ : ۶۹)۔ (۷ : ۱۰۱)

۹۔ دن رات "نظامِ خداوندی کے لئے مصروفِ تگ و تاز رہنے کا نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان راضی ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کا عمل نتیجہ سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ (۳۰ : ۲۰)۔ (۵ : ۹۳)

۱۰۔ حضرت موسیٰؑ "رضائے خداوندی" کے لئے طور پر گئے تھے۔ یعنی اس لئے کہ وہ جلد از جلد اپنے پروگرام کو منشائے خداوندی کے مطابق بنا سکیں۔ (۸۴ : ۲۰)

۱۱۔ حضرت سلیمانؑ کی دعا کہ میں ایسے کام کروں جو تیرے قوانین کے مطابق ہوں۔ (۱۹ : ۲۷)۔ (۱۵ : ۴۶)

۱۲۔ اس دن مومنین اپنی کوششوں کے ماحصل سے راضی ہو جائیں گے (۹ : ۸۸)

۱۳۔ حضرت ذکریاؑ نے بیٹے کے لئے دعا کی جو مرضات اللہ سے ہم آہنگ ہو۔ (۶ : ۱۹)

۱۴۔ نفسِ مطمئنہ خدا کی طرف راضیۃ مرضیۃ جائے گا۔ (۲۸ : ۸۹)

اسلام

خدا نے تمہارے لئے اسلام کو بطور نظامِ زندگی (دین) پسند کیا ہے۔ یعنی اسے تمہاری زندگی کا نصب العین ٹھہرایا ہے۔ (۳ : ۵)۔ اسی کا تمکن استخلاف فی الارض سے ہوگا۔ (۵۵ : ۲۴)

رضوان اللہ

۱۔ جنت کی زندگی رضوان من اللہ ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی سے یکسر ہم آہنگ ہو جانے کی زندگی۔ جس میں، انسان کے اندر صفاتِ خداوندی، علیٰ حدّ البشریت، منعکس ہوتی جاتی ہیں۔ (۱۴ : ۳)

۲۔ جس کی زندگی قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ ہو، وہ، اور ایسا شخص جو ان قوانین کے خلاف چلے، دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ (۱۴ : ۳)

۳۔ جہاد میں بے شک دنیاوی متاع بھی ہاتھ میں آتی ہے، لیکن اس کی حقیقی غایت یہی ہوتی ہے کہ قوانینِ خداوندی کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ اس کا نتیجہ حقیقی متاع ہے۔ (۱۷۳ : ۳)

۴۔ رہبانیت خدا نے تجویز نہیں کی تھی۔ لوگوں نے اسے از خود وضع کر لیا تاکہ اسطرح وہ زندگی اختیار کی جائے جو منشائے خداوندی سے ہم آہنگ ہو۔ یہ ان کی غلطی تھی۔ (۲۷ : ۵۷)

۵۔ جنت بھی مومن کا منتہائے مقصود نہیں۔ اصل مقصود قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ ہونا ہے اور یہ سب سے بلند مقصد ہے۔ (۷۲ : ۹)

۶۔ مہاجرین اور مجاہدین کے لئے جنت بھی ہے اور رضوان من اللہ بھی۔ (۲۱ : ۹)

۷۔ مسجد کی بنیاد قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی کے جذبہ پر رکھنی چاہیے۔ کوئی اور مقصد پیشِ نظر نہیں رکھنا چاہیے۔ (۱۰۹ : ۹)

۸۔ مومن کی زندگی یہ ہے کہ وہ تلاشِ معاش بھی کرتا ہے تو اس میں بھی اپنے آپ کو قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ رکھتا ہے۔ (۲ : ۵)۔ (۲۹ : ۴۸)۔ (۸ : ۵۹)

۹۔ جو قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی کو اپنا منتہیٰ قرار دے لے، اسے سلامتی کے راستے کی طرف راہ نمائی مل جاتی ہے۔ (۱۶ : ۵)

۱۰۔ ان کے برعکس جو لوگ قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی کو ناپسند کرتے ہیں، ان کے اعمال صحیح نتائج مرتب نہیں کرتے۔ (۲۸ : ۴۷) — (۱۱) دنیاوی مفاد کے مقابلہ میں رضوان اللہ بہت بلند شے ہے۔ (۲۰ : ۵۷)

مرضات اللہ

۱۔ جو محض مرضات اللہ کے لئے انفاق کرتا ہے۔ یعنی اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اسی کا عمل ثمر بار ہوتا ہے۔ (۲۶۵ : ۲)

۲۔ مرضات اللہ کے لئے باہمی مشورے مفید نتائج مرتب کرتے ہیں (۱۱۴ : ۴)

۳۔ جس کا مقصد قوانینِ خداوندی کا اتباع — مرضات اللہ — ہو، وہ نظامِ خداوندی کے دشمنوں کو کبھی اپنا دوست نہیں بناتا۔ (۱ : ۶۰)

۴۔ مومن اپنے آپ کو مرضات اللہ کے لئے بیچ دیتا ہے۔ (۲۰۷ : ۲)

۵۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ آپ نے اپنی بیوی کی مرضات کے لئے ایک شے کو حرام کیوں قرار دے لیا۔ گویا جو بات قوانین خداوندی سے ہم آہنگ نہ ہو اسے مخلوق کی رضا جوئی کے لئے اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ (۱ : ۶۶)

بوجہ اللہ

۱۔ مومن، ضرورت مندوں کا حق لوجہ اللہ پورا کرتے ہیں۔ (۳۸ : ۳۰) ۔ (۳۹ : ۳۰)

۲۔ وہ کسی اور مقصد یا جذبہ کو سامنے رکھتے ہی نہیں۔ (۲۰ : ۹۲)

۳۔ وہ انفاق اسی مقصد کے لئے کرتے ہیں۔ (۲۷۲ : ۲) ۔ اس سورہ (بقرہ) کی آیات ۲۶۱ سے ۲۸۲ تک سے اس مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۴۔ مومن اس مقصد کے لئے استقامت پذیر ہوتے ہیں۔ (۲۲ : ۱۳)

۵۔ مومن جب دوسروں کو کچھ دیتے ہیں تو ان سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تم سے کسی معاوضہ کے تو ایک طرف شکریہ تک کے بھی متمنی نہیں۔ اس لئے کہ ہم اسے لوجہ اللہ دیتے ہیں۔ (۹ : ۷۶)

۶۔ صحابہؓ کی جماعت، اس دعوت کو محض لوجہ اللہ عام کرتی تھی۔ (۵۲ : ۶) ۔ (۲۸ : ۱۸)

۷۔ حضرت ابراہیمؑ کا اعلان کہ میں ہر طرف سے کٹ کر اپنی تمام توجہات خدا کے لئے مرکوز کرتا ہوں۔ (۷۹ : ۶) یہی دینِ حنیف ہے۔ (۱۰۵ : ۱۰) ۔ (۳۰ : ۳۰) ۔ (۴۳ : ۳۰)

۸۔ تم جہاں بھی جاؤ گے لوجہ اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ (۱۱۵ : ۲)

۹۔ وجہ ربکؑ باقی رہے گا۔ (۸۸ : ۲۸) ۔ (۲۷ : ۵۵)

۱۰۔ تم جہاں بھی ہو اپنی توجہ مسجد الحرام کی طرف مرکوز رکھو۔ (۱۴۴ : ۲) ۔ (۱۴۹ : ۲)

۱۱۔ جس نے اپنی توجہات کو خدا کے سامنے جھکا دیا، وہی مومن ہے (۱۱۲ : ۲)۔ اس سے احسن دین کسی کا نہیں۔ (۱۲۵ : ۴)۔ اسی نے عروۃ الوثقیٰ تھام لیا۔ (۳ : ۲۰) ۔ (۲۲ : ۳۱)

پسند کرنے کے معنوں میں

۱۔ خدا مومنین کو ایسے مقامات عطا کرے گا جنہیں وہ پسند کریں گے۔ (۵۹ : ۲۲)

۲۔ دین کے نظام میں افراد کو اپنے ساتھ متفق کر لینا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ "خدا و رسول" یعنی خود اس نظام کو

مطمئن کرنا ضروری ہے ۔ (۹ : ۶۲)

۳۔ خدا کفر کو پسند نہیں کرتا ۔ شکر کو پسند کرتا ہے ۔ یعنی کفر اس کے قوانین کے مطابق نہیں ۔ شکر ان کے مطابق ہے ۔ (۳۹ : ۷)

۴۔ خدا فاسقین کو پسند نہیں کرتا ۔ یعنی فسق اس کے قوانین کے خلاف ہے ۔ (۹ : ۹۶)

۵۔ ایسی باتیں جنہیں خدا پسند نہیں کرتا ۔ (۴ : ۱۰۸)

۶۔ وہ مکان جنہیں تم پسند کرتے ہو ۔ (۹ : ۲۴) ۔ اگر یہ خدا ، رسول اور جہاد سے زیادہ عزیز ہو جائیں تو پھر تم تباہی کا انتظار کرو ۔

۷۔ جس قبلہ کو تم پسند کرتے ہو اس کی تولیت تمہیں حاصل ہو جائے گی ۔ (۲ : ۱۴۴)

۸۔ خدا مقتولین فی سبیل اللہ کو ایسی جگہ داخل کرے گا ، جسے وہ پسند کریں گے ۔ (۲۲ : ۵۹)

متفرق

۱۔ یہود و نصاریٰ تم سے کبھی راضی نہیں ہوں گے جب تک ان کے قبلہ کا اتباع نہیں کرو گے ۔ (۲ : ۱۲۰)

۲۔ خدا اور رسول کا زیادہ حق ہے کہ اسے راضی کیا جائے (۹ : ۶۲)

۳۔ خدا غیب کی باتیں رسولوں میں سے جسے مناسب سمجھتا ہے ، بتا دیتا ہے (۷۲ : ۲۷)

رضاعت

رضاعت ۔ بچے کا دودھ پینا ۔ اس میں عام دودھ پینا بھی شامل ہے اور قانونی جہت سے رضاعت کا سوال بھی ۔ (۱) عام حالات میں مائیں بچے کو دو سال تک دودھ پلائیں ۔ مطلقہ بیوی سے بچے کی رضاعت کا معاملہ طے کر لینا چاہیئے اور اس کی اسے اجرت دینی چاہیئے ۔ (۲ : ۲۳۳) ۔ یا کسی انا سے دودھ پلوا لینا چاہیئے ۔ (۶۵ : ۶)

۲۔ رضاعت کی مدت عام طور پر دو سال ہوتی ہے ۔ (۳۱ : ۱۴) ۔ بعض اوقات حمل اور رضاعت کی مدت

ملا کر تیس مہینے (اڑھائی سال) ہوتی ہے۔ (۱۵ : ۴۶)

۳- رضاعی ماؤں سے بھی نکاح حرام ہے اور رضاعی بہنوں سے بھی۔ (۲۳ : ۴)

۴- حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے محل میں (بچپن میں) کسی عورت کا دودھ نہ پیا۔ ان کی والدہ نے انہیں دودھ پلایا۔ (۷ : ۲۸) - (۱۲ : ۲۸)

۵- قرآن کریم نے سورۂ انبیاء میں الساعۃ (انقلاب عظیم) کی ہولناکی کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا ہے کہ اس وقت دودھ پلانے والیاں، اپنے بچوں کو بھول جائیں گی۔ (۲ : ۲۲)

---(۰)---

۱۱- رعب

(نیز دیکھئے خوف)

رعب کے عام معنی کسی کی ہیبت اور عظمت سے کانپ اٹھنے اور ڈر جانے کے ہیں۔ قرآن کریم نے مومنین کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ انہیں نہ کسی کا خوف ستاتا ہے نہ حزن۔

مومن اسے کہتے ہیں جو دنیا میں قوانینِ خداوندی کے علاوہ اور کسی کی اطاعت نہ کرے۔ کسی کے سامنے نہ جھکے اور ظاہر ہے کہ جب وہ کسی کے سامنے جھکے گا ہی نہیں تو وہ کسی سے خوف کیوں کھائے گا۔ اس کے مقابل میں مشرک ہے جو مختلف قوتوں کے سامنے جھکتا ہے۔ ان سے خوف کھاتا ہے۔ ڈرتا ہے۔ کانپتا ہے۔ اس کا سینہ ہر سمت سے خوف کی آماجگاہ ہوتا ہے۔

اب آپ سوچئے کہ جب اس قسم کا انسان جو ہر شے سے خوف کھائے، ایسے لوگوں کے سامنے آئے گا جو کسی سے خائف نہ ہوں، تو اس کے دل پر ان کا کسقدر رعب چھا جائے گا۔ اس لئے کہا کہ

۱- کفار کے دلوں پر مومنین کا رعب چھا جائے گا کیونکہ وہ شرک کرتے ہیں۔ (۱۵۰ : ۳)

۲- جماعتِ مومنین کو ملائکہ کی تائید حاصل ہوتی ہے اس لئے کفار کے دل میں ان کا رعب ہوتا ہے۔ (۱۲ : ۸)

۳- میدانِ جنگ میں فریقِ مخالف کے دل پر مومنین کے لشکر کا رعب چھا جاتا تھا۔ (۲۶ : ۳۳) - (۲ : ۵۹)

یہ ہے دنیا میں مومن کا مقام۔ کسی کا رعب اس کے دل میں نہ ہو اور اس کا رعب ہر ایک کے دل پر چھایا ہوا ہو۔

---(۰)---

۱۲- رُوح

(نیز دیکھئے "نفس" - "وحی")

اس مادہ کے بنیادی معنی حرکت - قوت - وسعت - رحمت اور انبساط وغیرہ ہیں - جن معانی میں ہم انسانی روح کا لفظ استعمال کرتے ہیں، ان معانی میں یہ لفظ قرآن کریم میں نہیں آیا- اس میں کہا گیا ہے کہ زندگی کے ابتدائی مدارج میں حیوان اور انسان میں کوئی فرق نہیں - لیکن انسان کی صورت میں 'خدا نے (اس میں) 'اپنی روح' پھونک دی جس سے یہ صاحبِ اختیار و ارادہ انسان بن گیا - یہ "روحِ خداوندی" الوہیاتی توانائی ہے - جس کی نمود انسانی ذات (PERSONALITY) کی شکل میں ہوتی ہے اور جو انسانی جسم کی موت کے ساتھ فنا نہیں ہو جاتی - بلکہ آگے بھی چلتی ہے- انسانی ذات کے متعلق تفصیلی بحث "نفس" کے عنوان میں ملے گی-

۲- روح کا لفظ قرآن کریم میں وحی کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے -

۳- روح القدس، وحی کے احکام کو بھی کہا جائے گا اور اس "توانائی" کو بھی جس کی وساطت سے وحی، حضرات انبیاء کرام کی طرف آتی تھی- اسے عام طور پہ جبرئیل کہا جاتا ہے- عبرانی زبان کے اس لفظ (جبر+ایل) کے معنی "خداوندی قوت" کے ہیں-

۴- ظاہر ہے کہ جب قرآن کریم میں روحِ انسانی کا لفظ ہی نہیں آیا تو "روحانی ترقی" یا "روحانیت" کا تصور کس طرح قرآنی ہو سکتا ہے- یہ تصور ہم نے غیروں سے (بالخصوص عیسائیت سے) مستعار لیا ہے- جو مادہ (MATTER) کی ضد (SPIRIT) کو روح سے تعبیر کرتے ہیں- قرآن کریم میں روح کو کہیں مادہ کی ضد قرار نہیں دیا گیا اور اب تو (جدید تحقیقات کے رُو سے) خود مادہ بھی سمٹ کر یہ رٹ بن گیا ہے - یعنی (PURE ENERGY) - توانائی محض-

---

روحِ خداوندی

۱- حضرت عیسٰیؑ 'خدا کی طرف سے' روح' تھے - یعنی ان میں بھی دوسرے انسانوں کی طرح روحِ خداوندی تھی-

یا ان کی تعلیم وحیٔ خداوندی پر مبنی تھی۔ (۴ : ۱۷۱)

۲۔ انسان میں خدا نے اپنی روح پھونکی۔ (۱۵ : ۲۹)۔ (۳۲ : ۷-۹)۔ (۳۸ : ۷۲)

۳۔ حضرت مریم کی طرف خدا نے، حضرت عیسٰی کی پیدائش کے سلسلہ میں تقویت بخش اشارہ بھیجا۔ (۴ : ۱۷۱) (۱۹ : ۱۷)۔ (۴) حضرت عیسٰی کی پیدائش کے سلسلہ میں نفخِ روحِ خداوندی۔ (۲۱ : ۹۱)۔ (۶۶ : ۱۲)

روح بمعنی وحی خداوندی

۱۔ حضرت عیسٰی کی تعلیم بھی وحیٔ خداوندی پر مبنی تھی۔ (۴ : ۱۷۱)

۲۔ خدا ملائکہ کو روح (وحی) کے ساتھ نازل کرتا ہے۔ (۱۶ : ۲)

۳۔ تجھ سے الرّوح کی بابت پوچھتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ روح (وحی) امرِ خداوندی سے متعلق ہے۔ (۱۷ : ۸۵)
یہاں الرّوح سے مراد وحی ہے۔

۴۔ خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔ روح کا القاء کرتا ہے۔ (۴۰ : ۱۵)

۵۔ حضورؐ کی طرف سے وحی۔ (۴۲ : ۵۲)

۶۔ خدا مومنین کو وحی (یعنی قرآن) کی رو سے تقویت دیتا ہے۔ (۵۸ : ۲۲)

روح بمعنی جبریل۔ روح القدس

۱۔ حضرت عیسٰی کو روح القدس سے تقویت دی۔ (۲ : ۸۷)۔ (۲ : ۲۵۳)۔ (۵ : ۱۱۰)

۲۔ قرآن کو روح القدس لایا ہے۔ (۱۶ : ۱۰۲)۔ روح الامین۔ (۲۶ : ۱۹۳)

۳۔ ملائکہ اور روح خدا کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ (۷۰ : ۴)۔ قیامت میں ملائکہ اور روح صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ (۷۸ : ۳۸)۔ شب قدر میں روح اور ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ (۹۷ : ۴)

متفرق

۱۔ خدا، نفسِ انسانی کو موت اور نیند کے وقت وفات دیتا ہے۔ یہاں نفس سے مراد انسانی شعور ہے (۶ : ۶۰) (۳۹ : ۴۲)۔ ان آیات میں رُوح کا لفظ نہیں آیا لیکن ہم نے انہیں اس لئے یہاں درج کر دیا ہے۔ تاکہ یہ

معلوم ہو جائے کہ جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مرنے کے ساتھ بدن سے روح نکل جاتی ہے۔ یا اُسے فرشتے قبض کر لیتے ہیں، وہ صحیح نہیں۔ قرآن کریم میں روح کے بدن سے نکل جانے کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ (تفصیل متعلقہ عنوانات میں ملے گی۔)

۲۔ رَوْحٌ کا لفظ رحمت کے لئے آیا ہے۔ خدا کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔ (۱۲ : ۸۷)۔ جنت میں مقربین کے لئے رَوْحٌ وَّ رَیْحَانٌ۔ (۵۶ : ۸۹)

(۰)

۱۱۳۔ رھن

رہن۔ رہن کی تفصیل بحث "قرض" کے عنوان میں ملیگی۔ اس مقام پر اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ قرآن کریم میں صرف ایک مقام پر یہ کہا گیا ہے کہ تم قرض دار کی کوئی چیز بطور رہن (ضمانت) اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ قرض کی صورت میں کس طرح سارا معاملہ ضبطِ تحریر میں لے آنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہے کہ :-

> اگر تم حالتِ سفر میں ہو اور تمہیں کاتب نہ مل سکے تو قرض لینے والے کی کوئی چیز بطور ضمانت اپنے پاس رکھ لو۔ لیکن اگر تم ایک دوسرے پر اعتماد کرو، تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے چاہیئے کہ قرضہ کو قرض خواہ کی امانت سمجھے اور اسے نہایت دیانتداری سے واپس لوٹا دے۔ (۲ : ۲۸۳)

اس سے ظاہر ہے کہ مرہونہ شے محض بطور ضمانت اپنے پاس رکھی جا سکتی ہے۔ وہ قرض خواہ کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ (خواہ اسے عارضی ملکیت ہی کیوں نہ سمجھا جائے) اور اگر اس سے کچھ حاصل ہوتا ہے تو وہ قرض لینے والے کا ہوگا۔ (یعنی اس چیز کے مالک کا) نہ کہ قرضہ دینے والے کا جس کے پاس وہ شے بطور امانت رکھی ہے۔ اگر وہ (قرض خواہ) اسے لیگا تو یہ ربوٰا ہو جائے گا۔

۲۔ قانونِ مکافاتِ عمل کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا مرہون ہوتا ہے۔ یعنی اپنے اعمال کے بدلے گویا رہن رکھا ہوا۔ (۵۲ : ۲۱) - (۷۴ : ۳۸)

۱۴۔ ریاء

(نیز دیکھئے عنوانات۔ منافق۔ خلوص)

ریاء۔ دوسروں کے دکھاوے کی خاطر کوئی کام کرنا۔

جب ہمیں پیاس لگتی ہے تو ہم اٹھ کر پانی پیتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے اندر کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس وقت ہم اس کی تلاش نہیں کرتے کہ کسی شخص کو دکھائیں کہ ہم پانی پی رہے ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے جن کاموں کو نیکی کہا جاتا ہے، مومن ان کاموں کو اس لئے کرتا ہے کہ وہ اس کے دل کا تقاضا ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا شخص ہمیں ایسا کرتے دیکھ رہا ہے یا نہیں۔ اگر اس وقت ایسا خیال آجائے۔ یا ہم وہ کام کریں ہی اس لئے کہ لوگ اسے دیکھ کر ہماری تعریف کریں، تو ایسے کام خلوص پر مبنی نہیں کہلا سکتے۔ انہیں انسان محض اپنے پندارِ نفس (EGO) کی تسکین کی خاطر کرتا ہے۔ اسی کا دوسرا نام منافقت ہے۔ لہٰذا، قرآن کریم کی میزان میں نہ صرف یہ کہ ایسے کاموں کا کوئی وزن نہیں، بلکہ ان سے جس نفسیاتی کیفیت (یا ذہنیت) کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ وہ ذہنیت بڑی تخریب کا موجب ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے کاموں کا نتیجہ تعمیری ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا، قرآن کریم کی رو سے اس قسم کے کام تباہی کا موجب ہوتے ہیں۔

۱۔ لوگوں کو دکھاوے کی خاطر مال خرچ کرنے والے کا خدا اور آخرت پر ایمان ہی نہیں ہوتا۔ وہ لوگوں سے اپنی تعریف چاہتا ہے وہ اسے مل جاتی ہے۔ (۲ : ۲۶۴)۔ (۴ : ۳۸)

۲۔ میدانِ جنگ میں اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھاوے کی خاطر مت نکلو۔ (۸ : ۴۷)

۳۔ منافقین، نماز بھی دوسروں کو دکھانے کی خاطر پڑھتے ہیں۔ (۴ : ۱۴۲)۔ (۱۰۷ : ۶)

۴۔ اگر دوسروں کو ترغیب دلانے کی خاطر، اعلانیہ انفاق فی سبیل اللہ کر دیا جائے تو اس کی اجازت ہے (۲:۲۷۱) (۲۷۴-۲)۔ (۲۲ : ۱۳)۔ (۲۱ : ۱۴)۔ (۲۹ : ۳۵)

۵۔ اسی طرح ہر کارِ خیر کے سلسلہ میں کہا گیا ہے۔ (۴ : ۱۴۹)

۶۔ اپنے آپ کو مزکّی مت قرار دو۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ تقویٰ شعار کون ہے (۵۳ : ۳۲)

۱۵- ریب

ریب اس اضطراب کو کہتے ہیں جو شک کی وجہ سے پیدا ہو۔ پھر اس لفظ کو خود شک کے معنوں میں بھی استعمال کرنے لگ گئے۔ شک، یقین کی ضد ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں دو چیزوں کے متعلق خاص طور پر کہا گیا ہے کہ ان میں ریب نہیں۔ یعنی وہ ایسی یقینی ہیں کہ ان کے متعلق کسی قسم کی نفسیاتی الجھن یا اضطراب نہیں ہونا چاہیئے۔ ان سے وہ اطمینان حاصل ہونا چاہیئے جو یقین کا فطری نتیجہ ہے۔ ایک قرآن مجید۔ اور دوسری حیاتِ آخرت۔ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس میں ریب نہیں۔ (۲ : ۲) - (۲ : ۲۳) - (۱۰ : ۳۷) (۲ : ۳۲) — (۲) حیاتِ آخرت ایک یقینی حقیقت ہے جس میں ریب نہیں (۹ : ۳) - (۲۵ : ۳) - (۸۷ : ۴) - (۱۲ : ۶) (۵ : ۲۲) - (۲۶ : ۴۵) — (۳) آنے والے انقلاب (اجل) میں بھی ریب نہیں۔ (۹۹ : ۱۷) - الساعۃ میں بھی ریب نہیں۔ (۲۱ : ۱۸) - (۷ : ۲۲) - (۵۹ : ۴۰) - یوم الجمع میں ریب نہیں۔ (۷ : ۴۲) - (۳۲ : ۴۵)

۴- مومن وہ ہیں جو ایمان لے آتے ہیں اور پھر ان کے دل میں شک و اضطراب نہیں پیدا ہوتا۔ (۱۵ : ۴۹) - (۳۱ : ۷۴) ایمان نہ لانے والوں (منافقین) کے دلوں میں ریب پیدا ہوتا ہے۔ (۴۵ : ۹) یہ دلوں کا مرض ہے (۵۰ : ۲۴)

۵ مسجدِ ضرار تعمیر کرنے والوں کے دلوں کو ریب کی آگ کھا جائے گی۔ (۱۱۰ : ۹)

۶- شک اور ریب کے الفاظ اکٹھے بھی آئے ہیں۔ (۶۲ : ۱۱) - (۱۱۰ : ۱۱) - (۹ : ۱۴) - (۵۴ : ۳۴) (۴۵ : ۴۱) - (۱۴ : ۴۲)

۷- مریب۔ شک کرنے والا۔ (۲۵ : ۵۰) - مرتاب (۳۴ : ۴۰)

۸- ریب المنون۔ زمانے کی گردشیں۔ (۳۰ : ۵۲)۔ (نیز دیکھئے عنوان شک)

۱۶- ریش

الریش۔ پرندے کے پروں کو کہتے ہیں۔ نیز انسانوں کے لباس فاخرہ اور زیب و زینت کے لئے بھی یہ لفظ آتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ لباس کی زینت کے آیا ہے (۲۶ : ۷)۔ ڈاڑھی کے لئے یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا۔ اس میں اس کے لئے لحیۃ کا لفظ آیا ہے۔ جہاں حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ میری ڈاڑھی مت پکڑیئے (۹۴ : ۲۰)۔ سامی النسل اقوام میں ڈاڑھی رکھنے کا رواج تھا۔

ز

۱- زبوؔر

زبوؔر کتاب کو کہتے ہیں- اور الزبوؔر وہ کتاب ہے جو حضرت داؤدؑ کو ملی تھی-

۱- ہم نے داؤدؑ کو زبوؔر دی - (۴ : ۱۶۳) - (۱۷ : ۵۵)

۲- ہم نے الزبوؔر میں یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کی وراثت عبادِ صالحین کو ملتی ہے - (۲۱ : ۱۰۵) -

زبر

۱- قرآن ، زبرِ اولین میں بھی تھا- (۲۶ : ۱۹۶)

۲- رسول ، زبر اور کتابِ منیر کے ساتھ آتے رہے - (دو تفسیری ہو سکتی ہے (۳ : ۱۸۳)-(۱۶ : ۴۴)-(۳۵ : ۲۵)

۳- کیا ان مخالفین کو زبرؔ میں اس امر کی ضمانت مل گئی ہے کہ یہ عذاب سے محفوظ رہیں گے- (۵۴ : ۴۳)

۴- جو کچھ بھی لوگ کرتے ہیں وہ زبرؔ میں مرقوم ہو جاتا ہے - (۵۴ : ۵۲)

۵- زبرؔ کے معنی ٹکڑے ٹکڑے بھی ہیں - (۱۸ : ۹۶) - (۲۳ : ۵۳)

(٠)

۲- زراعت

زراعت کے معنی ہیں- کھیتی باڑی - قرآن کریم نے اس حقیقت کو سمجھانے کے لئے کہ ہر عمل اپنا نتیجہ مرتب کرتا ہے ، عام طور پر زراعت کی مثال دی ہے - یہ مثال بڑی جامع ، برجستہ اور حقیقت کشا ہے - جس طرح ایک تناور درخت ایک ننھے سے بیج کے اندر محوِ خواب ہوتا ہے - اسی طرح نتائج کی عظیم دنیا ، عمل کے ننھے سے تخم کے

اندر پوشیدہ ہوتی ہے۔ لیکن تخم کی بار آوری کے لئے زراعت سے متعلق قوانین کا علم اور ان کی پابندی نہایت ضروری ہے - انسانی دنیا میں اسے قرآن نے تقویٰ کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ نیز بیج کے درخت بننے یا فصل تک پہنچنے کے لئے مساعد ماحول، اور دیگر سامان و اسباب کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح ہر عمل کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے مناسب فضا اور دیگر اسباب و ذرائع بھی لاینفک ہوتے ہیں۔ اسے معاشرتی زندگی یا نظامِ تعاون و تناصر کہا جاتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ تخم کو فصل تک پہنچنے میں ایک مہلت کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں کسان دن رات محنت کرتا رہتا ہے۔ لیکن اسے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسانی عمل کے نتیجہ خیز ہونے میں بھی وقت لگتا ہے اور اس کے ابتدائی مراحل میں انسان کو مسلسل سعی و کاوش سے کام لینا پڑتا ہے۔ اگر انسان راستے میں تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ تو اس کی ساری محنت رائیگاں چلی جاتی ہے۔

وہ کونسی چیز ہے جو ایک کسان کو مہینوں بھر، بلا کسی صلہ یا معاوضہ کے مسلسل محنت کرنے پر آمادہ رکھتی ہے اور اسے تھکنے نہیں دیتی۔ اس بات پر ایمان کہ میرا بیج اسقدر فصل پیدا کرکے رہے گا۔ اسے قرآن کی اصطلاح میں "ایمان بالآخرت" یا ایمان بالغیب۔ یعنی ایک پروگرام کے ان دیکھے نتائج پر ایمان، کہتے ہیں۔ اس ایمان کے بغیر کوئی شخص مسلسل اور جانگاہ محنت کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا۔

اور آخر میں یہ کہ

گندم از گندم بروید جو ز جو

زراعت کا ابدی اور اٹل قانون ہے۔ اسے کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ (اس سلسلہ میں عنوان "مکافاتِ عمل" دیکھئے) —— (۲) قرآن نے 'موت کے بعد کی زندگی کے لئے بھی زراعت کی مثال دی ہے۔ آپ بیج اور مٹی کو دیکھئے۔ ان میں کہیں زندگی کی نمود نہیں ہوتی۔ لیکن زندگی کا امکان، اس بیج کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے۔ قانونِ زراعت کی رو سے، مناسب وقفہ کے بعد اس بیج سے زندگی انگڑائیاں لیتی ہوئی ابھرنا شروع کر دیتی ہے۔ موت سے انسانی جسم تو بے شک مرجاتا ہے، لیکن انسانی نفس کے اندر حیاتِ نو کا امکان پوشیدہ ہوتا ہے - وہ امکان قانونِ حیات کی رو سے، از سرِ نو حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے۔ اسے حیاتِ آخرت کہا جاتا ہے (تفصیل اس کی "موت اور مردہ" کے عنوان میں ملے گی) قرآن کریم نے اس حیاتِ تازہ کو "زمینِ مردہ کے احیاء" کی مثال سے واضح کیا ہے۔

زراعت کی محسوس مثالوں سے قرآن، ان غیر محسوس حقائق کو نہایت بلیغ انداز سے سمجھانا چاہتا ہے۔

زراعت

۱۔ انفاقِ فی سبیل اللہ کی مثال ایک دانہ کی جس سے سو سو دانے نکلیں۔ (۲ : ۲۶۱) - (۲ : ۲۶۵)
محمد رسول اللہ والذین معہٗ کی مساعیٔ جمیلہ کی مثال۔ (۴۸ : ۲۹)

۲۔ ریاکاری سے انفاق کرنے والے کی مثال۔ (۲ : ۲۶۴) - (۵۷ : ۲۰)

۳۔ کیا تم چاہو گے کہ آخری عمر میں تمہاری کھیتیاں اُجڑ جائیں؟ (۲ : ۲۶۶)

۴۔ صرف دنیادی زندگی کے لیے خرچ کرنے والے۔ (۳ : ۱۱۷)

۵۔ قسم قسم کے باغات اور کھیتیاں پیدا کیں۔ (۶ : ۱۴۲) - (۲۷ : ۲۵) - (۳۹ : ۲۱) - (۵۰ : ۷-۹)
خشک دانوں سے لہلہاتی کھیتیاں۔ (۶ : ۹۵)

۶۔ مردہ زمین سے حیاتِ تازہ کی نمود۔ (۲ : ۱۶۴) - (۷ : ۵۷) - (۱۶ : ۶۵) - (۲۰ : ۵۳) - (۲۲ : ۵) - (۲۲ : ۶۳) - (۲۳ : ۱۸-۱۹) - (۲۵ : ۴۸-۴۹) - (۲۹ : ۶۳) - (۳۰ : ۱۹) - (۳۰ : ۲۴) - (۳۰ : ۵۰) - (۳۲ : ۲۷) - (۳۵ : ۹) - (۳۶ : ۳۳) - (۳۹ : ۲۱) - (۴۱ : ۳۹) - (۴۳ : ۱۱) - (۴۵ : ۵) - (۵۰ : ۱۰-۱۲) - (۵۷ : ۱۷)

۷۔ حیاتِ دنیا کی مثال۔ (۱۸ : ۴۵) (۸) اس میں آیت اللہ ہے۔ (۲۶ : ۷) - (۳۶ : ۳۳)

۹۔ حرث اور نسل کا تباہ کرنا جرمِ عظیم۔ (۲ : ۲۰۵)

۱۰۔ ایمان و اعمالِ صالح کا آخری نتیجہ جنت کی زندگی ہے اور جنت گھنے باغ کو کہتے ہیں۔ وہ ایسے باغات (جنات) ہیں جو ہمیشہ سیراب رہتے ہیں (ان کے نیچے آبِ رواں مسلسل رہتا ہے)۔ اور ہمیشہ ثمربار (۱۳ : ۳۵)

۱۱۔ صحیح نظریۂ حیات کی مثال شجرِ طیب کی سی ہے جس کی جڑیں پاتال ہیں اور شاخیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور غلط نظریہ کی مثال شجرِ خبیث کی سی ہے۔ (۱۴ : ۲۴-۲۷)

۳۔ (حضرت) زکریاؑ

زکریاؑ ۔ قرآن کریم نے زمرۂ انبیاء کرام میں حضرت زکریاؑ کا بھی نام لیا ہے (۶:۸۵)۔ حضرت مریمؑ کو ان کی کفالت میں دیا گیا تھا (۳:۳۷)۔ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی تو انہوں نے خدا سے دعا کی (۳:۴۰-۳۷) ان کی بیوی عقیم تھی اس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہو گئی (۲۱:۹۰)۔ اوران کے ہاں حضرت یحییٰؑ پیدا ہوئے۔ (۱۹:۲-۱۵)
نیز۔ (۲۱:۸۹-۹۰)

لوقا کی انجیل میں زکریا نام کے ایک کاہن کا ذکر آتا ہے جس کی بیوی کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ اس بات کے اشتراک سے قیاس کا رُخ اس طرف جاتا ہے کہ یہ حضرت زکریاؑ ہی کے متعلق ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہودیوں کے ہاں ہیکل کے ایک بہت بڑے منصب دار کو نبی کہا جاتا تھا جس کا ترجمہ کاہن کیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں نبی کا لفظ خاص اصطلاحی معنوں میں آیا ہے۔ جس کا تصور کاہن سے بالکل الگ ہے۔

(-)

۴۔ زکوٰۃ

(نیز دیکھئے عنوان صلوٰۃ)

زکوٰۃ (ز-ک-و) اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں، پھولنا پھلنا۔ بڑھنا۔ نشو و نما پانا۔ لہٰذا زکوٰۃ کے معنی ہیں سامانِ نشو و نما۔ ہر وہ چیز جس سے کسی کی پرورش ہو اور اس کی صلاحیتوں میں ارتقا اور بالیدگی پیدا ہو۔

صلوٰۃ اور زکوٰۃ قرآنی نظام کی دو بنیادی اصطلاحیں ہیں اور اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ اس کے دو اہم اساسی ستون۔ اقامتِ صلوٰۃ کے متعلق عنوان صلوٰۃ دیکھئے۔ ایتائے زکوٰۃ کے معنی ہیں۔ نوعِ انسانی کو سامانِ نشو و نما بہم پہنچانا۔ اسلامی نظام کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ تمام افرادِ انسانیہ کو سامانِ نشو و نما بہم پہنچائے۔ قرآن کریم میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب جماعت مومنین کی مملکت قائم ہوگی تو یہ ایتائے زکوٰۃ کریں گے (۲۲:۴۱)۔ یعنی ان کی ذمہ داری یہ ہوگی کہ یہ افرادِ انسانیہ کو سامان نشو و نما بہم پہنچائیں۔ اسلامی مملکت اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیا کیا انتظامات کرے، اور افرادِ مملکت اس میں کس طرح حصہ لیں

قرآن کریم ان تفاصیل کا ذکر نہیں کرتا۔ اس کا عام انداز یہ ہے کہ وہ دین کے ابدی، غیر متغیر اصول بیان کرتا ہے اور تفاصیل کو امتِ مسلمہ پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق انہیں خود مرتب کرے۔ یہ جو ہمارے ہاں اڑھائی فیصد زکوٰۃ نکالی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف کی تفصیل بھی قرآن نے دے دی ہے، یہ بھی صحیح نہیں۔ وہ مصارف "صدقات" کے ہیں، زکوٰۃ کے نہیں۔

تزکیہ کا مادہ بھی یہی ہے اس کے معنی ہیں انسانی صلاحیتوں کی نشو و نما کرنا۔ "تزکیۂ نفس" کا جو تصوّر ہمارے ہاں تصوّف کی رو سے عام کر دیا گیا ہے، وہ قرآنی تصوّر کے خلاف ہے۔ تصوّف میں تزکیۂ نفس کے معنی نفس کُشی" ہوتا ہے اور قرآن" انسانی نفس (ذات) کی نشو و نما چاہتا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں تصوّر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

زکوٰۃ کے ضمن میں عنوانات - انفاق - معاشی نظام - صدقات وغیرہ بھی دیکھئے۔

ایتائے زکوٰۃ و اقامت صلوٰۃ

جن آیات میں یہ دونوں احکام اکٹھے آئے ہیں ان کا حوالہ "صلوٰۃ" کے عنوان میں دے دیا گیا ہے۔ اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ (بجز اس کے جہاں اس کی خصوصی ضرورت سمجھی گئی ہے) ان آیات کو اس عنوان میں دیکھ لینا چاہیئے۔ دیگر مقامات میں جہاں زکوٰۃ آیا ہے ان کی تصریح یہاں کی جائے گی۔

زکوٰۃ

۱۔ اہلِ کتاب سے کہا گیا ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائیں اور ایتائے زکوٰۃ کریں۔ (۴۳ : ۲)

۲۔ بنی اسرائیل کو بھی اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا۔ (۸۳ : ۲) - (۱۲ : ۵)۔ حضرت عیسٰیؑ زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ (۳۱ : ۱۹)۔ حضرت اسماعیلؑ بھی (۵۵ : ۱۹)۔ مختلف انبیائے بنی اسرائیل۔ (۷۳ : ۲۱)

۳۔ اصل نیکی اس کی ہے جو ایمان کے بعد مال و دولت ضرورت مندوں کو دے اور ایتائے زکوٰۃ کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ "ایتائے زکوٰۃ" مال و دولت دینے کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ (۱۷۷ : ۲)

۴۔ ایتائے زکوٰۃ سے خوف و حزن باقی نہیں رہتا۔ (۲۷۷ : ۲)

۵۔ اہلِ کتاب کے الراسخون فی العلم ایمان لاتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ (۱۶۲ : ۴)

۶۔ مسلمانوں کے دوست مسلمان ہی ہونے چاہئیں جو ایمان لاتے ہیں اور ایتائے زکوٰۃ کرتے ہیں (۵۵ : ۵)-(۷۱ : ۹)

۷۔ حضرت موسےٰؑ سے کہا گیا کہ خدا کی رحمت ان کے ساتھ ہوگی جو ایتائے زکوٰۃ کریں گے۔ (۱۵۶ : ۷)

۸۔ جب مومنین کو تمکن فی الارض عطا ہوگا تو یہ ایتائے زکوٰۃ کریں گے۔ (۴۱ : ۲۲)۔ یعنی ایتائے زکوٰۃ" مشروط ہے تمکن فی الارض (اپنی حکومت) سے (۵۶ - ۵۵ : ۲۴)۔ مومن وہ ہیں جو ایتائے زکوٰۃ کے لئے کام کرتے ہیں۔ (۴ : ۲۳) —— (۹)۔ دین کے جامع پروگرام میں ایتائے زکوٰۃ کا ذکر۔ (۷۸ : ۲۲)

۱۰۔ دنیاوی کاروبار، مومن کو ایتائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرسکتا۔ (۳۷ : ۲۴)

۱۱۔ ربوٰا نہیں بڑھتا۔ جو کچھ تم زکوٰۃ کے لئے دیتے ہو وہ بڑھتا ہے۔ (۳۹ : ۳۰)

۱۲۔ رسول اللہ کی اہل خانہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم۔ حالانکہ حضورؐ کے گھر میں کبھی اتنا مال ہی جمع نہیں ہوا۔ جس پر ہمارے مروّجہ تصور کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوئی ہو۔ (۳۳ : ۳۳)

۱۳۔ ایتائے زکوٰۃ نہ کرنے والے مشرک بھی ہیں اور آخرت کے منکر بھی۔ (۷-۶ : ۴۱)

۱۴۔ سورۂ مزمّل میں ایتائے زکوٰۃ کا حکم۔ (۲۰ : ۷۳)

۱۵۔ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ۔ دینِ قیم ہے۔ (۵ : ۹۸)

تزکیہ

۱۔ شیطان کے اتباع سے نہیں، خدا کی رحمت سے تزکیہ ہوتا ہے (صلاحیتوں کی نشو ونما ہوتی ہے) جو چاہے اسے حاصل کرسکتا ہے۔ (۲۱ : ۲۴)

۲۔ جس نے اپنی ذات کی نشو ونما کرلی وہ کامیاب ہوگیا۔ (۱۴ : ۸۷)۔ (۹ : ۹۱)

۳۔ عائلی قوانین کے اتباع کے بعد کہا کہ یہ تمہارے لئے ازکیٰ واطہر ہے۔ (۲۳۲ : ۲)۔ معاشرتی احکام کے اتباع سے بھی۔ (۲۸ : ۲۴)۔ حفظِ عصمت سے بھی (۳۰ : ۲۴)

۴۔ جو ایتائے زکوٰۃ کرتا ہے، اس سے اس کی اپنی ذات کا تزکیہ ہوتا ہے۔ (۱۸ : ۳۵)

۵۔ تزکیۂ نفس، مال دینے سے ہوتا ہے۔ (۱۸ : ۹۲)

۶۔ اپنے آپ کو مزکّی مت سمجھ لو۔ تزکیہ قوانینِ خداوندی کے مطابق ہوتا ہے۔ (۴۹ : ۴)۔ (۲۱ : ۲۴)۔ (۳۲ : ۵۳) —— (۷) جو تزکیہ کی خاطر آئے اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ (۳ : ۸۰)

۸۔ جو تزکیہ نہ چاہے، اس کا الزام داعی پہ نہیں ہوسکتا۔ (۷ : ۸۰)

۹۔ کتمانِ حقیقت۔ اشتریٰ آیات اللہ۔ سے تزکیہ نہیں ہو سکتا۔ (۲ : ۱۷۴)۔ (۳ : ۷۶)

۱۰۔ رسول اللہ کا فریضہ۔ تعلیم کتاب و حکمت و تزکیہ۔ (۲ : ۱۵۱)۔ (۲ : ۱۲۹)۔ (۳ : ۱۶۳)۔ (۶۲ : ۲)

۱۱۔ حضرت موسٰیؑ نے فرعون سے کہا کہ کیا تو اپنا تزکیہ چاہتا ہے؟ (۷۹ : ۱۸)

۱۲۔ جس کا تزکیہ ہوگا۔ اس کی جزا جنت ہے۔ (۲۰ : ۷۶)

۱۳۔ ان سے صدقہ وصول کر کے ان کا تزکیہ اور تطہیر کر دو۔ (۹ : ۱۰۳)

بمعنی نشو و نما

۱۔ خدا انہیں ایسا بیٹا دے گا جو زیادہ نشو و نما یافتہ ہو گا۔ (۱۸ : ۸۱)۔ حضرت یحییٰؑ بھی اسی قسم کے لڑکے تھے۔ (۱۹ : ۱۳)۔ حضرت عیسٰیؑ بھی۔ (۱۹ : ۱۹)

۲۔ تو نے پلا پوسا لڑکا قتل کر دیا۔ نفساً زکیہ۔ (۱۸ : ۷۴)

۳۔ طعام ازکیٰ۔ وہ کھانا جس سے نشو و نما حاصل ہو۔ (۱۸ : ۱۹)

—(۰)—

۵۔ زمین

ہم نے "ارض و سما" کے عنوان کے تحت "ارض" کو لکھا ہے۔ وہاں "ارض و سما" سے مراد کائنات ہے اور اس اعتبار سے "ارض" کا لفظ کرۂ ارض کے مفہوم میں آیا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں "ارض" کا لفظ ذریعۂ پیداوار (زرعی زمین) کے معنوں میں بھی آیا ہے اور ان معنوں میں بھی جن میں ہم "ملک" (COUNTRY) یا مملکت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ "زمین" کے ان معانی کو خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ان معانی کے لئے "ارض" کا لفظ "زمین" کے عنوان کے تابع بھی لکھ دیا جائے۔ اسی میں یہ حقیقت بھی سامنے آجائے گی کہ زمین (زرعی پیداوار کا ذریعہ ہونے کی جہت سے) انفرادی ملکیت میں لائی جا سکتی ہے یا نہیں۔ یعنی زمین پر کسی فرد کی شخصی ملکیت بھی ہو سکتی ہے یا سورج کی روشنی اور ہوا کی طرح اسے تمام نوع انسان کی پرورش کے لئے عام رہنا چاہیئے۔ اس سوال کو ہمارے زمانے میں خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔

۲۔ ملک یا مملکت کے سلسلہ میں عنوانات "استخلاف" اور "سیاسی نظام" بھی دیکھئے۔ زمین کے ذاتی ملکیت نہ ہونے کے ضمن میں عنوانات رزق اور معاشی نظام ۔

زمین بہ معنی زرعی پیداوار کا ذریعہ

۱۔ بنی اسرائیل کی درخواست کہ ہمارے کھانے کو زمینی پیداوار دی جائے۔ (۲ : ۶۱)

۲۔ زمین پر سبزہ لہلہانے لگتا ہے ۔ (۲۴ : ۱۰) ۔ (۳) ۔ زمین سے نباتات (کھیتی ۔ باغات ۔ وغیرہ) اگتی ہے (۲۲ : ۶۳)

۴۔ بنجر زمین سے نباتات کی پیداوار، آیت اللہ ہے (۲ : ۱۶۴) ۔ (۱۶ : ۶۵) ۔ (۳۶ : ۳۳)

۵۔ زمین سے ہر قسم کی رائیدگی کی پیداوار ۔ (۳۶ : ۳۶)

(مزید تصریحات کے لئے عنوان "زراعت" دیکھئے)

زمین بمعنی ملک ۔ یا مملکت

۱۔ اگر ایک گروہ کی مدافعت کا سامان دوسرے گروہ کے ذریعے نہ ہوتا رہے تو زمین میں فساد ہی فساد رونما ہو جائے ۔ (۲ : ۲۵۱)

۲۔ ہجرت نہ کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی ۔ (۴ : ۹۷) ۔ (۴ : ۱۰۰) ۔ (۲۹ : ۵۶) ۔۔۔ (۳۹ : ۱۰)

۳۔ بنی اسرائیل کا ارضِ مقدس پر قبضہ ۔ (۵ : ۲۱) ۔ فلسطین کی ارضِ مبارک (۲۱ : ۷۱) ۔ (۲۱ : ۸۱)

۴۔ وراثتِ ارض ۔ بمعنی مملکت میں غلبہ و حکومت کا حاصل ہونا ۔

(i) ایک قوم کے بعد دوسری قوم کی وراثتِ ارض ۔ (۷ : ۱۰۰) تمکن (۷ : ۱۲۸) ۔ (۷ : ۱۳۷) ۔ (۱۴ : ۱۴) ۔ (۱۷ : ۱۰۴) ۔ (۳۳ : ۲۷)

(ii) خدا ہی ارض کا وارث ہے ۔ (۱۹ : ۴۰) ۔ صالحین کو اس کا وارث بنا دیا جاتا ہے ۔ (۲۱ : ۱۰۵)

للہ میراث السمٰوٰت والارض ۔ (۳ : ۱۸۰) ۔ ملک السمٰوٰت والارض بھی (۳ : ۱۸۹) ۔ (۵ : ۱۸)

۵۔ غلط نظام کے حاملین کو خدا زمین میں دھنسا کر دے گا ۔ (۱۶ : ۴۵) ۔ قارون کو (۲۸ : ۸۱) ۔ (۲۹ : ۴۰)

۶۔ زمین میں فساد مت کرو ۔ (۲ : ۱۱) ۔ (۲ : ۲۷) ۔ (۲ : ۶۰) ۔ (۲ : ۲۰۵) ۔ (۵ : ۳۳) ۔ (۵ : ۶۴)

(۷ : ۵۶) – (۷ : ۷۴) – (۷ : ۸۵) – (۸ : ۷۳) – (۱۱ : ۸۵) – (۱۱ : ۱۱۶) –
(۱۸ : ۹۴) ——— (۲۶ : ۱۵۲) – (۲۶ : ۱۸۳) – (۲۷ : ۴۸) – (۲۸ : ۷۷) – (۲۹ : ۳۶)
(۳۸ : ۲۸) – (۴۷ : ۲۲)

۷۔ بنی اسرائیل ملک میں چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہے۔ (۵ : ۲۶)

۸۔ بغاوت کی سزا۔ (۵ : ۳۳)

۹۔ تمکن فی الارض - (۶ : ۶) - (۶ : ۱۶۵) - (۷ : ۱۰) - (۷ : ۱۲۹) - (۱۰ : ۱۴) - (۱۲ : ۲۱)
(۱۲ : ۵۵) – (۱۸ : ۸۴) – (۲۲ : ۴۱) – (۲۴ : ۵۵) – (۲۷ : ۶۲) – (۲۸ : ۵-۶) – (۳۲ : ۲۷)
(۳۵ : ۳۹) – (۳۸ : ۲۶)

۱۰۔ تکبر فی الارض بغیر الحق۔ (۷ : ۱۴۶) – (۱۰ : ۲۳) – (۲۸ : ۱۹ ؛ ۳۹ و ۸۳) – (۳۵ : ۴۳) – (۴۰ : ۷۵)
(۴۱ : ۱۵) – (۴۲ : ۴۲) – (۴۶ : ۲۰)

۱۱۔ تم ملک میں کمزور تھے۔ (۸ : ۲۶) – (۲۸ : ۵)

۱۲۔ فرعون کی مملکت۔ (۷ : ۱۱۰) – (۱۰ : ۸۳) – (۲۰ : ۵۷ و ۶۳) – (۲۶ : ۳۵) – (۲۸ : ۴) – (۴۰ : ۲۶)

۱۳۔ ارض الجنۃ کی وراثت جس میں تمام اختیارات حاصل ہوں گے۔ (۳۹ : ۷۴)

۱۴۔ ملک میں جنگ (۸ : ۶۷)

۱۵۔ حضرت یوسفؑ کو خزائن الارض کا منتظم بنا دیا گیا۔ (۱۲ : ۵۵) اسے تمکن فی الارض بھی کہا گیا ہے (۱۲ : ۵۶)

۱۶۔ قریبی ملک (۳۰ : ۳) —— (۱۷) آثار فی الارض۔ (۳۰ : ۹) – (۴۰ : ۲۱) – (۴۰ : ۸۲)

۱۸۔ اہلِ مکہ کا ملک (۲۸ : ۵۷)

زمین پر ذاتی ملکیت کا تصوّر

۱۔ ان سے پوچھو کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟ انہیں کس نے بنایا ہے؟ یہ اعتراف کریں گے کہ یہ اللہ کی ہے۔ (۶ : ۱۲) – (۱۰ : ۳۱) – (۲۹ : ۶۱ و ۶۳) – (۳۱ : ۲۵) – (۲۳ : ۸۴)
(۳۹ : ۱۰) – (۳۹ : ۳۸) – (۴۳ : ۹)

۲۔ زمین کا وارث خدا ہی ہے۔ (۱۹ : ۴۰)

۳۔ زمین کو مخلوق کے فائدے کے لئے پیدا کیا۔ (۱۰ : ۵۵)۔ اسے مستقر بنایا۔ (۳۶ : ۲)۔ سخر لکم (۶۵ : ۲۲)
سب کے لئے رزق (۶۴ ، ۲۷)۔ (۳۱ : ۱۷)۔ (۳ : ۳۵)۔ (۱۳ : ۴۵)

۴۔ زمین کو بساط۔ کِفات۔ مِہاد بنایا۔ (۲۲ : ۲)۔ (۵۳ : ۲۰)۔ (۶۴ : ۴۰)۔ (۱۰ : ۴۳)۔ (۷ : ۵۰)
(۴۸ : ۵۱)۔ (۱۹ : ۷۱)۔ (۲۵ : ۷۷)۔ (۶ : ۷۸)

۵۔ جو کچھ زمین میں ہے اسے تمہارے فائدے کے لئے بنایا۔ (۲۹ : ۲)۔ سو خدا کے ہمسر نہ بناؤ۔

۶۔ لہٗ ما فی السموٰت والارض۔ (۱۱۶ : ۲)۔ (۲۵۵ : ۲)۔ (۱۷۱ : ۴)۔ (۴۰ : ۵)۔ (۲ : ۱۴)۔
(۵۲ : ۱۶)۔ (۶ : ۲۰)۔ (۶۴ : ۲۲)

۷۔ اے نوعِ انسان! جو زمین میں ہے اسے حلال و طیب طریق سے کھاؤ۔ (۱۶۸ : ۲)

۸۔ جو کچھ خدا نے زمین سے تمہارے لئے پیدا کیا ہے اسے کھلا رکھو۔ نیز ماکسبتم کو بھی (۲۶۷ : ۲)

۹۔ للّٰہ ما فی السموٰت وما فی الارض۔ (۲۸۴ : ۲)۔ (۱۰۹ : ۳)۔ (۱۲۹ : ۳)۔ (۱۳۱-۱۳۲؛ ۱۷۰-۱۷۱ : ۴)
(۴۰ : ۵)۔ (۵۵ : ۱۰)۔ (۶۶ : ۱۰)۔ (۲ : ۱۴)۔ (۵۲ : ۱۶)۔ (۶ : ۲۰)۔ (۱۹ : ۲۱)۔ (۱ : ۳۴)
(۴ : ۴۲)۔ (۵۳ : ۴۲)۔ (۲۱ : ۵۳)

۱۰۔ للّٰہ میراث السموٰت والارض۔ (۱۸۰ : ۳)

۱۱۔ زمین میں تمہارے لئے معیشت ہے۔ (۱۰ : ۷)۔ (۲۰ : ۵۴)۔ (۳۲ : ۲۷)۔ اسے تمام ضرورتمندوں
کے لئے یکساں کھلا رکھو (۱۰ : ۹۱)

۱۲۔ خدا کی اونٹنی کو خدا کی زمین میں چرلے دو۔ (۷۳ : ۷)۔ (۶۴ : ۱۱)۔

۱۳۔ تم دیکھتے نہیں کہ زمین کے رقبے کس طرح بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں۔ اور اس طرح
ان کی ملکیتیں سکڑتی جا رہی ہے۔ (۴۱ : ۱۳)۔ (۴۴ : ۲۱)

(نوٹ:۔ خدا نے کعبہ کو بَیتی۔ میرا گھر کہا ہے۔ (۱۲۵ : ۲)۔ (۲۶ : ۲۲)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کعبہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتا۔ یہ وُضِعَ لِلنَّاسِ ہے۔ الناس کے فائدے کے لئے۔ (۹۵ : ۳)۔ اسی طرح جب ارض اللہ کہا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ارض کسی کی ذات ملکیت نہیں ہو سکتی۔ یہ للانام پیدا کی گئی ہے (۱۰ : ۵۵)۔ یعنی تمام مخلوق کے فائدے کے لئے۔)

۶۔ زنا

(نیز دیکھئے فحش)

قرآنِ کریم نے جنسی اختلاط کے ایک طریق کے سوا ہر طریق کو ممنوع، فلہذا زنا قرار دیا ہے۔ وہ جائز طریق نکاح کا ہے یعنی ایک بالغ لڑکی اور بالغ لڑکے کا، بہ طیبِ خاطر، دل و دماغ کی پوری رضامندی کے ساتھ ان حقوق اور ذمہ داریوں کو ساتھ لئے ہوئے جو قرآن نے اس باب میں متعین کی ہیں، میاں بیوی کی حیثیت سے باہمی رفاقت کا معاہدہ۔ اس کے علاوہ جنسی اختلاط کا ہر طریق زنا ہے۔ اس وقت اقوامِ مغرب میں زنا بالجبر قانوناً جرم ہے۔ یا کسی شادی شدہ عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کا اختلاط۔ یہ اس عورت کے خاوند کے حقوق میں دست اندازی متصور ہوتی ہے۔ اگر وہ مرد (یعنی اس عورت کا خاوند) اپنی حق تلفی کے خلاف شکایت کرے تو پھر اسے جرم قرار دیا جائے گا، ورنہ نہیں۔ لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، قرآن کی رو سے، منکوحہ میاں بیوی کے سوا، جنسی اختلاط کی ہر شکل ممنوع اور جرم ہے۔ خواہ وہ باہمی رضامندی سے ہی کیوں نہ ہو۔

عصرِ حاضر کی مغربی تحقیق اب اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ جو قوم اپنی عورتوں کی عصمت کی طرف سے بے اعتنائی برتے۔ وہ زیادہ سے زیادہ تین نسلوں تک رو بہ ترقی رہ سکتی ہے۔ اس کے بعد اس کا انحطاط لازمی ہے۔ قرآن کریم نے اس انحطاط کا راستہ بند کر دیا۔

یہ بھی واضح رہے کہ قرآن کریم صرف عورت سے عصمت کا مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ اسی انداز سے مردوں سے بھی حفاظتِ عصمت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لئے جہاں عورت زنا کی مجرم ہوتی ہے وہاں مرد بھی مجرم قرار پاتا ہے اور دونوں کے جرم کی سزا یکساں ہے۔ (بجز اس کے کہ عورت کے ساتھ زنا بالجبر ہو۔ اس میں عورت مجرم قرار نہیں پا سکتی)

۲۔ اس کے ساتھ عنوان "فحش" بھی دیکھئے۔ زنا ان جرائم میں سے ہے۔ جن کی سزا قرآن نے خود تجویز کی ہے۔

زنا

۱۔ زنا تو ایک طرف، عام بے حیائی کی باتیں بھی ممنوع ہیں۔ اگر کسی عورت سے ایسی بات سرزد ہو تو اس کے خلاف

چار گواہ لاؤ۔ اور جرم ثابت ہونے پر اسے پابندِ مسکن کر دو۔ (۴ : ۱۵)

۲۔ جب دو مرد اسی قسم کی حرکت کریں تو انہیں تکلیف رساں سزا دو۔ لیکن اگر وہ توبہ کریں اور اصلاح کر لیں تو ان سے درگذر کرو۔ (۴ : ۱۶)

۳۔ اگر عورت کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہو تو اسے جو کچھ دیا ہؤا ہو اس میں سے کچھ واپس لیا جا سکتا ہے (یہ فیصلہ عدالت کی طرف سے ہوگا)۔ (۴ : ۱۹)

۴۔ زانی مرد اور زانیہ کی سزا سو کوڑے ہے۔ (۲۴ : ۳)۔ لیکن اگر یہ جرم لونڈی سے سرزد ہو تو اس کی سزا نصف ہے۔ (۴ : ۲۵) — (۵)۔ زنا ظلم ہے۔ (حضرت یوسفؑ کا قول)۔ (۱۲ : ۲۳)

۶۔ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ بے حیائی کی بات ہے اور برائیوں کا پھاٹک کھول دیتا ہے (۱۷ : ۳۲)

۷۔ کامیاب وہ مومن ہیں جو حفاظتِ عصمت کرتے ہیں۔ اختلاط صرف بیویوں سے۔ یا لونڈیوں سے جائز ہے۔ اس کے علاوہ کسی سے نہیں۔ (۲۳ : ۵-۷) — (۷۰ : ۲۹ - ۳۰)۔

(لونڈیوں کے لئے دیکھئے عنوان - ملکِ یمین)

۸۔ زنا۔ مومن کرتے ہی نہیں۔ مشرک کرتے ہیں۔ زانیہ اسی کو کہیں گے جو اپنی مرضی سے زنا کرائے۔ زنا بالجبر میں عورت زانیہ نہیں ہو سکتی۔ (۲۴ : ۳)۔ زانی مرد اور عورت کی شادی۔ (۲۴ : ۳)

۹۔ زنا کی تہمت لگانے والا چار گواہ لائے۔ ورنہ اسی کرڑوں کی سزا دی جائے۔ اور اس کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے۔ مگر جو توبہ کرلے۔ (۲۴ : ۴-۵)

۱۰۔ خود اپنی بیوی کے خلاف تہمت لگانے والے کے متعلق۔ (۲۴ : ۶-۱۰)

۱۱۔ الخبیثٰت للخبیثین .... - (۲۴ : ۲۶)

۱۲۔ مومن مردوں کو حکم کہ نگاہیں بے باک نہ ہونے دیں اور حفاظتِ عصمت کریں (۲۴ : ۳۰)۔ یہی حکم مومن عورتوں کے لئے (۲۴ : ۳۱)

۱۳۔ جسے نکاح کی مقدرت نہ ہو وہ ضبطِ نفس کرے۔ (۲۴ : ۳۳)

۱۴۔ خدا کے بندے زنا نہیں کرتے۔ کیونکہ اس سے انسانی صلاحیتیں مضمحل ہو جاتی ہیں۔ (۲۵ : ۶۸)

۱۵۔ قومِ لوط کے سلسلہ میں کہا کہ اغلام بازی بدترین جرم ہے۔ (۷ : ۸۰)۔ (۲۶ : ۱۶۵)۔ (۲۷ : ۵۴)۔ (۲۹ : ۲۹)

۱۶۔ مومن و مسلم۔ زنا سے بچنے والے مرد اور عورتیں۔ (۳۳ : ۳۵)

۱۷۔ عورت سے بیعت (اقرار) کہ وہ زنا نہیں کریں گی۔ (۶۰ : ۱۲)

۱۸۔ زنا فحش ہے (۳۲ : ۱۷)۔ اور فحش حرام ہے ۔ (۳۳ : ۷)

۱۹۔ حفاظتِ عصمت ۔ (۵ : ۲۳)۔ (۳۱ - ۳۰ : ۲۴)۔ (۳۵ : ۳۳)۔ (۲۹ : ۷۰)۔

حضرت مریم ۔ (۹۱ : ۲۱)۔ (۱۲ : ۶۶)

۷۔ زوج (ازواج)

زوج۔ جوڑے کو کہتے ہیں خواہ ان میں سے ایک چیز دوسرے کے مطابق ہو (جیسے جوتے کے دو پاؤں) یا ایک دوسرے کے مقابل ہوں (جیسے دن اور رات)۔ لیکن مطابق ہوں یا مقابل۔ یہ ایک دوسرے کی تکمیل کا موجب ہوتے ہیں۔ کہ ایک نہ ہو تو دوسرا بیکار رہ جائے۔ جیسے گاڑی کے دو پہیے۔ اسی نسبت سے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا زوج کہتے ہیں (ہمارے ہاں تو صرف بیوی کو زوجہ کہا جاتا ہے۔ لیکن عربی زبان اور قرآن کریم میں، یہ لفظ۔ زوج۔ بیوی کے لئے بھی آتا ہے اور خاوند کے لئے بھی)۔

ایک ہی قسم (نوع) کی بہت سی چیزوں کو بھی ازواج کہا جاتا ہے۔ نیز وہ چیزیں جو باہمدگر ہم رنگ وہم آہنگ ہوں — قرآن کریم نے بتایا ہے کہ کائنات کی ہر شے کے زوج پیدا کئے گئے ہیں۔ اب سائنس کے انکشافات اس کی تائید کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ سلسلۂ ارتقاء انہی ازواج کی رُو سے جاری و ساری ہے۔

جنتی زندگی میں (وہ اس دنیا میں ہو یا آخرت میں) ازواج کا ذکر اکثر آتا ہے۔ اس کے معنی ہم آہنگ اور ہم رنگ رفقاء کے ہیں۔ خواہ وہ میاں بیوی کی شکل میں ہوں یا عام رفقاء کی صورت میں۔ اس سے مراد ہیں، ایک دوسرے کے رفیق۔ 'حور' کے لئے دیکھئے متعلقہ عنوان۔

قصہ آدم (دیکھئے عنوان آدم) میں آدم سے مراد آدمی ہے۔ اس لئے اس کی زوج سے مراد 'عورت' ہے۔ لہٰذا 'آدم اور اس کی زوج' سے مراد ہے، مرد اور عورت کی نوع (نہ کہ میاں بیوی) یہ دونوں جنس انسان (HUMAN SPECIES) کی شاخیں ہیں۔

ازواج بمعنی میاں بیوی

۱۔ حضرت زیدؓ کی مطلقہ کو رسول اللہؐ کی بیوی بنا دیا ۔ (۳۷ : ۳۳)

۲۔ ازواج رسول اللہؐ ۔ (۵۲ : ۳۳)۔(۵ : ۶۶) ۔ (۲۸ : ۳۳)۔(۵۰ : ۳۳) ۔ (۵۹ : ۳۳) ۔
(۳ تا ۱ : ۶۶) ۔ مومنین کی مائیں ۔ (۶ : ۳۳)۔ان سے نکاح حرام تھا ۔ (۵۳ : ۳۳)

۳۔ اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو تو ...... (۲۰ : ۴)

۴۔ مطلقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کی بابت ۔ (۲۳۰ : ۲) ۔ (۲۳۲ : ۲)

۵۔ میاں بیوی میں تفرقہ ڈالنے والے ۔ (۱۰۲ : ۲)

۶۔ حضرت زکریاؑ کی بیوی میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔ (۹۰ : ۲۱)

۷۔ زوج بمعنی خاوند ۔ (۱ : ۵۸) (۸) منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح جائز ہے۔ (۳۷ : ۳۳)

۹۔ بیوہ عورتوں سے متعلق احکام ۔ (۲۳۴ : ۲) ۔ (۲۴۰ : ۲)

۱۰۔ تمام رسولوں کے بیوی بچے ہوتے تھے (۳۸ : ۱۳) ۔ (۱۱)۔ترکہ کے احکام میاں بیوی کے متعلق۔ (۱۲ : ۴)

۱۲۔ میاں بیوی سے اولاد۔ بیٹے، پوتے ۔(۷۲ : ۱۶) ۔ (۱۳)۔لغو قسموں سے بیوی، ماں نہیں بن جاتی ۔ (۴ : ۳۳)

۱۴۔ ماں، باپ، بیوی بچے، جہاد سے عزیز نہیں ہونے چاہئیں ۔(۲۴ : ۹)۔ یہ دشمن اور فتنہ بن جایا کرتے ہیں
(۱۵-۱۴ : ۶۴) ۔ (۱۵)۔مہاجر بیویوں کے متعلق احکام ۔ (۱۱ : ۶۰)

۱۶۔ بیوی بچے، آنکھوں کی ٹھنڈک کا موجب ۔ (۷۴ : ۲۵)

۱۷۔ جنسی تمتع صرف بیویوں اور ما ملکت ایمانکم کے ساتھ جائز ہے ۔(۶ : ۲۳) ۔ (۳۰ : ۷۰)

۱۸۔ بیوی کے خلاف تہمت کے احکام ۔ (۶ : ۲۴)

جنت میں ازواج

۱۔ حوروں کے ساتھی ۔ (۵۴ : ۴۴) ۔ (۲۰ : ۵۲) ۔ 'حوروں' کے متعلق دیکھئے عنوان حور اور جنت

۲۔ ازواج مطہرات ۔ (۲۵ : ۲) ۔(۵۷ : ۴) ۔ (۳) تم اور تمہارے ازواج جنت میں داخل ہو جاؤ۔
(۵۶ : ۳۶)۔(۷۰ : ۴۳) ۔ صالح ازواج ۔(۲۳ : ۱۳) ۔ (۸ : ۴۰)

انسانی تخلیق

۱۔ نفسِ واحدہ سے تخلیقِ ازواج - (۴ : ۱) - (۷ : ۱۸۹) - (۳۹ : ۶)

۲۔ تمہاری اپنی جنس سے جوڑے بنائے۔ (۱۶ : ۷۲) - (۲۶ : ۱۶۶) - (۳۰ : ۲۱) - (۳۵ : ۱۱) - (۴۲ : ۱۱) - (۷۸ : ۸)

آدم اور اس کی زوج (بمعنی مرد اور عورت)

۱۔ آدم اور اس کی زوج جنت میں - (۲ : ۳۵) - (۷ : ۱۹) - (۲۰ : ۱۱۷)

ازواج بمعنی ذکور واناث

۱۔ خدا نے ذکور واناث جوڑے بنائے - (۵۳ : ۴۵) - (۷۵ : ۳۹)

۲۔ ذکور کے مقابلہ میں ازواج (۶ : ۱۲۹)

اشیائے کائنات میں زوجین

۱ جنت کے ہر پھل کے جوڑے - (۵۵ : ۵۲)

۲۔ حضرت نوحؑ سے کہا کہ اپنی کشتی میں ہر شے کے دو دو جوڑے رکھ لے۔ (۱۱ : ۴۰) - (۲۳ : ۲۷)

۳۔ زمین میں ہر شے کے دو دو جوڑے - (۱۳ : ۳) - (۳۶ : ۳۶) - (۵۱ : ۴۹)

۴۔ مویشیوں کے جوڑے (۶ : ۱۴۳) - (۳۹ : ۶) - (۴۲ : ۱۱)

ازواج بمعنی انواع واقسام

۱۔ زمین میں انواع و اقسام کی چیزیں پیدا کی جاتی ہیں (۲۰ : ۵۳) - (۲۲ : ۵) - (۲۶ : ۷) - (۳۱ : ۱۰) - (۴۳ : ۱۲) - (۵۰ : ۷)

۲۔ دنیا کی آسائشوں کی انواع واقسام کی چیزیں - (۱۵ : ۸۸) - (۲۰ : ۱۳۱)

۳۔ اُخروی زندگی میں انسانوں کی تین اقسام - (۷ : ۵۶)

زوج کے معنی اکٹھا کر دینا

۱۔ کسی کو بیٹے اور بیٹیاں اکٹھی دے دی جاتی ہیں۔ (۵۰ : ۴۲)

۲۔ جب نفوس کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ (۷ : ۸۱)

ازواج بمعنی ہم آہنگ۔ایک ہی نوع کی چیزیں

۱۔ جہنم میں مختلف عذابوں کے ہم رنگ عذاب - (۵۸ : ۳۸)

ہم خیال وہم مسلک لوگ - (۲۲ : ۳۷)

۸۔ زینت

ہر خوشنما چیز کو زینت کہا جاتا ہے - خدا نے کائنات کو مزیّن بنایا ہے۔یعنی اشیائے کائنات کی حیثیت صرف افادی نہیں بلکہ ان میں ذوقِ جمالیات کی تسکین کا سامان بھی رکھ دیا گیا ہے۔اس لئے ان سے لذت اندوز ہونا ان کے تخلیقی مقصد کو پورا کرنا ہے، اور ان سے مجتنب رہنے یا انہیں قابلِ نفرت سمجھنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم خدا پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے انہیں پیدا کیوں کر دیا؟ — لیکن اگر یہ چیزیں، ان حدود سے تجاوز کا موجب بن جائیں جو خدا نے انسانوں کے لئے متعین کی ہیں تو پھر یہ شیطانی عمل ہو جائے گا۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں کہا گیا ہے کہ "شیطان نے فلاں بات لوگوں کی نگاہوں میں مزیّن کر کے دکھا دی" ان کے غلط اعمال ان کی نظروں میں حسین بن کر دکھائی دینے لگے۔ قرآن کریم نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے۔ یہ گمراہی کی انتہا ہے کہ انسان کے غلط کام اسے خوشنما، جاذب اور مزیّن بن کر دکھائی دیں۔اس صورت میں وہ ان سے مجتنب رہ ہی نہیں سکتا۔ برائی کا برائی نظر آنا، اصلاح کی اولیں امکانی شرط ہے۔لیکن غلط معاشرہ میں جب برائی عام ہو جائے تو پھر وہ برائی نگاہوں میں کھٹکتی نہیں۔اس کا نتیجہ اس معاشرہ کی تباہی ہوتا ہے۔

خدا کی پیدا کردہ اشیائے زینت

۱۔ لوگوں کے لیۓ عورتوں کی محبت - اولاد - دولت - گھوڑے - مولیشی - کھیتی - مزین بنا دیئے گئے ہیں - لیکن یہ بہر حال
دنیاوی متاع ہیں - اس لیۓ منتہائے مقصود نہیں بن سکتے - (۳ : ۱۴) — (۱۸ : ۴۶) —
(۲۸ : ۶۰) — (۵۷ : ۲۰)

۲۔ سماء الدنیا — ہم نے قریب تر فضا کو ستاروں سے مزیّن کر دیا - (۱۵ : ۱۶) — (۳۷ : ۶) —
(۴۱ : ۱۲) — (۵۰ : ۶) — (۶۷ : ۵)

۳۔ اے بنی آدم - تم خدا کی اطاعت کے ہر گوشے میں زینت اختیار کرو - (۷ : ۳۱)

۴۔ ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو خدا کی پیدا کردہ زینت کو حرام قرار دے - یہ دنیا میں مومن و کافر سب کے لیۓ
ہے - لیکن یوم القیامت کو صرف مومنین کے لیۓ ہوگی - (۷ : ۳۲)

۵۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ بارِ الٰہا ! تو نے فرعون اور اس کی قوم کو سامانِ زینت اور متاعِ حیات اس لیۓ دے رکھا
ہے کہ وہ لوگوں کو تیرے راستے سے روکیں ؟ (۱۰ : ۸۸)

۶۔ زمین پر جو کچھ ہے اس کے لیۓ باعثِ زینت ہے - یہ اس لیۓ کہ لوگوں کو حسنِ عمل کے مواقع دیئے جائیں -
(۱۸ : ۷) - (۷) رسول اللہ سے کہا گیا کہ تیرے رفقا تیرے ہم سفر ہیں - غریب ہیں - مخالفین کے پاس سامانِ زینت
ہے - ان کا ساز و سامان تمہیں اس پر مائل نہ کر دے کہ تو اپنے ساتھیوں کی طرف سے بے اعتنائی برتنے لگے -
(۱۸ : ۲۸) - (۸) سواری کے جانوروں کا افادی پہلو بھی ہے اور زینت بھی - (۱۶ : ۸)

۹۔ جو صرف دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے اسے یہ کچھ مل سکتا ہے - لیکن اخروی زندگی میں ان کا کچھ حصہ
نہیں ہوتا - (۱۱ : ۱۵-۱۶) — (۲۸ : ۶۰)

۱۰۔ ازواجِ رسولؐ اللہ سے کہا گیا کہ اگر دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو میں تمہیں رخصت کئے
دیتا ہوں - (۳۳ : ۲۸-۲۹)

۱۱۔ مومنوں کے دلوں میں ایمان مزیّن بن جاتا ہے - (۴۹ : ۷)

جب غلط کام مزیّن بن کر دکھائی دیتے ہیں

۱۔ کفار حیاتِ دنیا ہی کو مزیّن سمجھتے ہیں ۔ (۲ : ۲۱۲)

۲۔ یوں کفار کے غلط کام انہیں مزیّن دکھائی دیتے ہیں۔ (۶ : ۱۲۳)

۳۔ مشرکین کے خدا انہیں قتلِ اولاد جیسے عمل کو بھی مزیّن بنا کر دکھاتے ہیں۔ (۶ : ۱۳۸)

۴۔ کفار کے سوءِ عمل انہیں مزیّن دکھائی دیتے ہیں ۔ (۹ : ۳۷) ۔ مسرفین کے بھی ۔ (۱۰ : ۱۲)

۵۔ کفار کی تدبیریں انہیں مزیّن دکھائی دیتی ہیں ۔ (۱۳ : ۳۳)

۶۔ وہ جس کے غلط اعمال اسے مزیّن بن کر دکھائی دیں اور وہ انہیں بڑا خوبصورت دیکھے ۔ (۳۵ : ۸)

۷۔ فرعون کے غلط اعمال اس کی نگاہوں میں مزیّن بن گئے ۔ (۴۰ : ۳۷)

۸۔ غلط اعمال ان کی نگاہوں میں مزیّن بنتے ہیں جو اپنے جذبات کا اتباع کرتے ہیں۔ یہ اس شخص جیسے نہیں ہو سکتے جو علیٰ وجہ البصیرت چلتا ہے ۔ (۴۷ : ۱۴)

۹۔ جنگِ بدر میں، شیطان نے مخالفین کے اعمال کو مزیّن بنا کر دکھایا ۔ (۸ : ۴۸)

۱۰۔ یہ خیال مخالفین و منافقین کے دل میں مزیّن بن گیا کہ مومنین کو شکستِ فاش ہوگی ۔ (۴۸ : ۱۲)

۱۱۔ اقوامِ سابقہ کی طرف رسول آئے لیکن ان کی نگاہوں میں اپنے غلط اعمال مزیّن بن کر دکھائی دیئے۔ سو انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (۶ : ۴۳ ؛ ۱۰۹) ۔ (۱۶ : ۶۳) ۔ (۲۹ : ۳۸)

۱۲۔ حیاتِ اخروی کے منکرین کے اعمال مزیّن بن جاتے ہیں ۔ (۲۷ : ۴)

۱۳۔ غلط کار لوگوں کے مصاحب اور دوست ان کے غلط کاموں کو مزیّن بنا کر دکھاتے ہیں ۔ (۴۱ : ۲۵)

۱۴۔ قومِ سبا، سورج کی پرستش کرتی تھی اور ان کا مسلک ان کی نگاہوں میں مزیّن بن چکا تھا۔ (۲۷ : ۲۴)

۱۵۔ ابلیس نے چیلنج دیا کہ میں ہر غلط کام کو ابنِ آدم کی نگاہوں میں مزیّن بنا دوں گا ۔ (۱۵ : ۳۹)

اظہارِ زینت

۱۔ مومن عورتیں اپنی زینت کو بہ قصد نمایاں نہ کریں بجز اپنے محرموں کے ۔ (۲۴ : ۳۱)

۲۔ سن رسیدہ عورتیں بھی جب اوپر کے کپڑے اتار دیں تو بھی اپنی زینت کو مت ابھار دیں ۔ (۲۴ : ۶۰)

متفرق

۱۔ سامری نے بنی اسرائیل کے زیورات (زینت) لے کر گوسالہ بنا دیا۔ (۸۷ : ۲۰)

۲۔ فرعون نے یوم الزینت کو مقابلہ کا دن مقرر کیا۔ (۵۹ : ۲۰)

۳۔ قارون اپنی زیب و زینت کے ساتھ باہر نکلتا تھا۔ (۷۹ : ۲۸)

۴۔ زمین کی لہلہاتی سبزیاں وجہِ زینت بن جاتی ہیں۔ (۲۴ : ۱۰)

س

۱۔ سائل - سوال

(فقیر)

سائل - اس کے بنیادی معنی ضرورت مند کے ہوتے ہیں۔ سوال کا لفظ، کچھ پوچھنے کے معنوں میں اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ پوچھنے والے کو اس بات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے پوچھنے سے مراد ذمہ دار ٹھہرانا بھی ہوتا ہے۔

فقیر - اس شخص کو کہتے ہیں جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ یعنی شکستہ کمر۔ اس سے اس کے معنی محتاج کے ہو گئے اس کے مقابلہ میں لفظ غنی آتا ہے۔

سوال - بمعنی کسی بات کا دریافت کرنا

۱۔ تم رسول سے اس طرح کی باتیں نہ پوچھو جس طرح کی حضرت موسیٰ سے پوچھی جاتی تھیں۔ (۱۰۸ : ۲)

۲۔ سائل تم سے، آنے والے عذاب کے متعلق پوچھتا ہے۔ (۱ : ۷۰)

۳۔ زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تجھے بالآخر کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا۔ (۸ : ۸۱)

متفرق

۱۔ سامری نے بنی اسرائیل کے زیورات (زینت) لے کر گوسالہ بنا دیا ۔ (۸۷ : ۲۰)

۲۔ فرعون نے یوم الزینت کو مقابلہ کا دن مقرر کیا ۔ (۵۹ : ۲۰)

۳۔ قارون اپنی زیب و زینت کے ساتھ باہر نکلتا تھا ۔ (۷۹ : ۲۸)

۴۔ زمین کی لہلہاتی سبزیاں وجہ زینت بن جاتی ہیں ۔ (۲۴ : ۱۰)

س

۱۔ سائل ۔ سوال

(فقیر)

سائل ۔ اس کے بنیادی معنی ضرورت مند کے ہوتے ہیں ۔ سوال کا لفظ ، کچھ پوچھنے کے معنوں میں اس لئے استعمال ہوتا ہے کہ پوچھنے والے کو اس بات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے پوچھنے سے مراد ذمہ دار ٹھہرانا بھی ہوتا ہے ۔
فقیر ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو ۔ یعنی شکستہ کمر ۔ اس سے اس کے معنی محتاج کے ہوگئے اس کے مقابلہ میں لفظ غنی آتا ہے ۔

سوال ۔ بمعنی کسی بات کا دریافت کرنا

۱۔ تم رسول سے اس طرح کی باتیں نہ پوچھو جس طرح کی حضرت موسٰی سے پوچھی جاتی تھیں ۔ (۱۰۸ : ۲)

۲۔ سائل تم سے ، آنے والے عذاب کے متعلق پوچھتا ہے ۔ (۱ : ۷۰)

۳۔ زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تجھے بالآخر کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا ۔ (۸ : ۸۱)

۴۔ حضرت موسیٰ کے اس بزرگ سے سوالات ۔ (۶۰ - ۷۷ : ۱۸)

۵۔ پوچھنے کے معنوں میں ۔ (۶۵ : ۹) ۔ کسی سے کچھ کرنے کے لئے کہنے کے معنوں میں ۔ (۱۵۲ : ۴)-(۱۴ : ۳۳)

۶۔ اگر ان سے پوچھو کہ کائنات کو کس نے پیدا کیا اور کون اسے چلا رہا ہے تو یہ کہیں گے کہ اللہ نے ۔ (۶۱-۶۳ : ۲۹)
(۲۵ : ۳۱) - (۳۸ : ۳۹) - (۹ : ۴۳) - (۸۷ : ۴۳)

۷۔ جب میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہدو کہ میں قریب ہوں ۔ (۱۸۶ : ۲)

۸۔ جو باتیں قرآن نے خود بیان نہیں کیں ان کی بابت مت پوچھا کرو۔ (۱۰۱-۱۰۲ : ۵)

۹۔ جہنم کا داروغہ اہلِ جہنم سے پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس خدا کے نذیر نہیں آئے تھے ؟ (۸ : ۶۷)

۱۰۔ اے رسول! تجھ سے لوگ پوچھتے ہیں ۔

ساعت کی بابت (۱۸۷ : ۷)-(۶۳ : ۳۳)-(۴۲ : ۷۹) ۔ یوم الدین کی بابت (۱۲ : ۵۱)۔ نئے چاند کی بابت ۔ (۱۸۹ : ۲)۔ ہم کس قدر دوسروں کے لئے دیدیں ۔ ان سے کہہ دو کہ جس قدر تمہاری ضروریات سے زائد ہے ۔ (۲۱۵ : ۲) - (۲۱۹ : ۲) ۔ شہر الحرام میں جنگ کی بابت (۲۱۷ : ۲) ۔ خمر اور میسرہ کی بابت (۲۱۹ : ۲) ۔ حلال کی بابت (۴ : ۵) - انفال کی بابت (۱ : ۸) یتامیٰ کی بابت ۔ (۲۲۰ : ۲)۔ حیض کی بابت (۲۲۲ : ۲) ۔ الروح ۔ یعنی وحی کی ماہیت کے متعلق (۸۵ : ۱۷) ۔ ذوالقرنین کی بابت (۸۳ : ۱۸) جبال کی بابت (۱۰۵ : ۲۰) ۔ آنے والے عذاب کے متعلق (۱ : ۷۰)

۱۱۔ اصحابِ کہف نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ ہم کتنی مدت غار میں رہے ہوں گے (۱۹ : ۱۸)

۱۲۔ اہلِ جنت ایک دوسرے سے پوچھیں گے ۔ (۵۰ : ۳۷) - (۲۵ : ۵۲) - (۴۰ : ۷۴)

۱۳۔ اہلِ جہنم کی باہمی گفتگو ۔ (۶۶ : ۲۸) - (۲۷ : ۳۷)

۱۴۔ لوگ ایک دوسرے سے نبائے عظیم کے متعلق پوچھتے ہیں ۔ (۱-۲ : ۷۸)

۱۵۔ قیامت میں نہ حسب نسب کام آئے گا ۔ نہ ایک دوسرے کی بابت پوچھے گا ۔ (۱۰۱ : ۲۳)

۱۶۔ داستانِ بنی اسرائیل جو قرآن میں بیان ہو رہی ہے، اس کے متعلق، کچھ شبہ ہو تو خود بنی اسرائیل سے پوچھو کہ یہ کوائف صحیح ہیں یا نہیں ۔ (۲۱۱ : ۲) - (۹۴ : ۱۰) - (۱۰۱ : ۱۷) ۔ اہل الذکر سے پوچھ لو ۔ (۴۳ : ۱۶)-(۷ : ۲۱)

۱۷۔ خدا کی صفات کے متعلق اس سے پوچھو جسے اس کی خبر ہے ۔ (۵۹ : ۲۵)

۱۸۔ حیات بعد الممات میں باہمی گفتگو ۔ اس سے پوچھو جو ان باتوں کو شمار کرتا تھا ۔ (۱۱۳ : ۲۳)

۱۹۔ برادرانِ یوسف نے باپ سے یہ کہنے کی تجویز کی کہ ہماری صداقت کے متعلق اس بستی کے باشندوں سے پوچھ لو جہاں
سے ہم آئے ہیں ۔ (۱۲ : ۸۲)

۲۰۔ انبیاءؑ سابقہ سے پوچھو کہ کیا ان کی تعلیم بھی توحید ہی کی نہیں تھی! (۴۳ : ۴۵)

۲۱۔ سبت کے متعلق دریا کے کنارے بسنے والے لوگوں سے پوچھو ۔ (۷ : ۱۶۳)

۲۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے پجاریوں سے کہا کہ اگر یہ بت بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھ لو ۔ (۲۱ : ۶۳)

۲۳۔ انسان پوچھتا ہے کہ قیامت کب ہو گی! (۷۵ : ۶)

۲۴۔ قیامت میں کوئی دوست کسی دوست کی بابت نہیں پوچھے گا ۔ (۷۰ : ۱۰)

کسی کو ذمہ دار قرار دینا ۔ پوچھ گچھ کرنا

۱۔ اے رسولؐ! یہ لوگ جو تمہاری تبلیغ کے باوجود، غلط روش پر چل کر جہنم پہنچ جائیں گے ۔ ان کی بابت تمہیں
ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا ۔ (۲ : ۱۱۹)

۲۔ جو کچھ تم افترا کرتے ہو اس کی بابت تم سے پوچھا جائے گا ۔ (۱۶ : ۵۶)

۳۔ اس دن تم سے نعمائے خداوندی کے متعلق پوچھا جائے گا ۔ (۱۰۲ : ۸)

۴۔ تم سے تمہارے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا ۔ (۱۶ : ۹۳)

۵۔ مترفین سے کہا کہ اپنے مساکن کی طرف لوٹو تاکہ تم سے (تمہارے مال و دولت کے متعلق) پوچھا جائے (۲۱ : ۱۳)

۶۔ اس قرآن میں تمہارے ہی شرف و مجد کی باتیں ہیں ۔ سو تم سے اس کی بابت پوچھا جائے گا ۔ (۴۳ : ۴۴)

۷۔ اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ نہ تم سے ہمارے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا ۔ نہ ہم سے تمہارے اعمال کی بابت ۔
(۳۴ : ۲۵) ۔ (۸) تم سے یہ قطعاً نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے اسلاف نے کیا کیا تھا ۔ (۲ : ۱۳۴)۔(۲ : ۱۴۱)

۹۔ تم نے جو کسی سے عہد کیا ہو گا تو اس کی بابت تم سے پوچھا جائے گا ۔ (۱۷ : ۳۴)

۱۰۔ جس بات کا تمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے مت لگ جایا کرو ۔ یاد رکھو ۔ تمہاری سماعت ۔ بصارت اور فؤاد ، ہر
ایک سے اس کی بابت پوچھا جائے گا ۔ (۱۷ : ۳۶)

۱۱۔ یہ تمہارے رب کا ایسا وعدہ ہے جس کی بابت تم اس سے پوچھ سکتے ہو ۔ (۲۵ : ۱۶)

۱۲۔ جو وعدہ تم خدا سے کرو اس کی بابت تم سے پوچھا جائے گا ۔ (۳۳ : ۱۵)

۱۳۔ اہلِ جہنم سے ان کے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا۔ (۲۴ : ۳۷)
۱۴۔ رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ہمارا پیغام پہنچا دیا تھا۔ اور لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس پیغام کو سن کر کیا کیا تھا ۔ (۶ : ۷)
۱۵۔ تمام لوگوں سے ان کے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا ۔ (۹۲ : ۱۵)
۱۶۔ خدا سے نہیں پوچھا جا سکتا کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ لوگوں سے پوچھا جا سکتا ہے ۔ (۲۳ : ۲۱)
۱۷۔ قیامت میں کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی ۔ (۸۷ : ۲۸) ۔ (۳۹ : ۵۵)
۱۸۔ ایمان لانے والوں سے ان کے ایمان کی صداقت کی بابت پوچھا جائے گا۔ (۸ : ۳۳)
۱۹۔ قیامت میں ان کے افترا کی بابت پوچھا جائے گا ۔ (۱۳ : ۲۹)
۲۰۔ یہ لوگ ملائکہ کو دیویاں بنا لیتے ہیں۔ ان سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ (۱۹ : ۴۳)

سوال بمعنی احتیاج ۔ مانگنا ۔ طلب کرنا

۱۔ حضرت داؤد کے سامنے پیش ہونے والے قضیہ میں 'امیر آدمی' اپنے غریب بھائی کی ——— ایک دُنبی کو اپنے لئے مانگ رہا تھا ۔ اس کے لئے لفظ سؤال آیا ہے ۔ (۲۴ : ۳۸)
۲۔ کوئی رسول اجرِ رسالت نہیں مانگتا تھا۔ (۹۱ : ۶) ۔ (۷۲ : ۱۰) ۔ (۲۹ : ۱۱) ۔ (۵۱ : ۱۱) ۔ (۱۰۴ : ۱۲) ۔ (۷۲ : ۲۳) ۔ (۵۷ : ۲۵) ۔ (۱۰۹ : ۲۶) ۔ (۱۲۷ : ۲۶) ۔ (۱۴۵ : ۲۶) (۱۶۴ : ۲۶) ۔ (۱۸۰ : ۲۶) ۔ (۴۷ : ۳۴) ۔ (۲۱ : ۳۶) ۔ (۸۶ : ۳۸) ۔ (۲۳ : ۴۲) (۴۰ : ۵۲) ۔ (۴۶ : ۶۸)
۳۔ بنی اسرائیل نے جو کچھ مانگا تھا انہیں دے دیا گیا ۔ (۶۱ : ۲)
۴۔ زندگی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ خدا نے تمہیں عطا کر دی ہیں ۔ انسان خود ہی زیادتی کرتا اور انہیں چھپ کر رکھ لیتا ہے ۔ (۳۴ : ۱۴)
۵۔ جب تم نے کوئی چیز مانگنی ہو تو گھر کے باہر سے آواز دے کر مانگا کرو۔ (۵۳ : ۳۳)
۶۔ حضرت موسیٰ نے خدا سے درخواست کی تو جواب ملا کہ ہم نے تیری مانگ عطا کر دی۔ (۳۶ : ۲۰)
۷۔ سائل کو جھڑکو مت ۔ (۱۰ : ۹۳)

۸۔ لوگوں کے مال میں سائل اور محروم کا حق ہے ۔ (۱۹ : ۵۱) ۔ حقِ معلوم (۲۵-۲۴ : ۷۰)

۹۔ زمین تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلی رہنی چاہیئے ۔ (۱۰ : ۴۱)

۱۰۔ سائل (ضرورت مندوں) کی مالی امداد کرنا ضروری ہے ۔ یہی اصل نیکی ہے ۔ (۱۷۷ : ۲)

۱۱۔ جو لوگ حقائق معلوم کرنے کے ضرورت مند ہوں ان کے لئے قصۂ یوسفؑ میں آیات ہیں ۔ (۷ : ۱۲)

۱۲۔ حضرت نوحؑ سے کہا گیا کہ اس بات کی خدا سے طلب مت کرو جس کا علم نہ ہو ۔ (۴۷-۴۶ : ۱۱)

۱۳۔ خدا سے اس کا فضل طلب کیا کرو ۔ (۳۲ : ۴)

۱۴۔ مہاجر عورتوں کے سلسلہ میں ہدایت کہ جو کچھ ان پر صرف آیا ہو وہ قریشِ مکہ کو دے دو اور جو کچھ تمہارا خرچ آیا ہو وہ ان سے لے لو ۔ (۱۰ : ۶۰)

۱۵۔ تم ایک دوسرے سے وہ حقوق مانگتے ہو جو رشتۂ ارحام کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں ۔ (۱ : ۴)

۱۶۔ اہلِ کتاب تم سے کہتے ہیں کہ آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب لاکر دکھاؤ ۔ انہوں نے موسیٰؑ سے اس سے بھی بڑھ کر سوال کیا تھا ۔ اس سے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو دکھاؤ ۔ (۱۵۳ : ۴)

۱۷۔ خدا تم سے اپنے لئے مال و دولت کا خواہاں نہیں ۔ (۳۷-۳۶ : ۴۷)

۱۸۔ کائنات کی ہر شے اپنی ربوبیت کے لئے خدا کی محتاج ہے ۔ (۲۹ : ۵۵)

متفرق

۱۔ مومنین سے کہا گیا کہ مشرکین سے کوئی سروکار نہ رکھو ۔ اگر تمہیں مفلسی کا ڈر ہے تو خدا تمہیں ان سے مستغنی کر دیگا ۔ (۲۸ : ۹)

۲۔ ابتدائے اسلام میں جماعتِ مومنین کی ناداری کا عالم ۔ جہاد کے لئے سواری تک نہیں ہوتی تھی ۔ (۹۲ : ۹) اس کے باوجود، وہ دوسروں کی ضروریات کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے تھے ۔ (۹ : ۵۹)

۳۔ خدا نے حضورؐ کو محتاج پایا تو غنی کر دیا ۔ (۸ : ۹۳)

فقیر

۱۔ وہ محتاج جو خدا کی راہ میں کہیں محصور ہو جائیں اور غیرت کا یہ عالم ہو کہ کسی کے پیچھے پڑ کر مانگیں نہیں ۔ ان کی محتاجی ان کے چہرے سے پہچانی جا سکے ۔ (۲۷۳ : ۲)

۲۔ شیطان تمہیں احتیاج (فقر) سے ڈراتا ہے ۔ (۲ : ۲۶۸)

۳۔ شادی کے بعد تمہاری ضروریات بڑھ جائیں گی تو نظامِ خداوندی تمہاری مدد کرے گا ۔ (۲۴ : ۳۲)

۴۔ صدقات ، فقراء کو دو ۔ (۲ : ۲۷۱) ۔ (۹ : ۶۰)

۵۔ اے لوگو! تم سب خدا کے محتاج ہو ۔ اور خدا کسی کا محتاج نہیں ۔ (۳۵ : ۱۵) ۔ (۴۷ : ۳۸)

۶۔ مالِ فے محتاج مہاجرین کے لئے ۔ (۵۹ : ۸)

۷۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا محتاج ہے ۔ ہم غنی ہیں ۔ (۳ : ۱۸۰)

۸۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ بارالہا! تو مجھے جو کچھ عنایت کردے میں اس کا محتاج ہوں ۔ (۲۸ : ۲۴)

۹۔ حج میں گوشت محتاجوں کو کھلاؤ ۔ (۲۲ : ۲۸)

۱۰۔ یتیم کا منصرم اگر صاحبِ احتیاج ہو تو وہ معاوضہ لے سکتا ہے ۔ (۴ : ۶)

۱۱۔ گواہی سچی دو خواہ فریقِ متعلقہ امیر ہو یا غریب ۔ (۴ : ۱۳۵)

۲۔ ساعت

الساعۃ ۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ہلاکت اور تباہی کے ہیں ۔ قوموں کے جرائم اندر ہی اندر (مرتب) کئے جاتے ہیں ۔ لیکن آخر وہ وقت آجاتا ہے جب وہ قوم اپنی تباہی کے انجام تک پہنچ جاتی ہے ۔ اسے الساعۃ کہا جاتا ہے ۔ یعنی انقلاب کی گھڑی ۔ حق و باطل کی کشمکش میں یہ وہ مقام ہوتا جہاں باطل کھل کر حق کے مقابلے میں نبرد آزما ہو جاتا ہے اور اسے ایسی شکستِ فاش ہوتی ہے کہ وہ پھر حق کے سامنے آ نہیں سکتا ۔ کشمکش کی اس گھڑی کو بھی الساعۃ کہہ کر پکارا گیا ہے ۔

چونکہ زندگی اسی دنیا کی زندگی نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی مسلسل آگے چلتی ہے ۔ اس لئے حیاتِ اخروی میں ظہورِ نتائج کے وقت کو بھی الساعۃ سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ غرضیکہ الساعۃ اعمال کے نتائج کے ظہور کا وقت ہے خواہ وہ اس دنیا میں سامنے آجائے اور خواہ مرنے کے بعد آئے ۔ اس دنیا میں اس قسم کے انقلاب انگیز لمحات " انسانی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں ۔ کیونکہ اس سے تاریخ ایک نیا موڑ مڑتی ہے ۔

ویسے یہ لفظ محض وقت کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔ جیسے ہم گھڑی دو گھڑی کہتے ہیں ۔ عام طور پر یہ تھوڑے

سے وقت کے لئے استعمال ہوتا ہے - یہ اس لئے کہ وقت کے لمحات گذر کر واپس نہیں آتے - ہر لمحۂ گذراں ہمارے نقطۂ نگاہ سے ختم ہو جاتا ہے - اس لئے اس میں اس کی گویا ہلاکت ہوتی ہے -

الساعۃ بمعنی عام وقت

۱- ہر قوم کے اعمال کے ظہورِ نتائج کا ایک وقت ہوتا ہے - جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر ایک ساعت کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی - (۳۴ : ۷) - (۴۹ : ۱۰) - (۶۱ : ۱۶) - (۳۰ : ۳۴)
۲- اس دن لوگ کہیں گے کہ ہم یونہی دن کا تھوڑا سا وقت ہی رہے ہیں - (۴۵ : ۱۰) - (۵۵ : ۳۰) - (۳۵ : ۴۶)
۳- اصحابِ رسول اللہ، جنہوں نے ساعتِ عسرت میں حضورؐ کا اتباع کیا - (۱۱۷ : ۹)

الساعۃ بمعنی انقلاب کی گھڑی

۱- جب الساعۃ آئے گی تو مجرمین کہیں گے کہ ہم یونہی تھوڑا سا وقت ہی رہے ہیں - (۵۵ : ۳۰)
۲- جب انقلاب کی گھڑی اچانک آجائے گی تو غلط کار لوگوں کو سخت پشیمانی ہوگی - (۳۱ : ۶)
۳- ان سے کہو کہ اگر وہ الساعۃ آگئی تو تمہیں خدا کے عذاب سے کون بچائے گا - (۴۰ : ۶)
۴- الساعۃ ایسے اچانک آجاتی ہے کہ اس کی آمد کا شعور تک نہیں ہوتا - (۱۰۷ : ۱۲) - (۶۶ : ۴۳)
۵- قانونِ مکافات سے انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ الساعۃ کبھی نہیں آئے گی - ان سے کہو کہ وہ ضرور آکر رہے گی - ہر عمل اپنا نتیجہ مرتب کئے جا رہا ہے - (۳ : ۳۴)
۶- یہ لوگ قانونِ مکافات کے متعلق شک ہی میں رہیں گے تا آنکہ انقلاب کی گھڑی ان کے سامنے نہ آجائے - اس وقت اختیار و اقتدار سب خدا کے لئے ہوگا - وہ ان میں فیصلہ کر دے گا - (۵۶ : ۲۲)
۷- جس دن الساعۃ ان کے سامنے آکر کھڑی ہو جائے گی تو مجرمین مایوس ہو جائیں گے - اور ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ کر الگ الگ ہو جائیں گے - (۱۴-۱۲ : ۳۰) - ہر قوم گھٹنوں کے بل جھک جائے گی - (۲۸-۲۷ : ۴۵)
۸- الساعۃ کھڑی ہو گی تو اہلِ فرعون کو سخت عذاب دیا جائے گا - (۴۶ : ۴۰)
۹- جب ان سے کہا جاتا ہے کہ الساعۃ کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں تو یہ کہتے ہیں کہ وہ کیا ہوتی ہے ؟ وہ، وہ ہوتی ہے جب اعمال کے نتائج ابھر کر سامنے آجاتے ہیں اور اس تباہی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی -

(۳۵-۳۲ : ۴۵) — (۱۰)۔ الساعۃ قریب آئی اور قمر شق ہوا۔ (۱-۵۴)۔اس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔
وہ بڑی ہی تباہی کا وقت ہوگا ۔ (۴۷-۴۶ : ۵۴)

۱۱۔ کفر کا مسلک یہ ہے کہ الساعۃ وغیرہ کچھ نہیں ۔ (۳۶ : ۱۸)۔(۵۰ : ۴۱)

۱۲۔ الساعۃ یا عذاب میں سے کوئی چیز ان کے سامنے آجائے گی ۔اس وقت تو مہلت کا وقفہ ہے ۔ (۷۵ : ۱۹)

۱۳۔ یہ لوگ بس اس بات کے انتظار میں ہیں کہ الساعۃ ان پر دفعۃً آجائے اور انہیں اس کا شعور تک نہ ہو ۔اس دن دوست بھی دشمن بن جائیں گے ۔ (۶۷-۶۶ : ۴۳)۔(۱۸ : ۴۷)

۱۴۔ الساعۃ آکر رہے گی لیکن اکثر لوگ اس کا یقین نہیں کرتے ۔ (۵۹ : ۴۰)

۱۵۔ کشمکشِ فرعون و صاحبِ ضربِ کلیم کے سلسلہ میں کہا کہ الساعۃ یقیناً آنے والی ہے ۔اس وقت ہر شخص کو اس کی کوشش کا نتیجہ مل جائے گا۔ (۱۵ : ۲۰)

۱۶۔ الساعۃ آکر رہے گی اور اہل قبور کو ضرور اٹھایا جائے گا ۔ (۷ : ۲۲)

۱۷۔ کائنات حق کے ساتھ پیدا کی گئی ہے اور الساعۃ ضرور آئے گی ۔ان لوگوں سے حسن کارانہ انداز سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ (۸۵ : ۱۵)

۱۸۔ اصحابِ کہف کا علم لوگوں کو ہونا شروع ہو گیا کیونکہ ان کے ہاتھوں انقلاب کو ضرور آنا تھا۔ (۲۱ : ۱۸)

۱۹۔ تجھ سے الساعۃ کی بابت پوچھتے ہیں ۔ کہدے کہ اس کا یقینی علم تو خدا ہی کو ہے کہ وہ کب آئے گی ۔لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ قریب ہی ہو ۔ (۳۴ : ۳۱)۔ (۶۳ : ۳۳)۔ جو لوگ اس پر یقین نہیں رکھتے وہ اس کے لئے جلدی مچاتے ہیں ۔جو اس پر یقین رکھتے ہیں وہ اس سے خائف رہتے ہیں۔ (۴۹ : ۲۱)۔(۱۸-۱۷ : ۴۲)

۲۰۔ الساعۃ کا امر تو آنکھ جھپکنے کی مانند ہے ۔بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ۔ (۷۷ : ۱۶)

۲۱۔ الساعۃ کا علم تو خدا ہی کو ہے ۔ (۳۴ : ۳۱)۔(۴۷ : ۴۱) — (۸۵ : ۴۳)

۲۲۔ یہ لوگ الساعۃ کی تکذیب کرتے ہیں ۔ایسے لوگوں کے لئے سخت تباہی ہے ۔ (۱۱ : ۲۵)

۲۳۔ یہ تجھ سے الساعۃ کی بابت پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی ۔کہو کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے ۔لیکن جب وہ آئے گی تو زمین و آسمان پر بھاری ہو گی ۔وہ بغتۃً آئے گی ۔ (۱۸۷ : ۷)۔(۴۴-۴۲ : ۷۹)

۲۴۔ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے لئے آنے والے انقلاب کی نشانی تھے ۔ (۶۱ : ۴۳)۔(اس کے معنی خود قرآن کریم بھی ہو سکتا ہے)

۲۵۔ زلزلۃ الساعۃ شیٔ عظیم ہوگا ۔ (۱ : ۲۲)

۳۔ سبت

سبت کے بنیادی معنی راحت و سکون ہیں لیکن یہودی اصطلاح میں یہ لفظ سنیچر کے لئے بولا جاتا ہے۔ جس دن وہ کوئی کاروبار نہیں کرتے تھے۔ یہ جمعہ کی شام سے شروع ہو جاتا تھا اور سنیچر کا پورا دن رہتا تھا۔ اس میں ان کے لئے کاروبار بھی منع تھا اور اس کے علاوہ اور بہت سے روزمرہ کے معمولات سے اجتناب لازم تھا۔ قرآن کریم میں ہے کہ یہ لوگ اتنی سی پابندی کو بھی نباہ نہ سکے اور اس کی وجہ سے ذلیل و خوار ہو گئے۔

جب اجتماعی زندگی ایک نظام کے تابع بسر ہو تو اس نظام کی طرف سے عائد کردہ چھوٹی چھوٹی سی پابندیوں کا ملحوظ رکھنا بھی نہایت ضروری ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں ہفتہ میں ایک دن کے لئے دکانداروں کا چھٹی کرنا۔ یا ایک دو دن کے لئے گوشت کا ناغہ۔ جب کوئی قوم اس قسم کی معمولی پابندیوں سے بھی گریز کی راہیں نکالنا شروع کر دے تو ان کا یہ عمل اس حقیقت کا غماز ہوتا ہے کہ ان میں نظم و ضبط کی صلاحیت کم ہوتی جا رہی ہے اور قانون کا احترام باقی نہیں رہا۔ جب قوم کی یہ حالت ہو جائے تو اس کے بعد اس کی تباہی میں شبہ ہی کیا رہ جاتا ہے؟ یہ ہے وہ حقیقت جس کے اظہار کے لئے قرآن کریم نے یہودیوں کی سبت کی خلاف ورزی کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔ (تفصیل کے لئے عنوان "بنی اسرائیل" اور "اہل کتاب" دیکھئے)

سبت کا معاملہ

۱۔ یہودیوں سے کہا گیا تھا کہ وہ سبت کے معاملہ میں حدود شکنی نہ کریں۔ (۴ : ۱۵۴)

۲۔ انہوں نے اس باب میں باہمی اختلاف شروع کر دیا۔ (۱۶ : ۱۲۴)

۳۔ چونکہ وہ لوگ ایک عرصہ سے سبت کا ناغہ کرتے تھے اس لئے مچھلیاں اس دن، پانی کی سطح کے اوپر آ جاتی تھیں۔ یہ اتنی سی طمع کا بھی مقابلہ نہ کر سکے اور سبت کے قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کر کے، مچھلیاں پکڑنے لگ گئے (۷/۱۶۳)

۴۔ ان کی اس ذہنیت اور پستیٔ کردار کی وجہ سے ان پر تباہی آ گئی۔ ان میں بندروں کی سی خصلت پیدا ہو گئی جو کسی کی نقل تو کر لیتے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں۔ جب احکام کی پابندی محض تقلیدی اور رسمی رہ جائے تو اس وقت ایسی ہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ (۲ : ۶۵) ۔ (۵ : ۶۰) ۔ (۷ : ۱۶۶)

۵۔ زمانۂ نزولِ قرآن کے یہودیوں سے کہا گیا کہ تم قرآن پر ایمان لے آؤ ورنہ تم بھی اسی طرح نعمائے خداوندی سے محروم رہ جاؤ گے جس طرح اہلِ سبت محروم رہ گئے تھے۔ (۴۷ : ۴)

―――(۰)―――

۴۔ سبیل

سبیل کے عام معنی راستے کے ہیں۔ اس کی جمع "سُبُل" ہے۔ اس سے مفہوم روش، مسلک، منہاج، طور طریق وغیرہ ہے۔ قرآن کریم کی ایک اہم اصطلاح "سبیل اللہ" ہے۔ اس کا عام ترجمہ "اللہ کا راستہ" ہوگا۔ لیکن اس کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ یعنی

۱۔ وہ راستہ جو خدا نے انسانوں کے لئے تجویز کیا کہ وہ انہیں ان کی منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ اسے "خدا کی طرف لے جانے والا راستہ" کہہ لیجئے۔ لیکن اتنا ضرور سمجھ لیجئے کہ خدا کسی خاص مقام پر نہیں بیٹھا کہ یہ راستہ ہمیں اس مقام تک لے جائے گا۔ اس سے مراد وہ منزل ہے جسے خدا نے ہمارے لئے بطور منتہی مقرر کیا ہے۔

۲۔ اس منزل تک ایک فرد، اس نظام کے اندر رہتے ہوئے پہنچ سکتا ہے جو قوانینِ خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے متشکل ہوتا ہے۔ اس لئے "سبیل اللہ" کے معنی خود نظامِ خداوندی کے بھی ہوں گے۔ "انفاق فی سبیل اللہ" ــ یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد ہوگا اس نظامِ خداوندی کے قیام و بقا کے لئے صرف کرنا۔ اسی طرح قتال (یا جہاد) فی سبیل اللہ سے مراد اس مقصد کے لئے جنگ کرنا ہوگا۔

۳۔ اس نظام کے قیام سے مقصود، نوعِ انسان کی بہبود و ارتقاء ہے۔ اس لئے "فی سبیل اللہ" سے مراد تمام وہ کام ہوں گے۔ جن سے اقدارِ خداوندی کے مطابق نوعِ انسان کی بھلائی مقصود ہو۔

اس کے خلاف ہر نظام اور مقصد سبیل الطاغوت کہلائے گا۔

ابن السبیل یوں تو عام مسافر کو کہتے ہیں، لیکن درحقیقت اس سے مراد ایسا مسافر ہوتا ہے جسے سفر میں امداد کی ضرورت لاحق ہو جائے۔ ایسے لوگوں کی مدد کرنا (خواہ وہ کسی قوم، وطن یا مذہب کے لوگ کیوں نہ ہوں) جماعتِ مومنین کا فریضہ ہے۔

سبیل اللہ

۱۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے کہا کہ تو نے اہلِ فرعون کو اسقدر ساز و سامان دے رکھا ہے کہ وہ لوگوں کو تیرے راستے سے بہکا دیں ۔ (۱۰ : ۸۸)

۲۔ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و موعظت سے دعوت دو ۔ (۱۶ : ۱۲۵)

۳۔ <u>خدا کی راہ سے روکنے والے</u> ۔ (۲ : ۲۱۷) - (۳ : ۹۸) — (۴ : ۱۶۰) — (۴ : ۱۶۷) — (۷ : ۴۵) — (۷ : ۸۵) — (۸ : ۳۶) — (۸ : ۴۷) — (۹ : ۹) — (۹ : ۳۴) - (۱۱ : ۱۹) — (۱۳ : ۳۳) — (۱۴ : ۳) — (۱۶ : ۸۸) — (۱۶ : ۹۴) — (۲۲ : ۹) - (۲۲ : ۲۵) - (۳۸ : ۲۶) - (۴۷ : ۱) - (۴۷ : ۳۲) - (۴۷ : ۳۴) - (۵۸ : ۱۶) - (۶۳ : ۲)

۴۔ خدا کی راہ سے گمراہ کرنے والے ۔ (۶ : ۱۱۷) - (۱۴ : ۳۰) - (۳۱ : ۶) - (۳۹ : ۸)

۵۔ قتال فی سبیل اللہ

مقتولین فی سبیل اللہ کو مردہ مت کہو ۔ (۲ : ۱۵۴) - (۳ : ۱۶۸) - مرنے کے بعد انہیں مزید ارتقائی منازل کی طرف راہ نمائی کی جائے گی ۔ (۴۷ : ۶) - مقتولین ہی نہیں بلکہ مرنے والے بھی ۔ (۳ : ۱۵۷) - قتال فی سبیل اللہ ۔ (۲ : ۲۴۴ ، ۲۴۶) - (۳ : ۱۲) - (۳ : ۱۶۶) - (۴ : ۷۴-۷۶) - (۹ : ۱۱۱) - (۶۱ : ۴) - (۷۳ : ۲۰) - جو تم سے جنگ کریں ان سے اللہ کی راہ میں جنگ کرو ۔ (۲ : ۱۹۰) - قتال فی سبیل اللہ و قتال فی سبیل الطاغوت ۔ (۴ : ۷۶) - قتال فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں مصائب کا سامنا ۔ (۳ : ۱۴۶)

۶۔ انفاق فی سبیل اللہ

اللہ کی راہ میں انفاق کرو ۔ (۲ : ۱۹۵) - انفاق فی سبیل اللہ کی مثال ۔ (۲ : ۲۶۱ - ۲۶۲) - اس کا پورا پورا معاوضہ ملے گا ۔ (۸ : ۶۰) - انفاق فی سبیل اللہ نہ کرنے والے ۔ (۹ : ۳۴) - اس سے گریز کرنے والے ۔ (۴۷ : ۳۸) - (۵۷ : ۱۰) - (۷) - صدقات فی سبیل اللہ خرچ کئے جائیں گے ۔ (۹ : ۶۰)

۷۔ جہاد فی سبیل اللہ

مجاہدین فی سبیل اللہ پہ خدا کی رحمت ۔ (۲ : ۲۱۸) - یہ مومن حقاً ہیں ۔ (۸ : ۷۴) - حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کی آبادکاری کا انتظام کرنا جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہو سکتا ۔ (۹ : ۱۹) بیٹھے رہنے والے ان کا

مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ (٩٥ : ٤) ۔ مومنین کی خصوصیت (٥٤ : ٥) ۔ مال اور انفس سے جہاد ۔ (٧٢ : ٨) ۔ جن پر یہ ناگوار گزرتا ہے ۔ (٤١ : ٩) ۔ (٨١ : ٩) ۔ (١٥ : ٤٩) ۔ (١١ : ٦١) ۔ تم فی سبیل اللہ نکلتے کیوں نہیں ۔ (٣٨ : ٩) ۔ اگر ماں باپ وغیرہ خدا کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہو جائیں تو پھر تم خدا کے فیصلے کا انتظار کرو ۔ (٢٤ : ٩) ۔ خدا کی راہ میں جہاد ۔ (١ : ٦٠) ۔ خدا کے ہاں وسیلہ (تقرب) حاصل کرنے کے لئے جہاد کرنا چاہیئے ۔ (٣٥ : ٥)

٨۔ خدا کی راہ میں گھر جانے والے ۔ (٢٧٣ : ٢)

٩۔ خدا کی راہ میں تکالیف و مصائب برداشت کرنے والے ۔ (١٤٥ : ٣) ۔ (١٩٤ : ٣) ۔ (١٢٠ : ٩)

١٠۔ ہجرت فی سبیل اللہ ۔ (٨٩ : ٤) ۔ (١٠٠ : ٤) ۔ (٧٢ : ٨) ۔ (٥٨ : ٢٢) ۔ (٢٢ : ٢٤)

١١۔ خدا کی راہ میں گھر سے نکلنا ۔ (٩٤ : ٤) ۔ (١٢) صدقات کو فی سبیل اللہ خرچ کرنا چاہیئے ۔ (٦٠ : ٩)

١٣۔ قیامت میں خدا معبودانِ باطل سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو صحیح راستے سے بہکایا تھا ۔ (١٧ : ٢٥)

١٤۔ خدا کی طرف لے جانے والا راستہ (٥٧ : ٢٥) ۔ (١٩ : ٧٣)

١٥۔ مومن خدا کی راہ کا اتباع کرتے ہیں ۔ (٧ : ٤٠)

١٦۔ خدا جانتا ہے کہ اس کے راستے سے کون گمراہ ہوتا ہے ۔ (١١٨ : ٦) ۔ (١٢٥ : ١٦) ۔ (٣٠ : ٥٣) ۔ (٧ : ٦٨)

سُبل

١۔ جو قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگ ہوتا ہے ، اسے سُبل السلام (سلامتی کے راستوں) کی طرف راہ نمائی مل جاتی ہے ۔ (١٦ : ٥) ۔ (٢) شہد کی مکھی سے کہا گیا کہ وہ " سُبل ربکِ " اختیار کرے ۔ یعنی وہ راستے جو فطرت کی طرف سے اس کے لئے تجویز کئے گئے ہیں ۔ (٦٩ : ١٦)

٣۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے ۔ اس کا اتباع کرو ۔ اور دوسرے راستوں کا اتباع مت کرو ۔ وہ تمہیں خدا کے راستے سے الگ کر دیں گے ۔ (١٥٤ : ٦)

٤۔ سُبل بمعنی زمین میں چلنے والے راستے ۔ (١٥ : ١٦) ۔ (٥٣ : ٢٠) ۔ (٣١ : ٢١) ۔ (١٠ : ٤٣) ۔ (٢٠ : ٧١)

٥۔ رسولوں نے کہا کہ خدا نے ہماری راہ نمائی ہمارے راستوں (سبلنا) کی طرف کر دی ہے ۔ (١٢ : ١٤)

۶۔ خدا نے کہا ہے کہ جو ہماری طلب و تلاش میں جد و جہد کرے گا، ہم اسے اپنی طرف آنے والی راہوں کی راہ نمائی کر دیں گے۔ (۲۹ : ۶۹)۔ خدا کی طرف لے جانے والا راستہ (شاہراہ) تو ایک ہی ہے لیکن اس راستے تک پہنچانے کے لئے فکری پگ ڈنڈیاں مختلف ہو سکتی ہیں۔ ایک مفکر اپنی راہ سے اس تک پہنچے گا، ایک سائنسدان اپنی راہ سے۔ ان پگ ڈنڈیوں کو سُبُل کہا گیا ہے۔

سبیل کا عام مفہوم

۱۔ سواء السبیل، ایمان کی راہ۔ (۲ : ۱۰۸)۔ (۲۸ : ۲۲)۔ (۲) قرآن نے سبیل المجرمین کو واضح کر دیا۔ (۶ : ۵۵)

۳۔ سبیل المفسدین کا اتباع مت کرو۔ (۷ : ۱۴۲)

۴۔ سبیل الرشد۔ سبیل الغی ۔ (۷ : ۱۴۶)۔ سبیل الرشاد۔ (۴۰ : ۲۹)۔ (۴۰ : ۳۸)

۵۔ جو علم نہ رکھتے ہوں ان کے راستے کا اتباع مت کرو۔ (۱۰ : ۸۹)

۶۔ اس کے راستہ کا اتباع کرو جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ (۳۱ : ۱۵)

۷۔ غیر سبیل المؤمنین، کوئی راستہ اختیار نہ کرو۔ (۴ : ۱۱۵)

۸۔ عابری السبیل۔ یونہی راستے میں سے گزرنے والا۔ (۴ : ۴۳)

۹۔ جو قوانینِ خداوندی کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائے۔ اس کے لئے کشاد کی کوئی راہ نہیں۔ (۴ : ۱۳۷)۔ (۴ : ۱۴۳)
(۴۲ : ۴۶)۔ (۱۰) مخالفین صحیح راستہ سے بہکانے کی تدابیر کرتے ہیں۔ (۴ : ۴۴)

۱۱۔ گمراہ ہو جانے والے کو کوئی راستہ ہی نہیں مل سکتا۔ (۸۸ : ۴)۔ (۹ : ۲۵)

۱۲۔ قومِ لوط کا جرم۔ قطعِ سبیل۔ (۲۹ : ۲۹)

۱۳۔ خدا صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ (۲۸ : ۲۲)۔ (۳۳ : ۴)۔ خدا کی راہ پر چلنے والے۔ (۴۰ : ۷)

۱۴۔ ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا۔ اب اس کا جی چاہے تو اسے قبول کر لے اور جی چاہے تو اس سے انکار کر دے۔ (۲۵ : ۵۷)۔ (۷۳ : ۱۹)۔ (۷۶ : ۳)۔ (۷۶ : ۲۹)۔ (۸۰ : ۲۰)

۱۵۔ صحیح راستہ کھو دینے والے۔ (۲ : ۱۰۸)۔ (۴ : ۱۴۳)۔ (۵ : ۱۲)۔ (۵ : ۶۰)۔
(۵ : ۷۷)۔ (۱۳ : ۳۳)۔ (۲۵ : ۱۷)۔ (۲۷ : ۲۴)۔ (۲۹ : ۳۸)۔
(۴۳ : ۳۷)۔ (۶۰ : ۱)

۱۶۔ قصد السبیل خدا ہی کی ہے۔ادھر ادھر جانے والے راستے اور ہیں۔ (۹ : ۱۶)
۱۷۔ سبیلِ مقیم۔ یعنی وہ راستہ جو اب تک جاری ہے۔ (۷۶ : ۱۵)
۱۸۔ جو شخص کعبہ تک جانے کی راہ پائے، اس پر حج فرض ہے۔ (۹۶ : ۳)
۱۹۔ فحش کی مرتکب عورت کو مکان میں رکھو تاآنکہ اس کے لئے اچھی راہ نکل آئے۔ (۱۵ : ۴)
۲۰۔ باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرنے کی رسمِ جاہلیہ، بہت بری روش تھی۔ (۲۲ : ۴)
۲۱۔ زنا بھی بہت بری روش ہے۔ (۳۲ : ۱۷)
۲۲۔ سیدھی راہ۔ (۵۱ : ۴) - (۱۴۸ : ۷) - (۴۸ : ۱۷) - (۸۴ : ۱۷)
۲۳۔ راستہ۔ (۹۸ : ۴) - روش۔ (۱۵۰ : ۴) - (۱۱۰ : ۱۷) - (۶۱-۶۳ : ۱۸) - (۱۲ : ۲۹)
۲۴۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کفار، مومنین پر غلبہ کی راہ پالیں۔ (۱۴۱ : ۴)
۲۵۔ خدائے عرش کی طرف جانے والا راستہ۔ (۴۲ : ۱۷)
۲۶۔ یہاں کا اندھا آخرت کا بھی اندھا ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔ (۷۲ : ۱۷)
۲۷۔ کفار کہیں گے کہ اے کاش ہم بھی رسول کے ہم سفر ہوتے۔ (۲۷ : ۲۵)
۲۸۔ شرٌ مکاناً و اضلُّ سبیلاً۔ (۳۴ : ۲۵)
۲۹۔ اہلِ جہنم کہیں گے کہ ہمیں ہمارے بڑوں نے گمراہ کر دیا۔ (۶۷ : ۳۳) - وہ کہیں گے کہ کیا یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے۔ (۱۱ : ۴۰) - (۳۰)۔ رسول اللہ نے کہا کہ یہ میرا راستہ ہے جس کی طرف میں علیٰ بصیرت دعوت دیتا ہوں۔ (۱۰۸ : ۱۲) - (۳۱)۔ فرعون (صحیح) راستے کی طرف جانے سے رک گیا۔ (۳۷ : ۴۰)
۳۲۔ کفار کے ہاں محصور ہو جانے والے مومن جو وہاں سے نکلنے کی راہ نہ پائیں۔ (۹۸ : ۴)
۳۳۔ کفر اور ایمان کے بین بین راہ اختیار کرنے والے کافر حقا ہیں۔ (۱۵۰ : ۴)
۳۴۔ صلوٰۃ میں جہر اور خفی کے بین بین راستہ۔ (۱۱۰ : ۱۷)
۳۵۔ رسول اللہ کے خلاف باتیں کرنے والوں کو کوئی راہ ہی نہ مل سکی۔ (۹ : ۲۵) - انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کون سب سے زیادہ راہ گم کردہ ہے۔ (۴۲ : ۲۵)۔
۳۶۔ حیوانات سے بھی زیادہ راہ گم کردہ انسان۔ (۴۴ : ۲۵)
۳۷۔ کفار، مومنین سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے راستے پر کیوں نہیں چلتے۔ (۱۲ : ۲۹)

ابن السبیل

۱۔ صدقات میں ابن السبیل کا حصہ۔ (۶۰ : ۹) - مال غنیمت میں۔ (۴۱ : ۸) - (۷ : ۵۹)

۲۔ انفاق میں ابن السبیل کا حصہ۔ (۲۱۵ : ۲) - (۱۷۷ : ۲) - (۳۶ : ۴) - (۲۶ : ۱۷) - (۳۸ : ۳۰)

سلسبیل

جنت کا ایک چشمہ۔ (۱۸ : ۷۶) - یعنی بہتے ہوئے چشمے کی طرح رزق کہ وہ چشمہ ہر ضرورت مند کو آواز دیتا ہوا (سَل) آگے بڑھتا جائے۔ (سَبِیْل)

متفرق

۱۔ اہلِ جہنم کہیں گے۔ کہ کیا یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے ؟ (۱۱ : ۴۰) - (۴۴ : ۴۲)

۲۔ سبیل بمعنی الزام۔ جرم۔ (۷۴ : ۳) - (۳۴ : ۴) - (۹۰ : ۴) - (۵ : ۹) - (۹۱-۹۳ : ۹) (۴۱-۴۲ : ۴۲)

۵۔ سجدہ

(نیز دیکھئے۔ اطاعت۔ عبادت۔ اسلامی نظام)

سجدہ کے بنیادی معنی جھک جانے کے ہوتے ہیں۔ اور اس سے مقصود ہوتا ہے کسی کے حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کر دینا۔ کسی کی اطاعت کرنا۔ فرمان پذیری۔ خدا کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا مطلب ہوتا ہے اس کے قوانین کی اطاعت کرنا۔ اشیائے کائنات اس کے قوانین کی اطاعت از خود کر رہی ہیں۔ اسے 'ان اشیاء کا سجدہ کہا جاتا ہے۔ انسانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کے قوانین کی اطاعت کریں۔ انسانوں کے لئے اس اطاعت گذاری کا محسوس مظہر، نماز کا سجدہ ہے۔ لیکن یہ سجدہ خدا کے قوانین کی اطاعت کا محسوس نشان ہے۔ مقصود ان قوانین (قرآنی احکام) کی اطاعت ہے۔ اس اعتبار سے مسجد (اسم ظرف کے معنوں میں) اطاعتِ خداوندی کے مرکزی مقام کو کہا جائے گا۔ اور (مصدری معنوں میں) سجدہ (یا اطاعت) کرنے کو۔ کعبہ مسجد الحرام ہے تو ان معانی میں کہ وہ مرکزِ محسوس ہے اس نظامِ

خداوندی کا جس میں خدا کے احکام و قوانین کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے مساجد، اسی نظام کے چھوٹے چھوٹے مراکز یا وہ مقامات ہیں جہاں اس نظام کے قیام، استحکام و بقا کے لئے فکری اور عملی جدوجہد کے پروگرام طے کئے جائیں۔ مسجدِ نبوی اس کی سب سے پہلی مثال ہے۔ جہاں جملہ امورِ مملکت طے ہوتے تھے۔

مومنین کا سجدہ

۱۔ انبیاء کرام آیات (قوانین) کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ (۱۹ : ۵۸)

۲۔ مومنین اربابِ علم، قرآن کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ (۱۷ : ۱۰۷)

۳۔ ساحرینِ دربارِ فرعون کا سجدہ ریز ہونا۔ (۷ : ۱۲۰) - (۲۰ : ۷۰) - (۲۶ : ۴۶)

۴۔ عباد الرحمٰن سجود و قیام میں راتیں گزار دیتے ہیں۔ (۲۵ : ۶۴) - (۳۹ : ۹)

۵۔ مومن، آیاتِ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ (۳۲ : ۱۵)

۶۔ محمد رسول اللہ والذین معہٗ۔ رکوع و سجود میں۔ (۴۸ : ۲۹)۔ ان کی پیشانیوں کے اثرات۔ (۴۸ : ۲۹)

۷۔ کعبہ کو عاکفین اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک کریں۔ (۲ : ۱۲۵) - (۲۲ : ۲۶)

۸۔ الراکعون الساجدون۔ (۹ : ۱۱۲)۔ مومنین کی خصوصیات

۹۔ حضور کا ساجدین میں چلنا پھرنا۔ (۲۶ : ۲۱۹) - (۱۰) رسول اللہ سے کہا کہ کُن مِنَ الساجدین۔
(۱۵ : ۹۸) - (۲۶ : ۷۶) - (۱۱)۔ واسجد واقترب۔ (۹۶ : ۱۹)

۱۲۔ فاسجدوا للہ واعبدوا۔ (۲۲ : ۷۷) - (۵۳ : ۶۲)۔ یہاں واعبدو (اطاعت اختیار کرو) نے سجدہ کا مفہوم واضح کر دیا۔ (واوٗ تفسیری ہے)

۱۳۔ شمس و قمر کو سجدے نہ کرو۔ رحمٰن کو کرو۔ (۴۱ : ۳۷) - (۱۴) حضرت مریم سے کہا گیا کہ واسجدی۔ (۳ : ۴۲)

۱۵۔ اہلِ کتاب کی ایک جماعت سجدہ ریز رہتی ہے۔ (۳ : ۱۱۲)

۱۶۔ مشرکینِ عرب کا رحمٰن کو سجدہ کرنے سے انکار۔ (۲۵ : ۶۰)

۱۷۔ جب ان کفار کے سامنے قرآن پیش کیا جاتا ہے تو یہ سجدہ نہیں کرتے۔ یعنی اس کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتے یہاں سے سجدہ کے معنی (اطاعت اختیار کرنا) واضح ہو جاتے ہیں۔ (۸۴ : ۲۱)

اشیائے کائنات کا سجدہ

۱۔ چیزوں کے سائے کا سجدہ ۔ (۱۵ : ۱۳) ۔ (۴۸ : ۱۶)

۲۔ ارض و سما کی ہر شے خدا کے حضور سجدہ ریز ہے ۔ (۱۵ : ۱۳) ۔ (۱۸ : ۲۲)۔ اس میں طوعًا و کرہًا بھی کہا گیا ہے اور کثیراً من الناس بھی ۔ (۴۹ : ۱۶)

والنجم والشجر یسجدان ۔ (۶ : ۵۵)

نماز میں سجدہ

جنگ کی حالت میں ادائے صلوٰۃ کی شکل ۔ (۱۰۲ : ۴)

مسجد

۱۔ اقیموا وجوھکم عند کل مسجد ۔ یہاں مسجد کے معنی سجدہ (اطاعت کرنا) کے ہیں ۔ (۲۹ : ۷) ۔ اسی طرح خذوا زینتکم عند کل مسجد میں بھی ۔ (۳۱ : ۷) ۔ (۲) مسجدِ ضرار ۔ (۱۰۸-۱۰۷ : ۹) ۔ (۳) ہیکلِ سلیمانی کو مسجد کہا گیا (۷ : ۱۷)

۴۔ مسجد الحرام (کعبہ) ۔ (۲۵ : ۴۸) ۔ مشرک اس کے قریب نہ آئیں ۔ (۲۸ : ۹) ۔ مسجدِ حرام کے قریب ان سے جنگ نہ کرو ۔ (۱۹۱ : ۲) ۔ اپنا رخ مسجدِ حرام کی طرف رکھو ۔ (۱۴۴ : ۲) ۔ (۱۵۰-۱۴۹ : ۲) ۔ مناسکِ حج کے سلسلہ میں (۱۹۶ : ۲) ۔ مسجدِ حرام کے قریب معاہدہ ۔ (۷ : ۹) ۔ مسجدِ حرام کی آبادکاری جہاد جیسا نیک کام نہیں ۔ (۱۹ : ۹) ۔ یہ تمہیں مسجدِ حرام سے روک سکتے ہیں ۔ (۲۱۷ : ۲) ۔ (۲ : ۵) ۔ (۳۴ : ۸)

(۲۵ : ۲۲) ۔ (۲۵ : ۴۸) حضور کا مسجدِ حرام میں داخلہ (۲۷ : ۴۸) ۔ (۵) مشرکین مساجد کو آباد نہیں کر سکتے (۱۷ : ۹) ۔ یہ مومن ہی کریں گے (۱۸ : ۹)

۶۔ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ (مدینہ) کی طرف راتوں رات ہجرت ۔ (۱ : ۱۷)

۷۔ مسجدِ حرام سواءً العاکف والباد ۔ (۲۵ : ۲۲) ۔ (۸) اصحابِ کہف کے مقبرہ کو مسجد بنانے کی تجویز ۔ (۲۱ : ۱۸)

۹۔ اس سے ظالم کون ہے جو مساجد میں خدا کے ذکر سے منع کرے ۔ (۱۱۴ : ۲)

۱۰۔ مساجد میں خدا کا ذکر کثیر ہوتا ہے ۔ (۴۰ : ۲۲)

۱۱۔ مساجد میں معتکف ہونے کی صورت سے مباشرت سے اجتناب ضروری ہے ۔ (۱۸۷ : ۲)

۱۲۔ مساجد اللہ کے لئے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔ (۱۸ : ۷۲) — وہ گھر جن میں خدا کا ذکر ہوتا ہے۔ انہیں بلند کرنے کا حکم۔ (۳۶ : ۲۴) - تمام مذاہب کے معابد کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ (۴۰ : ۲۲)

ملائکہ کا سجدہ

۱۔ ملائکہ (قوائے فطرت) کا آدم کو سجدہ۔ (۳۴ : ۲) - (۱۱ : ۷) - (۳۰-۲۹ : ۱۵) - (۶۱ : ۱۷)- (۵۰ : ۱۸) - (۱۱۶ : ۲۰) - (۷۳-۷۲ : ۳۸)

۲۔ ملائکہ کا خدا کے حضور سجدہ ریز ہونا۔ ھم لا یستکبرون۔ (۲۰۶ : ۷) - (۴۹ : ۱۶)

۳۔ ابلیس کا انکار۔ (۳۳ : ۱۵) — (۶۱ : ۱۷) — (۱۲ : ۷)-(۷۵ : ۳۸)

متفرق

۱۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ وہ اس شہر میں خدا کی اطاعت کرتے ہوئے داخل ہوں۔ (۵۸ : ۲) (۱۵۴ : ۴) - (۱۶۱ : ۷) — (۲)-ادبار السجود میں تسبیح۔ (۴۰ : ۵۰)

۳۔ کفار کو دعوتِ سجود۔ (۶۰ : ۲۵) - (۴۳ - ۴۲ : ۶۸)

۴۔ حضرت یوسفؑ کا خواب کہ میں نے ستاروں اور شمس و قمر کو سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ (۴ : ۱۲)

۵۔ قومِ سبا شمس کو سجدہ کرتی تھی۔ خدا کو نہیں۔ (۲۴ : ۲۷)

۶۔ حضرت یوسفؑ اور اہلِ دربار کا تعظیم کے لئے جھک جانا (یا ان کا خدا کے حضور سجدۂ شکرانہ ادا کرنا)۔ (۱۰۰ : ۱۲)

۶۔ سِحر۔ سَحَر

سحر ۔ اس لفظ کے بنیادی معنی ہیں کسی بات کو موڑ توڑ کر پیش کرنا۔ نہایت لطیف اور دقیق انداز سے دھوکا دینا۔ اس کے بعد یہ لفظ عام دھوکے اور فریب، جھوٹ اور ملمع سازی کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

اسی جہت سے اس کے معنی جادو کے بھی آئے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ لفظ فریب اور جھوٹ کے نہیں بلکہ جادو ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں یہ بکثرت، جھوٹ اور فریب کے معنوں میں آیا ہے - جادو کے معنوں میں بہت کم۔

ساحر کا لفظ باطل پرست، فریب کار کے معنوں میں آتا ہے - دربار فرعون کے ساحرین جن کا مقابلہ حضرت موسٰے سے ہوا تھا، ان کے مندروں کے بہت بڑے پجاری (مذہبی پیشوا) تھے اور چونکہ باطل پرست اور فریب کار تھے اس لئے قرآن نے انہیں ساحر کہہ کر پکارا ہے -

مسحور اسے کہتے ہیں جسے دھوکا لگ گیا ہو۔ یا (عام لوگوں کے خیال کے مطابق) جس پر کسی نے جادو کر دیا ہو۔ یہ لفظ بعض اوقات ساحر کے معنوں میں بھی آتا ہے -

قرآن کریم کی رو سے، سحر (جادو) کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ نفسیاتی طور پر دوسروں کی قوتِ متخیلہ کو متاثر کر دیا جاتا ہے - (۲۰ : ۶۶)

سَحَر - رات کا آخری حصہ - جمع اسحار - کسی کام کی ابتداء

مختلف انبیاءکرام کو ساحر کہا گیا

۱- حضرت موسٰے کو (۴۰ : ۲۴) - (۴۳ : ۴۹) - ساحر ومجنون (۵۱ : ۳۹) مسحور (۱۷ : ۱۰۱)

۲- ہر رسول کو ساحر یا مجنون کہا - (۵۱ : ۵۲)

انبیاءکرام کو مسحور کہا گیا

۱- حضرت صالح - (۲۶ : ۱۵۳)　　(۲)- حضرت شعیب - (۲۶ : ۱۸۵)

حضرت موسٰے اور ساحرینِ دربارِ فرعون کا قصہ

۱- ساحرین نے جو کچھ کیا - فریب نگاہ تھا - (۷ : ۱۱۶) - (۲۰ : ۶۶)

۲- حضرت موسٰے نے کہا کہ ساحر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے - (۱۰ : ۷۷) - (۲۰ : ۶۹)

۳۔ ساحرین کے ساتھ مقابلہ ۔ (۸۲ - ۷۹ : ۱۰)

۴۔ اس قصہ کی تفاصیل ۔ (۱۰۹ : ۷) ۔ (۶۳-۵۸ : ۲۰) ۔ (۷۳ - ۷۱ : ۲۰) ۔ (۳۵ : ۲۶) ۔ (۴۹ : ۲۶) ۔ (۵) جب حضرت موسیٰ نے واضح نشانیاں پیش کیں تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ سحرِ مبین ہے ۔ (۱۳ : ۲۷) ۔ (۳۶ : ۲۸)

رسول اللہ کو ساحر کہا گیا

۱۔ مخالفین نے تعجب سے کہا کہ ہمارے ہی جیسا ایک بشر، رسول کیسے ہو سکتا ہے ۔ یہ ساحر (جھوٹا) ہے (۲ : ۱۰) ساحر اور کذاب ۔ (۴ : ۳۸) ۔ (۲) رجل مسحور کہا گیا ۔ (۴۷ : ۱۷) ۔ (۸ : ۲۵)

مختلف انبیاءکرام کے پیغامات کو سحر کہا گیا

۱۔ حضرت عیسیٰ کی انقلاب آفرینیوں (یا عام تصور کے مطابق معجزات) کے متعلق مخالفین نے کہا کہ یہ سحرِ مبین ہے ۔ (۱۱۰ : ۵) ۔ (۲) حضرت موسیٰ کی تعلیم کو سحرِ مبین کہا گیا ۔ (۷۶ : ۱۰) ۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ یہ سحر کس طرح ہے ۔ ساحر تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے ۔ (۷۷ : ۱۰)

۳۔ جب حضرت عیسیٰ نے کہا کہ میں خدا کا رسول ہوں ۔ اور تمہیں ایک آنے والے رسول (احمد) کی بشارت دیتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ یہ سحرِ مبین ہے ۔ (۶ : ۶۱)

قرآنِ کریم کو سحر کہا گیا

۱۔ جب ان سے کہا جاتا کہ تم موت کے بعد بھی زندہ ہو گے تو یہ کہتے کہ یہ سحرِ مبین ہے ۔ (۷ : ۱۱)

۲۔ ان کے پاس جب بھی کوئی وحی آئی، انہوں نے کہہ دیا کہ یہ سحرِ مبین ہے ۔ (۳ : ۲۱) ۔ (۴۳ : ۳۴) (۱۵ : ۳۷) ۔ (۳۰ : ۴۳) ۔ (۷ : ۴۶)

۳۔ قریش کے نمائندے نے کہا کہ یہ وہی سحر (جھوٹ) ہے جو چلا آ رہا ہے ۔ (۲۴ : ۷۴)

سحر

۱۔ صبح کے وقت (۳۴ : ۵۴) ۔ (۲) مومنین کی صفت ۔ مستغفرین بالاسحار ۔ (۱۷ : ۳) ۔ (۱۸ : ۵۱)

متفرق

۱۔ مسحور ہوجانے کے معنی دھوکا کھا جانا۔ (۸۹ : ۲۳)

۲۔ یہ افسانہ ہی تھا کہ بابل میں فرشتے لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔ (۱۰۲ : ۲)

۳۔ اگر ان لوگوں کے پاس آسمان سے لکھی لکھائی کتاب بھی اتر آتی یہ اسے بھی کہتے کہ یہ سحرِ مبین ہے (۷ : ۶)

۴۔ ساحر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ (۷۷ : ۱۰)۔ (۶۹ : ۲۰)

۵۔ انہیں جہنم کے سامنے کھڑا کرکے پوچھا جائے گا کہو! یہ سحر (فریب یا جھوٹ) ہے یا تمہیں سچ مچ نظر آرہی ہے۔ (۱۵ : ۵۲)۔ (۶) شق القمر کے سلسلہ میں کہا کہ یہ وہی سحر (جھوٹ) ہے۔ جسے شروع سے دھرایا جارہا ہے۔ (۲ : ۵۴)۔ (۷)۔ اگر ان کے سامنے آسمان کی کھڑکیاں بھی کھل جائیں تو یہ کہیں گے کہ ہم پہ جادو کردیا گیا ہے۔ (ہم قوم مسحور ہوگئے ہیں)۔ (۱۵ : ۱۵)

سدرۃ المنتہیٰ

اَلسِّدْرُ۔ بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ صحرا میں یا تو نخلستانوں کے اردگرد کھجور کے درخت اُگتے ہیں اور یا خشک مقامات پر خار دار جھاڑیاں۔ ان میں جہاں کہیں بیری کا درخت ہو، عرب اسے مغتنمات میں سے سمجھتے تھے۔ قرآن کریم نے نعمائے جنت میں سدرِ مخضود (۲۸ : ۵۶)۔ کا بھی ذکر کیا ہے۔ پھل دار اور سایہ دار درخت۔ یا ایسے درخت جن میں پھل تو ہوں لیکن کانٹے نہ ہوں۔ یعنی بلاخلش دکاوش استراحت اور خوشحالی۔ دوسری طرف اہلِ سبا کی تباہی کے سلسلہ میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ (۱۶ : ۳۴)

سدرۃ المنتہیٰ۔ نبوت ایک ایسی کیفیت تھی جسے غیر نبی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ نہ کیفیت کے اعتبار سے نہ کمیت کے لحاظ سے۔ قرآن کریم نے ملکۂ نبوت کے خصائص اور مقامات کو سورۂ النجم میں بڑے خوبصورت تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ نے ان مناظر کا مشاہدہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب کیا۔ (۱۶-۱۴ : ۵۳) علمائے لغت نے کہا ہے کہ سدرہ حیرت کو کہتے ہیں۔ لہٰذا سدرۃ المنتہیٰ انتہائے حیرت کو کہیں گے۔ قرآن کریم نے

نے بتایا ہے کہ نبوت کا مقام وہ ہے جہاں تحیر اپنی انتہا تک پہنچ جائے - جہاں عقلِ انسانی کے حصہ میں حیرت کی فراوانی کے سوا کچھ نہ آئے - لیکن نبی کی وہاں بھی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ اس کی نگاہ کسی قسم کے دھوکے میں مبتلا نہیں ہوتی تھی - (تفصیل میری لغات میں دیکھئے)

۸- سرقہ (چوری)

قرآن کریم کے معاشی نظام کے مطابق تمام افرادِ مملکت کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کا بہم پہنچانا، مملکت کا فریضہ ہوتا ہے- جب صورت یہ ہو کہ کوئی فرد اپنی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے، تو اس کے بعد اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی کوئی چیز چرائے تو اسے سنگین ترین سزا دینی چاہیئے - اس کے لئے قرآن نے "قطعِ ید" کی سزا تجویز کی ہے-

یَدٌ ہاتھ کو بھی کہتے ہیں اور قوت - اختیار - اقتدار وغیرہ کو بھی -

قَطْعٌ - کے معنی کسی چیز کو کاٹ کر الگ کر دینے ہی کے نہیں - اس کے علاوہ، اس کے معنی کسی کو کسی کام سے روک دینے کے بھی ہیں - مثلاً قطع الطریق - رہزنی کو کہتے ہیں جس میں ڈاکو مسافروں کا راستہ روک دیتے ہیں - (۲۹ : ۲۹)- قطع اللسان کے معنی کسی کی زبان بند کر دینے کے ہیں - قطع رحمی - رشتہ داری کے تعلقات منقطع کر دینے کے لئے بولا جاتا ہے - سورۂ یوسفؑ میں جہاں آیا ہے کہ ان عورتوں نے قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ (۱۲ : ۳۱) - تو اس کے معنی یہ نہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ کر بازو سے الگ کر دیئے - اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ انہوں نے کھانے سے اپنے ہاتھ روک لئے، اور یا (زیادہ سے زیادہ) یہ کہ انہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے -

ان تصریحات سے واضح ہے کہ سرقہ کی سزا میں "قطعِ ید" سے مراد ہاتھ کاٹ کر الگ کر دینا ہی نہیں، اس سے مراد کوئی ایسی سزا بھی ہو سکتی ہے جس سے مجرم آئندہ اس قسم کے جرم کے ارتکاب سے رک جائے : سرقہ کسی جرم کو کہا جائے گا اور اس کی سزا کیا ہوگی، ان امور کا تعین اسلامی مملکت کرے گی - وہ اس کے لئے اس امر کو بھی پیشِ نظر رکھے گی - جو قرآن نے کہا ہے کہ جو مجرم ارتکابِ جرم کے بعد نادم ہو اور اپنی اصلاح کر لے تو اسے معاف بھی کیا جا سکتا ہے - نیز اس ماحول کو بھی پیشِ نظر رکھے گی جس میں اس قسم کی سزائیں تجویز کی جائیں گی -

سرقہ کی سزا

۱۔ سارق مرد اور سارقہ عورت کی سزا قطع ید ہے۔ یہ روک ہے خدا کی طرف سے۔ لیکن جو کوئی ازتکابِ جرم کے بعد تائب ہو جائے اور اپنی اصلاح کرلے تو اسے قانون کی رُو سے حفاظت مل سکتی ہے۔ (۵ : ۳۸-۳۹)

۲۔ عورتوں سے بیعت لی جاتی تھی کہ وہ سرقہ نہیں کریں گی۔ (۶۰ : ۱۲)

۹۔ سرگوشیاں

اسلام ایک کھلا کھلا سا طریقِ زندگی ہے۔ ایسی روش جس میں ہر بات یونہی چھپا چھپا کر کی جائے، اس کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ ایسی روش اکثر منافقین کی ہوتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے اس کی روک تھام کی تدابیر اختیار کیں۔ البتہ بعض معاملات ایسے ہو سکتے ہیں جن کے لئے باہمی خفیہ مشورے ضروری ہوتے ہیں۔ یہ چیز اس سرگوشی کی حد کے اندر نہیں آتی جو معیوب ہے۔ قرآن کریم نے ان امور کو واضح کر دیا ہے۔

منافقین کی سرگوشیاں

۱۔ جب یہ لوگ راتوں کو خفیہ سازشیں کرتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کوئی نہیں دیکھتا، حالانکہ خدا اس وقت بھی ان کے پاس موجود ہوتا ہے۔ اس کا قانونِ مکافات انہیں محیط ہوتا ہے۔ (۴ : ۱۰۸)

۲۔ دینِ خداوندی کے خلاف مخالفین کے خفیہ مشورے۔ (۴۷ : ۱۷)۔(۲۱ : ۳)

۳۔ خدا ان کی خفیہ سرگوشیوں کو سنتا ہے اور اس کے فرستادہ انہیں لکھتے رہتے ہیں۔ یہ خدا کے قانونِ مکافات کی گرفت سے باہر نہیں رہ سکتے۔ (۹ : ۷۸)۔(۴۳ : ۸۰)۔(۵۸ : ۷)

۴۔ اثم و عدوان و معصیت کے لئے خفیہ مشوروں کی ممانعت ہے۔ (۵۸ : ۸)۔ یہ شیطانی عمل ہے۔ (۵۸ : ۸)

۵۔ فرعون اور ساحرین کے، حضرت موسیٰؑ کے خلاف خفیہ مشورے۔ (۲۰ : ۶۲)

بھلائی کے کاموں کے لئے خفیہ مشورے

۱۔ بھلائی اور اصلاح کے کاموں کے لئے رازدارانہ مشوروں کی ممانعت نہیں۔ (۱۱۴ : ۴)

۲۔ بِر اور تقویٰ کے کاموں کے لئے عند الضرورت خفیہ مشورے ممنوع نہیں۔ (۹ : ۵۸)

۳۔ منافقین آ آکر کہتے کہ ہم نے آپؐ سے ایک خفیہ بات کرنی ہے۔ اور اس طرح خواہ مخواہ رسولؐ اللہ کا وقت ضائع کرتے اس کی روک تھام کے لئے عام ہدایات نافذ کر دی گئیں کہ جس نے سربراہ مملکت سے کوئی خفیہ بات کرنی ہو وہ رفاہی فنڈ میں کچھ عطیہ دے۔ چونکہ یہ حکم سب کے لئے تھا۔ اس لئے مسلمان بھی اس سے متاثر ہو گئے۔ (۱۲ : ۵۸) پھر جب حالات سُدھر گئے تو مسلمانوں کے لئے اس میں استثناء کر دی گئی۔ (۱۳ : ۵۸)

۱۰۔ (حضرت) سلیمانؑ

حضرت سلیمانؑ۔ بنی اسرائیل کے ایک ممتاز رسول حضرت داؤدؑ کے بیٹے۔ ان کی سلطنت بڑی وسیع، اور شوکت و سطوت بڑی وتیع تھی۔ پہاڑی (وحشی) قبائل (جنات) ان کے زیرِ تسخیر تھے۔ قبیلۂ طیر کے افراد ان کے گھوڑوں کے رسالہ کے افسر تھے۔ ہدہد نامی ایک بڑا ذہین و فطین سردار، ان کے محکمہ رسل و رسائل اور خبر رسانی کا رکن تھا۔ یہ ملکۂ سبا کے مملکت کی کیفیات معلوم کرنے کے لئے گیا تھا۔ ملکۂ سبا کی طرف چڑھائی کرتے وقت، راستے میں ایک وادی سے لشکر کا گذر ہوا۔ اسے وادیٔ نمل کہتے تھے۔ اس میں بھی (سبا کی طرح) ایک عورت حکمران تھی۔ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد ان کے تخت پر ان کا بیٹا بیٹھا لیکن وہ نالائق تھا۔ اس سے سلطنت میں ضعف و انتشار پیدا ہو گیا۔ بعد ازاں یہودیوں نے عجیب و غریب قسم کے افسانے تراش کر حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کر دیئے اور قرآن کریم نے ان کی تردید کر کے خدا کے اس اولوالعزم پیغمبر کی سیرت کو منزہ شکل میں پیش کیا۔ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ان کوائف کا ذکر آیا ہے

۱۔ مملکتِ سلیمانی کے خلاف یہودیوں کی افسانہ تراشیاں۔ بابل کے فرشتوں کا افسانہ۔ (۱۰۲ : ۲)

۲۔ حضرت سلیمانؑ منجملہ رُسل تھے۔ (۱۶۳ : ۴)۔ اور ذریتِ ابراہیمی میں سے۔ (۸۵ : ۶)

۳۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ، زرعی معیشت (حرث) کے متعلق غور و خوص کرتے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کو اس میں زیادہ تفقہ حاصل تھا۔ (۷۹-۷۸ : ۲۱) ۔ دونوں کو علم و حکمت عطا کئے گئے تھے۔ (۱۵ : ۲۷)

۴۔ حضرت سلیمانؑ کو گھوڑوں کے رسالوں کا علم (منطق الطیر) دیا گیا تھا۔ (۱۶ : ۲۷)۔ ان کے لشکر میں جن و انس (وحشی قبائل اور مہذب آبادیاں) سب شامل تھے۔ (۱۷ : ۲۷)

۵۔ لشکرِ سلیمانی کا وادئ نمل میں سے گذرنا۔ (۱۸ : ۲۷) ۔ (۶)۔ ہدہد کا خبر رسانی کے لئے جانا۔ (۲۰ : ۲۷)

۷۔ حضرت سلیمانؑ کا خط ملکۂ سبا کے نام۔ (۳۰ : ۲۷) ۔ واقعہ کی تفصیل۔ (۴۴-۳۰ : ۲۷)

۸۔ حضرت سلیمانؑ، حضرت داؤدؑ کے بیٹے تھے۔ (۳۰ : ۳۸)، اور وارث (۱۶ : ۲۷)

۹۔ گھوڑوں سے پیار کرنے کا قصہ۔ (۳۲-۳۱ : ۳۸)

۱۰۔ ہوا ان کے تابع تسخیر تھی۔ یعنی وہ اس سے کام لینا جانتے تھے۔ (۸۱ : ۲۱)۔ (۱۲ : ۳۴)۔ (۳۶ : ۳۸)

۱۱۔ وحشی قبائل کے لوگ ان کے لئے بڑے بڑے کام کرتے تھے۔ (۳۸-۳۷ : ۳۸)۔ تماثیل وغیرہ بناتے تھے۔ (۸۲ : ۲۱) ۔ (۱۳-۱۲ : ۳۴) ۔ (۱۲)۔ ان کا بیٹا نالائق تھا۔ (۱۴-۳۴) ۔ (۳۴ : ۳۸)

۱۰۔ سنّت

سنّت ۔ اس لفظ کے بنیادی معنی ہیں، کسی چیز کا جاری رہنا اور یکے بعد دیگرے، مسلسل آتے چلے جانا۔ یہیں سے اس کے معانی، عادت۔ روش۔ طور طریق۔ مسلک و مشرب کے آتے ہیں، اور آئین و قانون کے بھی۔ "قانون کا لفظ قرآن میں نہیں آیا۔ اس کے بجائے سُنّة کا لفظ ہی آیا ہے۔ قوانینِ خداوندی کو سنة الله سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی ایسا طریقِ عمل جس میں کبھی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اقوام کے طور طریق اور ان کے احوال و کوائف کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ اس سے مفہوم ان کی تاریخی سرگزشتیں ہیں۔

قرآن کریم کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ خدا نے نظامِ کائنات کے لئے بھی اٹل قوانین متعین کر دیئے ہیں۔ اور انسانوں کی تمدنی زندگی کے لئے بھی۔ جو قوم ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے وہ کامیاب رہتی ہے جو ان کی خلاف ورزی کرتی ہے، تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ یہ سُنّة الله ہے جس میں کبھی تبدیلی نہیں آتی۔ قانون کہتے ہی اس روش کو ہیں جس

میں تبدیلی واقع نہ ہو۔ قرآن نے خدا کا جو تصوّر دیا ہے وہ "قانون والا" خدا ہے۔ اس نے قوانین وضع کرنے کے بعد، اپنے قادرِ مطلق ہونے کے باوجود، اپنے اوپر خود یہ پابندی عائد کر رکھی ہے کہ ان قوانین کے خلاف کچھ نہیں ہوگا۔ اس کے اسی "اصول" کا نتیجہ ہے کہ نظمِ کائنات اس حسن و خوبی سے چل رہا ہے اور ہر عمل اپنا ٹھیک ٹھیک نتیجہ مرتب کئے جاتا ہے۔

۲۔ ضمناً۔ "قانون" کے لئے قرآن کریم میں سنۃ کا لفظ بھی آیا ہے اور کلمۃ کا بھی۔ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ کلمۃ، قانون کی نظری حیثیت ہے اور سنۃ اس کی عملی حیثیت۔ غیر متبدل بہر حال دونوں ہیں۔ اس عنوان کے ساتھ کلمۃ کا عنوان بھی دیکھ لینا چاہیئے۔ نیز عنوان تقدیر بھی۔

۳۔ لفظ مسنون قرآن کریم میں آیا تو ہے لیکن اس کے معنی مختلف ہیں۔ (۱۵ : ۲۶ ؛ ۲۸ ؛ ۳۳)

سنۃ اللہ

۱۔ یہی انداز ہم نے رسُلِ سابقہ کے سلسلہ میں رکھا تھا۔ تم اس قانونِ خداوندی میں تحویل نہیں پاؤ گے۔ (۱۷ : ۷۷) یہ ایک ایسا پیمانہ ہے جسے متعین کر دیا گیا ہے۔ (۳۳ : ۳۸)

۲۔ تباہی کے سامنے آجانے کے بعد، توبہ (بازآفرینی) کا موقعہ باقی نہیں رہتا۔ یہ سنۃ اللہ ہے جو اس کے بندوں میں جاری ہے۔ (۴۰ : ۸۵)

۳۔ کفار اگر مومنین کے مقابلہ میں (میدانِ جنگ میں آئیں گے) تو پسپا ہو جائیں گے۔ یہ سنۃ اللہ ہے۔ جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ (۴۸ : ۲۳)

۴۔ حق کے خلاف تدبیریں کرنے والے خود تباہ ہو جاتے ہیں۔ یہ سنۃ اللہ ہے جس میں نہ تبدیلی ہوتی ہے نہ تحویل۔ اقوامِ سابقہ کی تاریخ اس پر شاہد ہے۔ (۳۵ : ۴۳)

۵۔ شریف زادیوں کو تنگ کرنے والے منافقوں کو سختی سے کچل دینا چاہیئے۔ یہ وہ سنۃ اللہ ہے جو شروع سے چلی آرہی ہے۔ اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ (۳۳ : ۶۲)

سنن الاوّلین۔ اقوامِ عالم کی سرگذشت

۱۔ اگر اس قومِ مخاطب نے بھی قوانینِ خداوندی سے انکار کیا تو جو کچھ گذشتہ کے ساتھ ہوا ہے۔ وہی کچھ ان

کے ساتھ ہو گا ۔ (۸ : ۳۸)

۲۔ انہیں اس کا انتظار ہے کہ جو کچھ اقوامِ سابقہ کے ساتھ ہوا تھا وہی کچھ ان کے ساتھ ہو ۔ (۱۸:۵۵)-(۴۳:۳۵)

۳۔ جو کچھ اقوامِ سابقہ نے کیا تھا وہی کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں ۔ (۱۳ : ۱۵)

۴۔ تم سے پہلی اقوام کے طور طریق تمہارے سامنے آچکے ہیں ۔ ذرا زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جنہوں نے قوانینِ خداوندی کی تکذیب کی تھی ان کا انجام کیا ہوا ۔ (۳ : ۱۳۶)

۵۔ خدا چاہتا ہے کہ تمہیں ان (انعام یافتہ) اقوامِ سابقہ کے مسلک و مشرب کی راہ نمائی عطا کرے جو پہلے گزر چکی ہیں (۴:۲۶)

(۰)

۱۲۔ سیّات

سَیِّئَۃٌ ۔ جسے عام طور پر برائی کہا جاتا ہے اس کے لئے قرآن کریم نے بہ ہیئتِ مجموعی ' سیّئۃ کا لفظ استعمال کیا ہے (جس کی جمع سیّات ہے) ۔ اس کے بالمقابل لفظ حسنات ہے ۔ (جیسا کہ حسن ، حسنات کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے) حسن صحیح صحیح توازن و تناسب کا نام ہے ۔ اس لئے اعمالِ حسنہ وہ کام ہیں جن سے انسان کی اپنی ذات کا حسن (توازن) قائم ہو جائے ۔ اور اس طرح اس کی ذات (BALANCED PERSONALITY) بن جائے ۔ اور معاشرہ میں بھی توازن پیدا ہو جائے ۔ اور یوں حسنِ کائنات میں اضافہ ہوتا چلا جائے ۔ سیّات ایسے کاموں کو کہا جائے گا جن کا نتیجہ اس کے برعکس مرتب ہو ۔ یعنی ان سے اس فرد کی ذات کا توازن بھی بگڑ جائے اور معاشرہ کا بھی ۔ اور نظمِ کائنات میں بھی فساد برپا ہو جائے ۔ لہٰذا حسنات کی طرح سیّات کی اصطلاح بھی بڑی جامع ہے ۔ اس میں عام ناخوشگوار امور سے لے کر انفرادی اور اجتماعی جرائم تک ، سب معیوب و مذموم کام آجاتے ہیں ۔ حسنات ' اگر معاشرتی ہمواریاں پیدا کرتے ہیں ۔ تو سیّات ناہمواریاں پیدا کرنے کی موجب ہوتی ہیں ۔ جرم کو بھی سیّئۃ کہا جاتا ہے اور اس کی سزا کو بھی ـــ اول الذکر معاشرہ کے لئے تکلیف اور نقصان کا باعث ہوتا ہے اور ثانی الذکر ' مجرم کے لئے ۔

یہ سیّات کا مجموعی مفہوم ہے ۔ تفصیلی طور پر یہ لفظ کن معانی میں استعمال ہوتا ہے ۔ یہ چیز قرآن کریم کی متعلقہ آیات سے سامنے آجاتی ہے ۔

حسنات کے مقابل میں سیّأت

۱۔ سیّئات بمقابلہ اعمالِ صالح ۔ (۹ : ۱۰۲) — (۳۵ : ۱۰)

۲۔ سیّئات (ناہمواریاں) دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ حسنات (ہمواریاں پیدا کرنے والے کام) کئے جائیں ۔ (۱۱ : ۱۱۴) ۔ (۱۳ : ۲۲) ۔ (۲۳ : ۹۶) ۔ (۲۸ : ۵۴) ۔ (۴۱ : ۳۴)

۳۔ سیّئات کے حاملوں کی موت اور حیات، صالحین کے برابر نہیں ہو سکتی ۔ (۴۵ : ۲۱)

۴۔ حسنات کے مقابلہ میں ۔ (۳ : ۱۱۹) ۔ (۴ : ۷۸ — ۷۹) ۔ (۷ : ۱۳۱) ۔ (۷ : ۱۶۸) ۔ (۹ : ۵۰) ۔ (۱۷ : ۷)

۵۔ حسنات خدا کے قانون کی اطاعت سے آتی ہیں۔ سیّئات انسان کی خود تراشیدہ راہوں پر چلنے سے آتی ہیں ۔ (۴ : ۷۸ - ۷۹)

۶۔ بنی اسرائیل کی یہ کیفیت تھی کہ حسنات کے لئے (CREDIT) خود لیتے تھے۔ سیّئات کے لئے کہتے تھے کہ یہ موسےٰؑ کی نحوست کی وجہ سے ہیں ۔ (۷ : ۱۳۱)

۷۔ رحمت کے مقابلہ میں ۔ (۳۰ : ۳۶) ۔ (۳۳ : ۱۷) ۔ (۴۲ : ۴۸)

۸۔ شفاعتِ حسنہ و شفاعتِ سیّئہ ۔ (۴ : ۸۵)

۹۔ حسنات اور سیّئات برابر نہیں ہو سکتیں۔ سیّئات کو احسن سے دور کرنا چاہیئے ۔ (۴۱ : ۳۴)

۱۰۔ سیّئات کو حسنات سے بدل دیا ۔ (۷ : ۹۵) — (۱۱) ۔ یہ حسنہ سے پہلے ہی سیّئہ کے لئے جلدی مچاتے ہیں ۔ (۱۳ : ۶) ۔ (۲۷ : ۴۶) — (۱۲) ۔ جو ظلم کے بعد اس سوء کو حسنہ سے بدل دے تو اسے حفاظت مل جاتی ہے ۔ (۲۷ : ۱۱) — (۱۳) خیر کے مقابلہ میں سوء (۷ : ۱۸۸)

۱۴۔ حسنات کرو۔ وہ بھی تمہارے اپنے لئے۔ سیّئات کرو، ان کا وبال بھی تم پر ۔ (۱۷ : ۷) ۔ (۴۱ : ۴۶) ۔ (۴۵ : ۱۵) (۱۵) جس طرح اندھا اور بینا ایک جیسے نہیں ہو سکتے اسی طرح ایمان و اعمالِ صالح کے حامل اور سیّئات کے مرتکب ایک جیسے نہیں ہو سکتے ۔ (۴۰ : ۵۸)

برے کاموں کے معنوں میں ۔ ناہمواریوں کے مفہوم میں

۱۔ سیّئات کے حامل اگر موت کو سامنے دیکھ کر توبہ کرتے ہیں تو وہ توبہ قبول نہیں ہو سکتی ۔ (۴ : ۱۸)

۲۔ کیا سیّئات کرنے والے اپنے آپ کو مامون سمجھتے ہیں ؟ (۴۵ : ۱۶) – (۲۹ : ۴)

۳۔ سیّئات کے بعد توبہ کرنے والے ۔ (۷ : ۱۵۳) – (۴۲ : ۲۵)

۴۔ سیّئات سے بچنے والے رحمتوں کے سائے میں ۔ (۴۰ : ۹)

۵۔ قومِ لوط سیّئات پر عامل تھی ۔ (۱۱ ، ۸) – (۴ : ۲۱) – (۴۰ : ۲۵)

۶۔ کبائر سے مجتنب رہو گے تو سیّئات کے اثرات محو کر دیئے جائیں گے ۔ یہاں سیّئات سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو سہواً سرزد ہو جائیں ۔ (۳۱ : ۴) ۔ یا معاشرہ کی ناہمواریاں مراد ہیں ۔ خدا کو قرضہ دینے سے بھی ایسا ہو جائے گا ۔ (۱۲ : ۵) ۔ تقویٰ سے بھی ۔ (۲۹ : ۸) ۔ توبۃ النصوح سے بھی ۔ (۸ : ۶۶) ۔ صدقات سے ۔ (۲۷۱ : ۲) ہجرت اور جہاد سے ۔ (۱۹۳ : ۳) – (۱۹۵ : ۳) ۔ عملِ صالح سے ۔ (۹ : ۶۴) ۔ تقویٰ سے ۔ (۶۵ : ۵) مؤمنین کی سیّئات ۔ (۵ : ۴۸) ۔ توبہ، ایمان و عملِ صالح سے ۔ (۷۰ : ۲۵) – (۷ : ۲۹) ۔ ایمان و تقویٰ سے ۔ (۶۵ : ۵) ۔ ایمان بالقرآن اور عملِ صالح سے ۔ (۲ : ۴۷) ۔ حسنِ عمل سے ۔ (۱۶ : ۴۶)

۷۔ جسے سیّئات محیط ہو جائیں وہ جہنم میں جاتا ہے ۔ (۸۱ : ۲)

۸۔ بُرے کاموں میں دوسروں کا ساتھ دینے والا (شفاعتِ سیئہ) برابر کا مجرم ہوتا ہے ۔ (۸۵ : ۴)

۹۔ سیّئات کا نتیجہ جہنم ۔ (۸۹ : ۲۷) ۔ سوء الدار ۔ (۵۲ : ۴۰)

۱۰۔ مختلف معاشرتی خرابیوں کے ذکر کے بعد کہا کہ یہ سب سیّئات ہیں ۔ (۳۸ : ۱۷)

۱۱۔ موسےؑ کو فرعون کے "سیّئات ما مکروا" سے محفوظ رکھا ۔ (۴۵ : ۴۰)

۱۲۔ سیّئات کو دور کر کے جنت میں داخلہ ۔ (۵ : ۴۸) – (۹ : ۶۴) – (۸ : ۶۶)

۱۳۔ تکذیبِ آیات کرنے والوں کا انجام تباہی ۔ (۱۰ : ۳۰) ۔ (۱۴) سیّئات کا ارتکاب کرنے والوں کی سزا ۔ (۳۱ : ۵۳)

۱۵۔ جزائے اعمال کے وقت، سیّئات کے مرتکب چاہیں گے کہ ان کے اعمال ان سے دور رہیں ۔ (۳۰ : ۳) ۔ موت کے وقت یہ کہیں گے کہ اب ہم کبھی برے کام نہیں کریں گے ۔ (۲۸ : ۱۶)

۱۶۔ سبیل اللہ سے رکنا عملِ سوء ہے ۔ (۹۴ : ۱۶)

۱۷۔ سیّئات کا بدلہ خود وہ اعمال ہوں گے ۔ یعنی جزاءِ عمل کے اندر ہی ہو گی ۔ (۸۴ : ۲۸)

سوء

۱۔ مومن، سوء الحساب سے ڈرتے ہیں۔ (۲۱ : ۱۳)۔ کفار کے لئے سوء الحساب ہے۔ (۱۸ : ۱۳)

۲۔ ایمان بالآخرت نہ لانے سے سوء العذاب (۱۵۸ : ۶)۔ (۵ : ۲۷)۔ (۲۵ : ۴۰)۔ قیامت کا سوء العذاب۔ (۴۷ : ۳۹)۔ ایمان والوں کو سوء چھوئے گا بھی نہیں۔ (۶۱ : ۳۹)

۳۔ عہدِ خداوندی توڑ دینے سے سوء الدّار۔ (۲۵ : ۱۳)۔ ظالمین کے لئے۔ (۵۲ : ۴۰)

۴۔ جس کا سوءِ عمل اسے حسنہ بن کر دکھائی دے۔ (۳۷ : ۹)۔ (۸ : ۳۵)۔ (۳۷ : ۴۰)۔(۱۴ : ۴۷)۔

۵۔ فرعون، بنی اسرائیل کو سوء العذاب دیتا تھا۔ (۴۹ : ۲)۔(۱۴۱ : ۷)۔ (۱۶۷ : ۷)۔ (۶ : ۱۴)۔

۶۔ انسان اپنی آرزوؤں کے مطابق سوء العذاب سے نہیں بچ سکتا۔ قوانینِ خداوندی کی مہر سے بچ سکتا ہے۔(۲۴ : ۳۹)

۷۔ خدا کے عذاب (سوء) سے کون بچا سکتا ہے۔ (۱۱ : ۱۳)۔(۲۷ : ۱۶)۔ (۱۷ : ۳۳)

۸۔ جو سوء کا مرتکب ہو (اَو) یا اپنے آپ پر زیادتی کرے۔ پھر تائب ہو جائے تو وہ محفوظ رہ سکتا ہے۔(۱۱۰ : ۴) اس سے مترشح ہوتا ہے کہ سوء کے معنی کسی اور سے زیادتی کرنے کے ہیں۔ لیکن اگر (اَو) کے معنی (اور اسطرح) لے لئے جائیں۔ تو اس سے مطلب یہ ہوگا۔ کہ عملِ سوء سے انسان بہرحال اپنا نقصان کرتا ہے۔

۹۔ جو بھی عملِ سوء کرے گا۔ اسے اس کا بدلہ مل جائے گا۔ (۱۲۳ : ۴)۔ (۱۰ : ۳۰)

۱۰۔ سوء کے معنی نیتِ بد۔ فعلِ شنیع (مثل زنا)۔ (۲۴-۲۵ : ۱۲)۔ (۵۱ : ۱۲)

۱۱۔ جہالت سے عملِ سوء کا ارتکاب اور توبہ۔ (۱۷ : ۴)۔ (۵۱ : ۶)۔ (۱۱۹ : ۱۶)

۱۲۔ سَوْء۔ بُرا آدمی۔ (۲۸ : ۱۹)۔ بری قوم۔ (۷۷ : ۲۱)۔ برا ڈھانچہ۔ (۶۰ : ۱۶)

۱۳۔ سوء کے معنی کسی قسم کی تکلیف یا مضرت۔ ید بیضا کے سلسلہ میں آیا ہے۔(۲۲ : ۲۰)۔ (۱۲ : ۲۷)۔(۳۲ : ۲۸) ضرر رسانی۔ ناقۂ صالحؑ کے ضمن میں۔ (۷۳ : ۷)۔ (۶۴ : ۱۱)۔ (۱۵۶ : ۲۶)۔ ذہنی عارضہ۔ (۵۴ : ۱۱)

۱۴۔ بری بات کی تشہیر پسندیدہ نہیں۔ (۱۴۸ : ۴)۔(۱۵) کسی کی بری بات سے درگزر کرنا۔ (۱۴۹ : ۴)

۱۶۔ بری خبر۔ (۵۹ : ۱۶)۔ (۱۷)۔ یعنی مصیبت۔ اس سے قانونِ خداوندی کا اتباع ہی بچا سکتا ہے۔ (۶۲ : ۲۷)

۱۸۔ خدا کے متعلق ظن السوء (۶ : ۴۸)۔ (۱۲ : ۴۸)

شیطان تمہیں سوء اور فحشاء کا حکم دیتا ہے۔ (۱۶۹ : ۲)

۲۰- انسانی نفس سوٓء کا حکم دیتا ہے - یہ عزیز مصر کی بیوی کا قول ہے - (۱۲ : ۵۳)

۲۱- مخالفین تمہارے خلاف بدزبانی پر بھی اتر آئیں گے - (۶۰ : ۲)

۲۲- سوٓء سے منع کرنے والے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں - (۷ : ۱۶۵)

ساء

۱- اگر سیّات کے حامل یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے آگے نکل جائیں گے تو ان کا یہ فیصلہ بہت برا ہے (۶ : ۱۳۷،) - (۱۶ : ۵۹) - (۲۹ : ۴) - (۲۱ : ۴۵)

۲- ساء ما یعملون - (۵ : ۶۶) - (۹ : ۹) - (۱۵ : ۵۸) - (۲ : ۶۳)

۳- برا بوجھ جو کمر پہ لادے پھرتے ہیں - (۶ : ۳۱) - (۱۶ : ۲۵) - (۲۰ : ۱۰۱)

۴- تکذیبِ آیات کرنے والوں کی مثل بری ہے - (۷ : ۱۷۷) - (۵) -شیطان برا مصاحب ہے - (۴ : ۳۸)

۶- مجرمین کی وہ صبح کیسی خراب ہوگی جب ان پہ عذاب آئیگا - (۳۷ : ۱۷۷)

۷- زنا، سآء سبیلا ہے - (۱۷ : ۳۲) - اپنے باپ کی منکوحہ (سوتیلی ماں) سے شادی کرنا بھی ایسا ہی تھا - (۴ : ۲۲)

۸- مستقر و مقام سآء - (۲۵ : ۶۶) - سآءت مرتفقا - (۱۸ : ۲۹)

۹- سآءت مصیرا - (۴ : ۹۷) - (۴ : ۱۱۵) - (۴۸ : ۶)

۱۰- اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا - (۳۹ : ۳۵) - (۴۱ : ۲۷)

ناخوشگوار یا تباہ کن نتائج

۱- انہیں ان کے غلط اعمال کے ناخوشگوار نتائج (سیّات) مل گئے - (۱۶ : ۳۴) - (۳۹ : ۴۸ ؛ ۵۱) - (۴۰ : ۴۵) - (۴۵ : ۳۳)

۲- زندگی کے ناخوشگوار پہلو - (۷ : ۱۶۸)

۳- منافقین کی یہ حالت ہے کہ اگر تمہیں کوئی خوشگواری نصیب ہوتی ہے تو اس سے غم آلود ہو جاتے ہیں - اور اگر کوئی ناخوشگوار بات پیش آتی ہے تو خوش ہوتے ہیں - (۳ : ۱۱۹)

۴- مومنین کو سوٓء (کوئی مضرت) پہنچے بغیر بہت کچھ مل گیا - (۳ : ۱۷۴)

سزا کے معنوں میں

۱۔ جرم کرنے والوں کی سزا جرم کے مطابق ہوگی ۔ (۶ : ۱۶۱) ۔ (۱۰ : ۲۷) ۔ (۲۷ : ۸۹ ۔ ۹۰) ۔ (۲۸ : ۸۴)
(۴۰ : ۴۰) ۔ (۴۲ : ۴۰) ۔ لیکن جو اصلاح کی خاطر معاف کر دے تو یہ بہت اچھا ہے ۔ (۴۲ : ۴۰)

۲۔ برائی کرنے والوں کا انجام ۔ تباہی ہوتا ہے ۔ (۳۰ : ۱۰)

عام تباہی کے معنوں میں

۱۔ جب انہیں عارضی طور پہ خوشگواریاں مل جاتی ہیں تو سمجھتے ہیں کہ تباہیاں ہم سے دور ہوگئیں ۔ (۱۱ : ۱۰)

۲۔ تباہیاں انسانوں کی خود تراشیدہ راہوں پہ چلنے سے آتی ہیں ۔ (۴ : ۷۹)

۳۔ تباہیاں اپنے ہی ہاتھوں سے لائی جاتی ہیں ۔ (۳۰ : ۳۶) ۔ (۴۲ : ۴۸)

۴۔ یہ سیئۃ کے لئے جلدی مچاتے ہیں ۔ (۱۳ : ۶) ۔ (۲۷ : ۴۶)

سَوْأٰت

۱۔ لاش کے معنوں میں ۔ (۵ : ۳۱) ۔ (۲) ۔ ستر یا شرمگاہ کے معنوں میں لباس اسے ڈھانپنے کیلئے ہے (۷ : ۲۶-۲۷)

۳۔ قصۂ آدم میں شیطان نے ان کے مقامِ ستر ان پہ نمودار کر دیئے ۔ (۷ : ۲۰-۲۲) ۔ (۲۰ : ۱۲۱)

متفرق

۱۔ عذاب کو دیکھ کر ان مجرمین کے چہرے غم آلود ہو جائیں گے ۔ (۶۷ : ۲۷)

۲۔ پتھروں کی جس بارش سے قومِ لوط تباہ ہوئی تھی اسے مطر السوء کہا گیا ہے ۔ (۲۵ : ۴۰) ۔ (۲۶ : ۱۷۳) ۔ (۲۷ : ۵۸)

۳۔ خراب انجام کو دائرۃ السوء سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ (۹ : ۹۸) ۔ (۴۸ : ۶)

۴۔ مغموم ہونے کے معنوں میں ۔ (۱۱ : ۷۷) ۔ (۱۷ : ۷) ۔ (۲۹ : ۳۳)

۵۔ بری تدبیروں کا وبال خود ایسی تدبیریں کرنے والوں پہ پڑتا ہے ۔ (۳۵ : ۴۳)

۶۔ ناگوار گذرنا ۔ (۲ : ۲۸۲) ۔ (۵ : ۱۰۱) ۔

۱۳- سیروا فی الارض

قرآن کریم، اپنے پیش کردہ قوانین کی صداقت کے ثبوت میں (علاوہ دیگر دلائل) اقوامِ سابقہ کی تاریخ کو بھی سامنے لاتا ہے - وہ کہتا ہے کہ تم دیکھو کہ فلاں قوم نے جب اس قانون کی خلاف ورزی کی تو اس کا انجام کیا ہوا؟

اقوامِ سابقہ کے انجام و عواقب پر غور و فکر کا ایک ذریعہ تو تاریخ کے تحریری نوشتے ہیں۔ لیکن دوسرا (اور اس سے بھی مؤثر اور قابلِ اعتماد) ذریعہ، ان قوموں کی برباد شدہ بستیوں کا مطالعہ ہے - اسے آرکیالوجی (حفریات) کہا جاتا ہے۔ یعنی آثارِ قدیمہ سے متعلق علم، اس کے متعلق، سمجھا یہ جاتا ہے کہ مطالعۂ تاریخ کا یہ طریق دورِ حاضرہ کی دریافت ہے۔ لیکن قرآن کریم نے بہت پہلے اس کی اہمیت پر زور دیا تھا - وہ بار بار کہتا ہے کہ تم دنیا میں چلو پھرو - اور اقوامِ سابقہ کی بستیوں کے کھنڈرات کی ٹھیکریوں کو پڑھو اور دیکھو کہ ان پر ان اقوام کے انجام و عواقب کی عبرت آموز داستانیں کس طرح منقوش ہیں۔ اس کے لئے قرآن نے "سیروا فی الارض" کی اصطلاح استعمال کی ہے -

تاریخی سرگذشتوں کے مطالعہ کے علاوہ، نظامِ کائنات کے مطالعہ اور مشاہدہ کے لئے بھی قرآن نے سیر فی الارض کی اہمیت پر زور دیا ہے -

سیروا فی الارض

۱- ان سے کہو کہ دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مکذبین (قوانینِ خداوندی کو جھٹلانے والوں) کا انجام کیا ہوا؟ (۳ : ۱۳۶)
(۶ : ۱۱) - (۱۶ : ۳۶) - اور مجرمین کا انجام - (۲۷ : ۷۹) - تمام اقوامِ سابقہ کا - (۱۲ : ۱۰۹) - (۳۰ : ۴۲) -
وہ قومیں ان سے بھی زیادہ طاقتور تھیں - (۳۰ : ۹) - (۳۵ : ۴۴) - (۴۰ : ۲۱) - (۴۰ : ۸۲)

۲- دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا کا نظامِ تخلیق کیا ہے - (۲۹ : ۲۰) -

۳- سیر فی الارض سے آنکھیں کھل جاتی ہیں - کانوں کے ڈاٹ الگ ہو جاتے ہیں - دلوں کی مہریں ٹوٹ جاتی ہیں - کیونکہ ماتھے کی آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں - دل کی آنکھیں اندھی ہوا کرتی ہیں - (۲۲ : ۴۶) - (۴) - قومِ ثمود کے اجڑے ہوئے کاشانوں کو دیکھو - (۲۷ : ۵۲) - (۲۹ : ۳۸) - قومِ لوط کے بھی - (۲۹ : ۳۵) - (۳۷ : ۱۳۸) - تمام اقوامِ سابقہ کے - (۳۲ : ۲۶)
اس سلسلہ میں مختلف اقوامِ سابقہ کے عنوانات بھی دیکھئے - (۵) - جو کچھ اقوامِ سابقہ کے ساتھ ہوا، وہ ہر اس قوم کے ساتھ ہوگا جو خدا کے قوانین کی خلاف ورزی کریگی - (۴۷ : ۱۰)

ش

۱۔ شبہ

الشبہ کے معنی ہیں مثل اور مانند ہونا۔ تشابہ کے معنی ہیں دو یا زیادہ چیزوں کا ایک دوسرے سے اس طرح ملتا جلتا ہونا کہ ان میں التباس ہونے لگے اور امتیاز مشکل ہو جائے۔ اس سلسلہ میں عنوان شک بھی دیکھئے۔

۱۔ واقعۂ تصلیب حضرت عیسٰیؑ میں لوگوں پر حقیقت مشتبہ رہی۔ (۴ : ۱۵۷)
۲۔ بنی اسرائیل کے واقعۂ ذبحِ بقر میں انہوں نے کہا کہ ہمیں شبہ ہو رہا ہے کہ وہ گائے کس قسم کی ہونی چاہیے (۲ : ۷۰)
۳۔ کیا ان کے معبودوں نے بھی کچھ پیدا کیا ہے کہ ان لوگوں کو مخلوقِ خداوندی اور مخلوقِ معبودانِ باطل باہمدگر متشابہ نظر آتی ہیں۔ (۱۳ : ۱۶)
۴۔ نہ ماننے والوں کے دل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ (۲ : ۱۱۸)
۵۔ آپس میں ملتے جلتے پھل۔ (۶ : ۹۹) — (۶)۔ جنت کے متشابہ پھل۔ (۲ : ۲۵)
۷۔ قرآن کریم، کتاب متشابہا مثانی ہے۔ (۳۹ : ۲۳)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان قرآن۔
۸۔ آیات متشابہات و محکمات۔ (دیکھئے عنوان متشابہات)

۲۔ شرک

شرک۔ ذہنِ انسانی جب اپنے عہدِ طفولیت میں تھا تو وہ اس عظیم حقیقت کا تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اس محیر العقول کارگہِ کائنات کے پیچھے ایک قوت ہے جو اسے اس نظم و ضبط کے ساتھ چلا رہی ہے۔ وہ تقسیم عمل کے قاعدے کی رُو سے

یہ سمجھتا تھا کہ کائنات کے مختلف کام مختلف قوتیں سرانجام دیتی ہیں انہیں (اصطلاح میں) دیوی - دیوتا کہا جاتا تھا۔ وہ ان قوتوں سے ڈرتا اور انہیں خوشش رکھنے کے لئے ان کے سامنے جھکتا اور ان کے حضور نذر و نیاز پیش کرتا۔

خدا کی وحی (بوساطت حضرات انبیاء کرام) آئی اور انہیں بتائی کہ ان کا تقسیمِ عمل کا یہ تصوّر باطل ہے۔ اس تمام سلسلہ کے پیچھے صرف ایک قوت ہے جو اسے اس حسن و خوبی سے چلا رہی ہے۔ اسے خدا کہتے ہیں اور جس قاعدے کے مطابق خدا کائنات کو چلاتا ہے۔ اسے خدا کا قانون کہتے ہیں۔ وہ رسول ایک ایسی جماعت پیدا کرتا جو اس حقیقت کو صحیح تسلیم کرلیتی۔

لیکن اس رسول کے چلے جانے کے بعد، وحدت کا یہ تصوّر دھندلا پڑجاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگ خدا کو بھی مانتے اور اس کے ساتھ دوسری قوتوں کو بھی شریک خدائی تصور کر لیتے۔ قرآن کریم نے اسے شرک کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔

یہ تو رہا خارجی کائنات کا معاملہ۔ جہاں تک خود انسانوں کی اپنی دنیا کا تعلق ہے۔ وحی کی تعلیم بتاتی کہ اس کے لئے بھی خدا نے قوانین متعین کردیئے ہیں۔ اس لئے انسانوں کو چاہیئے کہ وہ انہی قوانین کی اطاعت کریں۔ رسول، اسی قسم کا نظام قائم کرتا جس میں اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہوتی۔ لیکن بعد میں، انسان اس باب میں بھی شرک اختیار کرلیتے۔ یعنی وہ احکامِ خداوندی کے ساتھ انسانوں کے وضع کردہ احکام کی بھی اطاعت کرنے لگ جاتے۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ۔

۱۔ ان اختیارات اور قوتوں میں، جو صرف خدا کے لئے مختص ہیں، کسی اور کو شریک کرنا شرک ہے۔ خواہ یہ خارجی قوتیں (مظاہرِ فطرت) ہوں یا خود انسان۔ اور

۲۔ انسانوں کا، قوانینِ خداوندی کے علاوہ، انسانوں کے خود ساختہ قوانین و احکام کی اطاعت کرنا بھی شرک ہے۔

قرآن کریم نے شرک کو "ظلم عظیم" اور ناقابلِ عفو جرم قرار دیا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ خدا (معاذ اللہ) اسے برداشت نہیں کرسکتا کہ کسی اور کو اس کی خدائی میں شریک کیا جائے۔ انسان ایک چھوڑ لاکھوں دیوی دیوتاؤں کو خدا بنالے اور ہزاروں انسانوں کو درجۂ خدائی دے دے تو اس سے خدا کی کبریائی میں کچھ فرق نہیں آجاتا۔ اس لئے خدا نے شرک سے اس لئے اس شدت سے منع نہیں کیا کہ اس سے خدا کو کچھ نقصان پہنچتا ہے۔ اس نے اس سے اس لئے منع کیا ہے کہ اس سے انسان اپنے صحیح مقام سے گرجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ شرک کرنے والا، یا تو فطرت کی قوتوں میں سے کسی کو خدا بنا کر اس کے سامنے جھکے گا۔ یا انسانوں میں سے کسی کو بالاتر قوتوں کا حامل سمجھ کر، اس کی اطاعت کریگا۔ لیکن انسان کا مقام یہ ہے کہ فطرت کی تمام قوتیں اس کے تابعِ تسخیر کردی گئی ہیں اور انسان سب یکساں طور پر واجب الاحترام ہیں۔ اس لئے انسان کا فطرت کی قوتوں کے سامنے، یا اپنے جیسے انسانوں کے سامنے جھکنا، وجۂ تذلیلِ انسانیت ہے۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن نے اسے ظلمِ عظیم اور سنگین جرم قرار دیا ہے۔

اس سے انسان، مقامِ انسانیت سے گر جاتا ہے۔ (ظلم کے معنی ہیں۔ جس شے کو جس مقام پر ہونا چاہیئے اسے اس مقام پر نہ ہونا)۔ قرآن کریم میں ایمان کے مقابلہ میں کفر اور شرک دو اصطلاحات آئی ہیں۔ وسیع مفہوم کے لحاظ سے یوں سمجھئے کہ کفر سے مراد یہ ہے کہ یا تو خدا کی ہستی ہی سے انکار کر دیا جائے۔ یا جن صفات کی حامل اس کی ذات ہے، ان صفات کا انکار کر دیا جائے۔ اور شرک سے مراد یہ ہے کہ قوائے فطرت یا خود انسانوں کو ان کے مقام سے اونچا لے جا کر، انہیں ان اقتدارات و اختیارات کا حامل سمجھ لیا جائے جو صرف خدا کے لئے مختص ہیں۔ اس مقام پر اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے بعض مقامات پر کفار کو مشرک بھی کہا ہے اور مشرکین کو کفار بھی۔ حتیٰ کہ اس نے اہلِ کتاب کو بھی (جو خدا پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے) کافر اور مشرک کہہ کر پکارا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کے نزدیک خدا پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اُسے اس تصوّر کے مطابق مانا جائے جو خود اس نے اپنے متعلق قرآن کریم میں دیا ہے۔

ضمناً یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے جو "مشرکین" سے جنگ کرنے کے لئے کہا ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ دنیا میں جو لوگ بھی شرک کا ارتکاب کریں مسلمان ان سے محض اس بنا پر جنگ کریں کہ وہ شرک کیوں کرتے ہیں۔ ایسے مقامات میں "مشرکین" سے مراد رسول اللہؐ کے زمانے کے وہ مخالفینِ اسلام ہیں جو اس دین کو بزور مٹانا چاہتے تھے۔ اور اس لئے ان کے خلاف جنگ ناگزیر ہو گئی تھی۔ (تفصیل اس کی متعلقہ عنوانوں میں ملے گی)۔ اسلام نہ شرک کو بزور مٹانا چاہتا ہے نہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانا چاہتا ہے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں میں فرقہ بندی کو بھی شرک قرار دیا ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اگر امتِ مسلمہ، اپنی اطاعت کے لئے خدا کی کتاب کو سند و حجت تسلیم کرے تو اس میں اختلاف پیدا ہو نہیں سکتا کیونکہ قرآن کا دعوےٰ یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ لیکن اگر اطاعت کے لئے سند و حجت، خدا کی کتاب کے علاوہ کسی اور کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ شرک ہوگا اور اس کا لازمی نتیجہ اختلاف و افتراق۔ آپ دیکھیں گے کہ فرقہ بندی میں آخری سند، کسی نہ کسی انسان کی قرار پا جاتی ہے۔ خدا کی نہیں۔ لہذا فرقہ بندی کے شرک ہونے میں شبہ کیا رہ جاتا ہے۔

مسلمان اس وقت جس جس قسم کے شرک میں مبتلا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اور اس کا جو نتیجہ ہے وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔

(اس کے ساتھ عنوان توحید۔ دعا۔ عبد۔ وغیرہ بھی دیکھئے)

شرک

۱۔ شرک ظلمِ عظیم ہے (۳۱ : ۱۳)۔ ظلم کے معنی ہیں کسی شے کو اس مقام پر رکھنا جہاں اسے نہیں ہونا چاہیئے۔ لہٰذا خدا کو اس کے صحیح مقام سے نیچے لے آنا، یا مظاہرِ فطرت اور انسانوں کو ان کے صحیح مقام سے اوپر لے جانا شرک ہے۔ شرک اپنی ذات کے خلاف کذب ہے۔ (۶ : ۲۳-۲۴)

۲۔ جنہیں تم شریکِ خدائی کرتے ہو ان کا کائنات میں کوئی حصہ (شرک) نہیں (۳۴ : ۲۲)۔ (۳۵ : ۴۰)۔ (۴ : ۶۴)

۳۔ جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو، وہ قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے۔ (۳۵ : ۱۴)

۴۔ شرک، خوف سے پیدا ہوتا ہے۔ (۳ : ۱۵۱)۔ (۶ : ۸۱-۸۲)۔ (۳۰ : ۲۸)

۵۔ شرک سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ (۶ : ۸۹)

۶۔ شرک کرنے والا اپنے مقامِ بلند سے کس طرح گر جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے وہ آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر آ گرے۔ یا جیسے کسی نوزائیدہ پرندے کے بچے کو چیل جھپٹ کر لے جائے۔ یا جیسے ہوا کا تیز جھکڑ پرکاہ کو اڑائے اڑائے پھرے۔ (۲۲ : ۳۱)

۷۔ فرقہ بندی شرک ہے۔ (۳۰ : ۳۱)۔ (۴۲ : ۱۳)

۸۔ شرک سے جنت حرام ہو جاتی ہے۔ (۵ : ۷۲)۔ شرک معاف نہیں ہو سکتا۔ (۴ : ۴۸)۔ (۴ : ۱۱۶)۔ (۲۶ : ۵۰)۔ یہ افترا ہے۔ (۴ : ۴۸)

۹۔ شرک خود اپنے آپ پر ظلم ہے۔ (۲ : ۵۴)۔ (۲ : ۹۲)۔ اپنی ذات کے خلاف کذب ہے۔ (۶ : ۲۴)

۱۰۔ غیر اللہ کا اتباع بھی شرک ہے۔ (۲ : ۱۶۶)۔ (۶ : ۱۲۲)

۱۱۔ غیر اللہ کی طرف منسوب کردہ کھانا حرام ہے۔ (۲ : ۱۷۳)۔ (۵ : ۳)۔ (۶ : ۱۴۶)۔ (۱۶ : ۱۱۵)

۱۲۔ کسی انسان کو حق حاصل نہیں۔ خواہ وہ نبی بھی کیوں نہ ہو کہ دوسرے انسانوں کو اپنا محکوم بنائے۔ (۳ : ۷۸)

۱۳۔ مشرکانہ رسومات۔ (۴ : ۱۱۹)۔ (۵ : ۳)۔ (۵ : ۱۰۳)۔ (۶ : ۱۳۹-۱۴۵)

۱۴۔ جس پر خدا کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ۔ اس باب میں اگر تم مشرکین کا اتباع کرو گے تو انہیں میں سے ہو جاؤ گے۔ (۶ : ۱۲۲)۔ (۱۵)۔ توحید یہ ہے کہ انسان کا مرنا جینا سب اللہ کے لئے ہو۔ (۶ : ۱۶۲-۶۵)

۱۶۔ شرک کے لئے خدا نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ (۷ : ۳۳)۔ (۲۲ : ۷۱)۔ (۳۰ : ۳۵)

۱۷۔ یہ کوئی دلیل نہیں کہ آباد و اجداد شرک کرتے تھے، اس لئے ہم بھی شرک کرتے ہیں ۔ (۷ : ۱۷۳)

۱۸۔ کسی کو اپنا شفیع بنانا ۔ یا خدا اور بندے کے درمیان واسطہ سمجھنا شرک ہے ۔ (۱۰ : ۱۸) ۔ (۱۳ : ۲۳)

۱۹۔ لوگ محض تقلیداً شرک کرتے رہتے ہیں ۔ (۱۱ : ۱۰۹)

۲۰۔ خدا کے سوا کسی اور کا حقِ حکومت تسلیم کرنا شرک ہے ۔ (۱۲ : ۴۰) ۔ (۱۷ : ۱۱۱) ۔ (۱۸ : ۲۶) ۔ (۱۸ : ۱۱۰) ۔ (۲۵ : ۲) ۔ (۲۱) ۔ جو کچھ تخلیق نہیں کر سکتے کیا وہ خالق کے ہمسر ہو سکتے ہیں ؟ (۱۶ : ۱۷) ۔ یہ مردہ ہیں ۔ (۱۶ : ۲۱)

۲۲۔ شرک کرو گے تو مایوس ۔ افسردہ خاطر ۔ بے یار و مددگار رہ جاؤ گے ۔ (۱۷ : ۲۲)

۲۳۔ کثرتِ مال و دولت میں، قوانینِ خداوندی کو پس پشت ڈال دینا شرک ہے (۱۸ : ۴۲-۳۸)

۲۴۔ خدا کو چھوڑ کر اور معبود تراشں لینا تاکہ وہ باعثِ عزت و تقویت بنیں شرک ہے ۔ (۱۹ : ۸۲-۸۱)

۲۵۔ شرک کے حق میں کوئی دلیل نہیں مل سکتی ۔ (۲۱ : ۲۴) ۔ (۲۳ : ۱۱۷)

۲۶۔ خدا کی اولاد کا عقیدہ شرک ہے ۔ (۲۱ : ۲۶)

۲۷۔ جو خدا کا شریک ہونے کا دعوےٰ کرے، اسے جہنم رسید کر دیا جاتا ہے ۔ (۲۱ : ۲۹)

۲۸۔ شرک وجۂ تذلیلِ انسانیت ہے ۔ (۲۲ : ۱۸)

۲۹۔ اپنے جذبات کو معبود بنا لینا شرک ہے ۔ (۲۵ : ۴۳) ۔ (۴۵ : ۲۳-۲۴)

۳۰۔ کائنات کی ہر شے (قوانینِ) خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے ۔ یہی توحید ہے ۔ (۲۲ : ۱۸)

۳۱۔ شرک بھی کفر ہے ۔ (۲۷ : ۴۳) ۔ (۵۰ : ۲۴-۲۶)

۳۲۔ سب سے کٹ کر اسی ایک کا ہو جانا توحید ہے ۔ (۷۳ : ۸)

خدا کا کوئی شریک نہیں

۱۔ خدا کے اقتدارات میں کوئی شریک نہیں ۔ (۱۳ : ۱۶) ۔ (۱۷ : ۱۱۱) ۔ (۱۸ : ۲۶) ۔ (۱۸ : ۱۱۰) ۔ (۲۳ : ۲۱) ۔ (۲۱ : ۴۲) ۔ (۲۵ : ۲) ۔ (۳۵ : ۳) ۔ (۳۹ : ۳۸) ۔ (۴۸ : ۱۱) ۔ (۶۷ : ۲۱-۲۰)

۲۔ خدا کا کوئی شریک نہیں ۔ (۶ : ۱۶۴) ۔ (۲۳ : ۱۱۶)

۳۔ خدا اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا ۔ (۱۸ : ۲۶)

۴۔ خدا کی محکومیت (عبدیت) میں کسی کو شریک نہ کرو ۔ (۱۸ : ۱۱۰)

۵۔ جماعتِ مومنین کو حکومت اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ خدا کی محکومیت (عبودیت) میں کسی کو شریک نہ کریں۔ (۲۴:۵۵)
۶۔ جب تم مصیبت میں پھنستے ہو تو خدا کو پکارتے ہو۔ جب وہ اس سے تمہیں نجات دے دیتا ہے تو تم اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگ جاتے ہو۔ (۴۱ : ۶) - (۶ : ۵۳-۵۴) - (۶ : ۶۴) - (۲۹ : ۶۵) - (۳۰ : ۳۳)
۷۔ خدا نے اس کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی کہ اس کے ساتھ شرک کرو۔ (۳۰ : ۳۵)
۸۔ خدا ان کے شرکاء سے بلند ہے۔ (۷ : ۱۹۰) - (۹ : ۳۱) - (۱۰ : ۱۸) - (۱۶ : ۱) - (۱۶ : ۳) - (۲۳ : ۹۲) - (۲۷ : ۶۳) - (۲۸ : ۶۸) - (۳۰ : ۴۰) - (۳۹ : ۶۷) - (۵۹ : ۲۳)
۹۔ عبودیت بھی صرف خدا کی اور استعانت بھی صرف اسی سے۔ (۱ : ۴)
۱۰۔ خدا اگر تمہاری سماعت و بصارت کو لے جائے تو کون ہے جو انہیں واپس دے سکتا ہے۔ (۶ : ۴۶)
۱۱۔ خدا کا ہمسر (برابر) کوئی نہیں۔ (۱۹ : ۶۵)
۱۲۔ اگر کائنات میں اور الٰہ بھی ہوتے تو نظمِ کائنات درہم برہم ہو جاتا۔ (۲۱ : ۲۲-۲۹)
۱۳۔ احد - الصمد - لم یلد ولم یولد - ولم یکن لہ کفواً احد - اللہ کی صفات ہیں۔ (۱۱۲ : ۱-۴)

شرک مت کرو

۱۔ حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو نصیحت کہ شرک مت کرو - یہ ظلم عظیم ہے (۳۱ : ۱۳)
۲۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حضرت ابراہیمؑ سے ارشاد ہوا کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ لہٰذا کعبہ کو اپنا مرکز تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی کی محکومیت اختیار نہ کی جائے۔ (۲۲ : ۲۶)
۳۔ ماں باپ بھی شرک کی تعلیم دیں تو ان کی بات مت مانو۔ (۲۹ : ۸) - (۳۱ : ۱۵)
۴۔ خدا نے شرک کو حرام قرار دیا ہے (یا واجب قرار دیا ہے کہ شرک نہ کیا جائے)۔ (۶ : ۱۵۲) - (۷ : ۳۳)
۵۔ خدا کی عبودیت اختیار کرو اور اسی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (۴ : ۳۶)
۶۔ خدا کے ساتھ کسی الٰہ کو مت پکارو۔ (۲۶ : ۲۱۳) - (۲۸ : ۸۸) - (۷۲ : ۱۸)
۷۔ یہ نہ کہدو کہ ہمارے آباؤ اجداد مشرک تھے اس لئے ہم بھی شرک کرتے ہیں۔ (۷ : ۱۷۳)
۸۔ مومنوں سے کہا گیا کہ شرک مت کرو۔ یعنی ان میں سے نہ ہو جاؤ جو دین میں فرقے پیدا کر لیتے ہیں۔ (۳۰ : ۳۱)
۹۔ رزق کے سرچشموں کو ہر ایک کے لئے کھلا رہنے دو۔ خدا کے ساتھ انداد (ہمسر) کھڑے نہ کرو۔ (۲ : ۲۲)

۱۰۔ شرک مت کرو، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ (۲۱۳ : ۲۶)۔ (۸۸ : ۲۸)

۱۱۔ مظاہرِ فطرت کو سجدے مت کرو، صرف اللہ کے سامنے جھکو۔ (۳۷ : ۴۱)

۱۲۔ مساجد اللہ کے لئے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔ (۱۸ : ۷۲)

مومن شرک نہیں کرتے

۱۔ ایک مردِ مومن کا اعلان کہ میں شرک نہیں کرتا۔ (۳۸ : ۱۸)۔ مومن شرک نہیں کرتے۔ (۷۱ : ۹)۔(۵۹ : ۲۳)

۲۔ رسول اللہ کا اعلان کہ میں شرک نہیں کرتا۔ (۲۰ : ۷۲)۔ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ (۵۶ : ۶)۔(۳۶ : ۱۳)

۳۔ حضرت یوسفؑ کا اعلان کہ ہم انبیاء کے زمرے میں سے ہیں۔ ہم شرک نہیں کرتے۔ اس کے بعد اس کی تفصیل میں کہا کہ حقِ حکومت صرف خدا کو ہے۔ اس کے سوا کسی کو نہیں۔ (۴۰ - ۳۸ : ۱۲)

۴۔ اہلِ کتاب کو دعوت کہ وہ اس بات میں مومنین کے ساتھ شریک ہوں کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ یعنی انسانوں میں سے کسی کو خدائی اختیارات کا حامل نہ سمجھا جائے۔ (۶۳ : ۳)

۵۔ بدوی قبائل (جن) جو قرآن سن کر گئے تھے ان کا اعلان کہ ہم شرک نہیں کریں گے۔ (۲ : ۷۲)

۶۔ دربارِ فرعون کے مردِ مومن کا اعلان کہ میں شرک نہیں کرتا۔ (۴۲ : ۴۰)

۷۔ مومنین سے کہا گیا کہ مشرکین میں سے مت ہو جانا۔ یعنی دین میں فرقے نہ پیدا کر لینا۔ (۳۱ : ۳۰)

۸۔ مومن عورتوں سے بیعت لی جاتی تھی کہ وہ شرک نہیں کریں گی۔ (۱۲ : ۶۰)

۹۔ اصحابِ کہف نے اپنی قوم سے اس لئے علیحدگی اختیار کر لی کہ وہ شرک کرتی تھی۔ (۱۵ : ۱۸)

۱۰۔ مومن شرک نہیں کرتے۔ (۶۸ : ۲۵)

مشرک

۱۔ ایک شخص کا صرف ایک آقا ہے اور دوسرا شخص متعدد آقاؤں کا خدمت گذار ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں —— (۷۵ : ۱۶)۔(۲۹ : ۳۹)۔(۲)۔ مشرک کا تاسف کہ اے کاش! میں شرک نہ کرتا۔ (۴۲ : ۱۸)

۳۔ مشرک کہتے ہیں کہ اگر خدا کی مشیت میں نہ ہوتا تو ہم شرک نہ کرتے۔ (۱۴۹ : ۶)۔(۳۵ : ۱۶)۔(۲۰ : ۴۳)

۴۔ مشرک موت سے ڈرتا ہے۔ مرنا نہیں چاہتا۔ (۹۶ : ۲)

۵۔ مشرکینِ عرب حضورؐ کی مخالفت کرتے تھے۔ (۳ : ۱۸۵)

۶۔ مشرکین سے قیامت میں کہا جائے گا کہ کہاں ہیں تمہارے شرکاء۔ (۶ : ۲۲) ۔ (۱۰ : ۲۸)

۷۔ یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس۔ مومنین سے الگ مشرکین کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۲۲ : ۱۷)

۸۔ رسول اللہ سے کہا گیا کہ مشرکین سے اعراض برتو۔ تم ان پر داروغہ نہیں مقرر کئے گئے۔ اگر خدا چاہتا تو انہیں ایسا پیدا کر دیتا کہ یہ شرک نہ کر سکتے۔ لیکن اس نے انسانوں کو آزادی دی ہے۔ لہٰذا انہیں زبردستی مومن بنانا مقصود ہی نہیں۔ (۶ : ۱۰۷-۱۰۸)

۹۔ مشرکین کے دلوں میں ان کے شرک کی وجہ سے، مومنین کا رعب ڈال دیا جائے گا۔ (۳ : ۱۵۰)

۱۰۔ مشرک مرد یا مشرک عورت سے نکاح جائز نہیں۔ مومن غلام اور مومن لونڈی ان سے بہتر ہیں۔ (۲ : ۲۲۱)

۱۱۔ زانی مرد یا زانیہ عورت، جنسی تعلقات زانیوں سے یا مشرکین سے قائم کر سکتے ہیں۔ مومن مرد یا مومن عورت (برضا و رغبت) زنا کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ (۲۴ : ۳)

۱۲۔ اکثر لوگ ایمان لے آنے کے باوجود مشرک کے مشرک ہی رہتے ہیں۔ یعنی رسمی ایمان لے آتے ہیں اور عقائد اور رسوم مشرکانہ اختیار کئے رکھتے ہیں (جیسا کہ ہم مسلمانوں کی اکثریت کا عالم ہے)۔ (۱۲ : ۱۰۶)

۱۳۔ شیطان کا تسلط مومنین پر نہیں ہو سکتا۔ مشرکین پر ہی ہو سکتا ہے۔ (۱۶ : ۱۰۰)

۱۴۔ مشرکین کی اطاعت سے انسان مشرک ہو جاتا ہے۔ (۶ : ۱۲۲)

۱۵۔ اسلام تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ (۹ : ۳۳) ۔ (۶۱ : ۹)

۱۶۔ مشرک قیامت میں کہیں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ یعنی وہ اپنے خلاف جھوٹ بولیں گے۔ (۶ : ۲۳-۲۴) ۔ (۴۰ : ۸۴)

۱۷۔ سب سے کٹ کر صرف خدا کی اطاعت کرو۔ اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ (۲۲ : ۳۱)

۱۸۔ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مشرک قوموں کا انجام کیا ہوا تھا۔ (۳۰ : ۴۲)

۱۹۔ مشرکین پر تمہاری دعوت بڑی گراں گزرتی ہے۔ (۴۲ : ۱۳)

۲۰۔ مشرکین مساجد کو آباد نہیں کر سکتے۔ (۹ : ۱۷)

۲۱۔ مشرکین کے لئے تباہی ہے۔ یہ زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے منکر ہیں۔ (۴۱ : ۷)

۲۲۔ مشرکین کی نگاہوں میں قتلِ اولاد جیسی چیز بھی مزین بن کر دکھائی دیتی ہے۔ (۶ : ۱۳۸)

۲۳۔ مشرکین و مشرکات خدا کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (۳۳ : ۷۳) ۔ (۴۸ : ۶)

۲۴۔ خدائے واحد کی طرف دعوت دو۔ تو تم اس سے انکار کرتے ہو۔ اور جب اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کر دو

توتم ایمان لے آتے ہو۔ (۴۰ : ۱۲)

۲۵۔ مشرکین حیاتِ دنیا کے سخت حریص ہوتے ہیں۔ مرنا ہی نہیں چاہتے۔ (۲ : ۹۶)

۲۶۔ مشرکین انداداً من دون اللہ سے خدا سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں۔ مومن کی محبت خدا کے لئے زیادہ ہوتی ہے۔ (۲ : ۱۶۵)

۲۷۔ کفار، خدا کے ہمسر اور کھڑے کر دیتے ہیں۔ (۶ : ۱)۔ (۲۸) مشرکین کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔ (۹ : ۱۱۳)

۲۹۔ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا کو ایسا منظور نہ ہوتا تو ہم شرک نہ کرتے۔ یہ کس قدر غلط نگہی ہے (۱۶ : ۳۵)

۳۰۔ شیطان کا تسلط مشرکین پر ہی ہو سکتا ہے۔ مومنین پر نہیں۔ (۱۶ : ۹۹-۱۰۰)۔

۳۱۔ مشرکین معبودانِ باطل کے ذریعے اپنی قومی یک جہتی قائم رکھتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے (۲۹:۲۵)

۳۲۔ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتے ہیں۔ مصیبت ٹل جانے پر شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔ (۲۹ : ۶۵)

۳۳۔ اقوامِ سابقہ کا انجام دیکھو۔ اکثر ان میں سے مشرک تھیں۔ (۳۰ : ۳۳)۔ (۳۰ : ۴۲)۔ (۳۱ : ۳۲)۔ (۳۹ : ۸)

۳۴۔ انسان چونکہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اس لئے مشرکین مستحقِ عذاب قرار پاتے ہیں۔ (۳۳ : ۷۳)

۳۵۔ مشرک اسی کو گمراہ کر سکتے ہیں جس نے جہنم میں جانے کی ٹھان رکھی ہو۔ (۳۷ : ۱۶۱ - ۱۶۳)

۳۶۔ مشرک کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا کا مقرب بنا دیں گے۔ (۳۹ : ۳)۔ (۴۶ : ۲۸)

۳۷۔ عذاب دیکھ کر ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ (۴۰ : ۸۴)

۳۸۔ دین الحق غالب رہے گا۔ خواہ مشرکین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ (۶۱ : ۹)

۳۹۔ مشرک کا سینہ خوف کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ امن میں صرف مومن ہو سکتا ہے۔ (۶ : ۸۱ - ۸۲)

شرکاء (یعنی جنہیں شریکِ خدائی کیا جاتا ہے)

۱۔ جنہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کی شفاعت کریں گے اور اس لئے یہ انہیں خدا کا شریک قرار دیتے ہیں، وہ جزائے اعمال سامنے آنے کے وقت کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ (۶ : ۹۴)۔ (۹۵ : ۶)۔ (۴۷ : ۷)۔ (۱۳ : ۳۰)۔ (۲۳ : ۳۶)

۲۔ خدا کے شریک وہ لوگ ہیں جو ایسا دین وضع کرتے ہیں جسے خدا نے مقرر نہیں کیا۔ (یعنی اربابِ شریعت)۔ (۴۲ : ۲۱)

۳۔ ذرا انہیں سامنے تو لاؤ جنہیں تم شریکِ خدائی کرتے ہو۔ (۳۴ : ۲۲ - ۲۷)۔ (۴۰ : ۳۵)۔ (۴۱ : ۶۰)

۴۔ لوگ اولاد بھی شرکاء سے مانگتے ہیں۔ (۷ : ۱۹۰)

۵۔ یہ شرکاء خود مخلوق ہیں۔ انہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا۔ (۱۹۱ : ۷)۔ (۳۴ : ۱۰)۔ (۱۶ : ۱۳)۔ (۲۰ : ۱۶)

(۲۵ : ۳) - (۳۵ : ۴۶) - (۴۶ : ۴)

۶۔ یہ شرکاء محض ان کے قیاسات کے تخلیق کردہ ہیں ۔ (۱۰ : ۳۶) - (۱۰ : ۶۶)

۷۔ غیر مرئی قوتوں (جنّ) کو شریک بنانے والے ۔ (۶ : ۱۰۱)

۸۔ کیا غلام اور آقا برابر ہو سکتے ہیں ۔ پھر مخلوق میں سے کوئی، خدا کا ہمسر کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر تم ان سے ڈرتے کیوں ہو؟ ۔ (۱۶ : ۷۵ - ۷۶) - (۳۰ : ۲۸)

۹۔ جنہیں تم شریکِ خدائی کرتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے خدا کے عبد ہیں ۔ انہیں آواز دے کر دیکھو ۔ کیا وہ اس کا جواب دیتے ہیں ۔ یہ مٹی کی مورتیاں کیا قوت رکھتی ہیں؟ (۷ : ۱۹۴ - ۱۹۵)

۱۰۔ تم اپنے معبودانِ باطل کو بلاؤ اور ان سے کہو کہ میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہیں، کر دیکھیں؟ ۔ (۷ : ۱۹۵ - ۱۹۸)

۱۱۔ جزائے اعمال کے وقت لوگوں پر ان کے معبودانِ باطل کی حقیقت کھل جائے گی ۔ وہ خدا سے کہیں گے کہ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا اس لئے انہیں تو تباہ کر دے ۔ وہ انہیں بلائیں گے تو وہ ان کی دعوت کا جواب تک نہیں دیں گے ۔ (۱۶ : ۲۷)

(۱۸ : ۵۲) - (۲۵ : ۱۷ - ۱۹) - (۲۸ : ۶۲ - ۶۴) - (۳۰ : ۴۰) - (۴۰ : ۷۳) - (۴۱ : ۴۷ - ۴۸)

۱۲۔ یہ شرکاء تمہیں ہدایت نہیں دے سکتے ۔ (۱۰ : ۳۵)

۱۳۔ ان شرکاء میں کوئی بھی صفتِ خداوندی نہیں ۔ نہ جِلانا، نہ مارنا، نہ رزق دینا ۔ (۳۰ : ۴۰)

۱۴۔ یہ (مذہبی پیشوا) لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ حصہ خدا کا ہے اور یہ اس کے شرکاء کا۔ جو شرکاء کا حصہ ہوتا ہے اسے بھی خود لے جاتے ہیں اور خدا کا حصہ بھی ۔ (۶ : ۱۳۶)

۱۵۔ لوگوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ باطل معبودوں (کو خوش کرنے) کے لئے اپنی اولاد تک کو قتل کر دیتے ہیں ۔ (۶ : ۱۳۸)

۱۶۔ قیامت کے دن شرکاء بھی کہہ دیں گے کہ تم ہماری پرستش نہیں کیا کرتے تھے ۔ (۱۰ : ۲۸) - (۱۶ : ۸۶) ۔ اور شرک کرنے والے بھی اس سے انکار کر دیں گے ۔ (۳۰ : ۱۳) - (۴۱ : ۴۷ - ۴۸)

۱۷۔ یہ تمہارے معبودانِ باطل! انہیں بلاؤ تو وہ تمہاری آواز نہ سن سکیں ۔ اگر بفرضِ محال سن بھی لیں تو اس کا جواب نہ دے سکیں ۔ اور قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کر دیں ۔ (۳۵ : ۱۳ - ۱۴)

۱۸۔ شیطان کہہ دے گا کہ میں اس سے انکار کرتا ہوں کہ تم مجھے خدا کا شریک قرار دیتے تھے ۔ (۱۴ : ۲۲)

۱۹۔ اہلِ جہنم سے کہا جائے گا کہ بتاؤ تمہارے شرکاء کہاں ہیں ۔ (۴۰ : ۷۳)

۲۰۔ رسول اللہ کا اعلان کہ میں تمہارے شرکاء سے کیوں ڈروں ۔ تمہیں اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ تم خدا کے ساتھ

شریک ٹھہراتے ہو ۔ (۸۲-۸۱ : ۶)

۲۱۔ خدا بہتر ہے یا جنہیں تم اس کا شریک قرار دیتے ہو وہ بہتر ہیں ۔ (۵۹ : ۲۷)

۲۲۔ متبوعین، متبعین سے الگ ہو جائیں گے تو متبعین کہیں گے کہ اگر ہم ایک بار پھر دنیا کی طرف لوٹ سکیں تو ہم ان متبوعین سے اظہارِ بیزاری کر کے بتائیں ۔ (۱۶۷ : ۲)

۲۳۔ مصیبت کے وقت تم خدا کو پکارتے ہو اور اپنے شرکاء کو بھول جاتے ہو ۔ (۴۱ : ۶)

۲۴۔ مشرکین کے معبودانِ باطل کو گالی مت دو ۔ (۱۰۹ : ۶) ۔ (۲۵)۔ خدا کے ہمسر ٹھہرانے والے ۔ (۱۵۱ : ۶)

۲۶۔ ان کے شرکاء، خدا کے فیصلے کے خلاف ان کی کچھ مدد نہیں کر سکیں گے ۔ (۱۰۱ : ۱۱)

۲۷۔ یہ شرکاء کیا ہیں ؟ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لئے ہیں ۔ (۴۰ : ۱۲)۔(۲۳ : ۵۳)

۲۸۔ جنہیں یہ خدا کے سوا پکارتے ہیں، وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے ۔ ان کی پکار ایسی ہی ہے جیسے کوئی پیاسا پانی پانی پکارے ۔ اس طرح پانی تو اس کے منہ میں نہیں چلا جائے گا ۔ (۱۴ : ۱۳)

۲۹۔ یہ شرکاء نفع نقصان کی قدرت نہیں رکھتے ۔ (۱۶ : ۱۳) ۔ (۵۶ : ۱۷)

۳۰۔ شیطان کہے گا کہ تم نے مجھے خواہ مخواہ خدا کا شریک بنا لیا تھا ۔ (۲۲ : ۱۴)

۳۱۔ مذہبی راہ نما خدا کے ہمسر تراش کر انہیں صحیح راستے سے بہکا دیتے ہیں ۔ (۳۰ : ۱۴)

۳۲۔ یہ لوگ مُردوں کو بھی شریکِ خدائی کر لیتے ہیں حالانکہ انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے —— (۲۱-۲۰ : ۱۶) ← (۳۳)۔ ان کے شرکاء رزق کا اختیار نہیں رکھتے ۔ (۷۵-۷۳ : ۱۶)

۳۴۔ شرکاء کی اگر کوئی حقیقت ہوتی تو وہ خدا کے عرش تک جا پہنچتے ۔ یعنی کائناتی نظم و نسق میں دخیلِ کار ہو جاتے ۔ (۴۲ : ۱۷) ۔ (۳۵)۔ جنہیں تم خدا کا شریک سمجھتے ہو وہ خود اس کے مقرب بننے کے لئے وسیلے تلاش کرتے ہیں ۔ (۵۷ : ۱۷) ۔ (۳۶)۔ خدا کا نہ کوئی بیٹا ہے ۔ نہ ہی کوئی اس کا شریکِ خدائی ہے ۔ نہ کوئی مددگار ۔ (۱۱۱ : ۱۷)

۳۷۔ خدا سے ورے ہی اس کے بندوں کو اولیاء (کارساز و کارفرما) سمجھ لینا کفر و شرک ہے (۱۰۲ : ۱۸)۔ (۹ : ۴۲)۔ (۶۱ : ۴۲) ← (۱۰ : ۴۵)

۳۸۔ مشرک اور ان کے معبودانِ باطل سب جہنم پر وارد ہوں گے ۔ (۹۸ : ۲۱)

۳۹۔ معبودانِ باطل نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔ بلکہ ان کا نقصان نفع کے مقابلہ میں زیادہ ہے (۱۳-۱۲ : ۲۲)۔(۵۵ : ۲۵)

۴۰۔ صرف خدا حق ہے ۔ اس کے سوا ہر الٰہ باطل ہے ۔ (۶۲ : ۲۲)

۴۱۔ معبودانِ باطل مکھی تک پیدا نہیں کرسکتے ۔ اگر مکھی کچھ ان سے چھین کرلے جائے تو اسے اس سے واپس نہیں لے سکتے (۲۲:۷۳)

۴۲۔ معبودانِ باطل کا تمہاری مدد کرنا تو ایک طرف وہ اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے ۔ جہنم میں مشرکین کو افسوس ہوگا کہ انہوں نے انہیں اپنا معبود بناکر کس قدر جہالت کا ثبوت دیا ۔ (۹۸ - ۹۲ : ۲۶) - (۵، ۴۰، ۳۶)

۴۳۔ معبودانِ باطل کی عقیدت انسان کو صحیح راستہ اختیار کرنے سے روکتی ہے ۔ (۴۳ : ۲۷)

۴۴۔ خدا ان کے شرکاء سے بہتر ہے ۔ (۵۹ : ۲۷) - (۴۵) معبودانِ باطل مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ۔ (۴۱ : ۲۹)

۴۶۔ مشرکین اور ان کے معبودوں کو اکٹھا کرکے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا ۔ (۳۵ - ۲۲ : ۳۷)

۴۷۔ خدا کے شریک بھی ہوتے تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ٹولہ بنا لیتا ——— اور باہمی جنگ وجدال جاری رہتی ۔ (۹۱ : ۲۳)

مشرکینِ عرب (رسول اللہؐ کے زمانے کے)

۱۔ مشرکین نجس ہیں ۔ اس سال کے بعد وہ کعبہ کے قریب تک نہ آنے پائیں ۔ (۲۸ : ۹) ۔ مشرکین مساجد کو آباد نہیں کرسکتے ۔ (۱۷ : ۹)

۲۔ مشرکینِ عرب (مخالفینِ اسلام) کے خلاف اعلانِ برأت (۳-۱ : ۹) ۔ جو معاہدہ ان سے کرلیا گیا ہے ۔ اس کی پاسداری کرو ۔ (۴ : ۹) - (۷ : ۹) ۔ اگر وہ عہد شکنی کریں تو ان سے جنگ کرو ۔ (۵ : ۹) - (۳۶ : ۹)

۳۔ اگر کوئی مشرک پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دو ۔ اسے کلام اللہ سناؤ ۔ پھر اگر وہ اپنے وطن کی طرف جانا چاہے تو اسے بحفاظت اس کے مامن تک پہنچا دو ۔ (۶ : ۹)

۴۔ یہ اہلِ کتاب اور مشرکین قطعاً پسند نہیں کرتے تھے کہ تم لوگوں کی طرف خدا کی وحی نازل ہو ۔ (۱۰۵ : ۲) - (۱۳ : ۴۲)

۵۔ مشرکین سے اعراض برتو (کیونکہ اتنے لمبے عرصے کی تبلیغ کے بعد حالات نے یہ بتا دیا ہے کہ یہ توحید کی دعوت قبول نہیں کریں گے) اور زبردستی کسی کو مومن بنایا نہیں جاسکتا ۔ (۱۰۷ : ۶)

۶۔ مشرکین ومشرکات پر خدا کا عذاب آئے گا ۔ (۳۱، ۳۳) - (۶ : ۴۸) ۔ ان کے معبود ان کی کچھ مدد نہ کرسکے ——— (۲۸ : ۴۶) ——— (۷) یہ مشرکین کبھی آزاد نہیں ہوسکتے تھے ۔ جب تک ان کی طرف خدا کا رسول نہ آجاتا ۔ (۱ : ۹۸)

۸۔ جماعتِ مومنین کو ان مشرکین سے اذیت رساں باتیں سننی پڑیں گی ۔ (۱۸۵ : ۳)

۹۔ مشرکین اور یہود سب سے زیادہ مومنین کے دشمن تھے ۔ (۸۲ : ۵)

۱۰۔ رسول اللہ کا مشرکین کے شرک سے اظہارِ بریت۔ (۱۹ : ۹)۔ (۱۱)۔ مشرکین سے اعراض برتو۔ (۹۴ : ۱۵)

۱۲۔ مشرکینِ عرب کو تعجب تھا کہ اتنے خداؤں کی جگہ صرف ایک خدا کیسے کام دے گا۔ (۵ : ۳۸)

۱۳۔ مشرکین پر دعوتِ توحید بڑی ناگوار گذرتی ہے۔ (۱۳ : ۴۲)

۱۴۔ مشرکین عرب کے دیوی، دیوتا۔ لات و عزیٰ وغیرہ۔ (۲۳ - ۱۹ : ۵۳)

۱۵۔ بدوی قبائل (جن) قرآن سن کر شرک سے تائب ہو گئے۔ (۲ - ۱ : ۷۲)

۱۶۔ اہلِ کتاب میں سے ایمان نہ لانے والے اور مشرکین سب جہنم میں۔ (۶ : ۹۸)

تمام انبیاء نے شرک کی مخالفت کی تھی

۱۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بھی اور تمہارے شرکاء بھی اکھٹے ہو جاؤ اور جو کچھ میرے خلاف کرنا چاہتے ہو کر دیکھو۔ تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ (۷۱ : ۱۰)۔ قومِ نوح کے دیوی دیوتا۔ (۲۳ : ۷۱)

۲۔ تمام انبیاء کی طرف یہ وحی کی جاتی تھی کہ وہ شرک نہ کریں۔ (۶۵ : ۳۹)

۳۔ رسول اللہ کا اعلان کہ میں تمہارے معبودانِ باطل سے قطعاً نہیں ڈرتا۔ ڈرنا تمہیں چاہیئے کہ تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو۔ (۸۲ - ۸۱ : ۶)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ مشرکین میں سے نہیں تھے۔ (۱۳۵ : ۲)۔ (۶۶ : ۳)۔ (۹۴ : ۳)۔ (۱۶۲ : ۶)۔ (۳۵ : ۱۴)۔ (۱۲۳ : ۱۶)۔ (۱۲۰ : ۱۶)

۵۔ رسول اللہ کی زبانی پیغام یہ دیا گیا تھا کہ تم لوگ مشرک نہ بن جانا۔ (۱۰۵ : ۱۰)

۶۔ خود رسول اللہ سے ارشادِ خداوندی کہ تم مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ (۱۴ : ۶)۔ (۲۶ : ۱۳)۔ (۳۹ : ۱۷)۔ (۸۷ : ۲۸)

۷۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ جن چیزوں کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بری (بیزار) ہوں۔ (۷۹ - ۷۶ : ۶)۔ (۴۲ : ۱۹)۔ (۵۲ : ۲۱)۔ (۶۶ : ۲۱)۔ (۷۱ - ۷۰ : ۲۶)۔ (۱۷ : ۲۹)۔ (۹۲ - ۸۵ : ۳۷)۔ (۲۶ : ۴۳)۔ یہی حضرت ہودؑ نے کہا۔ (۵۴ : ۱۱)

۸۔ اگر انبیا شرک کرتے تو ان کے اعمال غارت ہو جاتے۔ (۸۹ : ۶)

۹۔ رسول اللہ کا اعلان کہ خدا کا کوئی شریک نہیں۔ (۱۶۴ : ۶)۔ (۶۴ : ۳۹)۔ (۶۶ : ۴۰)۔ (۵۱ : ۵۱)۔ (۲۰ : ۷۲)

۱۰۔ حضرت ہودؑ کی دعوتِ توحید - (۷ : ۶۵)-(۱۱ : ۵۴)-(۲۱ : ۴۶)۔ حضرت صالحؑ کی (۷ : ۷۳)-
حضرت شعیبؑ کی - (۷ : ۸۵)

۱۱۔ حضرت موسیٰؑ کی دعوتِ توحید - اور بنی اسرائیل کا شرک پر اصرار - (۷ : ۱۳۸)-(۷ : ۱۴۸) ——
(۲۰ : ۸۸ - ۸۹)-(۲۰ : ۹۷ - ۹۸)

۱۲۔ حضرت یوسفؑ کی دعوتِ توحید اور مخالفتِ شرک - (۱۲ : ۳۸ - ۴۰)

۱۳۔ تمام انبیاء توحید کی تعلیم دیتے تھے - (۲۱ : ۲۵)-(۳۹ : ۶۶)-(۴۳ : ۴۵)

۱۴۔ مشرکین کو ڈر تھا کہ رسولؐ اللہ انہیں ان کے معبودانِ باطل کی پرستش سے روک دیں گے۔ (۲۵ : ۴۲)- وہ کہتے
تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر اور مجنون کی خاطر چھوڑ دیں - (۳۷ : ۳۶)

۱۵۔ حضرت الیاسؑ کی تعلیم توحید کی تھی - (۳۷ : ۱۲۵)

۱۶۔ بدوی قبائل (جن) قرآن سن کر شرک سے تائب ہوگئے - (۷۲ : ۱-۲)

اہلِ کتاب مشرک ہیں

۱۔ اہلِ کتاب کو دعوت کہ 'آؤ' ہم اور تم ایک کلمۂ واحد پر جمع ہو جائیں۔ یعنی شرک نہ کریں - (۳ : ۶۴)

۲۔ اہلِ کتاب میں سے جبت اور طاغوت پر ایمان رکھنے والے - (۴ : ۵۱)

۳۔ تثلیث شرک ہے - (۴ : ۱۷۱)-(۵ : ۷۲ - ۷۳)

۴۔ حضرت عیسیٰؑ نصاریٰ کے شرک سے اظہارِ بریت کریں گے - (۵ : ۱۱۶)

۵۔ یہود ہوں یا نصاریٰ۔ سب شرک میں مبتلا ہیں - (۹ : ۳۰ - ۳۱)- انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو ارباباً من
دون اللہ قرار دے رکھا ہے - (۹ : ۳۱)

۶۔ مجوس کی ثنویت (دو خدا تسلیم کرنا) بھی شرک ہے - (۱۶ : ۵۱)

۷۔ خدا کے بندوں کو خدا کا جزو قرار دینے والے مشرک ہیں - (۴۳ : ۱۵)

۸۔ کفار کہتے تھے کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا (حضرت) عیسیٰؑ (جن کی قرآن تعریف کرتا ہے۔ حالانکہ عیسائی انہیں
اپنا معبود سمجھتے ہیں) - (۴۳ : ۵۸)

۹۔ اہلِ کتاب میں سے کفر کرنے والے یعنی اسلام نہ لانے والے اور مشرکین جہنم میں - (۹۸ : ۶)

۳- شریعت

شَرَعَ (ش- ر- ع) کے بنیادی معنی ہوتے ہیں۔ ظَهَرَ۔ کھل گیا۔ واضح ہو گیا۔ ظاہر ہو گیا۔ اس اعتبار سے اَلشَّرْعُ اور اَلشَّارِعُ۔ اس کھلے اور واضح راستے کو کہتے ہیں جس پر عام لوگ چل پھر سکیں۔ اسی طرح اَلشَّرِیْعَۃُ۔ اور اَلشِّرْعَۃُ۔ بھی سیدھے اور واضح راستے کو کہتے ہیں۔ نیز اس گھاٹ کو جس پر آدمی اور جانور پانی پینے کے لئے آئیں۔ بشرطیکہ وہ پانی مسلسل بہنے والے چشمہ سے آرہا ہو۔

اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے ایک چیز ہے الدّین اور دوسری چیز ہے الشریعۃ۔ الدّین، ان غیر متبدل اصولوں اور مستقل اقدار کو کہیں گے۔ جو ضابطۂ خداوندی کی اصل واساس ہیں اور شریعت، ان جزئی اور تفصیلی احکام کو جو اُن اصولوں کے تابع وضع کئے جائیں۔ اصولِ دین ہمیشہ سے ایک رہے ہیں۔ وہ ہر نبی کی وساطت سے ہر قوم کو دیئے جاتے رہے۔ ان میں شروع سے آخر تک کوئی فرق نہیں ہوا۔ لیکن الدّین پر چلنے کے طور طریقے، مختلف زمانوں میں اور مختلف اقوام و ممالک کے احوال و ظروف کے مطابق مختلف ہوتے رہے۔ (ان طور طریقوں کے لئے قرآن کریم میں مناہج اور مناسک کے الفاظ بھی آئے ہیں)۔ اب جو کچھ قرآن کریم میں آگیا ہے۔ خواہ وہ اصولِ دین ہوں یا احکام۔ وہ سب غیر متبدل ہے۔ لیکن جن اصولوں کی جزئیات قرآن نے خود متعین نہیں کیں، (اور ایسا خدا نے دانستہ نہیں کیا کہ ان جزئیات کو غیر متبدل رکھنا مقصود نہیں تھا) انہیں اسلامی مملکت (خلافتِ علیٰ منہاجِ نبوت) خود متعین کرے گی۔ انہیں احکامِ شریعت کہا جائے گا۔ اصول غیر متبدل رہیں گے۔ ان جزئیات میں حسبِ اقتضائے زمانہ، تبدیلیاں ہو سکیں گی۔

الدّین والشریعۃ

۱- ہر قوم کے لئے ایک شرعۃ اور منہاج تھا۔ اگر اہلِ کتاب تمہارے پاس اپنے متنازعہ فیہ امور کے فیصلہ کے لئے آئیں تو تم کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ دو۔ کہ الدّین اس میں ہے۔ (۴۸ : ۵)

۲- ہر قوم کے لئے ایک منسک تھا۔ (۳۴ : ۲۲)۔ مناسک کے اختلاف کے متعلق بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں۔ لیکن الامر (اصلِ دین) متنازعہ فیہ بات نہیں۔ وہ اب قرآن ہی کے اندر ہے۔ (۶۸-۶۷ : ۲۲)

۳- خدا نے اسی دین کو تم پر واضح کیا ہے (شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّيْنِ) جو دین انبیائے سابقہ کو دیا گیا تھا۔ ان

کے متبعین نے ان کے بعد اس میں اختلافات پیدا کر دیئے۔ تم اسی دین پر قائم رہو۔ یہ ما انزل اللہ کے اندر ہے (۱۶-۱۴ : ۴۲)

۴۔ ان لوگوں نے کچھ خدا کے شریک ٹھہرا رکھے ہیں جو ان کے لئے اس قسم کا دین وضع کرتے رہتے ہیں۔ (شرعوا لھم من الدین) جس کی اجازت خدا نے نہیں دی۔ (۲۱ : ۴۲) ۔ لہٰذا کسی ایسی بات کو دین قرار دے دینا جس کا خدا نے حکم نہیں دیا، شرک ہے۔

۵۔ بنی اسرائیل کو بھی کتاب و حکم و نبوت دیئے گئے تھے۔ یہ الامر کے بینات تھے۔ لیکن انہوں نے اس میں اختلافات پیدا کر لئے۔ اس کے بعد (اے رسولؐ!) ہم نے تمہارے لئے الامر کا ایک راستہ واضح کر دیا (جعلنٰک علیٰ شریعۃ من الامر) سو تم اس کا اتباع کرو۔ (۱۸ : ۴۵) — (۶)۔ مناسکِ حج۔ (۲۰۰ : ۲)

۷۔ دعائے ابراہیمیؑ کہ ہمیں ہمارے مناسک دکھا دے۔ (۱۲۸ : ۲)

امورِ شریعت

۱۔ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم ایک گائے (یا بیل) ذبح کر دو۔ بات صاف تھی۔ لیکن انہوں نے اس کی جزئیات تک کے متعلق سوالات شروع کر دیئے۔ ان کی اس روش کی مذمت کی گئی ہے۔ (۷۱-۶۷ : ۲)۔ اسی لئے مسلمانوں سے کہا کہ تم اپنے رسول سے اس قسم کے سوالات نہ کیا کرو جس قسم کے سوالات قومِ موسیٰ کیا کرتی تھی۔ (۱۰۸ : ۲) جن امور کے متعلق خدا نے کچھ نہ کہا ہو، (یعنی قرآن میں نہ آیا ہو) وہ دین سے متعلق نہیں ہوتے۔ ان کی بابت کرید کرید کر باتیں نہیں پوچھنی چاہئیں۔ (۱۰۳-۱۰۲ : ۵)

۲۔ امورِ شریعت میں خدا تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے۔ مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ (۱۸۵ : ۲)

۳۔ یہ دعا کہ ہم پر ایسی ذمہ داریاں عائد نہ ہوں جنہیں پورا کرنے کی ہم میں طاقت ہی نہ ہو۔ اس دعا سے مقصود یہ ہے کہ ہمیں ایسی توفیق عطا فرما دی جائے جو ہم ہر ذمہ داری کو پورا کرنے کے قابل ہو سکیں۔ (۲۸۶ : ۲)

۴۔ شعر۔ شاعری

شعر۔ (ش۔ ع۔ ر) بنیادی طور پر اس مادہ کے معنی ہوتے ہیں معاملات کی باریکیوں کو جان لینا، پھر اس لفظ (شعر)

کا استعمال کلامِ منظوم کے لئے ہونے لگا۔ اور اس کے مدمقابل "نثر" کا لفظ بولا جانے لگا۔

قرآن کریم نے "شاعری" کی مخالفت کی ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اس کی رو سے نثر میں بیان کردہ مفہوم قابلِ قبول ہے اور اگر اسی مفہوم کو نظم میں بیان کر دیا جائے تو وہ مردود قرار پا جاتا ہے۔ نثر اور نظم تو اسالیبِ بیان ہیں، اور قرآن کی رو سے نہ کوئی اسلوبِ بیان مردود ہے اور نہ مقبول۔ اس کے نزدیک دیکھنے کی چیز مقصودِ بیان ہے نہ کہ اسلوبِ بیان۔

اس کے نزدیک "شاعری" ایک خاص نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جس میں انسان کے سامنے کوئی متعین نصب العینِ حیات نہیں ہوتا۔ وہ ایک ایسے اونٹ کی طرح جسے جھوٹی پیاس لئے لئے پھر رہی ہو، اپنے جذبات کے پیچھے دیوانہ وار چلتا رہتا ہے۔ کبھی ایک بات کہتا ہے۔ کبھی اس کے بالکل برعکس دوسری بات۔ اور اپنی ساری عمر انہی جذباتی تضادات کی کشمکش میں گذار دیتا ہے۔ پھر اس کی خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اس کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ یہ ہے وہ ذہنیت جس کا نام شاعری ہے اور جس کی قرآن مذمت کرتا ہے۔

عربوں کے ہاں یہ بھی عقیدہ تھا کہ شاعر صاحبِ الہام ہوتا ہے۔ قرآن، کشف و الہام وغیرہ کو حقیقت تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک عام انسانی علم کا ذریعہ انسانی فکر ہے اور اس کی استثناء صرف وحی ہے جو حضراتِ انبیاء کرام کو خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتی تھی۔ ان کے علاوہ، اور کوئی ذریعہ علم نہیں۔ وہ شاعری کی مخالفت میں، عربوں کے اس عقیدہ کی بھی مخالفت کرتا ہے۔ نبی، حقائق سے بحث کرتا ہے۔ ایک انقلابی پروگرام لاتا ہے اور سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھاتا ہے۔ شاعر، لطائف سے بحث کرتا ہے، ساری عمر جذبات کی وادیوں میں سرگرداں پھرتا رہتا ہے اور عملاً کچھ کر کے نہیں دکھاتا۔ یہ ہے فرق نبوت اور شاعری میں)

شاعر اور رسول

۱۔ مخالفین کہتے تھے کہ یہ رسول اپنے مشن کے متعلق جو دعاوی پیش کرتا ہے۔ وہ محض ایک شاعر کا خواب ہیں۔ ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ (۲۱ : ۵)۔

۲۔ وہ کہتے تھے کہ شاعری چونکہ جذبات کی تخلیق ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا اثر محض وقتی اور ہنگامی ہوتا ہے۔ تم تھوڑا سا وقت انتظار کرو۔ زمانے کی گردش اس رسول کے پیغام کو خود بخود مٹا دے گی۔ (۵۲ : ۳۰)

۳۔ وہ کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر اور مجنون کے کہنے پر چھوڑ دیں؟۔ (۳۷ : ۳۶)

۴۔ قرآن کی طرف سے تردید کہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا کلام نہیں۔ (۶۹ : ۴۱ - ۴۲)۔ رسول کو شاعری نہیں سکھائی گئی۔

شاعری ایک رسول کے شایانِ شان ہی نہیں ہوتی ۔یہ تو تاریخی شواہد اور زندگی کے بنیادی حقائق ہیں۔اس کا مقصد، ہر اس شخص کو زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے آگاہ کرنا ہے جس میں کچھ بھی زندگی کی حرارت باقی ہو۔ (۷۰ - ۶۹ : ۳۶)

۵۔ شاعر، جھوٹی پیاس والے اونٹ کی طرح مختلف وادیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ کرکے نہیں دکھاتے ۔ان کے متبعین راہ گم کردہ ٹڈی دل کی طرح ہوتے ہیں ۔

ان کے برعکس، جماعتِ مومنین ہے جو ہمیشہ قوانینِ خداوندی کو اپنے سامنے رکھتی ہے اور ظالم کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر چھوڑتی ہے ۔ (۲۲۷ - ۲۲۴ : ۲۶)

۵۔ شعائر اللہ

(یہ حج کے عنوان میں بھی آگئے ہیں)

شعائر ۔ اس لفظ کے مادہ (ش - ع - ر) کے بنیادی معنی ہیں کسی شے کی حقیقت کا محسوس طور پہ ادراک کر لینا۔ جان لینا ۔ پہچان لینا ۔ مثلاً جنگ میں جو الفاظ لبطور علامت (CODE WORD) استعمال ہوتے ہیں یا سفر میں اپنے قافلہ کو پہچاننے کے لئے جو علامات مقرر کی جاتی ہیں، انہیں شِعَارٌ کہا جاتا ہے ۔حج کے مختلف مناسک اور آثار و اعمال کو بھی شعار کہا جاتا ہے اور ان اعمال و علامات کے مقام کو مَشْعَرٌ ۔

اسلام ایک دین ہے جو مملکت کی شکل میں قائم ہوتا ہے ۔ایک مملکت کے کچھ شعائر ۔یعنی محسوس علامات یا (SYMBOLS) ہوتے ہیں ۔ ان علامات کے احترام کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آپ اس مملکت کا احترام کرتے ہیں ۔مثلاً جھنڈا ۔یوں تو وہ ایک بانس اور کپڑے کے ٹکڑے کا مجموعہ ہوتا ہے ۔لیکن جب وہ جھنڈا کسی مملکت کی علامت بن جاتا ہے تو اس کا احترام، اس مملکت کے احترام کے مرادف ہو جاتا ہے ۔ حکومتِ خداوندی (اسلامی مملکت) کی اسی قسم کی علامات کو شعائر اللہ کہا گیا ہے۔ان شعائر کا احترام، درحقیقت ان قوانینِ خداوندی کا احترام ہوگا۔جن کے نفاذ کے لئے وہ مملکت قائم ہوئی ہے ۔ان شعائر کی پرستش نہیں کی جائیگی ۔ان کی ذاتی حیثیت کچھ نہیں ہوتی۔ یہ محض علامت ہوتے ہیں ایک واجب الاحترام شے کے۔قرآن کریم میں شعائر اللہ کی اصطلاح انہی معانی میں استعمال ہوئی ہے ۔

شعائر اللہ

۱۔ صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔ لیکن ان میں چلنے پھرنے کی ممانعت نہیں۔ (۱۵۸ : ۲)

۲۔ حرمات اللہ کا احترام ضروری ہے۔ (۳۰ : ۲۲)۔ شعائر اللہ کا بھی۔ (۳۲ : ۲۲)

۳۔ شعائر اللہ کی پابندیوں کی احتیاط کرو۔ (۲ : ۵) ۔ (۴) مشعر الحرام کے قریب ذکر اللہ۔ (۱۹۸ : ۲)

۵۔ حج میں ذبح کیے ہوئے جانور بھی شعائر اللہ ہیں۔ لیکن یہ کھانے پینے کے لئے ہیں۔ (۳۶ : ۲۲)۔ نیز دیگر تحائف جو حج کے اجتماع میں شریک ہونے والوں کے لئے بھیجے جائیں۔ (۲ : ۵)۔ (۹۷ : ۵)

شعور

شعور (مادہ۔ ش۔ ع۔ ر) اس مادہ کے بنیادی معنی باریکی کے ہیں (شَعْرٌ۔ بال کو کہتے ہیں) لیکن استعمال کی رو سے اس کے معنی سمجھ سوچ کے ہیں۔ عربوں میں یہ لفظ، حواس کے ذریعے کسی بات کے جان لینے کے لئے بولا جاتا تھا۔ ہمارے ہاں یہ لفظ، عقل و فکر اور فہم و تدبر کے لئے بولا جاتا ہے۔ (شِعر۔ شاعر۔ شعار بھی اس مادہ سے ہیں لیکن ہم اس عنوان میں شعور تک محدود رہیں گے۔ دیگر موضوعات کے سلسلہ میں متعلقہ عنوانات دیکھئے)۔ نیز شعور کے سلسلہ میں عنوانات علم و عقل۔ بصیرت تدبر۔ تفقہ وغیرہ بھی دیکھئے۔

۱۔ مقتولین فی سبیل اللہ زندہ ہیں۔ لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ یعنی ان کی زندگی ایسی نہیں جسے تم حواس کے ذریعے سمجھ سکو۔ وہ طبیعی زندگی نہیں۔ وہ ایسی زندگی ہے جس کی حقیقت حواس کے ذریعے سمجھ میں نہیں آسکتی۔ (۱۵۴ : ۲)

۲۔ قومِ نوحؑ کے سرداروں نے اعتراض کیا کہ جو لوگ حضرت نوحؑ کی جماعت میں شامل ہوئے ہیں، وہ پست درجے کے لوگ ہیں۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ مجھے ان کے پیشوں سے غرض نہیں۔ ان کے ایمان سے غرض ہے۔ باقی رہے ان کے اعمال تو تم ان کا اندازہ اپنے پیمانوں سے نہیں لگا سکتے۔ ان کا حساب خدا کو معلوم ہے۔ اے کاش تم اس حقیقت کو سمجھ سکتے۔ (۱۱۳ : ۲۶)

۳۔ عذابِ خداوندی ایسی راہوں سے آتا ہے جن کا تم شعور نہیں کرسکتے۔ (۷ : ۹۵)۔ (۱۲ : ۱۰۷)۔ (۱۶ : ۲۶)۔
(۴۵ : ۱۶)۔ (۲۰۲ : ۲۶)۔ (۵۳ : ۲۹)۔ (۲۵ : ۳۹)۔ (۵۵ : ۳۹)۔ (۶۶ : ۴۳)

۴۔ لوگوں کو معلوم بھی نہیں ہو پاتا کہ ان کے اعمال کس طرح رائگاں چلے جاتے ہیں۔ (۴۹ : ۲)

۵۔ منافق، اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں لیکن اسے سمجھتے نہیں۔ (۹ : ۲)۔ (۱۲ : ۲)۔ (۲۶ : ۶)۔

۶۔ یہ اہلِ کتاب تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت یہ اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں۔ لیکن اس بات کو سمجھتے نہیں۔ (۶۹ : ۳)

۷۔ اکابر مجرمین قوانینِ خداوندی کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ یہ سازشیں خود ان کی اپنی ذات کے خلاف ہوتی ہیں۔ لیکن یہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ (۱۲۴ : ۶)۔ (۵۰ : ۲۷)

۸۔ مُردوں کو اس کا بھی شعور نہیں ہوتا کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ (۲۱ : ۱۶)۔ (۶۵ : ۲۷)

۹۔ کفار کو مال و دولت افراط سے ملتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑی خوشگواریاں ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ ان کی تباہی کے اسباب ہیں۔ (۵۶ : ۲۳)

۱۰۔ فرعون کی بیوی نے کہا کہ ہم اس بچے (بننے والے حضرت موسیٰؑ) کو اپنا بیٹا بنا لیں تاکہ یہ ہمارے لئے عصائے پیری ثابت ہو۔ وہ جانتے نہیں تھے کہ یہ بچہ ان کے لئے کیا ثابت ہوگا۔ (۹ : ۲۸)

۱۱۔ کفار کہتے تھے کہ اگر رسول اللہ ہمیں کوئی معجزہ دکھا دیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضورؐ سے کہا گیا کہ آپ کیسے جان سکتے ہیں کہ معجزہ دیکھنے کے بعد یہ بالضرور ایمان لے آئیں گے۔ (۱۱۰ : ۶)

۱۲۔ اصحابِ کہف نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ تم شہر میں جاؤ لیکن اس انداز سے کہ لوگ تمہیں پہچان نہ سکیں۔ (۱۹ : ۱۸)

۱۳ مشعر الحرام۔ مناسک حج کے سلسلہ میں کہا کہ عرفات کے بعد مشعر الحرام میں آکر اس خداوندی پروگرام پر غور و فکر کرو۔ (۱۹۸ : ۲)۔ مشعر کے معنی ہیں وہ مقام جہاں عقل و شعور کے ساتھ معاملات پر غور کیا جائے۔ (دیکھئے عنوان حج)

۷۔ حضرت شعیبؑ

حضرت شعیبؑ ایک جلیل القدر نبی تھے جو قومِ مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اس قوم میں اگرچہ اور بھی بہت سے

اخلاقی عیوب تھے لیکن ان کا نظامِ معیشت خاص طور پر بگڑ چکا تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے حضرت شعیبؑ کی جس تعلیم کو نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔ اس کا تعلق معاشی اصلاحات سے ہے۔

۲۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت شعیبؑ اور حضرت موسٰیؑ ہم عصر تھے اور حضرت موسٰیؑ کی شادی (مدین میں) انہی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ اگرچہ قرآن کریم نے صراحتاً اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت شعیبؑ ہی ہوں۔ بہر حال، جیسا کہ قرآن کا عام انداز ہے، وہ ان کی پیش کردہ تعلیم کا ذکر کرتا ہے۔ تاریخی کوائف سے بحث نہیں کرتا۔

۳۔ اصحاب الأیکہ (جنگل والے) بھی اہلِ مدین کو کہا گیا ہے۔

۱۔ حضرت شعیبؑ کو قومِ مدین کی طرف بھیجا۔ اس قوم کے جرائم۔ آپ کی تعلیم۔ سردارانِ قوم کی طرف سے مخالفت اور ان کی آخر الامر تباہی۔ (۹۳ - ۸۵ : ۷)

۲۔ اقوامِ سابقہ، جن میں قومِ مدین بھی شامل تھی، اپنے جرائم کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ (۷۰ : ۹)

۳۔ قومِ مدین کی طرف، حضرت شعیب کی بعثت۔ معاشی خرابیاں اور ان کی اصلاح کی تعلیم۔ قوم کا جواب کہ اے شعیبؑ! کیا تمہاری صلوٰۃ تمہیں اس کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے آباء کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے مال و دولت میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں! سرداران قوم کی طرف سے سخت مخالفت۔ اور اس قوم کی تباہی ——— (۹۵ - ۸۴ : ۱۱) — (۴)۔ اصحاب الأیکہ کی طرف حضرت شعیب مبعوث ہوئے۔ معاشی اصلاح کی تعلیم۔ ان کی طرف سے مخالفت۔ اور تباہی۔ (۷۸ : ۱۵) — (۱۹۱ - ۱۷۶ : ۲۶) — (۱۳ : ۳۸) — (۱۴ : ۵۰)

۵۔ اہلِ مدین کی تباہی۔ (۴۴ : ۲۲) — (۳۶ - ۳۷ : ۲۹)

نوٹ:- مدین کا ذکر داستانِ حضرت موسٰیؑ میں بھی آتا ہے۔ اسے عنوان (موسٰیؑ) میں دیکھئے۔

۶۔ حضرت موسٰیؑ اہلِ مدین میں رہے۔ (۴۰ : ۲۰) — (۲۳ - ۲۲ : ۲۸)

۷۔ اے رسولؐ! تو اہلِ مدین کے پاس نہیں تھا جب ہم نے ان کی طرف اپنے احکام بھیجے تھے۔ (۴۵ : ۲۸)

۸۔ اصحاب الأیکہ (۷۸ : ۱۵) — (۱۷۶ : ۲۶) — (۱۳ : ۳۸) — (۱۴ : ۵۰)

۸- شفاء

(نیز دیکھئے مرض)

شفاء - بیماری سے اچھا ہو جانا۔ پھر یہ لفظ دوائی کے لئے بھی استعمال ہونے لگا - یعنی وہ چیز جس سے شفاء حاصل ہو جائے -

---

۱- شہد میں لوگوں کے لئے شفاء ہے - (۶۹ : ۱۶)
۲- قرآن میں جو کچھ نازل ہوا ہے - وہ مومنین کے لئے شفا اور رحمت ہے - شفاء، سابقہ خرابیوں کو دور کرکے اعتدال کی حالت پر لانے کے لئے، اور رحمت، مزید نشوونما دینے کے لئے - (۸۲ : ۱۷)
۳- قرآن، شفاء لما فی الصدور ہے - یعنی انسان کے نفسیاتی امراض کا علاج - اور ہدایت و رحمت - اس کے ملنے پر جشن مسرت مناؤ - (۵۸-۵۷ : ۱۰) - (۴۴ : ۴۱)
۴- مرض اور شفاء، قانون خداوندی کے مطابق ہوتی ہے - (۸۰ : ۲۶)
۵- قرآن کریم نے منافقت (DUAL PERSONALITY) کو قلب کی بیماری (نفسیاتی مرض) سے تعبیر کیا ہے - اس کی تفصیل منافق اور نفسیات کے عنوانوں میں ملے گی - قرآن انہی امراض کے لئے شفاء ہے -

---

۹- شک

شک - یقین کی ضد ہے - جب دو متضاد باتیں انسان کے سامنے اس طرح آئیں کہ وہ ایک جیسی معلوم ہوں اور اس ان میں اصلی اور جعلی کی تمیز نہ کی جاسکے تو اس کیفیت کو شک کہتے ہیں - اس کے بعد ہر قسم کے عدم یقین کے متعلق یہ لفظ بولا جانے لگا - ایمان کی بنیاد یقین ہے اس لئے جہاں یقین میں ذرا سا بھی تزلزل واقع ہوگیا، ایمان باقی نہ رہا - لہذا شک اور ایمان دو متضاد چیزیں ہیں - اس سلسلہ میں عنوان ریب بھی دیکھئے)

۱۔ حضرت عیسٰیؑ کی تصلیب کے سلسلہ میں اختلاف کرنے والے شک میں ہیں۔ یقینی طور پہ ان میں سے کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ انہیں اشتباہ ہوگیا تھا۔ (۱۵۷ : ۴)

۲۔ اگر تم قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی بابت شک میں ہو تو...... (۹۴ : ۱۰) - (۸ : ۳۸)

۳۔ اگر تم دینِ خداوندی کے متعلق شک میں ہو تو میں تمہارے معبودوں کی عبودیت اختیار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مجھے دین کے متعلق یقین حاصل ہے۔ (۱۰۴ : ۱۰)

۴۔ شک اور ریب اکٹھے آتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ریب۔ (۶۲ : ۱۱) - (۱۱۰ : ۱۱) - (۹ : ۱۴) (۵۴ : ۳۴) - (۴۵ : ۴۱) - (۱۴ : ۴۲)

۵۔ کیا تم اللہ کی بابت شک میں ہو۔ (۱۰ : ۱۴) - (۵۴ : ۳۴)

۶۔ آخرت کے متعلق شک ہیں۔ (۶۶ : ۲۷) - (۲۱ : ۳۴)

۷۔ نبوتِ حضرت یوسفؑ کے متعلق شک میں رہے۔ (۳۴ : ۴۰)

۸۔ یہ لوگ قانونِ مکافاتِ عمل کے متعلق شک میں ہیں۔ اس لئے مشاغلِ دنیوی میں مصروف۔ (۹ : ۴۴)

۱۰۔ شکر

شکر۔ (ش۔ ک۔ ر) کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا بھرپور ہو جانا۔ لبالب بھر جانا۔ اور یوں اس کا نمایاں اور ظاہر ہو جانا۔ ضَرَّۃٌ شَکْرٰی۔ دودھ سے بھرپور تھنوں کو کہتے ہیں۔ شَکَرَ فُلَانٌ۔ اس شخص نے دل کھول کر سخاوت کی۔ اور لوگوں کو خوب دیا۔ ان بنیادی معانی کے اعتبار سے، اس لفظ (شکر) کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ خدا کے "شاکر" ہونے کے معنی ہوں گے انسانی اعمال میں بھرپور نتائج پیدا کرنے والا۔ سعیٔ مشکور کے معنی ہوں گے وہ کوشش جو بھرپور نتائج پیدا کردے اور انسان کی طرف سے شکرِ نعمت کے معنی ہوں گے، خدا کی عطا کردہ نعمتوں کو چھپا کر نہ رکھنا بلکہ اسطرح نمایاں طور کھلے کھلے رکھنا کہ ان سے ہر ایک متمتع ہو سکے۔ اس لئے "شکر" کا لفظ "کفر" کے مقابلہ میں آتا ہے۔ "کفر" کے معنی کسی چیز کو چھپا کر رکھنے کے ہیں۔ اس کو نعماءِ خداوندی کی قدر کرنا کہیں گے جس مقصد کے لئے انہیں خدا نے دیا ہے۔ انہیں اسی مقصد کے لئے صرف کرنا۔

لہٰذا شکر کے معنی ہوں گے صحیح قاعدے اور قانون کے مطابق اس طرح محنت کرنا کہ اس سے بھرپور نتائج پیدا ہوں، اور اس طرح اپنی محنت کے ماحصل کو (نیز جو کچھ خدا کی طرف سے وہبی طور پہ ملے اسے) اسطرح نمایاں طور پہ کھلا رکھنا کہ اس سے سب لوگ فیضیاب ہوں۔ اس سے خود انسانی صلاحیتوں کی بھی پوری پوری نشوونما ہوتی جاتی ہے۔ یہ اپنی ذات کے لیے "شکر" ہے۔ کسی کی مدد کر کے اس سے شکریہ کا متمنی ہونا، مومن کے شایانِ شان نہیں۔ (۹ - ۸ : ۷۶)۔ خدا کا شکر درحقیقت اس کی عبودیت اختیار کرنا ہے۔ (۶۶ : ۳۹)۔ اور اعمالِ صالح کرنا (۱۵ : ۴۶)۔ اور صحیح راستہ اختیار کرنا۔ (۳ - ۲ : ۷۶)

شکر بمقابلہ کفر

۱۔ تم میرے شکر گزار بنو اور کفر مت کرو۔ (۱۵۲ : ۲) - (۲)۔ شکر سے نعماء میں اضافہ۔ کفر سے عذاب۔ (۷ : ۱۴)

۳۔ کفرانِ نعمت سے بھوک اور خوف کا عذاب۔ (۱۱۲ : ۱۶)

۴۔ نعماء ملتی اس لیے ہیں کہ دیکھا جائے کون شکر کرتا ہے اور کون کفر۔ (۴۰ : ۲۷)

۵۔ جو شکر کرے گا وہ اپنے آپ کے لیے شکر کرے گا۔ جو کفر کرے گا تو خدا مستغنی ہے۔ (۴۰ : ۲۷) - (۱۲ : ۳۱)۔ (۷ : ۳۹) - (۶) شرک سے کفرانِ نعمت ہوتا ہے۔ (۶۶ - ۶۵ : ۲۹)۔ (۳۴ - ۳۳ : ۳۰)

۷۔ قومِ سبا نے کفران کیا تو ساری معیشت تباہ ہو ہو گئی۔ (۱۷ - ۱۵ : ۳۴)

۸۔ خدا کفر کو پسند نہیں کرتا۔ شکر کو پسند کرتا ہے۔ (۷ : ۳۹)

۹۔ خدا نے سماعت و بصارت دی۔ دونوں راستے دکھا دیئے۔ اب جس کا جی چاہے شاکر ہو جائے۔ جس کا جی چاہے کفر اختیار کرلے۔ (۳ - ۲ : ۷۶)

افراد یا قوم شاکر و شکور

۱۔ داستانِ بنی اسرائیل میں ہر صابر و شکور قوم کے لیے سامانِ بصیرت ہے۔ (۵ : ۱۴)

۲۔ حضرت ابراہیمؑ خدا نے خداوندی کے شاکر تھے۔ (۱۲۱ : ۱۶)۔ حضرت نوحؑ بھی۔ (۳ : ۱۷)

۳۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنی شوکت و حشمت دیکھ کر کہا کہ اے خدا! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری نعمتوں کا شکر گزار بنوں۔ (۱۹ : ۲۷)۔ یعنی اعمالِ صالح کروں۔

۴۔ حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا کی گئی تاکہ وہ شکر کرے ۔ (۱۲ : ۳۱)

۵۔ مظاہرِ فطرت میں قوم صبار و شکور کے لئے آیات ہیں ۔ (۳۱ : ۳۱) ۔ (۳۳ : ۴۲)

۶۔ آلِ داؤد سے کہا کہ شکر کرو (اعملوا شکرًا) ۔ (۱۳ : ۳۴)

۷۔ داستانِ قومِ سبا میں ہر صبار و شکور کے لئے سامانِ عبرت ہے ۔ (۱۹ : ۳۴)

۸۔ صحیح راستہ اختیار کرنا شکر ہے ۔ (۲-۳ : ۷۶)

۹۔ مومنین، جن کی مدد کرتے ہیں ان سے شکریہ تک کے متمنی نہیں ہوتے ۔ (۸-۹ : ۷۶)

۱۰۔ حضرت داؤدؑ کو زرہ سازی کا علم دیا کہ وہ شاکرین میں سے ہوں ۔ (۸۰ : ۲۱)

۱۱۔ شکر گزار قوم کے لئے ہم اس طرح قوانین واضح کرتے ہیں ۔ (۵۸ : ۷)

یوں کرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ یعنی تمہاری کوششیں بھرپور نتائج مرتب کر سکیں

۱۔ صیام کی پابندی کرو تاکہ ..... (۱۸۵ : ۲) ۔ تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم شکر گزار بنو ۔ (۱۲۳ : ۳)

۲۔ خدا شاکرین کو بدلہ دیتا ہے ۔ (۱۴۳ : ۳)

۳۔ وضو اور غسل وغیرہ کے احکام کے بعد کہا کہ یہ اس لئے ہے تاکہ تم شکر گزار بنو ۔ (۶ : ۵)

۴۔ اللہ تبیینِ احکام کرتا ہے تاکہ ..... (۸۹ : ۵)

۵۔ تمکن ۔ قوت ۔ نصرت ۔ رزق عطا کرتا ہے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ ۔ (۲۶ : ۸) ۔ (۳۷ : ۱۴)

۶۔ بر و بحر میں سامانِ رزق دیا ۔ تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ ۔ (۱۴ : ۱۶)

۷۔ مویشیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ تم شکر گزار بنو ۔ (۳۶ : ۲۲) ۔ (۷۲-۷۳ : ۳۶)

۸۔ مظاہر و قوائے فطرت عطا کئے تاکہ جو شکر گزار بننا چاہے وہ بن جائے ۔ (۶۳ : ۶) ۔ (۶۲ : ۲۵) ۔ (۷۳ : ۲۸) ۔ (۴۶ : ۳۰)
(۳۱ : ۳۱) ۔ (۱۲ : ۳۵) ۔ (۳۵ : ۳۶) ۔ (۶۱ : ۴۰) ۔ (۱۲ : ۴۵) ۔ (۷۰ : ۵۶)

۹۔ جن کی سعی مشکور ہوئی ۔ (۱۹ : ۱۷) ۔ (۲۲ : ۷۶)

خدا کا شکر اور اس کا نتیجہ

۱۔ جو کچھ رزق تمہیں دیا ہے ۔ اسے طیب طریق سے کھاؤ ۔ اور اگر تم قوانینِ خداوندی کی محکومیت اختیار کئے ہو تو اس

کا شکر کرو ۔ (۱۷۲ : ۲) ۔ (۱۱۴ : ۱۶) ۔ (۱۵ - ۱۷ : ۳۴)

۲۔ خدا شاکرین کو بدلہ دیتا ہے ۔ (۱۴۳ : ۳)

۳۔ اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لاؤ تو خدا نے تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے ۔ (۱۴۷ : ۴)

۴۔ اللہ شاکرین کو جانتا ہے ۔ (۵۳ : ۶)

۵۔ تمہیں تمکن فی الارض عطا کیا ۔ اور زمین میں معیشت رکھ دی ۔ لیکن بہت کم لوگ شکر گزار ہوتے ہیں ۔ (۱۰ : ۷)

۶۔ حضرت موسٰیؑ کو رسالت سے نوازا اور کہا کہ وہ شکر گزار بن جائے ۔ (۱۴۴ : ۷)

۷۔ تمکن عطا کیا ۔ نصرت سے نوازا ۔ رزق دیا ۔ تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ ۔ (۲۶ : ۸)

۸۔ شکر سے نعماء میں اضافہ ہوتا ہے ۔ کفر سے عذاب ۔ (۷ : ۱۴)

۹۔ جو شکر کرے گا وہ اپنے آپ کے لئے شکر کرے گا ۔ جو کفر کرے گا ۔ تو خدا مستغنی ہے ۔ (۴۰ : ۲۷) ۔ (۱۲ : ۳۱) ۔ (۷ : ۳۹) ۔ (۱۰) وعظِ ابراہیمؑ کہ خدا کی عبودیت اختیار کرو ۔ اس کا شکر کرو ۔ (۱۷ : ۲۹)

۱۱۔ خدا کا بھی شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی جنہوں نے تمہاری پرورش کی تھی ۔ (۱۴ : ۳۱) ۔ (۱۵ : ۴۶)

۱۲۔ خدا شکر کو پسند کرتا ہے ۔ کفر کو نہیں ۔ (۷ : ۳۹)

۱۳۔ صرف خدا کی عبودیت اختیار کرنا اس کا شکر ہے ۔ (۶۶ : ۳۹)

۱۴۔ انسان کو خدا کے شکر کی توفیق مانگتے رہنا چاہیئے ۔ (۱۵ : ۴۶)

۱۵۔ شکر کا نتیجہ تباہیوں سے محفوظ رہنا ہے ۔ (۳۵ : ۵۴)

۱۶۔ سعیٔ مشکور، اعمال کا بدلہ ہے ۔ (۱۹ : ۱۷) ۔ (۲۲ : ۷۶)

۱۷۔ دعا کہ اگر ہمیں تندرست و توانا بچہ مل جائے ۔ تو ہم شکر گزار ہوں ۔ (۱۸۹ : ۷)

۱۸۔ اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات مل جائے تو ہم شکر گزار ہوں ۔ (۲۲ : ۱۰)

۱۹۔ حضرت نوحؑ عبد شکور تھے ۔ (۳ : ۱۷)

اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے

۱۔ اللہ تو انسانوں پر فضل کرتا ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے ۔ (۲۴۳ : ۲)

۲۔ زمین میں تمکن عطا کیا ۔ رزق دیا ۔ لیکن بہت کم لوگ شکر گزار ہوتے ہیں ۔ (۱۰ : ۷)

۳۔ ابلیس نے خدا سے کہا تھا کہ تم دیکھنا۔ بہت کم لوگ شکر گزار ہوں گے۔ (۷ : ۱۷)
۴۔ اللہ رزق دیتا ہے اور لوگ اسے اپنے اوپر حرام قرار دے لیتے ہیں۔ یوں وہ شکر گزار نہیں ہوتے۔ (۱۰ : ۶۰)
۵۔ لوگ شرک کرتے ہیں اور اس طرح ناسپاس گزار ہو جاتے ہیں۔ (۱۲ : ۳۸)
۶۔ خدا نے سماعت و بصارت و قلب عطا کیا۔ لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ (۱۶ : ۷۸)۔(۲۳ : ۷۸)۔
(۳۲ : ۹)۔(۶۷ : ۲۳)۔(۲-۳ : ۷۶)
۷۔ مہلت کا وقفہ مل جانا خدا کی نعمت ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ (۲۷ : ۷۳)
۸۔ آلِ داؤدؑ کو شکر کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ (۳۴ : ۱۳)
۹۔ فطرت کی قوتوں کا عطا ہو جانا باعثِ شکر ہے لیکن اکثر لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ (۴۰ : ۶۱)
۱۰۔ انسان اپنے رب کا ناشکرا (کنود) ہے۔ (۱۰۰ : ۶)

خدا شاکر اور شکور ہے

۱۔ جو دل کے جھکاؤ کے ساتھ اطاعت کرتا ہے تو خدا شاکر و علیم ہے۔ (۲ : ۱۵۸)۔(۴ : ۱۴۷)
۲۔ خدا شکور غفور ہے۔ وہ ہر ایک کی محنت کا بدلہ دیتا ہے۔ (۳۵ : ۲۹)۔(۳۵ : ۳۴)
۳۔ خدا شکور حلیم ہے۔ (۶۴ : ۱۷)

قوموں کو مواقع دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ شاکر بنیں

۱۔ بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کے جرم سے معافی دی گئی تاکہ وہ شکر گزار بنیں۔ (۲ : ۵۲)
۲۔ انہیں حیاتِ نو عطا کی گئی تاکہ وہ شکر گزار ہوں۔ (۲ : ۵۶)۔(۲ : ۲۴۳)
۳۔ خدا بنی اسرائیل کو ظلمات سے نور کی طرف لے آیا۔ اس میں ہر صبار و شکور قوم کے لئے سامانِ عبرت ہے۔ (۱۴ : ۵)

۱۱۔ شمس

(قمر۔ نجم۔ کواکب۔ بروج۔ مصابیح)

قرآن کریم میں سورج کے لئے شمس۔ چاند کے لئے قمر اور ستاروں کے لئے نجوم۔ کواکب۔ شہاب وغیرہ الفاظ آئے ہیں۔

کہیں (ستاروں کو) تشبیہہ کے طور پہ مصابیح (قندیلیں) بھی کہا گیا ہے۔ لیکن بہ ہیئتِ مجموعی تمام اجرامِ فلکی کے لئے سماوات کا لفظ آیا ہے۔ (اسے الگ عنوان میں دیکھئے)

اسلام سے پہلے عربوں کے جھنڈے کا نشان قمر تھا۔ اور ایرانیوں کے عَلَم کا نشان شمس۔ قرآن کریم کی بعض آیات میں قمر سے مراد عربوں کی قومی اجتماعیت اور قوت اور شمس سے مراد ایرانیوں کی سلطنت اور شوکت وحشمت بھی لی گئی ہے۔ اسی طرح نجوم سے مراد چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی ہیں۔

قرآن کریم میں بعض مقامات پہ سورج۔ چاند۔ ستاروں کے ماند پڑنے۔ باہمی ٹکرانے۔ یا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا بھی ذکر آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کائنات میں کسی خارجی (طبعی حادثہ) کا ذکر ہو جو کسی آنے والے زمانے میں رونما ہوگا۔ اور اگر ان الفاظ کے مجازی معانی لئے جائیں تو ان سے مراد ان مملکتوں کے باہمی ٹکراؤ اور اس کے نتیجے میں اس کی شکست و ریخت ہوگی۔

قرآن کریم نے شمس و قمر اور دیگر اجرامِ فلکی کے متعلق کہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک، اپنے اپنے مدار کے اندر گردش کر رہا ہے۔ شمس کے متعلق کہا ہے کہ وہ اس طرح اپنے محور کے گرد گھومنے کے علاوہ اپنے ایک مستقر کی طرف بھی جا رہا ہے قمر (چاند) کے متعلق کہا ہے کہ وہ روشنی حاصل کرنے کے لئے سورج کے پیچھے پیچھے یوں پھرتا ہے جیسے کوئی قرض خواہ مقروض کے پیچھے پھرے۔ آپ غور کیجئے کہ چھٹی صدی عیسوی میں، جبکہ فلکیات کے متعلق انسانی معلومات کی سطح توہم پرستی سے اوپر نہیں اٹھی تھی، عرب کی تاریک سرزمین سے اس قسم کے انکشافات، کسی انسانی ذہن کی پیداوار ہو سکتے ہیں؟

دورِ جہالت میں انسانوں کی تقدیر کو ستاروں کے تابع سمجھا جاتا تھا اور مندروں اور ہیکلوں میں ایسے جوتشی (منجم) "خدا" بن کر بیٹھے رہتے تھے جو ستاروں کی گردش سے لوگوں کو ان کا مستقبل بتاتے تھے۔ قرآن نے آکر کہا کہ یہ سب جہالت کے زمانے کی توہم پرستیاں ہیں۔ اب علم کا زمانہ آگیا ہے۔ اس لئے اس قسم کے دعاوی کرنے والوں کو "آسمان سے آتشیں کوڑے پڑیں گے"۔

قرآن کریم نے چاند اور سورج دونوں کے متعلق کہا ہے کہ یہ "حساب کرنے" کے لئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کیلنڈر شمسی بھی رکھا جا سکتا ہے اور قمری بھی۔ ایک مقام پہ قرآن میں ہے کہ نظامِ فطرت کی رو سے، سال کے بارہ مہینے ہیں (۹:۳۶) یعنی جتنی مدت میں زمین سورج کے گرد ایک چکر پورا کر لیتی ہے (جسے سال کہتے ہیں) اسے بارہ میں تقسیم کر لینا چاہیئے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو قرآن شمسی کیلنڈر کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ اس طرح، سال، قمری کیلنڈر کے مقابلہ میں بہتر طور پہ بارہ میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

الشمس

۱۔ شمس اور اس کی روشنی (اس حقیقت پر شاہد ہے جو آگے بیان کی گئی ہے)۔ (۱ : ۹۱)

۲۔ جب شمس لپیٹ دیا جائے گا۔ (جب ایران کی سلطنت کا جھنڈا سرنگوں ہو جائے گا۔ (۱ : ۸۱)

۳۔ سورج، سایوں کے گھٹنے بڑھنے کی دلیل (سبب) ہوتا ہے۔ (۴۵ : ۲۵)

۴۔ شمس کو ضیاء بنایا۔ (۵ : ۱۰)۔ سراج بنایا۔ (۶۱ : ۲۵)۔ (۱۶ : ۷۱)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ کا شمس و قمر اور ستاروں کو دیکھ کر کہنا کہ میں انہیں معبود نہیں بنا سکتا جو کبھی نمودار ہوں اور کبھی ڈوب جائیں۔ (۷۹-۷۷ : ۶)

۶۔ اصحاب کہف کی غار کے دہانے سے سورج کتراتا ہوا نکل جاتا ہے۔ (۱۷ : ۱۸)

۷۔ جب ذوالقرنین بحیرہ اسود کے کنارے پہنچا تو اسے یوں دکھائی دیا گویا سورج اس کے گدلے پانی میں ڈوب رہا ہے۔ (۸۶ : ۱۸)۔ اس کے بعد وہ ایک قوم تک پہنچا جو کھلے میدان میں سورج کے سامنے سکونت پذیر تھی۔ (۹۰ : ۱۸)

۸۔ دلوکِ شمس سے غسقِ لیل تک صلوٰۃ قائم کرو۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان صلوٰۃ)۔ (۷۸ : ۱۷)

۹۔ قبل طلوع الشمس اور اس کے غروب سے قبل۔ حمدِ خداوندی کی تسبیح کرو۔ (حمد اور تسبیح کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے)۔ (۱۳۰ : ۲۰)۔ (۳۹ : ۵۰)

۱۰۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے حریف بادشاہ سے کہا کہ سورج کو مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔ (۲۵۸ : ۲)

۱۱۔ شمس (نظام شمسی) اپنے مستقر کی طرف دوڑے چلا جا رہا ہے۔ یہ اس کے لئے مقرر پیمانہ (تقدیر) ہے۔ شمس، قمر کو پیچھے چھوڑ کر آگے نہیں نکل سکتا۔ یہ سب اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں۔ (۴۰-۳۸ : ۳۶)

۱۲۔ قوم سبا، سورج کی پرستش کرتی تھی۔ (۲۴ : ۲۷)

۱۳۔ تم شمس و قمر کے سامنے مت جھکو۔ (انہیں تمہارے سامنے جھکنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے)۔ (۳۷ : ۴۱)

۱۴۔ جنت میں نہ شمس ہو گا نہ زمہریر (یہاں شمس کے معنی شدت کی دھوپ کے ہیں)۔ (۱۳ : ۷۶)

شمس و قمر

۱۔ شمس اور قمر دونوں گنتی کے لئے ہیں۔ (۹۷ : ۶)۔ (۵ : ۵۵)

۲- جب شمس و قمر جمع ہوجائیں گے۔ عرب اور ایران کی سلطنتیں ایک ہوجائیں گی۔ (۹ : ۷۵)

۳- خدا نے شمس و قمر کو مسخر (قانون کا پابند) کر رکھا ہے - اور ان میں سے ہر ایک، ایک مدتِ معینہ تک کے لئے رواں دواں چل رہا ہے - (۵۴ : ۷) - (۲ : ۱۳) - (۳۳ : ۱۴) - (۱۲ : ۱۶) - (۲۹ : ۳۱) - (۱۲ : ۳۵) - (۵ : ۳۹)

۴- شمس و قمر کو خدا نے پیدا کیا ہے - (۶۱ : ۲۹) - (۳۳ : ۲۱)

۵- سورج کو ضیاء اور قمر کو نور بنایا - اور اس کی (قمر کی) منازل متعین کر دیں۔ تاکہ اس سے تم سالوں کا حساب رکھ سکو - (۵ : ۱۰) - قمر میں نور ہے - (۱۶ : ۷۱)

۶- حضرت ابراہیمؑ کا شمس و قمر اور ستاروں کو ڈوبتا دیکھ کر کہنا کہ میں انہیں معبود نہیں بنا سکتا - (۷۹ - ۷۷ : ۶)

۷- قمر کی منازل مقرر کر دیں - ایک وقت میں وہ کھجور کی خشک ٹہنی جیسا باریک ہوجاتا ہے - (۳۹ : ۳۶) - شمس، قمر کو پیچھے چھوڑ کر آگے نہیں نکل سکتا - (۴۰ : ۳۶)

۸- شمس و قمر آیاتِ خداوندی میں سے ہیں - (۳۷ : ۴۱) - وہ خدا کے حضور (قوانینِ خداوندی کے سامنے) سجدہ ریز ہیں - (۱۸ : ۲۲)

۹- قمر، سورج کے پیچھے پیچھے روشنی مانگنے کے لئے پھرتا ہے - (۲ : ۹۱)

۱۰- شمس و قمر اس کے قانون کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں - (۵۴ : ۷) - (۱۲ : ۱۶)

۱۱- حضرت یوسفؑ نے خواب میں دیکھا کہ سورج اور چاند اسے سجدہ کر رہے ہیں - (۴ : ۱۲)

۱۲- شمس و قمر سب اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں - (۳۳ : ۲۱) - (۴۰ - ۳۸ : ۳۶)

۱۳- شمس و قمر سب خدا کے حضور سجدہ ریز ہیں - (اس کے قانون کے سامنے جھکے ہوئے ہیں) - (۱۸ : ۲۲)

قمر (شمس و قمر کے تحت بھی دیکھئے)

۱- جب قمر ماند پڑ جائے گا - (جاہلیتِ عرب کی طاقت ٹوٹ جائے گی) - (۸ : ۷۵)

۲- اس آنے والے انقلاب میں قمر پھٹ جائے گا۔ (عرب جاہلیت کے علم کی دھجیاں اڑ جائیں گی - (۱ : ۵۴)

۳- قمر اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ...... (۳۲ : ۷۴) - (۱۸ : ۸۴)

۴- آسمان میں سراج اور قمر منیر بنائے - (۶۱ : ۲۵) - (۵) - قمر کی منازل مقرر کر دیں - (۳۹ : ۳۶)

ستارے (نجم۔ نجوم۔ کواکب)

۱۔ اس انقلاب کے وقت نجوم مرجھا جائیں گے ۔ (چھوٹی چھوٹی ریاستیں ختم ہو جائیں گی) ۔(۸ : ۷۷) ۔(۲ : ۸۱)

۲۔ تم ستاروں سے نشاناتِ راہ پاتے ہو (۹۸ : ۶) ۔ (۱۶ : ۱۶)

۳۔ ستاروں کی گذرگاہیں اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ .... (۵ : ۵۶) ۔(۴) ۔ اِدبارالنجوم میں سجدہ کرو ۔ (۴۹ : ۵۲)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں پر تنقیدی نگاہ ڈالی اور کہا کہ میں ایسے معبودوں سے بیزار ہوں۔ (۸۹ - ۸۸ : ۳۷)

۶۔ شمس و قمر و نجوم اس کے قوانین کی زنجیروں میں مسخر ہیں ۔ (۵۴ : ۷) ۔ (۱۲ : ۱۶)

۷۔ شمس و قمر و نجوم، خدا کے حضور سجدہ ریز ہیں ۔ (۱۸ : ۲۲)

۸۔ طارق یعنی نجمِ ثاقب اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ..... (۳ - ۲ : ۸۶)

۹۔ نجم و شجر خدا کے حضور سجدہ ریز ہیں ۔ یہاں نجم کے معنی جھڑی چھوٹی بوٹیوں کے ہیں ۔ (۶ : ۵۵)

۱۰۔ ڈوبنے والا ستارہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ..... (۱ : ۵۳) ۔(۱۱) ۔ جب کواکب بکھر جائیں گے ۔ (۲ : ۸۲)

۱۲۔ دنیا سے قریب تر بلندی کو کواکب سے مزین کیا ۔ (۶ : ۳۷)

۱۳۔ قرآن خود ایک درخشندہ کوکب کی طرح ہے ۔ (۳۵ : ۲۴)

۱۴۔ حضرت ابراہیمؑ نے ڈوبنے والے ستارے کے متعلق کہا کہ وہ معبود نہیں ہو سکتا ۔ (۷۷ : ۶)

۱۵۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے خواب میں دیکھا کہ چاند۔ سورج اور گیارہ ستارے انہیں سجدہ کر رہے ہیں ۔ (۴ : ۱۲)

بروج

۱۔ بروج (ستاروں) والا آسمان ۔ (۱ : ۸۵)

۲۔ آسمان میں بروج کو وجہِ زینت بنایا ۔ (۱۶ : ۱۵) —— (۶۱ : ۲۵)

مصابیح

۱۔ مصابیح کو قریبی سماء (فضا) کے لئے وجہِ زینت بنایا اور سامانِ حفاظت ۔ (۱۲ : ۴۱) ۔ اور رجوماً للشیاطین ۔ (۵ : ۶۷)

نجومی

۱۔ اب ستاروں سے پیش گوئیاں کرنے والوں کو دھکے پڑتے ہیں ۔ (۱۸-۱۶ : ۱۵) ۔ (۹-۶ : ۳۷)
(۵ : ۶۷) ۔ (۹-۸ : ۷۲)

(۰)

۱۲۔ شوریٰ (مشاورت)

شوریٰ ۔ قرآن کے سیاسی نظام میں ، امورِ مملکت ، امّت کے باہمی مشورہ سے طے پائیں گے ۔ اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ خود نبیٔ اکرمؐ کو بھی ارشاد ہوا کہ امورِ مملکت کے سلسلہ میں وہ بھی اپنے رفقاء سے مشورہ کیا کریں ۔ اس سے (ضمناً) یہ بھی واضح ہے کہ جو معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں گے ، حالات کے بدل جانے سے ، ان میں باہمی مشاورت سے ردو بدل بھی ہو سکے گا ۔ خواہ وہ رسولؐ اللہ کی زندگی میں ہو یا اس کے بعد ۔

باہمی مشاورت کی مشینری کس قسم کی ہوگی ، اسے قرآن نے خود متعین نہیں کیا ۔ اسے امت کی صوابدید پہ چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ، اسے خود متعین کر لیں ۔ شرط اس کے لئے ایک ہوگی ، اور وہ یہ کہ باہمی مشاورت سے فیصلے قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے کئے جائیں گے ۔ ان حدود کی خلاف ورزی یا تجاوز کا کسی کو حق نہیں ہو گا ۔ یہ ہے فرق مغربی نظامِ جمہوریت اور اسلامی نظامِ مشاورت میں ۔

مشاورت کا حکم

۱۔ اے رسول! امورِ (مملکت) میں اپنے رفقاء کے ساتھ مشورہ کیا کرو ۔ پھر اس طرح جب تو کسی فیصلہ پہ پہنچ جائے تو پھر قانونِ خداوندی کی محکمیت پہ بھروسہ کرتے ہوئے اسے نافذ کر دو ۔ (۱۵۸ : ۳)
۲۔ جماعتِ مومنین کے جملہ امور کے فیصلے باہمی مشاورت سے ہوتے ہیں ۔ (۳۸ : ۴۲)

نوٹ :۔ سورۃ بقرۃ میں ایک جگہ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ (۲۳۳ : ۲) آیا ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ

مشورہ میں اختلاف رائے بھی ہو سکتا ہے۔ تراضی سے مراد اتفاق رائے ہے۔ درحقیقت، مشورہ کے معنی ہی معاملہ زیرِ نظر کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لا کر فیصلہ کرنے کے ہیں۔

(۔)

۱۳۔ شہادت

شھد (ش - ھ - د) کے بنیادی معنی حاضر ہونا یا موجود ہونا ہیں۔ اس اعتبار سے شہادت کسی کے آنکھوں دیکھے واقعہ کے بیان کو کہیں گے۔ یعنی گواہی۔ نیز اس کے معنی نگرانی کے بھی ہیں۔ شہادت کا لفظ غیب کے مقابلہ میں بھی آیا ہے۔ وہاں شہادت کے معنی عالمِ محسوس ہوں گے اور غیب کے معنی غیر مرئی قوتیں یا وہ نتائج جو ہنوز محسوس طور پر سامنے نہ آتے ہوں۔ مشہود کے معنی ہوں گے محسوس طور پر سامنے آجانے والے امور۔ شہید کے معنی ہوں گے نگران، یا تصدیق کرنے والا۔ گواہی دینے والا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی فیصلہ کرنے والے کے بھی ہیں۔ انہی معانی کے لئے **شاھد** کا لفظ بھی آئے گا۔

ہمارے ہاں مقتولین فی سبیل اللہ کے لئے شہید (شہداء) کا لفظ آتا ہے۔ لیکن قرآن کریم میں انہیں مقتولینِ فی سبیل اللہ ہی کہا گیا ہے۔ البتہ (۱۳۹ : ۳) میں جنگ کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ خدا تم میں سے شہداء لینا چاہتا ہے۔ اس کے عام معنی گواہ کے ہیں۔

شہادت

۱۔ کتمانِ شہادت بہت بڑا جرم ہے۔ (یہاں شہادت کے معنی تعلیمِ خداوندی کے ہیں)۔ (۱۴۰ : ۲)۔ (۲۸۳ : ۲)

۲۔ معاملاتِ قرض پر شاہد ہونے ضروری ہیں۔ (۲۸۲-۸۳ : ۲)۔ شاہد کو ضرر نہ پہنچاؤ۔ (۲۸۲ : ۲)

۳۔ حواریوں نے حضرت عیسٰی سے کہا کہ آپ گواہ رہیئے کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔ (۵۲-۵۱ : ۳)۔ (۱۱۳ : ۵)۔ قیامت میں حضرت عیسٰی کا بیان کہ جب تک میں ان میں رہا، میں ان پر نگران تھا۔ (۱۱۷ : ۵)

۴۔ یتیموں کا مال لوٹاؤ تو اس پہ گواہ رکھو۔ (۶ : ۴)

۵۔ بے حیائی کے جرم کے اثبات کے لئے چار گواہوں کی ضرورت۔ (۱۵ : ۴)

۶۔ عدل کے ساتھ شہادت دو خواہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔ یا تمہارے ماں باپ وغیرہ کے خلاف (۱۳۵ : ۴)
(۶ : ۲۴) – (۲ : ۶۵)۔ دشمن کے خلاف بھی سچی شہادت اور عدل کا حکم (۸ : ۵)

۷۔ وصیت کے لئے شہادت۔ (۱۰۶-۱۰۸ : ۵)

۸۔ مکافاتِ عمل کے سلسلہ میں انسان خود اپنے خلاف شہادت دے گا۔ (۳۷ : ۷) – (۱۳۱ : ۶)۔ اس کے ہاتھ پاؤں شہادت دیں گے۔ (۲۴ : ۲۴) – (۶۵ : ۳۶) – (۲۱-۲۲ : ۴۱)

۹۔ مشرکین سے کہا کہ اس بات کی شہادت پیش کرو کہ خدا نے فلاں فلاں چیز حرام قرار دی ہے۔ (۱۵۱ : ۶)

۱۰۔ تہمت کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کی ضرورت۔ جو ایسا نہ کر سکے اس کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔ (۴ : ۲۴) – لعان کے لئے شہادات۔ (۶-۸ : ۲۴)

۱۱۔ واقعۂ افک پر لوگ گواہ نہیں لائے۔ (۱۳ : ۲۴) – (۱۲)۔ مومن جھوٹی بات کی شہادت نہیں دیتے۔ (۷۲ : ۲۵)

۱۳۔ شہادت بالحق اور شفاعت ایک ہی چیز ہے۔ (۸۶ : ۴۳) – (۱۴)۔ طلاق کے آخری مرحلہ پر شاہدین کی ضرورت۔ (۲ : ۶۵)

۱۵۔ مومن اپنی شہادت پر قائم رہتے ہیں۔ (۳۳ : ۷۰)

۱۶۔ اہلِ کتاب سے کہا کہ تم کفر کیوں کرتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو۔ (۶۹ : ۳)

۱۷۔ رسول اللہؐ کی رسالت پر میثاقِ انبیاء اور ان کی شہادت۔ (۸۰ : ۳)

۱۸۔ نوعِ انسان کی ربوبیت خداوندی کے متعلق شہادت۔ (۱۷۲ : ۷)

۱۹۔ قومِ ثمود کے اکابرین کا مشورہ کہ حضرت صالحؑ کو قتل کر دو۔ اور پھر مکر جاؤ کہ ہم نے تو یہ بات نہیں دیکھی۔ (۴۹ : ۲۷)

۲۰۔ برادرانِ حضرت یوسفؑ کی (غلط) شہادت۔ (۸۱ : ۱۲)

۲۱۔ جو قوم اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ رسول حق پر تھا اور پھر کفر پر اتر آئے تو اسے راہ ہدایت کیسے مل سکتی ہے۔ (۸۵ : ۳) – (۲۲)۔ بنی اسرائیل سے کہا کہ تم دیکھتے بھالتے (تشہدون) جرائم کرتے تھے۔ (۸۴ : ۲)

۲۳۔ ان سے کہو کہ کیا تم واقعی شہادت دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور الٰہ بھی ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو میں تو اس کی شہادت نہیں دے سکتا۔ (۱۹ : ۶)

۲۴۔ قومِ ابراہیمؑ کے پجاریوں نے کہا کہ اس نوجوان کو پکڑ کر لاؤ تاکہ قوم اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ کس نے ان کے بت توڑے ہیں۔ (۶۱ : ۲۱)

۲۵۔ منافقین رسول اللہؐ سے آکر کہتے تھے کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور خدا شہادت دیتا

تھا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں ۔ (۱۱ : ۵۹) ۔ (۱ : ۶۳)

۲۶۔ قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر خدا اور ملائکہ کی شہادت۔ (۱۶۶ : ۴)

۲۷۔ اہلِ کتاب کو مشترک کلمہ کی طرف دعوت ۔ اگر یہ پھر جائیں تو ان سے کہو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں۔ (۶۳ : ۳)

۲۸۔ حضرت ہوؑد کا اپنی قوم سے اعلان کہ تم گواہ رہو کہ میں تمہارے شرک سے بری الذمہ ہوں ۔ (۵۴ : ۱۱)

۲۹۔ معبودانِ باطل تخلیقِ ارض و سمٰوات کے وقت گواہ نہیں تھے ۔ (۵۱ : ۱۸)

۳۰۔ قرض کے معاملہ میں شہادت ۔ (۲۸۲ : ۲) ۔ (۳۱) مشرکین کہتے تھے کہ ہماری ان رسومات کا حکم خدا نے دیا تھا۔ کہا کہ کیا تم اس وقت شاہد (موجود) تھے جب خدا نے ایسا حکم دیا تھا ؟ (۱۴۴ : ۶) ۔ (۱۵۰ : ۶)

۳۲۔ غلط تہمت لگانے والے کی شہادت قبول نہ کرو۔ (۴ : ۲۴) ۔ (۳۳) ۔ وصیت کے متعلق شہادت ۔ (۱۰۶ : ۵)

شہید ۔ شہدا ۔ شاہد ۔ شہود ۔ مشہود

۱۔ امتِ مسلمہ شہداء علی الناس ہے ۔ یعنی اقوامِ عالم کے اعمال و کردار کی نگران ۔ اور رسول ان پر شہید ۔ (۱۴۳ : ۲) ۔ (۷۸ : ۲۲)

۲۔ جنگ کے سلسلہ میں کہا کہ خدا تم میں سے شہداء لینا چاہتا ہے ۔ (۱۳۹ : ۳)

۳۔ ہر امت میں سے ایک شہید ۔ اور رسول اللہ ان سب پر شہید ۔ (۴۱ : ۴) ۔ (۸۹ - ۸۴ : ۱۶) ۔ (۷۵ : ۲۸)

۴۔ ان میں سے ایک شاہد اس قرآن کو ان کے سامنے پیش کرتا ہے ۔ (۱۷ : ۱۱)

۵۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ خدا کی خاطرِ کائنات ہونے پر میں شاہد ہوں ۔ (۵۶ : ۲۱)

۶۔ زانی کو سزا دی جائے تو مومنین کی ایک جماعت اس پر شاہد ہونی چاہیئے ۔ (۲ : ۲۴)

۷۔ رسول اللہ شاہد بنا کر بھیجے گئے ہیں ۔ (۴۵ : ۳۳) ۔ (۸ : ۴۸) ۔ (۱۵ : ۷۳)

۸۔ قیامت میں نبی اور شہداء لائے جائیں گے ۔ (۶۹ : ۳۹)

۹۔ خدا اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء ، صدیقین اور شہداء کی معیت نصیب ہوگی ۔ (۶۹ : ۴) ایمان والے صدیق اور شہداء ہیں ۔ (۱۹ : ۵۷)

۱۰۔ قیامت میں ہر شخص ایک سائق اور ایک شہید کے ساتھ آئے گا ۔ (۲۱ : ۵۰) ۔ اشہاد گواہی دیں گے ۔ (۱۸ : ۱۱) قیامت کے متعلق کہا جس دن اشہاد کھڑے ہوں گے ۔ (۵۱ : ۴۰)

۱۱۔ عبرت وہی حاصل کر سکتا ہے جو بات کو غور سے سنے اور وہ شہید ہو۔ (۳۷ : ۵۰)

۱۲۔ شاہد و مشہود کی قسم۔ (۳ : ۸۵) - یوم مشہود (۱۰۳ : ۱۱) - قرآن الفجر مشہود ہے۔ (۷۸ : ۱۷)

۱۳۔ عزیزِ مصر کی بیوی کے اہل میں سے ایک شاہد نے شہادت دی۔ (۲۶ : ۱۲)

۱۴۔ بنی اسرائیل کے ایک شاہد نے قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی شہادت دی۔ (۱۰ : ۴۶)

۱۵۔ جب خدا نے ملائکہ کو پیدا کیا ہے تو کیا یہ مشرک جو انہیں مؤنث قرار دیتے ہیں، وہاں شاہد تھے؟ (۱۵۰ : ۳۷) - (۱۹ : ۴۳) - (۱۶) مشرک اپنے شرک پر اپنے خلاف آپ شاہد ہیں۔ (۱۷ : ۹)

۱۷۔ نصاریٰ قرآن کو سن کر کہتے ہیں کہ ہمیں شاہدین میں لکھ لو۔ (۸۳ : ۵)

۱۸۔ اے رسولؐ! جب ہم موسیٰؑ کو وحی کر رہے تھے تو تم وہاں شاہد (موجود) نہیں تھے۔ (۴۴ : ۲۸)

۱۹۔ اصحاب الاخدود، جو کچھ مومنین کے خلاف کر رہے تھے وہ اس پر شہود تھے۔ (۷ : ۸۵)

۲۰۔ اے اہلِ کتاب تم لوگوں کو سبیل اللہ کی طرف جانے سے کیوں روکتے ہو حالانکہ تم خود شاہد ہو۔ (۹۸ : ۳)

۲۱۔ کیا تم اس وقت وہاں موجود تھے جب یعقوبؑ اپنے بیٹوں کو وصیت کر رہے تھے۔ (۱۳۳ : ۲)

۲۲۔ یہودیوں کے احبار و رہبان اپنی کتابوں پر شاہد تھے۔ (۴۴ : ۵)

۲۳۔ قرآن کی تحدی کے سلسلہ میں کہا کہ اپنے شہداء کو بھی ساتھ بلا لو۔ (۲۳ : ۲)

۲۴۔ انسان خود اس پر شاہد ہے کہ وہ اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ (۷ : ۱۰۰)

۲۵۔ قیامت کے دن معبودانِ باطل میں سے کوئی بھی سامنے نہیں آئے گا۔ (۴۷ : ۴۱)

۲۶۔ شہید کے معنی کسی کے ساتھ موقع پر موجود ہونا۔ (۷۲ : ۴)

۲۷۔ قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ اہلِ کتاب کے خلاف گواہ ہوں گے۔ (۱۵۹ : ۴)

خدا کا شہید ہونا

۱۔ منافق اپنے قول پر خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ (۲۰۴ : ۲)

۲۔ خدا۔ ملائکہ۔ صاحبانِ علم شہادت دیتے ہیں لا الٰہ الا اللہ کی۔ (۱۸ : ۳)

۳۔ خدا تمہارے اعمال پر شہید ہے۔ (۹۸ : ۳) - (۶۱ : ۱۰)

۴۔ وحی کی صداقت پر خدا کی شہادت ہے اور ملائکہ کی بھی، اور خدا کی شہادت کافی ہے (۱۶۶ : ۴) - (۲۸ : ۴۸)

۵- اے رسولؐ! کہہ دے کہ وحی کے معاملہ میں، خدا تم میں اور مجھ میں شہید ہے - (۱۹ : ۶) - (۲۹ : ۱۰) - (۴۳ : ۱۳)
(۹۶ : ۱۷) - (۵۲ : ۲۹) - (۸ : ۴۶) - (۲۸ : ۴۸)

۶- خدا قیامت میں تمہارے اعمال پر شہید ہوگا - (۴۶ : ۱۰)

۷- حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کے فیصلے پہ خدا خود شاہد تھا - (۷۸ : ۲۱)

۸- خدا ہر شے پر شہید ہے - (۳۳ : ۴) - (۱۷ : ۲۲) - (۵۵ : ۳۳) - (۴۷ : ۳۴) - (۵۳ : ۴۱)
(۶ : ۵۸) - (۹ : ۸۵)

۹- منافق رسولؐ اللہ کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں۔ خدا شہادت دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں - (۱۰۷ : ۹) - (۱ : ۶۳)

۱۰- رسولؐ اللہ کی رسالت پہ میثاقِ انبیاء پہ خدا کی شہادت - (۸۰ : ۳) - خود خدا کی شہادت (۷۹ : ۴)

۱۱- خدا عالم الغیب و الشہادۃ ہے (۷۳ : ۶) - (۹۴ : ۹) - (۱۰۵ : ۹) - (۹ : ۱۳) - (۹۲ : ۲۳) -
(۶ : ۳۲) - (۴۶ : ۳۹) - (۲۲ : ۵۹) - (۸ : ۶۲) - (۱۸ : ۶۴)

۱۲- حضرت عیسیٰؑ کا جواب کہ جب تک میں اپنی قوم میں رہا ان پہ نگران رہا۔ اس کے بعد تو ہی سب باتوں پہ نگران ہے - (۱۱۷ : ۵)

مقتولینِ فی سبیل اللہ

۱- مقتولینِ فی سبیل اللہ کو مردہ مت کہو - (۱۵۴ : ۲) - مردہ مت خیال کرو - (۱۶۸-۱۷۰ : ۳)

۲- تم راہِ خدا میں قتل کر دیئے جاؤ یا مر جاؤ - مغفرت و رحمت تمہارا حق ہوگیا - (۱۵۶ : ۳) - یہ سب جنت میں داخل ہوں گے - (۱۹۴ : ۳)

۳- میدانِ جہاد میں قتل ہو جانے والے اور غالب و منصور لوٹنے والوں کا اجر - (۷۴ : ۴)

متفرق

۱- شہد بمعنی گھر پہ موجود ہونا - صیام انہی پہ فرض ہیں - (۱۸۵ : ۲) - (۳۲ : ۲۷)

۲- شہود - وہ بیٹے جو گھر پہ بیٹھے رہیں - (۱۳ : ۷۴)

۳- حج میں جاکر اپنی منفعت بخش چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو - (۲۸ : ۲۲)

۴- علیون کو خدا کے مقرب بندے دیکھیں گے۔ (۲۱ : ۸۳)—(۵)- مشہد یوم عظیم - قیامت (۳۷ : ۱۹)
۶- یوم مشہود (۱۰۳ : ۱۱)——(۷)- قرآن الفجر مشہود - (۷۸ : ۱۷)

—(۰)—

۱۴- شیطان
(نیز دیکھئے۔ ابلیس)

شیطان- اس لفظ کے مادہ کے دو معنی ہیں - (۱)- دور ہو جانا۔ جس سے مراد ہے۔ صحیح راستے سے دور ہٹ جانا اور زندگی کی خوشگواریوں اور سعادتوں سے محروم ہو جانا - اور (۲)- اشتعال میں آجانا۔ سرکشی اختیار کر لینا۔

انسانی جذبات بڑی قیمتی متاع ہیں - اس کے ہر عمل کا محرک کوئی نہ کوئی جذبہ ہوتا ہے۔ جس قدر وہ جذبہ شدید اور قوی ہوگا اتنا ہی وہ عمل زیادہ تیز ہوگا۔ لیکن کسی عمل کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار یہ ہے کہ اگر وہ خدا کی مقرر کردہ حدود (مستقل اقدار) کے اندر رہے تو وہ صحیح ہے۔ اگر وہ ان حدود سے تجاوز کر گیا ہے تو غلط ہے ۔ قرآن نے انسان کے ان جذبات کو جو حدود اللہ سے سرکشی اختیار کریں، شیطان کہہ کر پکارا ہے - انسانی عقل، اس کے جذبات کی تسکین کے لئے اسباب و ذرائع مہیا کرتی اور اس کے عمل کے لئے جواز کی دلیلیں وضع کرتی ہے۔ اگر یہ جذبات، حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں، تو جو عقل ان جذبات کے مقاصد کو بروئے کار لاتی ہے، اسے عقلِ بے باک کہا جائے گا۔ اس اعتبار سے، سرکش جذبات اور عقل بے باک، دونوں شیطان کی اصطلاح سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ اس قسم کے اعمال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان زندگی کی سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے - یہ چیز شیطان کی اصطلاح کے پہلے معانی کی تفسیر ہوگی۔

۲- جس طرح ایک فرد کے عمل کا محرک کوئی نہ کوئی جذبہ ہوتا ہے، اسی طرح اجتماعی زندگی میں عوام کے جذبات کو ان کے لیڈر (سرغنے) مشتعل کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے باطل نظام کے سرغنوں کو بھی شیاطین کہہ کر پکارا ہے۔ خواہ وہ سیاسی لیڈر ہوں یا مذہبی پیشوا۔ اسی طرح وحشی قبائل، جو تمدنی زندگی کی حدود و قیود سے ناآشنا ہوتے ہیں اور قواعد و ضوابط سے سرکشی برتتے ہیں، انہیں بھی شیاطین کہا گیا ہے۔

عربوں کے ہاں ایک قسم کے سانپ کو بھی شیطان کہا جاتا تھا۔ اور اسی نسبت سے ناگ پھنی تھوہر کو بھی۔ نیز پیاس کی شدت سے جو جلن اور اضطرابی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اسے بھی شیطان سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

۳۔ انسان جو کام جذبات سے مشتعل ہوکر کرتا ہے، ان جذبات کے ٹھنڈا ہوجانے پر اسے اپنے کیے پر ندامت اور تاسف ہوتا ہے اور وہ اس طرح افسردگی اور ناامیدی کا شکار ہوجاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کیفیت کو ابلیس کہہ کر پکارا ہے۔ لہٰذا شیطان اور ابلیس ایک ہی سکّہ کے دو رخ ہیں۔ وہ ابتداء کے لیے ہے، یہ انتہا کے لیے۔ آپ آدمؑ اور ابلیس کے عنوانات میں دیکھئے، کس طرح ایک ہی بات کو ایک جگہ شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور دوسری جگہ ابلیس کی طرف۔

۴۔ اس سلسلہ میں طاغوت کا عنوان بھی دیکھئے۔

شیطان بمعنی انسان کے سرکش جذبات

۱۔ قرآن، اس رسول کے اپنے سرکش جذبات کا وضع کردہ نہیں۔ (۲۵ : ۸۱)۔ اسے شیاطین نے نازل نہیں کیا۔ (۲۱۰ : ۲۶)۔ شیاطین تو جھوٹے فریب کار پر نازل ہوتے ہیں۔ (۲۲۱ : ۲۶)

۲۔ خدا تمہیں انفاق کا حکم دے کر، مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اور شیطان (تمہارے انفرادی مفاد پرست جذبات) تمہیں ڈراتا ہے کہ اس طرح تم محتاج ہوجاؤ گے۔ اس لئے وہ تمہیں بخل کی تلقین کرتا ہے (۲۶۸ : ۲) (۱۷ : ۲۶ - ۲۷)۔ (۳)۔ بزدلی اور دوں ہمتی کے جذبات نے انہیں میدانِ جنگ سے گریز کی راہیں سجھا دیں۔ (۱۵۴ : ۳)۔ (۱۷۴ : ۳)۔

۴۔ منافقین پر شیطان غالب آجاتا ہے۔ یہی لوگ حزب الشیطٰن ہیں۔ (۱۹ : ۵۸)

۵۔ اسلاف پرستی کے جذبات شیطان ہیں۔ (۲۱ : ۳۱)

۶۔ عقلِ فریب کار، ان کے غلط اعمال کو مزین بناکر دکھا دیتی ہے۔ (ایسے ایسے دلائل تراشتی ہے کہ انسان غلط کو صحیح سمجھنے لگ جاتا ہے)۔ (۴۳ : ۶)۔ (۴۸ : ۸)۔ (۶۳ : ۱۶)۔ (۲۴ : ۲۷)۔ (۳۸ : ۲۹)۔ (۲۵ : ۴۷)

۷۔ لوگوں کو دکھاوے کی خاطر انفاق کرنے والے شیطان کے ہمجولی بنتے ہیں۔ (۳۸ : ۴)

۸۔ شیطان اس پر آمادہ کرتا ہے کہ وحی کے مطابق فیصلے کرانے کے بجائے غیر خداوندی قوتوں کی طرف رجوع کیا جائے (۶۰ : ۴)

۹۔ توہم پرستی شیطانی عمل ہے۔ اور شیطان کے وعدے سب فریب ہوتے ہیں۔ (۱۱۹ - ۱۲۰ : ۴)۔ (۶۴ : ۱۷)

۱۰۔ خمر اور میسرہ، عمل الشیطان ہیں۔ شیطان تم میں باہمی عداوت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ (۹۰ - ۹۱ : ۵)

۱۱۔ جہاں آیاتِ خداوندی سے استہزاء ہو رہا ہو وہاں مت بیٹھو۔ اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو جب اس کی یاد آجائے

اس وقت اٹھ کر چلے آؤ۔ (۶ : ۶۸)
۱۲۔ شیطان نے مسلمانوں کو قرآن سے غافل کر دیا اور وہ اس سے یوں باہر نکل گئے جیسے سانپ اپنی کینچلی چھوڑ کر صاف باہر نکل جاتا ہے۔ (۷ : ۱۷۵)
۱۳۔ حضرت یوسفؑ کے ساتھ قیدیوں میں سے ایک نے کہا تھا کہ وہ ان کا ذکر بادشاہ سے کرے گا۔ لیکن شیطان نے اسے بھلا دیا۔ (۱۲ : ۴۲)
۱۴۔ شیطان نے حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے مابین نزغ ڈلوا دی۔ (۱۲ : ۱۰۰)
۱۵۔ مبذرین اخوان الشیاطین ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناسپاس گذار ہے (۱۷ : ۲۶-۲۷)
۱۶۔ شیطان پہلے انسان کو بہکاتا ہے۔ پھر آخر میں اسے دھوکا دے کر اکیلا چھوڑ دیتا ہے۔ (۲۵ : ۲۸ - ۲۹)
۱۷۔ دیکھنا! شیطان تمہارا راستہ روک کر نہ کھڑا ہو جائے۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (۴۳ : ۶۲)
۱۸۔ جھوٹی خبروں کے پیچھے لگ جانے سے، شیطان کا اتباع ہو جاتا ہے۔ (۴ : ۸۳)
۱۹۔ جو خدا کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لیتا ہے، تباہ ہو جاتا ہے (۴ : ۱۱۹)
۲۰۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد سے کہا کہ شیطان کی عبودیت اختیار نہ کرنا۔ وہ خدا کا سرکش ہے۔ اگر آپ شیطان کے دوست بن گئے تو خدا کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ (۱۹ : ۴۴-۴۵)
۲۱۔ بنی آدم سے (وحی کے ذریعے) کہا گیا تھا کہ شیطان کی عبودیت اختیار نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے (۳۶ : ۶۰)
۲۲۔ اے جماعتِ مومنین! تم شیطان کے نقوشِ قدم کا اتباع نہ کرنا۔ وہ تمہیں فحشاء و منکر کا حکم دیتا ہے۔ (۱۶۸ - ۱۶۹ : ۲) - (۲۱ : ۲۴)
۲۳۔ اے نوعِ انسان! زمین کی پیداوار سے حلال و طیب طریق سے کھاؤ۔ اور شیطان کے نقوشِ قدم کا اتباع مت کرو۔ وہ فحشاء و منکر کا حکم دیتا ہے۔ (۱۶۸-۱۶۹ : ۲) - (۶ : ۱۴۲ - ۱۴۳)
۲۴۔ جنگِ بدر کے دن جو بارش ہوئی تو اس سے جماعتِ مومنین سے "رجز من الشیطان" رفع ہو گیا۔ یعنی اضمحلال۔ افسردگی وغیرہ۔ (۸ : ۱۱)
۲۵۔ حضرت موسیٰؑ نے جب غصہ میں آکر قبطی کو مار دیا، تو بعد میں افسوس کرتے ہوئے کہا کہ یہ شیطانی کام ہو گیا۔ (۲۸ : ۱۵)
۲۶۔ شیطان پہلے تو انسان سے کہتا ہے کہ کفر کا مرتکب ہو۔ جب وہ ایسا کرتا ہے تو پھر کہتا ہے کہ میں اس سے

بری الذمہ ہوں۔ میں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔ (یہ اشتعال کے بعد کی ندامت اور تاسف ہے) - (۱۶ : ۵۹)

۲۷۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی نے کہا کہ مچھلی پانی میں چلی گئی تھی۔ لیکن شیطان نے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں (۶۳:۱۸)

۲۸۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹے (حضرت یوسفؑ) سے کہا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں کو مت بتانا۔ وہ تیرے خلاف نامعلوم کیا سازش کر گزریں۔ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (۵ : ۱۲)۔

۲۹۔ ہمیشہ ایسی بات کرو جو بہت اچھی ہو۔ شیطان تم میں نزاع ڈال دینا چاہتا ہے۔ وہ انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (۵۳ : ۱۷)

۳۰۔ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ تمہیں دوزخ کی طرف بلاتا ہے۔ (۶ : ۳۵)

۳۱۔ کفار پہ شیاطین کا نزول ہوتا ہے جو انہیں (غلط کاموں کے لئے) اُکساتے ہیں۔ (۸۳ : ۱۹)

۳۲۔ اے ایمان والو! اسلام میں بہ تمام داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے نقوش قدم کا اتباع مت کرو۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (۲۰۸ : ۲)

شیطان بمعنی سیاسی لیڈر یا مذہبی پیشوا

۱۔ خدا کے خلاف جدال کرنے والا، سرکش شیطان (سرغنے) کا اتباع کرتا ہے۔ حالانکہ لوگوں سے (وحی نے) کہہ دیا تھا کہ ایسے اشخاص کے پیچھے مت لگیں۔ (۴-۳ : ۲۲)

۲۔ نزولِ قرآن کے بعد، ستاروں سے قسمتیں بتانے والے مذہبی فریب کاروں کا دور ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ اب زمانہ علم و بصیرت کا آ رہا ہے۔ (۱۸-۱۶ : ۱۵) - (۸-۶ : ۳۷) - (۵ : ۶۷)

۳۔ قرآن کسی فریب کار مذہبی پیشوا کا وضع کردہ نہیں۔ (۲۵ : ۸۱)

۴۔ تقلید اور اسلاف پرستی کے مسلک کی دعوت دینے والے شیطان ہیں۔ (۲۱ : ۳۱)

۵۔ شیطان اپنے رفقاء کو ڈراتا ہے اور اس طرح انہیں میدانِ جنگ سے فرار کی راہ دکھاتا ہے۔ (۱۷۴ : ۳)

۶۔ میدانِ جنگ سے بہکانے والا سرغنہ۔ (۴۸ : ۸)

۷۔ جہنم میں لیڈروں اور ان کے متبعین کا مکالمہ۔ جب معاملہ اختتام پذیر ہو جائے گا تو شیطان کہے گا کہ میں نے جو کچھ تم سے کہا تھا وہ غلط ثابت ہوا۔ (۲۲ : ۱۴)

۸۔ شیطان، (انبیاء کی وفات کے بعد) ان کی وحی میں آمیزش کر دیتا تھا۔ اور خدا دوسرے رسول کو بھیج کر پھر اس

وحی کو منزہ کر دیتا تھا۔ (۵۳-۵۲ : ۲۲)

۹۔ انسان کے بعض دوست، شیطان ہوتے ہیں۔ (۲۹-۲۸ : ۲۵)

۱۰۔ توہم پرستی کی تعلیم دینے والے شیطان ہیں۔ (۱۱۹ : ۴) - (۱۴۴-۱۴۳ : ۶)

۱۱۔ تم اولیاء الشیطان کے خلاف جنگ کرو۔ شیطان کے مکائد بہت کمزور ہوتے ہیں۔ اسی کو طاغوت کہتے ہیں۔ (۷۶ : ۴)

۱۲۔ مومنین کو خائف کرنے کے لئے شیطان خفیہ سازشیں کراتا رہتا ہے۔ (۱۰ : ۵۸)

۱۳۔ مذہبی پیشوائیت لوگوں کو توہم پرستی میں مبتلا رکھتی ہے تاکہ اس طرح اپنے مفاد حاصل کرے۔ یہ شیطانی روش ہے۔
(۱۲۰-۱۱۷ : ۴) — (۱۴)۔ جو قوانینِ خداوندی سے اعراض برتتا ہے تو شیطان اس کا قرین (ساتھی)
بن جاتا ہے اور اسے چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے۔ اس قسم کے ساتھی، خدا کی راہ میں روک بن کر کھڑے ہو
جاتے ہیں۔ (۳۸-۳۶ : ۴۳)

۱۵۔ شیاطین الجن والانس، ہر نبی کے دشمن ہوتے ہیں۔ وہ آپس میں ملمع ساز باتوں سے فریب دہی کے منصوبے
بناتے رہتے ہیں۔ (۱۱۴-۱۱۳ : ۶)

۱۶۔ شیاطین نے مملکتِ حضرت سلیمانؑ کے خلاف جو افسانے تراشے تھے، یہودی ان کا اتباع کرتے تھے۔ حالانکہ سلیمانؑ
نے کفر نہیں کیا تھا۔ یہی شیاطین کفر کرتے تھے اور لوگوں کو جادو، ٹونے کی باتیں سکھاتے تھے۔ (۱۰۲ : ۲)

۱۷۔ جو ہدایتِ خداوندی پا لینے کے بعد پھر غلط راستے پر چل پڑے تو شیاطین اس پر غالب آجاتے ہیں اور وہ راہ گم کردہ
حیران و پریشان رہ جاتا ہے۔ (۷۱ : ۶)

۱۸۔ جو ایمان نہیں لاتے، شیاطین ان کے دوست بن جاتے ہیں۔ (۲۷ : ۷) — (۳۰ : ۷)

۱۹۔ شیاطین اپنے دوستوں کو اشارے (یوحون۔ وحی) کرتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا پیدا کریں۔ (۱۲۲ : ۶)

۲۰۔ حیاتِ آخرت سے انکار کرنے والوں۔ اور شیاطین کو جمع کیا جائے گا۔ اور جہنم کے کنوئیں میں جھکایا جائیگا۔ (۶۸-۱۹)

۲۱۔ منافقین جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، اور جب اپنے شاطین کی طرف خلوت میں
جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ان سے مذاق کرتے ہیں۔ (۱۴ : ۲)

۲۲۔ شیطان تم میں باہمی نزاع پیدا کرتا رہتا ہے۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (۵۳ : ۱۷)

۲۳۔ حزب الشیطان ہمیشہ خسارہ میں رہے گا۔ (۱۹ : ۵۸)

شیطان اور آدم

۱۔ شیطان نے آدمؑ اور اس کی بیوی کو بہکا دیا۔ (۳۶ : ۲) - (۲۰ : ۷) - (۱۲۰ : ۲۰)

۲۔ اے بنی آدم! تمہیں شیطان ورغلا نہ دے جیسے اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ (۲۷ : ۷)

۳۔ آدم اور اس کی بیوی سے کہا گیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (۲۲ : ۷)

شیطان بمعنی سانپ

۱۔ سود خوار کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے کسی کو سانپ نے ڈس لیا ہو۔ (۲۷۵ : ۲)

۲۔ حضرت ایوبؑ کو سانپ نے ڈس لیا اور شدتِ پیاس سے وہ مضمحل ہو گئے۔ (۴۱ : ۳۸)

۳۔ شجرۃ الزقوم کے پتے ناگ پھنی تھوہر کی طرح۔ (۶۵ : ۳۷)

شیطان اور ابلیس ایک ہی سکہ کے دو رُخ ہیں

۱۔ قصۂ آدم میں پہلے ابلیس کی بات ہو رہی ہے۔ آخر میں کہا کہ شیطان کے وعدے سب فریب ہیں۔ (۲۰ : ۷) - (۶۴ : ۱۷)

شیطان، رجیم ہے

۱۔ شیطان رجیم سے پناہ میں رہنے کی دعا (۳۵ : ۳) - (۱۸-۱۶ : ۱۵) - (۹۸ : ۱۶) - (۲۵ : ۸۱)

۲۔ شیطان مرید ہے۔ (۱۱۷ : ۴) - (۳ : ۲۲) - مارد (۸-۶ : ۳۷)

شیطان بمعنی وحشی قبائل

۱۔ شیاطین حضرت سلیمانؑ ______ کے لئے بڑے بڑے کام کیا کرتے تھے۔ (۸۲ : ۲۱) - (۳۷ : ۳۸)

متفرق

۱۔ شیطان کی طرف سے کوئی باعثِ نزاع بات سامنے آئے تو خدا کی پناہ میں آجاؤ۔ (۲۰۰ : ۷) - (۳۶ : ۴۱)

۲۔ متقی وہ ہیں کہ اگر کبھی کوئی شیطانی خیال یونہی گھومتے پھرتے ان کے دل میں آجائے تو وہ فوراً قانونِ خداوندی کو اپنے سامنے لے آتے ہیں اور اس سے ان کی نگاہیں حقیقت کو دیکھ لیتی ہیں۔ (۷ : ۲۰۱)

۳۔ شیطان اور اس کا خاندان تمہیں دیکھتا ہے۔ تم انہیں نہیں دیکھ پاتے ۔ (۷ : ۲۷)

۴۔ جب قرآن پڑھو تو شیطانِ رجیم سے خدا کی پناہ میں آجاؤ۔ (۱۶ : ۹۸)

۵۔ شیطان سے پناہ میں آجانے کی دعا۔ (۲۳ : ۹۷)

ص

۱۔ صابئین

صابئین کا ذکر، قرآن کریم میں یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس کے ساتھ آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی مذہبی فرقہ تھا۔ جس سے اس زمانہ کے عرب اچھی طرح متعارف تھے۔ قرآن نے ان کی بابت کچھ نہیں بتایا، بجز اس کے کہ اسلام کا دروازہ، ان کے لئے بھی کھلا ہے۔ ان کے متعلق، مختلف محققین کے مختلف خیالات ہیں۔ (تفصیل لغات القرآن میں ملے گی)۔ قرآن کریم کے حوالے یہ ہیں۔ (۲ : ۶۲)۔(۵ : ۶۹)۔(۲۲ : ۱۷)

۲۔ صالح۔ صالحین

صلح (ص۔ ل۔ ح) کے بنیادی معنی ہوتے ہیں، جس چیز کو جس حالت میں ہونا چاہیئے اُسے ٹھیک ٹھیک اسی حالت میں ہونا۔ حالات کا عقل اور دین کے تقاضوں کے مطابق متوازن اور معتدل ہونا۔ توازن برقرار رہنا۔ (ان معانی کی

۲۔ متقی وہ ہیں کہ اگر کبھی کوئی شیطانی خیال یونہی گھومتے پھرتے ان کے دل میں آجائے تو وہ فوراً قانونِ خداوندی کو اپنے سامنے لے آتے ہیں اور اس سے ان کی نگاہیں حقیقت کو دیکھ لیتی ہیں۔ (۲۰۱ : ۷)

۳۔ شیطان اور اس کا خاندان تمہیں دیکھتا ہے۔ تم انہیں نہیں دیکھ پاتے ۔ (۲۷ : ۷)

۴۔ جب قرآن پڑھو تو شیطانِ رجیم سے خدا کی پناہ میں آجاؤ۔ (۹۸ : ۱۶)

۵۔ شیطان سے پناہ میں آجانے کی دعا ۔ (۹۷ : ۲۳)

ص

۱۔ صابئین

صابئین کا ذکر، قرآن کریم میں یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس کے ساتھ آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی مذہبی فرقہ تھا۔ جس سے اس زمانہ کے عرب اچھی طرح متعارف تھے۔ قرآن نے ان کی بابت کچھ نہیں بتایا، بجز اس کے کہ اسلام کا دروازہ، ان کے لئے بھی کھلا ہے۔ ان کے متعلق، مختلف محققین کے مختلف خیالات ہیں۔ (تفصیل لغات القرآن میں ملے گی)۔ قرآن کریم کے حوالے یہ ہیں۔ (۶۲ : ۲)۔ (۶۹ : ۵)۔ (۱۷ : ۲۲)

۲۔ صالح ۔ صالحین

صلح (ص۔ ل۔ ح) کے بنیادی معنی ہوتے ہیں، جس چیز کو جس حالت میں ہونا چاہیئے اُسے ٹھیک ٹھیک اسی حالت میں ہونا۔ حالات کا عقل اور دین کے تقاضوں کے مطابق متوازن اور معتدل ہونا۔ توازن برقرار رہنا۔ (ان معانی کی

وضاحت "اعمالِ صالح" اور "اصلاح" کے عنوانات میں ملے گی) جن لوگوں کے کام، عقل اور دین کے تقاضوں کیمطابق ہوں۔ اور ان کی سیرت و کردار میں صحیح صحیح توازن ہو، قرآن کریم نے انہیں صالحین کہہ کر پکارا ہے۔ یہ اپنی صلاحیتوں کو وحی کی عطا کردہ مستقل اقدار کے مطابق صرف کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اپنے کام بھی سنور جاتے ہیں اور معاشرہ کے امور میں بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو اس سے عالمِ انسانیت میں امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ صُلح، فساد کی ضد ہے۔ فساد کے معنی ناہمواریاں پیدا ہو جانا ہیں۔ لہٰذا، صلح سے مراد ہر طرح کی ہمواریاں پیدا ہونا ہیں۔

۲۔ قوم ثمود کی طرف جو رسول مبعوث ہوئے تھے، ان کا اسم گرامی حضرت صالحؑ تھا۔ ویسے سیرت و کردار کی رو سے تمام انبیاء کرام صالحین تھے۔

صالحین

۱۔ خدا۔ جبرائیل۔ اور صالح مومنین، رسول اللہؐ کے دوست اور دمساز تھے۔ (۴ : ۶۶)

۲۔ قصۂ حضرت موسیٰؑ کے دو یتیم بچوں کے ماں باپ صالح تھے۔ (۸۲ : ۱۸)

۳۔ صالحات (صالح مومن عورتیں)۔ (۳۴ : ۴) ۔ (۱۲۴ : ۴)

۴۔ بنی اسرائیل میں صالحین بھی تھے اور غیر صالحین بھی۔ (۱۶۸ : ۷)۔ "جنوں" میں سے بھی (۱۱ : ۷۲)

۵۔ زمین کے وارث عباد الصالحین ہوتے ہیں۔ (۱۰۵ : ۲۱)

۶۔ حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی بیویوں کے متعلق کہا کہ وہ ہمارے صالح بندوں کی بیویاں تھیں۔ (۹ : ۶۶)

۷۔ اگر تم صالح ہو جاؤ تو خدا کی حفاظت حاصل ہو جائے گی۔ (۲۵ : ۱۷)

۸۔ انبیاء سب صالحین تھے۔ (۸۶ : ۶) ۔ (۷۲ : ۲۱) ۔ (۸۶ : ۲۱)

۹۔ قومِ صالحین میں شامل ہونے کی دعائیں۔ (۸۴ : ۵) ۔ (۱۰۱ : ۱۲) ۔ (۸۳ : ۲۶)
(۱۹ : ۲۷) ۔ (۱۰۰ : ۳۷) ۔ (۱۰)۔ خدا صالحین کا ولی ہے۔ (۱۹۶ : ۷)

۱۱۔ ایمان اور عملِ صالح سے صالحین کے زمرے میں داخلہ۔ (۹ : ۲۹)

۱۲۔ حضرت یحییٰؑ، انبیائے صالحین میں سے تھے۔ (۳۸ : ۳) ۔ (۱۳)۔ حضرت عیسیٰؑ صالحین میں سے تھے۔ (۴۵ : ۳)

۱۴۔ اہلِ کتاب میں سے جو ایمان لے آئیں وہ صالحین میں سے ہو جائیں گے۔ (۱۱۳ : ۳)

۱۵۔ خدا سے عہد کرنے والے صالحین میں سے ہو جاتے ہیں۔ (۷۵ : ۹)
۱۶۔ حضرت موسیٰؑ نے جس مردِ بزرگ کی ملازمت کا عہد کیا تھا، اس نے کہا تھا کہ تم مجھے صالحین میں سے پاؤ گے۔
(۲۷ : ۲۸) - (۱۷)۔ حضرت اسحٰقؑ صالحین انبیا میں سے تھے - (۱۱۲ : ۳۷)۔ حضرت یونسؑ بھی۔ (۵۰ : ۶۸)
۱۸۔ موت سے پہلے کچھ کر لو۔ ورنہ تمہیں پچھتاوا لگ جائے گا۔ کہ مجھے مہلت مل جاتی تو میں صالحین میں سے ہو جاتا۔
(۱۰ : ۶۳) - (۱۹)۔ حضرت ابراہیمؑ صالحین میں سے تھے۔ (۱۳۰ : ۲)-(۱۲۱ : ۱۶) - (۲۷ : ۲۹) -
حضرت لوطؑ بھی۔ (۷۵ : ۲۱)
۲۰۔ اللہ اور رسول کی اطاعت سے، منعم علیہم کی معیت نصیب ہو جاتی ہے۔ یعنی انبیاؑ۔ صدیقؓ۔ شہداؓ۔ اور صالحین کی۔ (۶۹ : ۴)

۲۱۔ مجاہدین کا ہر عمل، عملِ صالح ہوتا ہے - (۱۲۰ : ۹)
۲۲۔ عملِ صالح، نظریۂ خداوندی کے ارتفاع کا باعث ہوتا ہے - (۱۰ : ۳۵)
۲۳۔ عملِ صالح اور غیر صالح کا اختلاط - (۱۰۲ : ۹)

اصلح (صالح بن جانا)

۱۔ جو ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کرے ..... (۱۶۰ : ۲) - (۸۹ : ۳) - (۱۶ : ۴) - (۱۴۶ : ۴)
(۳۹ : ۵) - (۵۴ : ۶) - (۱۱۹ : ۱۶) - (۵ : ۲۴) - (۶۷ : ۲۸)
۲۔ جو ایمان لے آئے اور صالح بن جائے اس پر خوف و حزن نہیں۔ (۴۸ : ۶) - (۳۵ : ۷)
۳۔ اہلِ جنت کے آبا میں سے بھی وہی جنت میں جائیں گے جو اصلح ہوں گے۔ (۲۳ : ۱۳) - (۸ : ۴۰)

مصلحین

۱۔ مصلح بمقابل مفسد۔ (۱۲-۱۱ : ۲) - (۲۲۰ : ۲)
۲۔ جس بستی کے رہنے والے مصلح ہوں، وہ تباہ نہیں ہوتی۔ (۱۱۷ : ۱۱)
۳۔ مصلحین کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (۱۷۰ : ۷) - (۴) جبار کے مقابلہ میں مصلح - (۱۹ : ۲۸)

اصلح بمعنیٰ صُلح

۱۔ وصیت کے بارے میں باہمی صلح کرا دینا بہتر ہے۔ (۱۸۲ : ۲)

۲۔ میاں بیوی کا باہمی صلح کر لینا بہتر ہوتا ہے۔یا اصلاح کر لینا۔ (۱۲۸ : ۴)۔(۱۲۹ : ۴)

۳۔ لوگوں میں صلح کرا دینا۔ (۲۲۴ : ۲)

۴۔ اگر تم میں سے دو پارٹیوں میں لڑائی ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو۔ (۸-۱)۔(۱۰-۹ : ۴۹)

اصلاح

۱۔ مجرم قابلِ اصلاح ہو تو اسے معاف کر دینا چاہیئے۔ (۱۶ : ۴)۔(۴۰ : ۴۲)

۲۔ یتامیٰ کی اصلاح کرنا عملِ خیر ہے۔ (۲۲۰ : ۲)

۳۔ لوگوں کی اصلاح (یا صلح بین الناس) کے لیے مشورے کرنا اچھا ہے۔ (۱۱۴ : ۴)

۴۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہاری اصلاح چاہتا ہوں۔ (۸۸ : ۱۱)

۵۔ اگر میاں بیوی اصلاح چاہیں تو خاوند کا حق اولے ہے۔ (۲۲۸ : ۲)۔(۳۵ : ۴)

۶۔ ملک میں اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ۔ (۵۶ : ۷)۔(۸۵ : ۷)

صالح کے دیگر معانی

۱۔ تندرست۔صحیح وسالم بچے کے لئے صالح کا لفظ آیا ہے۔ (۱۹۰-۱۸۹ : ۷)

۲۔ الباقیات الصالحات۔ (۴۶ : ۱۸)۔(۷۶ : ۱۹)

۳۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا کہ یوسفؑ کو ختم کر دیا جائے تو اس کے بعد ہم ایک "صالح" قوم بن جائیں گے۔
یعنی ہمارے سب کام درست ہو جائیں گے۔ (۹ : ۱۲)

۴۔ صالحین۔جو نکاح کے قابل ہوں۔ (۳۲ : ۲۴)

۵۔ جو مجرم سے درگزر کرے اور یوں اس کی اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ کے ہاں ہے۔ (۴۰ : ۴۲)

۶۔ اَصۡلَحَ بالھم۔ خدا ان کے حالات سنوار دے گا۔ (۷۱ : ۳۳)۔(۲ : ۴۷)۔(۵ : ۴۷)۔

مفسدین کے کاموں کو نہیں سنوارے گا۔ (۸۱ : ۱۰)

۷۔ مفسدین کی راہ پر نہ چلنے سے اصلاح ہوتی ہے۔ (۱۴۲ : ۷)

۸۔ دعا کہ میری نسل کے سلسلہ میں بھی میرے معاملات سنوار دے۔ (۱۵ : ۴۶)

۹۔ حضرت زکریاؑ کی بیوی کا نقص دور کر کے اسے اولاد کے قابل بنا دیا۔ اصلحنا (۹۰ : ۲۱)

۱۰۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے کے عمل غیر صالح تھے۔ (۴۶ : ۱۱)

حضرت صالحؑ

۱۔ حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ سے پہلے گذرے ہیں کیونکہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اگر تم نے صحیح راستہ اختیار نہ کیا تو تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو قومِ صالح کا ہوا تھا۔ (۸۹ : ۱۱)

۲۔ قومِ ثمود کی طرف حضرت صالحؑ۔ (۱۵۹ - ۱۴۱ : ۲۶)

۳۔ قومِ ثمود، کے سرداران، رزق کے سرچشموں پر قابض ہو کر بیٹھ گئے تھے اور کمزور لوگوں کو ان سے متمتع نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسے فساد کہا گیا۔ اور اس کے مقابلہ میں صلح کا لفظ استعمال کیا گیا۔ (۱۵۲ : ۲۶)

۴۔ قصۂ قومِ ثمود و حضرت صالحؑ۔ (۷۹-۷۳ : ۷) - (۶۸ - ۶۱ : ۱۱) - (۵۳ - ۴۵ : ۲۷)

۳۔ صبر (ثبات۔ استقامت)

صبر۔ ہمارے ہاں صبر کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب مصیبتیں اتنی زیادہ اور سخت ہو جائیں کہ ان کا کوئی علاج نہ ہو سکے۔ تو انتہائی مایوسی کے عالم میں بے دست و پا ہو کر بیٹھ جانا اور کچھ نہ کرنا۔ حتیٰکہ زبان سے گلہ اور شکوہ تک بھی نہ کرنا۔ اسے صبر کرنا کہا جاتا ہے اور جتنا کوئی شخص اس عادت میں زیادہ راسخ ہو جائے اتنا ہی اسے خدا کا مقرب سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ "راضی برضا" رہتا ہے۔ لیکن عربی زبان (اور قرآن کریم کے استعمال کی رو سے) اس لفظ کے معنی ہوتے ہیں — مطلوبہ شے کے حصول کے لئے برابر مصروفِ کار رہنا۔ اس اعتبار سے اس کے بنیادی معنوں میں استقامت، ثابت قدمی۔ استقلال اور مسلسل جدوجہد داخل ہیں۔

بعض اوقات انسان، مخالفین کے اشتعال دلانے پر، اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ یہ بھی "بے صبری

کی دلیل ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر اس کے پروگرام کے نتیجہ خیز، ہونے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ تو وہ اس سے جھلّا اٹھتا ہے اور جلد بازی پہ اتر آتا ہے۔ یہ بھی صبر کے خلاف ہے۔ صابر (یا صبّار) وہ ہے جو نہایت ہمت، استقلال ثابت قدمی اور حوصلہ سے مخالفت کا مقابلہ کرے۔ کبھی جی نہ ہارے۔ مایوس نہ ہو۔ جلد بازی نہ کرے۔ جذبات میں اشتعال نہ پیدا ہونے دے۔ اور اپنی تگ و تاز میں برابر آگے بڑھتا چلا جائے۔ یہ جوہر، کامیابی کا ضامن ہوتا ہے اور مومن کی بہت بڑی صفت۔

۲۔ استقامت کا لفظ بھی صبر کے معنوں میں آتا ہے۔ تثبیت کا لفظ دلجمی کے معنوں میں آتا ہے۔ یا کسی قوم کی جڑوں کو مضبوط کر دینے کے معنوں میں۔

صابرین کون ہیں

۱۔ بھوک۔ خوف۔ نقصِ اموال و ثمرات و نفوس۔ غرضیکہ ہر قسم کی مشکلات میں ثابت قدم رہنے والے۔ اور آگے بڑھتے چلے جانے والے۔ (۱۵۷-۱۵۳ : ۲)

۲۔ نامساعد حالات حتٰکہ جنگ تک میں ثابت قدم رہنے والے۔ (۱۷۷ : ۲)

۳۔ ڈسپلن قائم رکھنے والے۔ ضبطِ نفس کرنے والے۔ (۲۴۹ : ۲) - (۶۸-۶۷ : ۱۸) - (۷۲ : ۱۸) - (۷۵ : ۱۸) - (۸۲ : ۱۸) - (۵ : ۴۹)

(سورۂ کہف (۱۸) کی آیات قصۂ حضرت موسیٰؑ اور مردِ بزرگ کے سلسلہ میں ہیں)

۴۔ اللہ کے بندے۔ صابرین، صادقین۔ قانتین وغیرہ۔ (۱۶ : ۳)

۵۔ میدانِ جنگ میں ہمت نہ ہارنے والے۔ پست حوصلہ نہ ہو جانے والے۔ (۱۴۵-۱۴۲ : ۳)

۶۔ جنسی معاملات میں ضبطِ خویش سے کام لینے والے۔ (۲۵ : ۴)

۷۔ مخالفین کی طرف سے تکذیب پہ صبر کرنے والے (نہ ہمت ہارنا۔ نہ مشتعل ہونا)۔ (۳۴ : ۶)

۸۔ نتائج کا دل جمی سے انتظار کرنے والے۔ (۸۷ : ۷)

۹۔ میدانِ جنگ میں کامل یک جہتی اور اتحاد سے ثابت قدم رہنے والے اور قوانین خداوندی کو ہر وقت سامنے رکھنے والے۔ (۴۶-۴۵ : ۸)

۱۰۔ نامساعد حالات میں مایوس نہ ہونا اور خوشحالی کے زمانے میں اترانے نہ لگنا۔ (۱۱-۹ : ۱۱)-(۲۱-۱۹ : ۷۰)

۱۱۔ خدا کے پروگرام کی تکمیل کے لئے ثابت قدم رہنے والے ۔ سیأت کو حسنات سے دور کرنے والے ۔ (۲۲ : ۱۳)۔
(۳۵ : ۳۴ : ۴۱) ۔ (۱۲) ۔ مہاجرین ۔ مجاہدین ۔ (۱۱۰ و ۴۲-۴۱ : ۱۶) ۔ ان ارض اللہ واسعۃ ۔ (۱۰ : ۳۹)۔

۱۳۔ تم فوری بدلہ بھی لے سکتے ہو ۔ لیکن اگر ہمت اور استقلال سے کام لو تو یہ زیادہ اچھا ہے ۔ حتیٰ کہ مخالفین کی سازشوں سے دل گرفتہ تک بھی نہ ہو ۔ نہ ہی مغموم ۔ (۲۷ - ۱۲۶ : ۱۶) ۔ (۴۳ - ۳۹ : ۴۲)

۱۴۔ حق پر جم کر رہنے والے اور باطل سے مفاہمت کا خیال تک دل میں نہ لانے والے ۔ (۶۴ : ۱۷)

۱۵۔ ہر حادثہ پر ثابت قدمی سے کام لینے والے مومنین ۔ (۳۵ : ۲۲)

۱۶۔ مخالفین کے تمسخر اڑانے پر صبر سے کام لینے والے ۔ (۱۱۱ - ۱۱۰ : ۲۳)

۱۷۔ (سرمایہ داری کے برعکس) محنت سے کمانا، بڑا صبر طلب ہوتا ہے ۔ لیکن اس کا بدلہ بہت اچھا ہوتا ہے ۔ (۸۰-۷۹ : ۲۸)

۱۸۔ نظامِ فطرت پر غور و فکر کرنے والے ۔ تاریخی شواہد سے عبرت حاصل کرنے والے ۔ صبار و شکور ہیں ۔ (۵ : ۱۴)
(۳۱ : ۳۱) ۔ (۱۹ - ۱۵ : ۳۴) ۔ (۳۳ : ۴۲)

۱۹۔ مومن مرد اور عورتیں صابرین ہوتے ہیں ۔ (۳۵ : ۳۳)

۲۰۔ خدا (کے دین) کی مدد کرنے والوں کی خدا مدد کرتا ہے ۔ یعنی انہیں ثبات عطا کر دیتا ہے ۔ (۷ : ۴۷)

۲۱۔ زندگی کی ہر گردش میں ثابت قدم رہنے والے ۔ (۳۱ : ۴۷)

صبر کے نتائج

۱۔ صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ استعانت ۔ یعنی صبر و صلوٰۃ سے نصرت خداوندی حاصل ہوتی ہے ۔ (۴۵ : ۲)۔
(۱۵۳ : ۲) ۔ (۱۲۸ : ۷) ۔ (۷ : ۴۷) ۔ اس کے معنی کیا ہیں ۔ (۲۲ - ۱۹ : ۷۰)

۲۔ ان پر خدا صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے ۔ یہی ہدایت یافتہ ہیں ۔ (۱۵۷ : ۲)

۳۔ یہی صادق ہیں ۔ یہی متقی ہیں ۔ (۱۷۷ : ۲)

۴۔ اللہ صابرین کے ساتھ ہے ۔ (۲۴۹ : ۲) ۔ (۶۶ : ۸) ۔ اس سے تم اپنے سے دگنی فوج پر فتح حاصل کر لوگے ۔ (۵) ۔ صبر اور تقویٰ سے کامیابی ۔ (۱۱۹ : ۳) ۔ (۱۹۹ : ۳)

۶۔ صبر اور جہاد کے بغیر جنت میں نہیں جا سکتے ۔ موت کی تمنا کرو ۔ (۲۱۴ : ۲) ۔ (۱۴۲ - ۱۴۱ : ۳)

۷۔ ثواب الدنیا اور ثواب الآخرت دونوں ۔ (۱۴۷ : ۳) ۔ (۴۲ - ۴۱ : ۱۶)

۸۔ تمکن فی الارض ۔ حصولِ مملکت و قوت ۔ وراثتِ ارض ۔ (۱۲۸ : ۷) ۔ (۱۳۷ : ۷)

۹۔ اپنے سے دس گنا زیادہ دشمن پر کامیابی ۔ (۶۵ : ۸) ۔ دگنی پر (۶۶ : ۸)

۱۰۔ صبر سے کام لو ۔ خدا محسنین کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا ۔ (۱۱۵ : ۱۱)

۱۱۔ صبر اور تقویٰ سے احساناتِ خداوندی ۔ وہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا ۔ (۹۰ : ۱۲)

۱۲۔ ان کا انجام نہایت اچھا ہوتا ہے ۔ (۲۲ : ۱۳) ۔ جنت ملتی ہے ۔ (۲۴ : ۱۳)

۱۳۔ عمل کا بہترین نتیجہ ۔ (۹۶ : ۱۶) ۔ (۱۴)۔ صابرین فائز المرام ہوتے ہیں ۔ (۱۱۱ : ۲۳)

۱۵۔ صبر کا بدلہ جنت ۔ (۷۵ : ۲۵) ۔ (۵۹-۵۸ : ۲۹) ۔ (۱۲ : ۷۶)

۱۶۔ صبر کی وجہ سے دوہرا اجر ۔ (۵۴ : ۲۸)

۱۷۔ صبر، عزم الامور میں سے ہے ۔ (۱۸۶ : ۳) ۔ (۱۷ : ۳۱) ۔ (۴۳ : ۴۲)

۱۸۔ صبر سے کام لینے والے ائمہ بنا دیئے جاتے ہیں ۔ (۲۴ : ۳۲) ۔ (۱۹)۔ صابرین کا اجر بغیر حساب ۔ (۱۰ : ۳۹)

۲۰۔ اللہ کو رب کہنے والے اور پھر اس پر استقامت سے جم جانے والے ۔ ان پر خوف و حزن نہیں ہوگا ۔ یہ اصحاب الجنۃ ہیں ۔ (۱۴-۱۳ : ۴۶) ۔ ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے ۔ (۳۰ : ۴۱)

۲۱۔ استقامت سے عمل کی کھیتیاں سیراب ہوتی ہیں ۔ (۱۶ : ۷۲) ۔ (۲۲)۔ صبر اور تقویٰ سے ملائکہ کی مدد ۔ (۱۲۴ : ۳)

۲۳۔ صبر اور تقویٰ سے تمکن فی الارض ۔ مدارج بلند ۔ (۹۰ : ۱۲)

صبر و ثبات کے لئے دعائیں اور آرزوئیں

۱۔ صبر یعنی ثابت قدمی کے لئے دعائیں ۔ (۲۵۰ : ۲) ۔ (۴۶-۱۴۵ : ۳)

۲۔ ساحرینِ دربارِ فرعون کی دعائیں ۔ (۱۲۶ : ۷)

۳۔ لیکن یہ اسے حاصل ہو سکتا ہے جو خدا (کے دین) کی مدد کرے ۔ (۷ : ۴۷)

صبر کی تلقین و تاکید

۱۔ اصبروا ۔ صابروا ۔ رابطوا ۔ اتقوا ۔ اس سے کامیابی ہوگی ۔ (۱۹۹ : ۳)

۲۔ انبیاء سابقہ کے احوال بیان کرنے کے بعد رسول اللہ سے تاکید کہ صبر سے کام لو ۔ انجامِ کار کامیابی متقین کے لئے

ہوتی ہے۔ (۴۹ : ۱۱)۔ (۳)۔ فاستقم کما امرت۔ (۱۱۲ : ۱۱)۔ (۱۵ : ۴۲)

۴۔ استقامت سے کام لو۔ خدا محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (۱۱۵ : ۱۱)

۵۔ داستانِ بنی اسرائیل میں ہر صبار و شکور کے لئے سامانِ عبرت ہے۔ (۵ : ۱۴)

۶۔ رسولؐ اللہ اور صحابہؓ کو صبر کی تاکید۔ (۴۶ : ۸)۔ (۱۰۹ : ۱۰)۔ (۱۲۷ : ۱۶)۔ (۲۸ : ۱۸)۔

(۱۳۰ : ۲۰)۔ (۲۰ : ۲۵)۔ (۶۰ : ۳۰)۔ (۴۸ : ۳۳)۔ (۱۷ : ۳۸)۔ (۷۷ : ۴۰ : ۵۵)

(۳۵ : ۴۶)۔ (۳۹ : ۵۰)۔ (۴۸ : ۵۲)۔ (۴۸ : ۶۸)۔ (۵ : ۷۰)۔ (۱۰ : ۷۳)

(۷ : ۷۴)۔ (۲۴ : ۷۶)۔ (۷)۔ حضرت لقمانؑ کا اپنے بیٹے کو صبر کی تلقین کرنا۔ (۱۷ : ۳۱)

۸۔ نظامِ فطرت میں صبار و شکور کے لئے آیات ہیں۔ (۳۱ : ۳۱)۔ (۱۹۔ ۱۵ : ۳۴)۔ (۳۳ : ۴۲)۔

۹۔ مومن ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ (۱۷ : ۹۰)۔ (۳ : ۱۰۳)

۱۰۔ رسولؐ اللہ سے ارشاد کہ عبادتِ خداوندی پر جم کر قائم رہو۔ (اصطبر)۔ (۶۵ : ۱۹)۔ (۱۳۲ : ۲۰)

۱۱۔ حضرت صالحؑ سے کہا کہ تم اپنے مخالفین پر نگاہ رکھو اور صبر (استقامت) سے کام لو۔ (۲۷ : ۵۴)

صبر کی مثالیں

۱۔ صبرِ حضرت یعقوبؑ۔ (۱۸ : ۱۲)۔ (۸۳ : ۱۲)

۲۔ رسول، تمام اذیتوں پر صبر سے کام لیتے تھے۔ (۱۲ : ۱۴)۔ (۸۵ : ۲۱)

۳۔ ہجرت کرنے والے۔ (۴۲۔ ۴۱ : ۱۶)

۴۔ رسولؐ اللہ کو خدا نے ثابت قدم رکھا۔ جس کی وجہ سے آپ مخالفین کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ (۱۲۰ : ۱۱)۔ (۷۴ : ۱۷)

۵۔ حضرت اسماعیلؑ صابرین میں سے (۱۰۲ : ۳۷)۔ (۶۱)۔ حضرت ایوبؑ کا صبر۔ (۴۴ : ۳۸)

۷۔ صاحب الحوت نے صبر سے کام نہیں لیا تھا۔ (۴۸ : ۶۸)

۸۔ سخت مشکلات کے وقت رسول اور ان کے ساتھی بھی بعض اوقات گھبرا اٹھتے تھے۔ (۲۱۴ : ۲)

۹۔ صبرِ یوسفی۔ (۹۰ : ۱۲)

متفرق

۱۔ صبر کے معنی کسی بات پر جم کر بیٹھ جانا۔ (۴۲ : ۲۵)۔ (۶ : ۳۸)۔ (۴۸ : ۵۲)
۲۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ یعنی تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ (۷ : ۴۷)
۳۔ انسان بڑا بے صبرا واقع ہوا ہے۔ ذرا سی تکلیف پہنچی تو چلانے لگ گیا۔ خوش حالی آئی تو سارا مال دبا کر بیٹھ گیا۔ مصلین ایسے نہیں ہوتے۔ (۲۲-۱۹ : ۷۰)
۴۔ مومنین کے لئے دنیا اور آخرت میں ثبات۔ (۲۹-۲۴ : ۱۴)۔ (۱۰۲ : ۱۶)
۵۔ قرآن کا نجماً نجماً نازل ہونا حضورؐ کی "تثبیتِ قلب کے لئے تھا۔ (۳۲ : ۲۵)
۶۔ جہنم کی آگ کو صبر سے برداشت کرو یا چیخو چلاؤ۔ یکساں ہے۔ (۲۱ : ۱۴)۔ (۲۴ : ۴۱)۔ (۱۶ : ۵۲)
۷۔ وہ جہنم کی آگ کے متعلق کس قدر دلیر ہو رہے ہیں۔ یعنی اس کے خیال سے انہیں ذرا گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ (۱۷۵ : ۲)
۸۔ استقیموا الیہ۔ خدا کی طرف ثبات سے قائم رہو۔ (۸۹ : ۱۰)۔ (۶ : ۴۱)
۹۔ احکام خداوندی کی اطاعت باعثِ تثبیت (۶۶ : ۴)۔ انفاق فی سبیل اللہ سے تثبیتِ ذات ہوتی ہے (۲۶۵ : ۲)
۱۰۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہم ایک ہی طعام پر صبر نہیں کریں گے۔ (۶۱ : ۲)

۴۔ صحابہؓ (اصحاب رسول اللہ)

قرآن کریم میں صحابہؓ یا اصحابِ رسول اللہ کے الفاظ نہیں آئے۔ سورۃ توبہ میں، واقعۂ غار کے سلسلہ میں آیا ہے۔ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ۔ (۴۰ : ۹)۔ "جب رسولؐ نے اپنے ساتھی سے کہا"۔ اور رسول اللہ کو صَاحِبُکُمْ کہہ کر پکارا ہے۔ (۱۸۴ : ۷)۔ (۴۶ : ۳۴)۔ (۲ : ۵۳)۔ (۲۲ : ۸۱)۔ یعنی "تمہارا ساتھی"۔ اور صحابہؓ میں سے نام سارے قرآن میں صرف (حضرت) زیدؓ کا آیا ہے (۳۷ : ۳۳)۔ قرآن کریم میں اصحابِ رسول اللہ کے لئے "الذین معہ" کے الفاظ آئے ہیں۔ (۲۹ : ۴۸)۔ "رسول اللہ کے ساتھی" یا مہاجرین اور انصار کے الفاظ۔ نیز انہیں امۃ وسطاً کہا گیا ہے۔ (۱۴۳ : ۲)۔ جس کا فریضہ یہ تھا کہ وہ نوع انسان کے اعمال کی نگران ہو اور رسولؐ اس کے اعمال کا نگران۔ یہی وہ جماعت

تھی۔ جس نے سب سے پہلے دنیا میں حکومتِ خداوندی (اسلامی مملکت یا قرآنی معاشرہ) کی عملی تشکیل کی اور اس بہت سے ان کی روش آنے والوں کے لئے دلیلِ راہ قرار پائی۔ چونکہ قرآن کریم نے ان سب کو "مومن حقا" قرار دیا ہے اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان سب کو ——————— پکے اور سچے مومن سمجھیں اور اس اعتبار سے کسی ایک میں بھی کوئی فرق نہ کریں۔ وہ سب یکساں عزت اور احترام کے مستحق ہیں۔ اگر ہماری تاریخ میں کوئی ایسی بات ملتی ہے جو اس جماعت کی کسی ایسی خصوصیت کے خلاف جاتی ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے تو ہم اس تاریخی بیان کو ناقابلِ قبول قرار دیں گے۔ کیونکہ وہ قرآن کی شہادت کے خلاف ہے۔ ہمارا ایمان قرآن پر ہے۔ نہ کہ تاریخ پر جو بہر حال انسانی کوششوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور اس میں سہو و خطا (بلکہ سازش تک) کی گنجائش اور امکان۔ قرآن کریم کی واضح شہادت کی رو سے، سب صحابہؓ (انصار و مہاجرین و مجاہدین) مومنِ حقا تھے۔ یہی ہمارا ایمان ہے۔

صحابہؓ کبار

۱۔ رسول اللہؐ کے زمانے میں، مسلمانوں کے اندر منافق بھی گھس آئے تھے۔ لیکن خدا نے اس کا ذمہ لیا تھا کہ وہ خبیث کو طیب سے الگ کر کے رکھ دے گا ——— اس لئے حضورؐ کی آخری زندگی میں منافقین سب چھٹ کر الگ ہو چکے تھے۔ (۳ : ۱۷۸)

۲۔ قرآن اس قوم کے سپرد کیا گیا تھا جس کے متعلق خدا نے ضمانت دی تھی کہ وہ اس سے کفر نہیں برتیگی۔ (۶ : ۹۰)

۳۔ مہاجر اور انصار سب ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (۸ : ۷۲)

۴۔ غار میں رسول اللہؐ کے ساتھی۔ (۹ : ۴۰)

۵۔ مہاجرین اور انصار میں سے السابقون الاولون، اور جنہوں نے حسن کارانہ انداز سے ان کا اتباع کیا۔ ان سب سے اللہ راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ ان سب کے لئے جنت ہے۔ (۹ : ۱۰۰)

۶۔ مہاجرین اور انصار نے شدت کی سختی کے زمانے میں رسول اللہؐ کا ساتھ دیا۔ اگر ان میں سے کسی کے دل میں، بہ تقاضائے بشریت، کسی وقت کوئی ایسی ویسی بات گذرتی تھی تو وہ اس کی فوری اصلاح کر لیتے تھے اور خدا انہیں معاف کر دیتا تھا۔ (۹ : ۱۱۷)

۷۔ مثلاً وہ تین صحابی جو ایک جنگ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ (۹ : ۱۱۸)

۸۔ رسول اللہؐ سے کہا گیا کہ آپ اپنے ان رفقاء کے ساتھ ثابت قدمی سے رہیں۔ یہ لوگ خالصتہً لِلّٰہِ، دن رات،

دعوتِ خداوندی میں مصروف رہتے ہیں۔ حضورؐ سے تاکیداً کہا گیا کہ کسی دنیاوی منفعت کی خاطر، ان سے بے توجہی نہ برتیں۔ (۵۲ : ۶) - (۸۰ : ۱۵) - (۲۸ : ۱۸) - (۲۱۵ : ۲۶) - حضرت نوحؑ سے بھی یہی کہا تھا۔ (۲۹-۲۷ : ۱۱) - (۱۱۴-۱۱۱ : ۲۶)

۹۔ "بیعت رضوان" کرنے والے صحابہ سے خدا راضی ہو گیا۔ خدا ان کے دلوں کی حالت سے واقف تھا۔ (۱۸ : ۴۸)

۱۰۔ محمد رسول اللہ والذین معہٗ کے خصائص کبریٰ اور صفاتِ حسنہ۔ ان میں باہمی محبت اور مودّت تھی۔ ان سب کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم تھا۔ (۲۹ : ۴۸)

۱۱۔ مہاجرین، سب صادق تھے۔ انصار بے حد کشادہ ظرف تھے۔ وہ خود تنگی میں گذارہ کرتے، لیکن مہاجرین کو اپنے پر ترجیح دیتے۔ (۹-۸ : ۵۹)

۱۲۔ بعد میں آنے والوں کی روش یہ ہونی چاہیئے کہ وہ ان سب کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ اور ان کی مغفرت کی دعا کریں۔ ان کے متعلق دل میں کسی قسم کی نفرت کا جذبہ نہ رکھیں۔ (۱۰ : ۵۹)

۱۳۔ حضورؐ کے ساتھی، حضورؐ کے ساتھ، راتوں کو قرآنی پروگرام کی تکمیل کے سلسلہ میں جاگتے رہتے تھے۔ (۲۰ : ۷۳)

۱۴۔ خدا نے رسول اللہؐ کو اپنی نصرت اور جماعتِ مومنین سے تقویت کا سامان بہم پہنچایا۔ (۶۲ : ۸)

۱۵۔ اے رسولؐ! تیرے لئے اللہ اور مومنین جو تیرا اتباع کرتے ہیں، کافی ہے۔ (۶۴ : ۸)

۱۶۔ خدا نے مومنین کے دلوں میں اس قسم کی باہمی الفت ڈال دی جو دنیا جہان کی دولت خرچ کرنے سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ (۶۳ : ۸) - انہیں بھائی بھائی بنا دیا۔ (۱۰۳ : ۳) - (۱۰ : ۴۹)

۱۷۔ مہاجرین - مجاہدین - انصار، سب مومنِ حقّا تھے۔ ان کے لئے مغفرت اور رزقِ کریم ہے۔ ان کے بعد بھی جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی ان کا شمار بھی انہی میں ہے۔ (۷۵-۷۴ : ۸)

۱۸۔ جو سبیل المؤمنین کے علاوہ کسی اور راستے کا اتباع کرتا ہے، وہ جہنم میں جائے گا۔ (۱۱۵ : ۴)

۱۹۔ جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے مالی اور جانی قربانیاں دیں ان کے درجات بے شک ان سے بلند ہیں جنہوں نے بعد میں ایسا کیا۔ لیکن ان سب کے لئے (خواہ وہ پہلے ہوں یا بعد میں آنے والے) اللہ کے بہترین وعدے ہیں۔ (۱۰-۵۷)

۲۰۔ جماعتِ مومنین، (امۃ وسطا تھی (اور ہے) ان کا فریضہ یہ تھا کہ یہ تمام نوعِ انسان کے اعمال کی نگرانی کریں۔ اور رسول، ان کے اعمال کا نگران ہو۔ (۱۴۳ : ۲) - یہ خیرامت ہے جو انسانیت کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ان

کا فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے (۱۰۴ : ۳) ۔ (۱۰۹ : ۳)

۲۱۔ البتہ اعراب (بعض بدو قبائل کے لوگ) جن کے دلوں کے اندر ایمان داخل نہیں ہوا تھا ۔ (۱۴ : ۴۹)۔ یہ لوگ مہاجرین اور انصار کے زمرے میں شامل نہیں تھے ۔

٥۔ صدق

صدق (ص ۔ د ۔ ق) اس مادہ کے بنیادی معنی قوت اور توانائی ۔ نیز ٹھوس حقیقت کے ہیں ۔ یہ معانی اس کی ہر شکل میں موجود رہیں گے ۔

صِدْقٌ ۔ یہ لفظ کِذْبٌ کے مقابل میں آتا ہے ۔ کذب کے معنی ہوتے ہیں دل اور زبان کا ہم آہنگ نہ ہونا ۔ اسے عرف عام میں جھوٹ کہتے ہیں ۔ لہٰذا صِدْقٌ کے معنی ہوں گے ۔ ایسا سچ جس میں دل اور زبان میں ہم آہنگی ہو ۔ صادق ۔ سچ بولنے والا ۔ الصِّدِّیْقُ ۔ شدت کے ساتھ سچا ۔ یعنی جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو ۔ الصَّدِیْق ۔ سچے دوست کو کہتے ہیں ۔ صَدَّقَ کے معنی ہیں اپنی بات کو عمل سے سچ کر دکھانا ۔ یا کسی بات کی تصدیق کرنا ۔ اس اعتبار سے صِدِّیْقٌ کے معنی بات کو سچ کر کے دکھانے والا بھی ہوں گے ۔ یہیں سے مُصَدِّقٌ ہے ۔ یعنی سچ کر کے دکھانے والا ۔ قرآن کریم نے اپنے آپ کو کتب سابقہ کا مُصَدِّق کہا ہے ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ کتبِ سابقہ جس شکل میں بھی موجود ہیں ، سچی ہیں ۔ اس لئے کہ وہ خود بتاتا ہے کہ ان میں تحریف و الحاق ہو چکا ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان دعاوی کو عملاً سچ کر دکھانے والا ہے جو امم سابقہ سے ان کے انبیائے کرامؑ نے کئے تھے ۔ یعنی یہ کہ اگر وہ اس قسم کی زندگی بسر کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا ۔ قرآن کریم ایک ایسا نظام زندگی عطا کرتا ہے جس میں یہ تمام دعاوی سچ بن کر سامنے آجاتے ہیں ۔ اس جہت سے یہ کتبِ سابقہ کا مصدّق ہے ۔ بعض اوقات صَدَّقَ کا لفظ بھی سچ کر کے دکھانے کے معنوں میں آجاتا ہے ۔

صَدَقَہ ۔ ہر وہ عمل جو انسان کے دعوئے ایمان کو سچ کر دکھائے (عام معانی میں) صدقہ ہوگا ۔ لیکن یہ لفظ خاص طور پر مالی امداد کے لئے آتا ہے ۔ اصطلاحی طور پر یوں سمجھئے کہ اسلامی حکومت ، افرادِ معاشرہ سے ایسی رقوم لے گی جن کا ادا کرنا واجب ہوگا ۔ لیکن بعض ہنگامی ضروریات کے لئے ان کے علاوہ بھی کچھ مطالبہ کرے گی ۔ یہ کچھ افرادِ معاشرہ کی طرف سے رضاکارانہ طور پر دیا جائے گا ۔ اسے قرآن نے صَدَقَات کہہ کر پکارا ہے ۔ یاد رکھئے کہ یہ لفظ زکوٰۃ کا مرادف

نہیں۔ زکوٰۃ اور صدقات میں فرق ہے۔ (تفصیل کے لئے زکوٰۃ کا عنوان دیکھئے)

صَدُقہ۔ شادی کے وقت، خاوند کی طرف سے بیوی کو کچھ تحفہ دیا جاتا ہے جو اس کی دوستی اور صداقت کی علامت ہوتی ہے۔ عرفِ عام میں اسے مہر کہا جاتا ہے لیکن قرآن نے اسے صَدُقہ کہہ کر پکارا ہے۔ (مہر کا لفظ قرآن میں نہیں آیا)

تَصَدَّق کے معنی ہوتے ہیں جو کچھ کسی کا دوسرے کے ذمہ واجب ہو اسے چھوڑ دینا۔ اپنی منفعت یا مفاد کو دوسرے کی خاطر قربان کر دینا۔

صادق

۱۔ حضرت اسماعیلؑ صادق الوعد تھے۔ (۵۴ : ۱۹)۔۔۔(۲)۔ جو کچھ تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچا ہے۔ (۵ : ۵۱)

۳۔ صادق بمقابلہ کاذب۔ (۲۸ : ۴۰)۔۔۔(۴) خدا صادق ہے۔ (۱۴۷ : ۶)

۵۔ حضرت لوطؑ کی طرف جو مرسلین آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سچے ہیں۔ (۶۴ : ۱۵)

۶۔ برادران یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ ہم سچے ہیں۔ (۱۷ : ۱۲)۔ (۸۲ : ۱۲)

۷۔ مومن صادق وہ ہیں جو انفاق اور جہاد سے اپنے ایمان کا ثبوت دیں۔ (۱۵ : ۴۹)

۸۔ اِن کنتم صادقین (اگر تم سچے ہو تو)۔ (۲۳ : ۲)۔ یہ ترکیب قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر آئی ہے۔ ان تمام حوالوں کا درج کرنا طوالت کا باعث ہے۔ اسی طرح "اِن کنت من الصادقین" بھی۔ (۷۰ : ۷)

۹۔ یوم مکافات کو، صادقین کو ان کا صدق فائدہ دے گا۔ (۱۱۹ : ۵)

۱۰۔ میثاقِ انبیاء اس لئے تھا کہ صادقین سے ان کے صدق کی بابت پوچھا جائے۔ (۸ : ۳۳)

۱۱۔ جنگ (جہاد) اس لئے ہوتی ہے کہ صادقین کو ان کے صدق کا بدلہ مل جائے۔ (۲۴ : ۳۳)

۱۲۔ کونوا مع الصادقین (صادقین کے ساتھ رہو)۔ (۱۱۹ : ۹)

۱۳۔ حضرت یوسفؑ کے خلاف الزام کے کذب و صدق کی شہادت۔ (۲۶ : ۱۲)۔ ان کی بریت کا اعتراف۔ (۵۱ : ۱۲)

۱۴۔ لعان میں کاذب و صادق کے لئے شرط۔ (۹ ; ۶ : ۲۴)

۱۵۔ مومنین کی صفت۔ صادقین۔ (۱۶ : ۳)۔ (۳۶ : ۳۳)۔ مرد اور عورتیں دونوں۔ (۳۵ : ۳۳)

۱۶۔ صادق۔ سچا (۴۹ : ۲۷)۔۔۔(۱۷) مہاجرین نے اپنے دعوائے ایمان کو سچ کر دکھایا۔ (۸ : ۵۹)

۱۸۔ خدا سے زیادہ سچا (اصدق) کون ہو سکتا ہے۔ (۸۷ : ۴)۔ (۱۲۲ : ۴)

ان کنتم صادقین - اگر تم سچے ہو تو.....

قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر آیا ہے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کے ثبوت میں یہ کر کے دکھاؤ۔

۱۔ ملائکہ سے کہا کہ ان اشیاء کے اسماء بتاؤ..... (۲ : ۳۱) - (۲ : ۹۴) - (۶ : ۶۲)

۲۔ یہودیوں سے کہا کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ جنت تمہارے ہی لئے ہے تو موت کی تمنا کرو۔

۳۔ دلائل پیش کرو اگر تم سچے ہو تو..... (۲ : ۱۱۱) - (۲۷ : ۶۴) - (۴)۔ توراۃ سے سند پیش کرو۔ (۳ : ۹۳)

۵۔ موت کو ہٹا کر دکھاؤ..... (۳ : ۱۶۸) --- (۲)۔ تم نے انبیاء کو قتل کیوں کیا تھا۔ (۳ : ۱۸۳)

۶۔ اپنے معبودوں سے کہو کہ وہ خدا کے عذاب کو ٹال دیں۔ (۶ : ۴۰)

۸۔ علم کی بارگاہ سے سند لاؤ۔ (۶ : ۱۴۴) - (۴ : ۴۶)

۹۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ۔ (۷ : ۱۰۶) - یہی مخالفین نے حضرت ثمود سے کہا۔ (۲۶ : ۱۵۴)۔ نیز کہا کہ ہمارا آباء و اجداد کو واپس لا کر دکھاؤ (۴۴ : ۳۶) - (۴۵ : ۲۵)

۱۰۔ اپنے معبودوں کو پکارو اور دیکھو کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیتے ہیں؟ (۷ : ۱۹۴)

۱۱۔ قرآن کی ایک سورۃ کی مثل بنا کر دکھاؤ (۱۰ : ۳۸) - (۱۱ : ۱۳) - (۵۲ : ۳۴)

۱۲۔ منکرین کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ ہماری تباہی کب آئے گی۔ (۱۰ : ۴۸)۔ یہی حضرت نوحؑ کے مخالفین نے کہا تھا (۱۱ : ۳۲) - (۲۱ : ۳۸) - (۲۷ : ۷۱) - (۳۲ : ۲۸) - (۳۴ : ۲۹) - (۳۶ : ۴۸) - (۶۷ : ۲۵)

۱۳۔ مخالفین حضورؐ سے کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو ملائکہ ہمارے سامنے لاؤ۔ (۱۵ : ۷)

۱۴۔ مخالفین نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا کر بتاؤ۔ (۲۶ : ۱۸۷) - (۲۹ : ۲۹)

۱۵۔ توراۃ اور قرآن سے زیادہ ہدایت دینے والی کتاب لاؤ۔ (۲۸ : ۴۹) - (۱۶)۔ اپنی کتاب سے سند لاؤ..... (۳۷ : ۱۵۷)

۱۷۔ حضرت ہودؑ سے مخالفین کہتے تھے کہ تم وہ تباہی لا کر بتاؤ..... (۴۶ : ۲۱)

۱۸۔ اسلام خدا کا احسان ہے۔ (۴۹ : ۱۷) - (۱۹)۔ تم اپنی مدد کے لئے اپنے شرکاء کو بلاؤ..... (۶۸ : ۴۱)

صِدقٌ

۱۔ مومنین کے لئے قَدَمَ صِدقٍ کی بشارت۔ یعنی خوشگواریوں میں آگے بڑھتے جانا۔ (۱۰ : ۲) مَقعَدِ صِدقٍ (۵۵:

۲۔ بنی اسرائیل کو مبوّا صدقٍ عطا ہوا۔ یعنی نہایت عمدہ ٹھکانے کی جگہ۔ (۹۳ : ۱۰)
۳۔ دعائے ابراہیمی کہ مجھے لسان صدق عطا ہو۔ یعنی آنے والے مجھے سچائی کے ساتھ یاد کریں۔ (۸۴ : ۲۶)
۴۔ انبیاء کے لئے لسانَ صِدقٍ عَلیّاً تھی۔ یعنی لوگ انہیں بلند ترین سچائی کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ (۵۰ : ۱۹)
۵۔ دعا کہ میں جہاں داخل ہوں شرف و مجد (صدق) کے ساتھ داخل ہوں۔ جہاں سے نکلوں تو صدق و شرف کے ساتھ نکلوں۔ (۸۰ : ۱۷) — (۶)۔ جو صدق کو لاتا ہے اور جو اس کی تصدیق کرتا ہے، یہ سب متقی ہوتے ہیں (۳۳:۳۹)
جو صدق کی تکذیب کرتا ہے، وہ جہنمی ہے۔ (۳۲ : ۳۹)
۷۔ وعد الصدق۔ خدا کی طرف سے سچا وعدہ۔ (۱۶ : ۴۶)
۸۔ تیرے رب کی باتیں صدق اور عدل کے ساتھ پوری ہوگئیں۔ (۱۱۶ : ۶)

صَدَقَ

۱۔ خدا نے رسول کے خواب کو سچا کر دکھایا۔ (۲۷ : ۴۸)
۲۔ صدق اللہ۔ خدا سچ بات کہتا ہے۔ (۹۴ : ۳)۔ (۲۲ : ۳۳)
۳۔ خدا نے وعدہ کیا۔ مرسلین نے اس کی تصدیق کی۔ (۵۲ : ۳۶) — (۴)۔ سچ بولنا (۲۷، ۲۶)۔ (۱۱۳ : ۵)
۵۔ خدا کے لئے حمد ہے جس نے ان وعدوں کو پورا کیا جو اس نے ہمارے ساتھ کئے تھے۔ (صَدَقَنَا وَعْدَهُ)۔
(۱۵۱ : ۳)۔ (۴۷ : ۳۹)۔ خدا نے جو وعدے انبیاء کے ساتھ کئے تھے انہیں پورا کر دیا۔ (۹ : ۲۱)
۶۔ الذین صَدَقُوا۔ وہ جو اپنے دعوئے ایمان میں سچے ہیں۔ (۳ : ۲۹)
۷۔ مومن، جو ان وعدوں کو سچ کر دکھاتے ہیں جو انہوں نے خدا سے کئے ہوں۔ (۲۳ : ۳۳)
۸۔ جنگ کے وقت پتہ چلتا ہے کہ سچا کون ہے۔ (۴۳ : ۹)
۹۔ اگر یہ لوگ خدا کے ساتھ سچے رہتے تو ان کے لئے اچھا تھا۔ (۲۱ : ۴۷)
۱۰۔ مومنین کی صفات کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ یہ لوگ ہیں جو (اپنے دعوئے ایمان کو) سچ کر دکھاتے ہیں۔ (۱۷۷ : ۲)

صَدِیقٌ صِدِّیقٌ

۱۔ کوئی گہرا دوست (صدیقٌ حمیم) بھی اس وقت کام نہیں آسکے گا۔ (۱۰۱ : ۲۶)

۲۔ حضرت یوسفؑ کو قید خانہ کے ساتھی نے صِدِّیق کہہ کر پکارا۔ (۴۶ : ۱۲)
۳۔ حضرت ابراہیمؑ صِدِّیق تھے۔ (۴۱ : ۱۹)۔ حضرت ادریسؑ بھی۔ (۵۶ : ۱۹)
۴۔ حضرت مریم صِدِّیقہ تھیں۔ (۷۵ : ۵) ۔ (۵) دوست (صَدِیق) کے گھر سے کھا لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ (۶۱ : ۲۴)
۶۔ خدا اور رسولؐ پہ ایمان لانے والے۔ صِدِّیق اور شہداء ہیں۔ (۱۹ : ۵۷)
۷۔ اطاعتِ خدا اور رسولؐ سے صدیقین کی معیت۔ (۶۹ : ۴)

صَدَّق (تَصَدَّق)۔ (تصدیق)۔ (مُتَصَدِّق)۔ (مُصَدِّق)

۱۔ ابلیس نے اپنے ظن کو سچا کر دکھایا۔ یعنی ان کے متعلق ابلیس کا جو خیال تھا وہ سچا ثابت ہوا۔ (۲۰ : ۳۴)
۲۔ وَ لَاصَدَّقَ وَلا صَلّیٰ۔ (۳۱ : ۷۵)۔ وہ اپنے دعوے کو عمل سے سچ کر کے نہیں دکھاتا تھا۔ (۳۱ : ۷۵)
۳۔ رسولؐ اللہ مرسلین کی تصدیق کرتے تھے۔ (۳۷ : ۳۷)
۴۔ جو صدق کو لاتا ہے اور جو اس کی تصدیق کرتا ہے، یہ سب متقی ہوتے ہیں۔ (۳۳ : ۳۹)
۵۔ جو حسن کارانہ انداز سے اپنے دعوئے ایمان کو سچ کر دکھاتا ہے اس کے لئے کشاد کی راہیں آسان ہوجاتی ہیں۔
(۶ : ۹۲)
۶۔ حضرت ابراہیمؑ جب سچ مچ بیٹے کو ذبح کرنے لگے تو ان سے کہا گیا کہ وہ تو محض خواب کی بات تھی تو نے اسے سچ سمجھ کر اس پہ عمل کرنا شروع کر دیا۔ (۱۰۵ : ۳۷)
۷۔ حضرت مریم نے خدا کے احکام و کلمات کو سچ کر دکھایا۔ (۱۲ : ۶۶)
۸۔ اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے قرضہ معاف کر دو (تَصَدَّقُوا)۔ (۲۸۰ : ۲)۔ دیت ادا کرو بجز اس کے کہ وارث معاف کر دیں۔ (۹۲ : ۴)
۹۔ اگر کوئی مجرم سے قصاص نہ لے۔ معاف کر دے، تو وہ اس کے لئے کفارہ بن جائے گا۔ (۴۵ : ۵)
۱۰۔ ہم نے تمہیں بنایا۔ فلولا تُصَدِّقُونَ۔ (۵۷ : ۵۶)۔ یعنی تصدیق کرنا۔
۱۱۔ قرآن تصدیق کرتا ہے کتبِ سابقہ کی۔ یعنی ان کے دعاوی کو سچ کر دکھاتا ہے۔ (۸۹ : ۲)۔ (۸۱ : ۳)۔
(۴۸ : ۵)۔ (۹۲ : ۶)۔ (۳۷ : ۱۰)۔ (۱۱۱ : ۱۲)۔ (۱۲ : ۴۶)
۱۲۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان سے کہا کہ پونجی ہمارے پاس تھوڑی ہے اور غلہ کی ضرورت زیادہ۔ اس لئے تصدق علینا

ان اللہ یجزی المتصدقین۔ (۸۸ : ۱۲)۔ اس کے معنی بلاقیمت دینے کے ہوئے۔

۱۳۔ متصدقین و متصدقات۔ مومنین کی صفت ہے۔ (۳۵ : ۳۳)۔ نیز مُصَّدِّقِین اور مُصَّدِّقَات۔ (۱۸ : ۵۷)

۱۴۔ مُصَدِّق۔ تصدیق کرنے والا۔ سچا سمجھنے والا۔ (۵۲ : ۳۷)

۱۵۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے کہا کہ میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی بھیج دیجئے تاکہ وہ میری بات کی تصدیق کرتا جائے۔ (۳۴ : ۲۸) ۔ (۱۶) مومن یوم الدین کی تصدیق کرتے ہیں۔ (۲۶ : ۷۰)

۱۷۔ دعوئے ایمان کی تصدیق، انفاق سے ہوتی ہے۔ (۷۵ : ۹) ۔ (۱۰ : ۶۳)

۱۸۔ حضرت یحییٰؑ مصدق تھے کلمۃ اللہ کے۔ (۳۹ : ۳)

صَدَقہ۔ صدقات

۱۔ رسول سے علیحدگی میں مشورہ کرنے سے پہلے صدقہ دو۔ (۱۲ : ۵۸)

۲۔ صدقات کے مصارف (۶۰ : ۹)۔ یاد رکھیے۔ یہ زکوٰۃ کے مصارف نہیں، صدقات کے مصارف ہیں۔

۳۔ (اے رسولؐ!) ان کے اموال سے صدقہ لو اور اس طرح ان کی پاکیزگیٔ سیرت کا انتظام کرو۔ یہ صدقات درحقیقت خدا ہی وصول کرتا ہے۔ (۱۰۴-۱۰۳ : ۹)

۴۔ صدقات چھپا کر بھی دیئے جا سکتے ہیں اور ظاہرا بھی۔ (۲۷۱ : ۲)

۵۔ ربوٰ کو خدا مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (۲۷۶ : ۲)

۶۔ منافقین، صدقات کے بارے میں رسول اللہؐ کے خلاف (معاذ اللہ) الزام تراشی کرتے تھے۔ (۵۸ : ۹)۔ مومنین کے خلاف بھی (۷۹ : ۹)

۷۔ اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت پہنچا کر ضائع نہ کرو۔ (۲۶۳ : ۲)۔ (۲۶۴ : ۲)

۸۔ عورتوں کو ان کے صَدُقَات دل کی خوشی سے، بلا کسی معاوضہ کے خیال کے دے دیا کرو۔ (۴ : ۴)

۹۔ مناسکِ حج میں کمی رہ جانے کا فدیہ۔ صیام یا صدقہ۔ (۱۹۶ : ۲)

۱۰۔ خفیہ مشورے اچھے نہیں ہوتے۔ بجز اس کے کہ وہ صدقہ، معروف یا اصلاح کے لئے ہوں۔ (۱۱۴ : ۴)

مصدّق

۱۔ تصدیق کرنے والا۔ سچ تسلیم کر لینے والا ۔ (۵۲ : ۳۷) - (۱۸ : ۵۷)

۲۔ مصدق لما بین یدیہ

(۴۱ : ۲) - (۹۱ : ۲) - (۹۷ : ۲) - (۱۰۱ : ۲) - (۳ : ۳) - (۳ : ۴۹) - (۵۰ : ۳)

(۴۷ : ۴) - (۴۶ : ۵) - (۳۱ : ۳۵) - (۳۰ : ۴۶)

۳۔ حضرت عیسٰیؑ تورات کے مصدق تھے۔ (۴۹ : ۳) - (۴۶ : ۵) - (۶ : ۶۱)

۶۔ صراطِ مستقیم

صراط تو راستے کو کہتے ہیں۔ اور مستقیم کے معنی سیدھا بھی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ہموار اور متوازن بھی۔ "سیدھا" کے معنی ہوتے ہیں دو مقامات کے درمیان کم از کم فاصلہ۔ اور متوازن سے مراد ہوگی ایسا راستہ جس میں نشیب و فراز نہ ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں صراطِ مستقیم سے مراد وہ محفوظ راہ ہے جس پر چل کر کاروانِ انسانیت اپنی اس منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ جو اس کے لئے خدا نے تجویز کی ہے اور جو درحقیقت ارتقائے انسانیت کا اگلا مقام ہے۔ اس دنیا میں بھی اور بعد کی زندگی میں بھی۔ یہ وہی راہ ہے جس کی طرف راہ نمائی قرآن کریم دیتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، 'صراطِ مستقیم' قرآنی تعلیم کا دوسرا نام ہے۔

۲۔ سورۂ مائدہ میں ہے کہ خدا سُبُلَ السلام کی طرف راہ نمائی کرتا ہے (۱۶ : ۵)۔ اور اس طرح انہیں صراطِ مستقیم تک پہنچا دیتا ہے۔ (۱۶ : ۵)۔ سُبُل ان چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں کو کہتے ہیں جو آخر الامر جا کر شاہراہِ اعظم میں مل جاتی ہیں۔ قرآن کریم کے اصول و اقدار محکم اور غیر متبدل ہیں۔ لیکن ان پر عمل، اپنے اپنے زمانے کے تقاضے کے مطابق کیا جائے گا۔ یہ مختلف طریق سُبُل ہیں۔ ان کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ یہ آخر الامر صراطِ مستقیم میں جا ملیں مقصد صراطِ مستقیم ہے اور یہ سُبُل اس تک پہنچنے کے ذرائع ہیں۔

صراطِ مستقیم پر چلنے کی آرزو

۱- ہمیں صراطِ مستقیم دکھا دے۔ (۱ : ۵)

صراطِ مستقیم کن لوگوں کی راہ ہے

۱- صراطِ مستقیم ان لوگوں کی راہ ہے جو انعاماتِ خداوندی سے نوازے گئے۔ نہ ان کی کوششیں رائیگاں گئیں اور نہ ہی ان کی امیدوں کی کھیتی جھلس گئی - (۱ : ۶-۷) - (۲)-تمام انبیاء صراطِ مستقیم پر تھے۔ (۶ : ۸۸)

۳- رسول اللہ کی راہ نمائی صراطِ مستقیم کی طرف کی گئی تھی۔ یہی دینِ قیم اور ملتِ ابراہیمی ہے - (۶ : ۱۶۲) -
(۱۶ : ۱۲۱) - (۲۲ : ۶۷) - (۳۶ : ۴) - (۴۳ : ۴۳) - (۴۸ : ۲)

۴- خود خدا صراطِ مستقیم پر ہے - (۱۱ : ۵۶)

۵- عقل و فکر سے کام لینے والوں کی، عدل کرنے والوں کی۔ (۱۶ : ۷۶)

۶- حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی راہ نمائی صراطِ مستقیم کی طرف - (۳۷ : ۱۱۸)

۷- اس خدا کی راہ جو ارض و سما میں ہر شے کا مالک ہے - (۴۲ : ۵۳)

صراطِ مستقیم کس طرح سامنے آتی ہے

۱- یہ قانونِ خداوندی کے مطابق، ہر اس شخص کے سامنے آسکتی ہے جو اسے پانا چاہے۔ (۲ : ۱۴۲) - (۲ : ۲۱۳)
(۶ : ۸۹) - (۱۰ : ۲۵) - (۲۴ : ۴۶) - (۸۱ : ۲۸)

۲- خدا کی محکومیت اختیار کرنے سے۔ (۳ : ۵۰) - (۱۹ : ۳۶) - (۳۶ : ۶۱) - (۴۳ : ۶۴)

۳- اعتصام باللہ سے۔ یعنی وحیٔ خداوندی کے ساتھ محکم تمسک سے - (۳ : ۱۰۰) - (۴ : ۱۷۶)

۴- بطیبِ خاطر اطاعت سے۔ قتال کے لئے رزمگاہ میں آجانے سے - (۴ : ۶۵-۶۸)

۵- کتاب اللہ کے اتباع سے - (۵ : ۱۵-۱۶)

۶- عقل و فکر سے کام لینے سے - (۶ : ۳۹) - (۱۶ : ۷۶) - (۳۶ : ۶۵-۶۶)

۷- ایمان لانے سے - (۲۲ : ۵۴)- ایمان بالآخرت سے - (۲۳ : ۷۴)

۸۔ خدا کی آیاتِ بیّنات (واضح قوانین) کے اتباع سے۔ (۴۶ : ۲۴)

۹۔ تمسک بالوحی سے۔ (۴۳ : ۴۳) ——— (۱۰)۔ اتباعِ خداوندی سے۔ (۶۱ : ۴۳)

۱۱۔ دوسرے لوگوں کی محکومی و غلامی بلکہ مغلوبیت سے نکلنے کے بعد۔ (۲۰ : ۴۸)

صراطِ مستقیم کی خصوصیات

۱۔ اختلافات مٹانے والی۔ (۲۱۳ : ۲) ——— (۲) تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آنے والی۔ (۱۶-۱۵ : ۵)

۳۔ یہی ہدایتِ خداوندی ہے۔ (۸۹ : ۶)

۴۔ اسلام ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور یہی خدا کا سیدھا راستہ ہے۔ (۲۷-۱۲۶ : ۶)

۵۔ مختلف احکام و قوانین کے بعد کہا کہ یہ ہے میرا (خدا کا) سیدھا راستہ۔ اسی کا اتباع کرو۔ اگر اور راستے اختیار کروگے تو وہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ (۱۵۴ : ۶)

۶۔ دینِ قیم۔ رسول اللہ کی راہ۔ ملتِ ابراہیمی یہی ہے۔ (۱۶۲ : ۶)

۷۔ یہ دار السلام کی طرف لے جانے والی راہ ہے۔ (۲۵ : ۱۰)

۸۔ خود خدا صراطِ مستقیم پہ ہے۔ (۵۶ : ۱۱)۔ یعنی اس کا قانون اس راہ کا تعین کرتا ہے

۹۔ اس خدا کی راہ جس کے لئے ارض و سما میں سب کچھ ہے۔ (۵۲ : ۴۲)

۱۰۔ اتباعِ خداوندی صراطِ مستقیم ہے۔ (۶۱ : ۴۳)

متفرق

۱۔ اسے سواء السبیل بھی کہا گیا ہے۔ (۶۰ : ۵)

۲۔ ابلیس نے کہا کہ میں انسان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا دوں گا۔ (۱۶ : ۷)۔ لیکن خدا کے مخلص بندوں پر اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ (۴۲-۴۱ : ۱۵)

۳۔ اسے صراط العزیز الحمید بھی کہا ہے۔ (۱ : ۱۴)۔ (۶ : ۳۴)

۴۔ یہ راہ اقوم ہے۔ (۹ : ۱۷) ——— (۵)۔ یہ صراطاً سویاً ہے۔ (۴۳ : ۱۹)۔ (۱۳۵ : ۲۰)

۶۔ اہلِ جنت کی راہ نمائی صراط الحمید کی طرف۔ (۲۴ : ۲۲)

۷۔ صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دو۔ (۲۲ : ۶۷) - (۲۳ : ۷۳) - (۴۲ : ۵۲)

۸۔ فاستقیموا الیہ - (۴۱ : ۶) ——— یستقیم - (۸۱ : ۲۸)

۹۔ اوندھے منہ چلنے والا اور صراطِ مستقیم پر چلنے والا، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (۶۷ : ۲۲)

۱۰۔ اسے طریقِ مستقیم بھی کہا گیا ہے - (۴۶ : ۳۰)

۱۱۔ حق کے ساتھ فیصلہ کرنا، سواء الصراط کی طرف راہ نمائی کرنا ہے۔ (۳۸ : ۲۲)

۷۔ صلوٰۃ

صلوٰۃ (ص - ل - و) - قرآن کریم کی ایک بڑی اہم اور جامع اصطلاح ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی کے پیچھے متواتر اور مسلسل چلتے جانا۔ اس اعتبار سے 'جب گھوڑ دوڑ میں' دوسرے نمبر کا گھوڑا، پہلے نمبر کے گھوڑے کے پیچھے اس طرح دوڑ رہا ہو کہ پچھلے کی کنوتیاں پہلے کے سرین سے مل رہی ہوں' تو پچھلے گھوڑے کو اَلْمُصَلِّیْ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس مادہ کے بنیادی معنی مسلسل اتباع کرنے کے آتے ہیں۔ اسی سے صلوٰۃ کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی کا التزاماً اتباع کرتے رہنا۔

اتباعِ قوانینِ خداوندی کا عملی مفہوم یہ ہے کہ ان فرائض اور ذمہ داریوں کو پوری پوری احتیاط کے ساتھ پورا کیا جائے جو قرآن کریم کی رو سے ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے صلوٰۃ کے معنی فرائضِ منصبی بھی ہوتے ہیں۔

کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے آپ اس کی پوری پوری تائید کرتے ہیں۔ اس سے اس لفظ (صلوٰۃ) کے معنی ہوتے ہیں کسی کی تائید کرنا۔ اس کے کام کی تحسین کرنا۔ اسے شاباش دینا۔ آفرین کہنا۔ اس کے لئے نیک آرزؤں کا اظہار کرنا۔ (اسی کو دعا دینا کہتے ہیں)۔

جامع طور پر اگر سمجھا جائے تو صلوٰۃ کے معنی ہوں گے۔ انسان کی طرف سے قوانینِ خداوندی کی اطاعت و محکومیت' اور خدا کی طرف سے، اس اطاعت پر تائید و نصرت۔ اور تحسین و آفرین۔ اور اقامتِ صلوٰۃ کے معنی ہوں گے۔ ایسا نظام قائم کرنا جس میں قوانینِ خداوندی کی اطاعت التزاماً ہوتی چلی جائے۔

اسی اطاعت و محکومیت کا محسوس مظاہرہ، اس اجتماعِ صلوٰۃ میں ہوتا ہے جسے عام طور پر نماز سے تعبیر کیا جاتا

ہے۔ (نماز، عربی زبان کا لفظ نہیں) ۔ اس لئے صلوٰۃ کا لفظ نماز کے لئے بھی آیا ہے۔ لیکن یہ اس کا ثانوی مفہوم ہے۔ اس کا بنیادی مفہوم یہی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے اور کاروبارِ حیات کے ہر گوشے میں، قوانینِ خداوندی کی التزاماً اطاعت کی جائے۔ اس اعتبار سے،، اسلامی نظامِ مملکت کا اساسی فریضہ اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ یعنی ایسا نظام جس میں ہر معاملہ میں (انفرادی اور اجتماعی طور پر) قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہوتی چلی جائے۔ نماز کے سلسلہ میں آپ ذیلی عنوان۔ صلوٰۃ بمعنی نماز۔ دیکھئے۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآن کریم میں نماز کے پانچ متعینہ اوقات۔ نماز کی رکعتوں۔ یا جو کچھ نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کا تفصیلی ذکر نہیں آیا۔ ہمارے ہاں کا فرقہ اہلِ قرآن جو قرآن مجید سے اس قسم کی تفاصیل دریافت اور متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ ان کی غلط نگہی ہے۔ قرآن کریم میں بہت سے امور ایسے ہیں جن کا اس نے اصولی حکم دیا ہے۔ ان کی جزئیات خود متعین نہیں کیں۔ چونکہ میرا مقصد تبویب القرآن ہے، اس لئے میں اس تالیف میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فلاں معاملہ کے متعلق قرآن کریم میں کیا آیا ہے۔ دیگر امور پر بحث کرنے کا یہ مقام نہیں۔ قرآن کریم میں صلوٰۃ کے ضمن میں وہی کچھ آیا ہے جو اس عنوان میں درج کر دیا گیا ہے۔

اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ

قرآن کریم میں،، اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ،، کا حکم بڑی کثرت سے آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین سے مقصود یہ ہے کہ ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں تمام معاملات کے فیصلے قوانینِ خداوندی کی رو سے ہوں۔ اور مقصود اس اطاعت سے یہ ہو کہ تمام نوعِ انسان کو، سامان و اسبابِ نشوونما فراہم کئے جائیں۔ (دیکھئے عنوان زکوٰۃ)۔ جن مقامات میں یہ حکم آیا ہے، ان کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے۔

۱۔ حضورؐ کو حکم۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ۔ (۲ : ۱۰۸) ۔ اقم الصلوٰۃ۔ (۴۵ : ۲۹)

۲۔ مومن اقامتِ صلوٰۃ کرتے ہیں۔ یقیمون الصلوٰۃ۔ (۳ : ۲) ۔ (۱۹ : ۳۵) ۔ (۳۸ : ۴۲) ۔ حضورؐ سے ارشاد کہ اپنے اہل کو صلوٰۃ کا حکم دے۔ (۱۳۲ : ۲۰)

۳۔ مومن اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کرتے ہیں۔ (۳ : ۲) ۔ (۲۷۷ : ۲) ۔ (۱۶۲ : ۴) ۔ (۵۵ : ۵) (۳ : ۸) ۔ (۷۱ : ۹) ۔ (۲۲ : ۱۳) ۔ (۳۵ : ۲۲) ۔ (۳۷ : ۲۷) ۔ (۴ : ۳۱)

ان کی حکومت کا فریضہ یہ ہوگا۔ (۴۱ : ۲۲) ۔ (۵۶ : ۲۴) ۔ کاروبار انہیں اس سے روکتے نہیں۔ (۳۷ : ۲۴) ۔ (۲۹ : ۳۵)

۴۔ اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ کا حکم۔ (۱۱۰ : ۲)۔ (۷۷ : ۴)۔ (۳۱ : ۱۴)۔ (۷۸ : ۲۲)۔ (۵۶ : ۲۴)۔ (۱۳ : ۵۸)۔ (۲۰ : ۷۳)۔ (۵ : ۹۸)۔ بنی اسرائیل کو۔ (۴۳ : ۲)۔ (۸۳ : ۲)۔ (۱۲ : ۵)۔ ازواج نبویؐ کو۔ (۳۳ : ۳۳)۔ انبیائے سابقہ کو۔ (۷۳ : ۲۱)

۵۔ اقامتِ صلوٰۃ کا حکم۔ (بنی اسرائیل کو۔ (۸۷ : ۱۰)۔ اپنے گھروں کو قبلہ بنا لیں۔ اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔ یعنی فرقہ بندی مت کرو۔ (۲۷ : ۶)۔ (۴۵ : ۲۹)۔ (۳۱ : ۳۰)۔

مساجد کی آبادی صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جو اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں اور خدا کے علاوہ اور کسی سے نہ ڈریں۔ (۱۸ : ۹)

۶۔ اگر مشرکین اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کریں۔ (یعنی وہ اسلام لے آئیں) تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ (۵ : ۹) یہ تمہارے دین کے بھائی بن جائیں گے۔ (۱۱ : ۹)

۷۔ کشادگی راہ اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ میں ہے۔ (۱۷۷ : ۲)۔ (۸) حضرت عیسٰےؑ کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم۔ (۳۱ : ۱۹)۔ (۹)۔ حضرت اسماعیلؑ اپنے اہل کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ (۵۵ : ۱۹)

۱۰۔ رسول اللہؐ سے ارشاد کہ اپنے اہل کو صلوٰۃ کا حکم دو۔ (۱۳۲ : ۲۰)

(۱۱) لقمان کی اپنے بیٹے کو اقامتِ صلوٰۃ کی نصیحت۔ (۱۷ : ۳۱)

مومنین کی خصوصیات اور فرائض

۱۔ مومن اپنی صلوٰۃ دل کے پورے جھکاؤ سے ادا کرتے ہیں۔ (۲ : ۲۳)۔ اور ان فرائض منصبی کی پوری پوری نگہداشت کرتے ہیں۔ (۹۳ : ۶)۔ (۹ : ۲۳)۔ (۳۴ تا ۲۲ : ۷۰)

۲۔ جب مومنوں کو تمکن فی الارض عطا ہوگا تو یہ اقامتِ صلوٰۃ کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ لہٰذا اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے لیے اپنی حکومت کا ہونا ضروری ہے۔ (۴۱ : ۲۲)

صلوٰۃ۔ بمعنی تائید۔ تحسین (درود)

جب انسان کے حسنِ عمل کی تائید و تحسین (APPRECIATION) خدا کی طرف سے ہوتی ہے تو اسے "خدا کی طرف صلوٰت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسے ہمارے ہاں "درود" کہتے ہیں۔ (نماز کی طرح درود بھی عربی زبان کا لفظ نہیں)

۱۔ حضورؐ سے ارشاد کہ جب یہ لوگ صدقات پیش کریں تو انہیں شاباش اور دعا دیا کرو۔ تمہاری تحسین و آفرین ان کے لئے موجبِ تسکین ہوتی ہے۔ (۱۰۳ : ۹)۔ یہ لوگ اس انفاق کے ذریعے خدا کا قرب اور تمہاری تائید و تحسین حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ (۹۹ : ۹)

۲۔ خدا اور اس کے ملائکہ، رسول اللہؐ کے کارناموں پر تحسین و آفرین کہتے ہیں اور اپنی تائید و نصرت سے نوازتے ہیں۔ اے جماعتِ مومنین! تم بھی رسول اللہ کی اس کے مشن میں تائید کیا کرو۔ اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ اس کی پوری پوری اطاعت کیا کرو۔ (۵۶ : ۳۳)

۳۔ اے جماعتِ مومنین! خدا اور اس کے ملائکہ تمہاری بھی تائید و تحسین کرتے ہیں۔ اور مقصد اس سے یہ ہے کہ تمہیں زندگی کی تاریکیوں سے نکال کر، روشنی کی طرف لے آئیں۔ (۴۳ : ۳۳)

۴۔ وہ مومنین جو حق کی راہ میں ہر قسم کی صعوبات خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں، ان پر خدا کی صلوٰت و رحمت ہوتی ہے۔ (۱۵۷ : ۲)

صلوٰۃ۔ بمعنی فرائضِ منصبی

۱۔ عائلی زندگی سے متعلق احکام کے ضمن میں کہا کہ حافظوا علی الصلوٰت و الصلوٰۃ الوسطی (۲۳۸ : ۲) یعنی ان تمام فرائض اور ذمہ داریوں کی نگہداشت کرو۔ لیکن اسے ہمیشہ پیشِ نظر رکھو کہ تمہاری مرکزی ذمہ داری تمام معاملات میں قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہے۔

۲۔ دلوکِ شمس سے غسقِ لیل تک اقامتِ صلوٰۃ۔ (۷۸ : ۱۷)

۳۔ کائنات کی ہر شے اپنی اپنی تسبیح اور صلوٰۃ سے واقف ہے۔ (۴۱ : ۲۴)

رسمی (بے روح) صلوٰۃ اور اس کا نتیجہ

۱۔ منافقین صلوٰۃ میں آتے ہیں تو "کسالیٰ" کی کیفیت لئے ہوئے اور انفاق کرتے ہیں تو بالکل بندھے رندھے (۹:۵۴) یعنی محض لوگوں کو دکھانے کے لئے (۱۴۲ : ۴)

۲۔ امم سابقہ نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا۔ یعنی اپنے جذبات کا اتباع کرنے لگ گئے۔ اس سے صلوٰۃ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ (۵۹ : ۱۹)

۳- جاہلیتِ عرب میں، کعبہ کے قریب صلوٰۃ بےمعنی الفاظ و حرکات کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔ (۳۵ : ۸)

۴- تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو صلوٰۃ کے مفہوم و مقصود سے بےخبر رہتے ہیں۔ دکھاوے کی رسم ادا کرتے ہیں اور رزق کے جن چشموں کو رواں دواں رہنا چاہیئے۔ انہیں روک رکھتے ہیں اور اس طرح تکذیبِ دین کرتے ہیں (۷-۱ : ۱۰۷)

صلوٰۃ بمعنی نماز

۱- بعض لوگ، حافظوا علی الصلوٰت و الصلوٰۃ الوسطیٰ (۲۳۸ : ۲) سے مراد "عصر کی نماز" لیتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہاں صلوٰت سے مراد فرائضِ منصبی ہیں۔ اس لئے ہم نے اس آیت کو "فرائضِ منصبی" کے عنوان کے تابع درج کیا ہے۔

۲- صلوٰۃ الفجر سے پہلے۔ صلوٰۃ العشاء کے بعد اور دوپہر کو جب تم آرام کرتے ہو۔ یہ تمہارے پرائیویسی کے اوقات ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ زمانہ نزول قرآن میں کم ازکم فجر اور عشاء کی صلوٰۃ معروف تھی۔ (۵۸ : ۲۴)۔ ان دو کے سوا، نام لے کر صلوٰۃ کا ذکر کہیں نہیں آیا۔

۳- حالتِ سُکر میں صلوٰۃ کے قریب مت جاؤ۔ (۴۳ : ۴)

۴- حالتِ خوف میں قصرِ صلوٰۃ۔ (۱۰۱ : ۴)۔ حالتِ جنگ میں کس طرح اقامتِ صلوٰۃ کی جائے۔ (۲۳۹ : ۲)۔ (۱۰۲ : ۴)۔ صلوٰۃ ختم کر لینے کے بعد، کھڑے۔ بیٹھے ذکر اللہ۔ (۱۰۳ : ۴)۔ حالتِ اطمینان میں صلوٰۃ - (۱۰۳ : ۴)۔ خوف کی حالت میں پیدل اور سواری پر۔ (۲۳۹ : ۲)۔ (۵) صلوٰۃ کتاباً موقوتاً ہے۔ (۱۰۳ : ۴)

۶- اقامتِ صلوٰۃ - طرفی النہار اور زلفاً من اللیل میں کرو۔ (۱۱۴ : ۱۱)

۷- دلوکِ شمس سے غسقِ لیل تک اوقاتِ صلوٰۃ۔ (۷۸ : ۱۷)۔ (۸)۔ اقامتِ صلوٰۃ سے پہلے وضو کا حکم۔ (۶ : ۵)

۹- جب یوم الجمعۃ کو صلوٰۃ کے لئے آواز دی جائے تو کاروبار چھوڑ کر اس طرف آجایا کرو۔ اور جب صلوٰۃ ختم ہوجائے تو پھر کاروبار کے لئے نکل کھڑے ہوا کرو۔ (۹-۱۰ : ۶۲)

۱۰- صلوٰۃ میں نہ زیادہ بلند آواز رکھو نہ بالکل خفی۔ ان کے بین بین چلو۔ اس سے مراد نماز بھی ہوسکتی ہے۔ اور دعا بھی۔ (۱۱۰ : ۱۷)

[نوٹ۔ تہجد کے لئے صلوٰۃ کا لفظ نہیں آیا۔ اسے حضورؐ کے لئے خصوصی طور پر اضافہ کہا گیا ہے (۷۸ : ۱۷)۔ صلوٰۃ کی رکعتوں کے سلسلہ میں صرف (۱۰۲ : ۴) میں اشارہ ملتا ہے۔]

۱۱۔ مخالفین عرب، صلوٰۃ کے لئے آواز دینے کا مذاق اڑاتے تھے۔ (۵۸ : ۵)

۱۲۔ منافق کی موت پر صلوٰۃ جائز نہیں ۔ (۸۴ : ۹)

۱۳۔ مومن، اقامتِ صلوٰۃ کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے ہوتے ہیں۔ گویا اجتماعاتِ صلوٰۃ سے مقصود یہ ہے ۔ (۳۸ : ۴۲)

متفرق۔ صلوٰۃ کا صحیح مفہوم

۱۔ عبرانی زبان میں صلوات، یہودیوں کی پرستش گاہوں کو کہتے ہیں ۔ (۴۰ : ۲۲)

۲۔ جناب لقمان کی اپنے بیٹے کو اقامتِ صلوٰۃ کی نصیحت ۔ (۱۷ : ۳۱)

۳۔ حضرت ابراہیمؑ نے تعمیرِ کعبہ کے بعد عرض کیا کہ میں نے اس وادیٔ غیر ذی زرع میں اپنی اولاد کو بسا دیا ہے تاکہ یہ اقامتِ صلوٰۃ کا فریضہ ادا کر سکیں ۔ اس سے اقامتِ صلوٰۃ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ (۳۷ : ۱۴)

۴۔ دعائے ابراہیمی کہ مجھے اقامتِ صلوٰۃ کی توفیق عطا فرما ۔ (۴۰ : ۱۴)

۵۔ امم سابقہ نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا۔ یعنی وہ اپنے جذبات کا اتباع کرنے لگ گئے۔ اس سے صلوٰۃ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے ۔ (۵۹ : ۱۹)

۶۔ حضرت موسیٰؑ کو پہلی وحی میں کہا گیا کہ ایک انقلاب تمہارے ہاتھوں رونما ہونے والا ہے ۔ اس کے لئے اقامتِ صلوٰۃ کرو تاکہ میرا قانون (غالب آجائے)۔ (۱۵-۱۴ : ۲۰)

۷۔ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے لئے اپنی حکومت کا ہونا ضروری ہے ۔ (۴۱ : ۲۲)۔ (۵۶-۵۵ : ۲۴)
نظامِ مشاورت اور صلوٰۃ ۔ (۳۸ : ۴۲)

۸۔ صلوٰۃ، فحشاء و منکر سے روک دیتی ہے۔ (۔ ۔ ، ۲۶۰)-(۹)۔ وصیت کیلئے گواہوں کو صلوٰۃ کے بعد روک لو۔ (۱۰۶ : ۵)

۱۰۔ شیطان تمہیں خمر و میسرہ کے ذریعے صلوٰۃ سے روکتا ہے ۔ (۹۱ : ۵)

۱۱۔ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے استعانت کیا کرو۔ صلوٰۃ ایک ہمت طلب فریضہ ہے جو خاشعین کے سوا اور لوگوں پر بہت گراں گزرتا ہے۔ (۴۵ : ۲)۔ (۱۵۳ : ۲)

۱۲۔ قومِ مدین نے حضرت شعیبؑ سے کہا کہ کیا تیری صلوٰۃ تجھے اس بات کا بھی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے معاشی نظام کو اپنی مرضی کے مطابق متشکل نہ کریں ۔ (۸۷ : ۱۱)

۱۳۔ کائنات کی ہر شے اپنی اپنی تسبیح اور صلوٰۃ کو جانتی ہے۔ (۴۱ : ۲۴)

۱۴۔ قل ان صلاتی و نسکی ومحیای و مماتی ۔ للّٰہ رب العٰلمین ۔ (۱۶۳ : ۶)

۱۵۔ خدا کے بندے کو صلوٰۃ سے روکنے والا۔ (۱۰ : ۹۶)

۱۶۔ صلّی بمقابلہ تولّی آیا ہے۔ اس سے صلوٰۃ کا مفہوم (اتباع) واضح ہوجاتا ہے۔ (۳۱ : ۷۵)

۱۷۔ کامیابی اس کے لئے ہے جو قانونِ خداوندی کو سامنے رکھتا ہے اور صلّی۔ پھر اس کا اتباع کرتا ہے۔ (۹ و ۲ : ۲۳)۔

(۱۵-۱۴ : ۸۷) - (۱۸) - اس راستے پر چلو جو تمہیں مقامِ ابراہیمی (امامتِ نوعِ انسان) تک لے جائے (مصلّیٰ) - (۲:۱۲۵)

۱۹۔ مصلّین کی خصوصیات۔ مال جمع نہیں کرتے۔ ان کے اموال میں سائل و محروم کا حقِ معلوم ہوتا ہے۔ (۲۶-۱۷ : ۷۰)۔

نیز۔ (۷-۱ ; ۱۰۷)

۲۰۔ اہلِ جہنم سے پوچھا جائے گا کہ تم یہاں کیسے آ گئے۔ وہ کہیں گے کہ ہم مصلّین میں سے نہیں تھے یعنی وہ کچھ نہیں کرتے تھے جس کا ذکر اوپر (۱۹) میں آیا ہے۔ (۴۵-۴۳ : ۷۴)

۲۱۔ حضرت زکریاؑ محراب میں صلوٰۃ ادا کر رہے تھے (یُصَلّی)۔ (۳۸ : ۳)

۲۲۔ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے خوف و حزن باقی نہیں رہ سکتا۔ (۲۷۷ : ۲)

۲۳۔ جب تم صلوٰۃ کے لئے آواز دیتے ہو تو یہ مخالفین اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ (۵۸ : ۵)

۲۴۔ اقامتِ صلوٰۃ کرنے والے مصلحین ہیں۔ ان کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ (۱۷۰ : ۷)۔ اور محسنین (۴-۳ : ۳۱)

۲۵۔ قرآن سے جس قدر ہو سکے قرأت کرو۔ اور اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ کرو۔ (۲۰ : ۷۳)

۲۶۔ استعانت بالصبر والصلوٰۃ کے ساتھ ہی مقتولین فی سبیل اللّٰہ کا ذکر ہے۔ (۱۵۴-۱۵۳ : ۲)

۲۷۔ صلوٰۃ فحشاء و منکر سے روکتی ہے۔ (۴۵ : ۲۹)

۸۔ صمد

صمد کے بنیادی معنی ہیں بلند چٹان۔ اس کے بعد اس کے معنی ایسی ہستی کے آئے ہیں جس سے کوئی مستغنی نہ ہو سکے اور ہر شخص جس کی طرف اپنی ضرورت کے لئے رجوع کرے۔ قرآن کریم میں خدا کی ایک صفت الصمد آئی ہے (۲ : ۱۱۲)۔

اس کے سوا یہ لفظ اور کہیں نہیں آیا۔ صمدیت ایک عظیم خصوصیت ہے اور صفاتِ خداوندی کو اپنے اندر منعکس کرنے والی قوم، اگر صمد بن جائے۔ تو اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی اور قوم نہ کر سکے۔

(۰)

۹۔ صور

صوَر۔ جنگ کے وقت پہلے وقتوں میں قرنا بجایا جاتا تھا۔ (اب بگل بجاتے ہیں)۔ اسے صور کہتے تھے۔ نفخ فی الصور کے معنی ہیں۔ صور پھونکنا۔ جنگ کے لئے بگل بجانا۔ لیکن قرآن کریم میں یہ اصطلاح، انقلاب آفرین "قیامت" کے سلسلہ میں بھی آئی ہے۔ اس دنیا میں قیامت اور اُخروی زندگی میں قیامت کے سلسلہ میں (دیکھئے عنوان قیامت)

۲۔ صور کو اگر صورت کی جمع لیا جائے تو نفخِ صور کے معنی ہوں گے "پیکروں میں توانائی پیدا کر دینا" یہ اس دنیا میں بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں مردہ قوموں کو حیاتِ نو ملتی ہے اور آخرت میں بھی جہاں مرنے کے بعد جدید توانائیوں سے زندگی عطا ہوگی۔

متعلقہ آیات میں دیکھنا ہوگا کہ کس مقام پر کون سا مفہوم زیادہ موزوں ہے۔

نفخِ صور

۱۔ جس دن نفخِ صور ہوگا تو تمام اقتدار خدا کے ہاتھ میں ہوگا۔ (۶ : ۷۳)

۲۔ نفخِ صور ہوگا اور ہم سب کو جمع کریں گے۔ (۱۸ : ۹۹)

۳۔ جب نفخِ صور ہوگا تو مجرمین کی آنکھیں نیلی پڑ جائیں گی۔ (۲۰ : ۱۰۲)

۴۔ اس دن کوئی نسبی رشتہ داری کام نہیں آئے گی۔ (۲۳ : ۱۰۱)

۵۔ اس دن پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو ارض و سما میں جو کوئی ہوگا اس کے ہوش اڑ جائیں گے۔ (۲۷ : ۸۷)۔ (۳۹ : ۶۸)۔ دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے ہو کر انتظار کریں گے۔ (۳۹ : ۶۸)

۶۔ نفخِ صور ہوگا اور وہ اپنی قبروں سے رب کی طرف اچھلتے ہوئے جائیں گے۔ (۳۶ : ۵۱)۔ فوج در فوج۔ (۷۸ : ۱۸) ——— (۷)۔ وہ یوم الوعید ہوگا۔ (۵۰ : ۲۰)

۸۔ نفخِ واحدہ (ایک بار پھونکنا)۔ (۶۹ : ۱۳)

(۰)

۱۰- صورت

صورت (FORM) ارسطو کے فلسفہ کی رو سے، اشیائے کائنات کا وجود، صورت (FORM) سے قائم ہے۔ بات ہے بھی ٹھیک۔ اگر اشیاء کی صورتیں معدوم ہو جائیں تو ان کا ہیولےٰ تو باقی رہ جائے لیکن وہ اشیاء اپنی منفرد حیثیت کھو بیٹھیں۔ اسی بنا پر، قرآن کریم نے خدا کے تخلیقی پروگرام میں، صورت گری کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اور خدا کی ایک صفت المصور بیان کی ہے۔

(۰)

صورت گری

۱- اس نے تمہیں بہترین صورت عطا کی۔ (۶۴ : ۴۰) - (۲ : ۶۴)
۲- تمہیں پیدا کیا۔ صورت عطا کی۔ پھر ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ (۱۱ : ۷)
۳- خدا رحمِ مادر میں جنین کو اپنے قانونِ مشیت کے مطابق صورت عطا کر دیتا ہے۔ (۶ : ۳) - (۸ : ۸۲)
۴- خدا المصور ہے۔ (۲۴ : ۵۹)
۵- صورتوں (پیکروں) میں توانائی پھونکنا۔ (دیکھئے عنوان صور)

(۰)

۱۱- صوم

روزہ کے لئے قرآن کریم میں صوم کا لفظ آیا ہے جس کے بنیادی معنی اپنے آپ کو روکنے یا ضبطِ نفس کے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو حدود خداوندی کے اندر رکھنا۔ صائم کے معنی ہیں اپنے آپ کو غلط راستوں سے روکنے والا۔ اپنے آپ پر ضبط رکھنے والا۔ اصطلاح میں اس کے معنی صبح سے رات تک خورد و نوش اور جنسی اختلاط سے باز رہنے کے ہیں۔ مقصد اس سے مومنین کو سپاہیانہ زندگی کا خوگر بنانا ہے۔ شہر رمضان کے روزے، اپنی روح کے اعتبار سے سالانہ عسکری ٹریننگ کا کورس ہے۔ اس لئے

کہ اسلام میں ہر مسلمان سپاہی ہوتا ہے۔

۲۔ روزے اقوام سابقہ میں بھی تھے۔ یہودیوں کے ہاں روزے میں بات بھی نہیں کرتے تھے

۳۔ اعتکاف فی المساجد کے الفاظ قرآن کریم میں صرف ایک مقام پر آئے ہیں (۱۸۷ : ۲)۔ ایسا نظر آتا ہے کہ صیام (روزے) تو عام عسکری ٹریننگ کے لئے ہیں، اور ان میں جو لوگ خصوصی کورس کے لئے روک لئے جائیں ان کے لئے عاکفین فی المساجد کی اصطلاح آئی ہے۔ حج کے ضمن میں عاکفین کا ذکر حج کے عنوان میں کیا گیا ہے۔

صوم - روزے کے احکام

۱۔ روزے فرض کئے گئے ہیں (۱۸۳ : ۲)۔ گنتی کے دن (۱۸۴ : ۲) - رمضان کے پورے مہینے کے روزے۔ (۱۸۵ : ۲) مریض اور مسافر، بعد میں گنتی پوری کرے۔ (۱۸۵ - ۱۸۴ : ۲)۔ لیکن جو بمشقت روزہ رکھ سکتا ہو وہ اس کی جگہ فدیہ دے جو ایک آدمی کی خوراک کے مطابق ہے۔ (۱۸۴ : ۲)۔ روزہ اس وقت سے ہے جب صبح کی سفیدی رات کی سیاہی سے متمیز ہو جائے۔ رات تک اسے پورا کیا جائے گا۔ (۱۸۷ : ۲)۔ اس میں کھانا پینا اور جنسی اختلاط منع ہے۔ (۱۸۷ : ۲)۔ رات کو یہ سب کچھ جائز ہے۔ (۱۸۷ : ۲)۔ لیکن اعتکاف (یعنی خصوصی کورس) میں اختلاط کی اجازت نہیں۔ (۱۸۷ : ۲)۔ روزوں سے مقصد یہ ہے کہ تم میں فرائض کی ادائیگی کی عادت پیدا ہو جائے۔ (۱۸۳ : ۲) - تم میں ایسی صلاحیت پیدا ہو جائے کہ تم دنیا میں نظامِ خداوندی کو بلند و بالا کر سکو (۱۸۵ : ۲) اور تمہاری محنتیں بھرپور نتائج مرتب کر سکیں۔ (۱۸۵ : ۲)۔ اور تم لوگوں کا مال ناجائز طریق پر کھانے سے رک سکو۔ (۱۸۸ : ۲)

۲۔ مومن مرد اور عورتیں صائم ہوتے ہیں۔ (۳۵ : ۳۳)

۳۔ بعض لوگوں نے سائحون اور سائحات کے معنی بھی روزہ دار لئے ہیں۔ (۱۱۲ : ۹) - (۵ : ۶۶)۔ [لیکن ہمارے نزدیک اس لفظ کے معنی سیاحت کرنے کے ہیں]

۴۔ روزے شہرِ رمضان میں فرض ہوئے۔ اس پورے مہینے کے روزے ہیں۔ رمضان کے مہینے میں نزولِ قرآن کی ابتداء ہوئی تھی۔ (۱۸۵ : ۲)

روزے بطور فدیہ

۱۔ مناسکِ حج میں کمی رہ جانے کی وجہ سے روزے بطور فدیہ۔ (۱۹۶ : ۲)

۲۔ قسم توڑنے کا کفارہ۔ (۸۹ : ۵) ——(۳)۔ قتلِ مومن بالخطاء کا کفارہ۔ (۹۲ : ۴)

۴۔ ظہار (بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم) کا کفارہ (۴ : ۵۸)۔ (۵)۔ حالتِ احرام میں شکار پکڑنے کا کفارہ۔ (۹۵ : ۵)

یہودیوں میں روزہ

۱۔ روزے میں کلام نہیں کرتے تھے۔ (۲۶ : ۱۹)۔ حضرت زکریاؑ کو بھی غالباً یہی حکم ملا تھا۔ (۱۰ : ۱۹)

(۰)

ض

ضلالت

ضلالت (ض۔ل۔ل)۔ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں حیران و سرگرداں ہونا۔ کسی چیز کا غائب اور پوشیدہ ہو جانا۔ مختلف چیزوں کا اس طرح مل جانا کہ وہ پھر الگ الگ نہ ہو سکیں اور جداگانہ طور پر پہچانی نہ جا سکیں۔ التباسِ حقیقت سیدھی راہ سے ہٹ جانا۔ راستے کی تلاش میں مارے مارے پھرنا۔ ضائع ہو جانا۔ رائیگاں جانا۔

قرآن کریم میں یہ مادہ، بالعموم ہدایت کے مقابل آیا ہے۔ ہدایت سیدھے راستے پر چلنے کو کہتے ہیں اس لئے ضلالت، غلط راستے پر چلنے کو کہیں گے، لیکن قرآن میں یہ لفظ انہی معانی میں نہیں آیا بلکہ جو معانی اوپر دیئے گئے ہیں، مختلف مقامات پر ان معانی میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم میں اللہ کے متعلق "یضل من یشاء" یا اس قسم کی اور آیات آئی ہیں۔ ان کا ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے کہ "اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے"۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ (یا مفہوم) قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے اس لئے یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس بنیادی مسئلہ کی تشریح "تقدیر" کے عنوان میں کی جا چکی ہے۔ اسے ایک نظر دیکھ لینا چاہیئے۔ اس مقام پر اتنا دہرا دینا کافی ہوگا کہ ہدایت اور گمراہی انسان خود حاصل یا اختیار کرتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ چیزیں قانونِ خداوندی

۲- قسم توڑنے کا کفارہ - (۸۹ : ۵) ——(۳)- قتلِ مومن بالخطاء کا کفارہ - (۹۲ : ۴)
۴- ظہار (بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم) کا کفارہ (۴ : ۵۸) - (۵)- حالتِ احرام میں شکار پکڑنے کا کفارہ- (۹۵ : ۵)

یہودیوں میں روزہ

۱- روزے میں کلام نہیں کرتے تھے - (۲۶ : ۱۹)- حضرت زکریاؑ کو بھی غالباً یہی حکم ملا تھا - (۱۰ : ۱۹)

—(-)—

ض

ضلالت

ضلالت (ض - ل - ل) - اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں حیران و سرگرداں ہونا۔ کسی چیز کا غائب اور پوشیدہ ہو جانا۔ مختلف چیزوں کا اس طرح مل جانا کہ وہ پھر الگ الگ نہ ہوسکیں اور جداگانہ طور پر پہچانی نہ جاسکیں۔ التباسِ حقیقت سیدھی راہ سے ہٹ جانا۔ راستے کی تلاش میں مارے مارے پھرنا۔ ضائع ہو جانا۔ رائیگاں جانا۔

قرآن کریم میں یہ مادہ، بالعموم ہدایت کے مقابل آیا ہے۔ ہدایت سیدھے راستے پہ چلنے کو کہتے ہیں اس لئے 'ضلالت' غلط راستے پہ چلنے کو کہیں گے، لیکن قرآن میں یہ لفظ انہی معانی میں نہیں آیا بلکہ جو معانی اوپر دیئے گئے ہیں، مختلف مقامات پر ان معانی میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔

۲- قرآن کریم میں اللہ کے متعلق 'یضل من یشاء' یا اس قسم کی اور آیات آئی ہیں۔ ان کا ترجمہ بالعموم یہ کیا جاتا ہے کہ 'اللہ جسے چاہے گمراہ کردے'۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ (یا مفہوم) قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے اس لئے یہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس بنیادی مسئلہ کی تشریح 'تقدیر' کے عنوان میں کی جاچکی ہے۔ اسے ایک نظر دیکھ لینا چاہیئے۔ اس مقام پہ اتنا دھرا دینا کافی ہوگا کہ ہدایت اور گمراہی انسان خود حاصل یا اختیار کرتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ چیزیں قانونِ خداوندی

کے مطابق چلنے (یا ان کی خلاف ورزی کرنے) کا فطری نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس لئے انہیں "مشیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو شخص چاہے، قانونِ خداوندی کے اتباع سے ہدایت پالے، اور جو چاہے اس کے خلاف چل کر ضلالت خرید لے۔ جو اس طرح ضلالت خرید لے، اسے کوئی شخص اپنے طور پر راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ وہ پھر قانونِ خداوندی کے اتباع ہی سے ہدایت پر آسکتا ہے۔ یہ مفہوم ہے ان آیات کا جن میں کہا گیا ہے کہ "جسے خدا گمراہ کردے اُسے کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا" (وغیرہ)۔ اسی طرح جن آیات میں گمراہی کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ وہاں بھی مراد یہ ہے کہ انسان جب قوانینِ خداوندی سے سرکشی اختیار کرتا ہے تو گمراہ ہو جاتا ہے۔ (دیکھئے عنوان شیطان)۔ (نیز دیکھئے عنوان غویٰ)

اسباب و وجوہِ ضلالت

۱۔ جو ایمان کے بدلے کفر خرید لے وہ متوازن راہ سے ہٹ گیا۔ (۲ : ۱۶)۔ (۲ : ۱۰۸)۔ (۲ : ۱۷۵)۔ (۵ : ۱۲)

۲۔ شرک سے گمراہی (۴ : ۱۱۶)۔ کفر سے گمراہی (۴۰ : ۴۷)۔ آفلین کو معبود بنانے سے۔ (۶ : ۷۷)۔ (۴۶ : ۵)

۳۔ اللہ ملائکہ۔ کتب۔ رسل۔ آخرت سے کفر وجۂ ضلالت۔ (۴ : ۱۳۶)

۴۔ معصیتِ خدا و رسول۔ (۳۳ : ۳۶) — (۵)۔ کفار سے دوست داری کے تعلقات۔ (۶۰ : ۱)

۶۔ اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ اگر میں تمہاری خواہشات کا اتباع کرنے لگ جاؤں تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ (۶ : ۵۶)

۷۔ کفر اور سبیل اللہ میں رکاوٹ ڈالنا۔ (۴ : ۱۶۷)۔ (۱۴ : ۱۸)

۸۔ گمراہ قوموں کے خیالات و خواہشات کا اتباع۔ (۵ : ۷۷)

۹۔ مشرکانہ رسومات کا اتباع (۴ : ۱۱۹)۔ (۶ : ۱۴۰) (۱۰)۔ قوم موسیٰؑ کی گوسالہ پرستی (۷ : ۱۴۹)۔ (۲۰ : ۹۲)

۱۱۔ کفار کی کٹ حجتیاں (۱۷ : ۴۸)۔ (۲۵ : ۹)۔ (۱۲)۔ ہدایاتِ خداوندی کا اتباع کرنے سے انسان گمراہ نہیں ہوتا۔ (۲ : ۱۹۸)۔ (۲۰ : ۱۲۳)۔ (۱۳)۔ بت پرستی وجۂ ضلالت (۱۴ : ۳۶)

۱۴۔ اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لینے والا، علم کے باوجود گمراہ ہو جاتا ہے۔ (۶ : ۱۲۰)۔ (۲۸ : ۵۰)۔ (۴۵ : ۲۳)

۱۵۔ ضد کہ ہم خدا سے ملاقات کریں گے۔ (۷ : ۱۵۵)

۱۶۔ قرآنی تمثیلات سے بعض گمراہ ہو جاتے ہیں، بعض ہدایت حاصل کر لیتے ہیں۔ جس نگاہ سے کوئی دیکھے ویسا ہی تاثر پیدا ہو جاتا ہے۔ (۲ : ۲۶)۔ (۷۴ : ۳۱)۔ ضلالت، فسق سے پیدا ہوتی ہے۔ (۲ : ۲۶)

۱۷۔ خدا وضاحت کر دیتا ہے کہ تقویٰ کی راہ کونسی ہے۔ اسے پھر بھی جو نہیں مانتا وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ (۹ : ۱۱۵)

۱۸۔ ظلم وجۂ ضلالت (۴ : ۱۴) — (۳۸ : ۱۹) — (۱۱ : ۳۱)

۱۹۔ غلط کاموں کا مزین بن کر دکھائی دینا۔ (۹ - ۸ : ۳۵)

۲۰۔ مسرف و مرتاب گمراہ ہوتا ہے۔ (۴۰ : ۳۷) - (۲۱) - دلوں کے اندر مرض۔ کفر۔ ریب و تشکیک۔ (۳۱ : ۴۷)

۲۲۔ وحی کے بجائے اپنے جذبات کا اتباع کئے جانا۔ یہ حضرت داؤدؑ سے کہا گیا ہے۔ (۲۶ : ۳۸)

۲۳۔ منافقت۔ (۴ : ۱۴۲-۱۴۳) —— (۲۴)۔ اپنے جذبات کی طغیانیاں۔ (۱۷۶ : ۷)

۲۵۔ عقل و فکر سے کام نہ لینے والے اور تکذیب آیات کرنے والے۔ (۶ : ۳۹) - (۱۷۹ : ۷) - (۴۴ : ۲۵) -
(۴۳ : ۴۰) - (۵۳ : ۳۰) - (۲۷ : ۸۱) - (۲۶)۔ قلب (سینے) کی تنگی۔ (۱۲۵ : ۶)

۲۷۔ مہینوں کی گنتی میں نسیٔ کی رسم وجۂ گمراہی تھی۔ (۳۷ : ۹)

۲۸۔ تکذیب کرنے والے گمراہ اور جہنمی ہیں۔ (۵۱ : ۵۶) - (۹۲ : ۵۶) - (۹ : ۶۷)

۲۹۔ اسلاف کی اندھی تقلید۔ (۵۴ : ۲۱) - (۶۹ : ۳۷)

۳۰۔ قرآن کا انکار کرنے والے اہلِ جہنم۔ (۳۴ : ۲۵) - (۵۲ : ۴۱)

۳۱۔ عذاب کے مستوجب۔ (۴۲ : ۲۵) (۳۲)۔ الحق چھوڑ دو تو پھر ضلالت کے سوا رہ کیا جاتا ہے۔ (۱۰ : ۳۲)

۳۲۔ دین کی راہ میں کجی (پیچیدگیاں) پیدا کرنے سے۔ (۱۴ : ۳) - (۳۴) شرک بہت بڑی گمراہی ہے۔ (۴ : ۱۱۶) -
(۱۲ : ۲۲) - (۲۴ : ۳۶) - (۳۵)۔ آخرت سے انکار۔ (۸ : ۳۴) - (۱۸ : ۴۲)

۳۶۔ جو خدا کو رازق سمجھے وہ ہدایت پر۔ دوسرے ضلالت پر۔ (۳۴ : ۲۴)۔ لیکن یہ سمجھنا کہ خدا براہِ راست رزق دیتا ہے۔ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ (۴۷ : ۳۶)

۳۷۔ وحیٔ خداوندی کی طرف سے دلوں کا پتھر ہو جانا وجۂ گمراہی ہے۔ (۲۲ : ۳۹)

۳۸۔ داعیٔ الی اللہ (رسول اللہ) کو قبول نہ کرنے والے۔ (۳۲ : ۴۶)

۳۹۔ مجرمین کھلی ہوئی گمراہی اور جہنم میں۔ (۴۷ : ۵۴)

گمراہ کرنے والے

۱۔ قیامت میں معبودانِ باطل سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے ہمارے بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود گمراہ ہو گئے تھے۔ وہ

کہیں گے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا تھا - (۱۷ : ۲۵)
۲- فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا ——— (۸۸ : ۱۰) - (۷۹ : ۲۰)
۳- جہنمی کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان کو دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا - (۲۹ : ۴۱) - یعنی ان کے لیڈر اور مذہبی راہ نما - (۳۸ : ۷) - (۶۷ : ۳۳)
۴- بتوں کے پجاری - (۳۶ : ۱۴) - (۵) - مجرمین دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں - (۹۹ : ۲۶)
۶- گمراہ دوست دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں - (۲۹ : ۲۵) - لیکن وہ قیامت میں انکار کر دیں گے - (۲۷ : ۵۰)
۷- قومِ موسیٰؑ کو سامری نے گمراہ کر دیا - (۸۵ : ۲۰) - (۸) مفتری علی اللہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے - (۱۴۴ : ۶)
۹- بغیر علم و ہدایت خدا سے جھگڑنے والے - (۹ : ۲۲) - (۱۰) - فریب انگیز باتیں کرنے والے (واعظ) - (۶ : ۳۱)
۱۱- خدا کے ہمسر قرار دینے والے (۳۰ : ۱۴) - (۸ : ۳۹) - (۱۲) قومِ نوحؑ کے اکابرین - (۲۷ : ۷۱)
۱۳- مذہبی راہ نما بغیر علم دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں - (۲۵ : ۱۶)
۱۴- خدا گمراہ کرنے والوں کو اپنا حمایتی کیسے بنا سکتا ہے - (۵۱ : ۱۸)
۱۵- شیطان کو مُضِل کہا گیا ہے - یعنی گمراہ کرنے والا - اس کے لئے متعلقہ ذیلی عنوان دیکھئے -
۱۶- اہلِ کتاب گمراہی خرید رہے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں - (۴۴ : ۴)

ضلالت و ہدایت خود اختیار کی جاتی ہے

۱- جو ہدایت اختیار کرے گا، اس کا فائدہ اس کو ہو گا - جو گمراہ ہو گا خود نقصان اٹھائے گا - (۱۰۸ : ۱۰) - (۱۵ : ۱۷) (۴۱ : ۳۹) - (۲) - جو گمراہی اختیار کرے اس سے کہہ دو کہ میرا کام تو تمہیں متنبہ کرنا ہے - (۹۲ : ۲۷)
۳- اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ اگر میں گمراہی اختیار کر دوں گا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہو گی - خدا پر نہیں - (۵۰ : ۳۴)
۴- اہلِ کتاب گمراہی خریدتے ہیں - (۴۴ : ۴) - (۵) گمراہ ہو جانے والوں کے لئے عذابِ شدید (۲۶ : ۳۸)
۶- اے رسولؐ! تو انہیں راہ راست پر لانے کے لئے بہت حریص ہے - لیکن جو خود گمراہ رہنا چاہے اسے خدا بھی ہدایت نہیں دیتا - لہٰذا تیرے حریص ہونے سے کیا ہو سکتا ہے - (۳۷ : ۱۶) - (۹۳ : ۱۶)
۷- جو اپنے غلط کاموں کو اعمالِ حسنہ سمجھے اور اس طرح اپنے اختیار و ارادہ سے گمراہی اختیار کرلے (۸ : ۳۵)

یھدی من یشاء ویضل من یشاء

۱۔ جو گمراہ ہونا چاہتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ ہدایت اسے ملتی ہے جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ (۲۷ : ۱۳)

۲۔ من یشاء (۴ : ۱۴) ۔ لیکن خدا ظالمین کو گمراہ کرتا ہے۔ (۲۷ : ۱۴)

۳۔ اگر خدا چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی راستہ پر چلنے کے لئے مجبور پیدا کر دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا ہے، اس لئے جس کا جی چاہے، ہدایت اختیار کر لے ——— جس کا جی چاہے گمراہ ہو جائے۔ ان کے اعمال کی تجھ سے بازپرس نہیں ہوگی۔ (۲۷ : ۱۶) ۔ (۹۳ : ۱۶)

۴۔ جسے اپنے غلط کام مزین بن کر دکھائی دیں۔ (۸ : ۳۵)

۵۔ دلوں کے اندر مرض۔ کفر۔ ریب و تشکیک۔ (۳۱ : ۷۴)

وہ آیات جن میں گمراہی کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے (ابتدائی تشریح دیکھئے)

۱۔ منافقین کو خدا نے گمراہ کیا ہے۔ کیا تم انہیں راہِ ہدایت پر لانا چاہتے ہو۔ (وہ انہی قوانینِ خداوندی کے اتباع سے ہدایت پر آسکیں گے جن سے وہ منافقت برت رہے ہیں۔ (۸۸ : ۴) ۔ (۱۴۳ : ۴)

۲۔ جسے خدا گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔ (۳۳ : ۱۳) ۔ (۲۹ : ۳۰) ۔ (۱۳ : ۳۹) ۔ (۳۶ : ۳۹) (۳۳ : ۴۰) ۔ (۳) اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لینے والے کو خدا اس کے علم کے باوجود گمراہ کر دیتا ہے۔ (۲۳ : ۴۵) ۔ (۴) ۔ قومِ موسیٰؑ نے ضد کی کہ ہم خدا سے ملاقات کریں گے۔ اس سے خدا نے انہیں گمراہ کر دیا۔ (یہاں تضل بہا من تشاء و تھدی من تشاء آیا ہے)۔ (۱۵۵ : ۷)

۵۔ خدا ظالمین کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے بعد ہے یفعل اللہ ما یشاء (۲۷ : ۱۴)۔ یعنی ایسا خدا کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ (۶) ۔ مسرف و مرتاب کو خدا گمراہ کرتا ہے۔ (۳۴ : ۴۰)

۷۔ خدا کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔ (۷۴ : ۴۰)

۸۔ جسے خدا ہدایت دے اسے ہدایت پر سمجھو۔ جسے وہ گمراہی میں چھوڑ دے وہ نقصان میں رہا۔ (۱۷۸ : ۷) ۔ وہ اپنی طغیانیوں میں بھٹکتا رہتا ہے۔ (۱۸۶ : ۷) ۔ اس کا خدا کے سوا کوئی سرپرست نہیں ہو سکتا۔ (۹۷ : ۱۷) نہ کوئی مرشد (۱۷ : ۱۸) ۔ (۴۴ : ۴۲) ۔ اسے کوئی دوسری راہ مل ہی نہیں سکتی۔ (۴۶ : ۴۲)

۹۔ بہرے، گونگے بنے رہنے والوں کو خدا ہدایت نہیں دیتا۔ (۶ : ۳۹)

۱۰۔ جسے وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے۔ (۶ : ۱۲۵)

۱۱۔ جسے خدا ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ (اس کا مُضل کوئی نہیں ہو سکتا)۔ (۳۹ : ۳۷)

شیطان کی طرف منسوب آیات

۱۔ خدا کے ساتھ بغیر علم جھگڑنے والا شیطان ہے۔ اور شیطان کے متعلق ہم نے کہہ رکھا ہے کہ جو اسے اپنا دوست بنائے گا، گمراہ ہو جائے گا۔ (۲۲ : ۴) ۔ (۲)۔ شیطان چاہتا ہے کہ یہ گمراہ ہو جائیں۔ (۴ : ۶۰)

۳۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنی غلطی کے متعلق کہا کہ یہ عملِ شیطان ہے۔ اور شیطان مضل مبین ہے۔ (۲۸ : ۱۵)

۴۔ شیاطین کو اپنا دوست بنانے والے گمراہ ہیں۔ (۷ : ۳۰)

خدا جانتا ہے کون ہدایت پر ہے، کون گمراہی پر

۱۔ یہ خدا کے علم میں ہے۔ یعنی اس کا فیصلہ اس کے بیان کردہ قوانین کی رو سے ہوتا ہے۔ (۶ : ۱۱۷)۔ (۱۶:۱۲۵)
(۲۸ : ۸۵)۔ (۵۳ : ۳۰)۔ (۶۸ : ۷)

اقوامِ سابقہ نے بھی گمراہی اختیار کی تھی

۱۔ اکثر اقوامِ سابقہ نے گمراہی اختیار کی تھی۔ (۵ : ۷۷)۔ (۳۶ : ۶۲)۔ (۳۷ : ۷۱)

۲۔ ان اقوام کے خیالات کے اتباع سے گمراہی۔ (۵ : ۷۷)۔ (۳)۔ قومِ حضرت نوحؑ (۷ : ۶۱)۔ (۷۱ : ۲۴)

۴۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد ———— (۶ : ۷۴)۔ (۲۶ : ۸۶)

۵۔ اہلِ کتاب کے مغضوب گروہ۔ اصحابِ سبت۔ (۵ : ۶۰)

۶۔ اہلِ عرب حضورؐ سے پہلے ضلالِ مبین میں تھے۔ (۶۲ : ۲)

۷۔ اقوامِ سابقہ کی طرف رسول آئے۔ ان میں سے ایک جماعت نے ہدایت قبول کر لی اور ایک جماعت گمراہ رہی۔ (۱۶ : ۳۶)

ضلالت (راستے کی تلاش میں متحیّر وسرگرداں ہونا) یا (CONFUSED) ہو جانا

۱۔ خدا نے حضورؐ کو راستے کی تلاش میں سرگرداں پایا تو سیدھا راستہ دکھا دیا۔ (۷ : ۹۳)

۲۔ دو عورتیں بطور گواہ اس لیے ضروری ہیں کہ اگر ایک (CONFUSED) ہو جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ (۲۸۲ : ۲)

ضلالت (بمعنی رائیگاں جانا۔ ضائع ہو جانا)

۱۔ ان کا افترا آخرالامر رائیگاں جائے گا۔ (۲۴ : ۶)۔ (۹۴ : ۶)۔ (۵۳ : ۷) — (۳۰ : ۱۰) — (۲۱ : ۱۱) — (۸۷ : ۱۶) — (۷۵ : ۲۸)

۲۔ مشرکین کی پکار رائیگاں جاتی ہے۔ (۱۴ : ۱۳)۔ (۵۰ : ۴۰) - (۳)۔ ضلالت بمقابلہ ثبات۔ (۲۷ : ۱۴)

۴۔ جن کی ساری تگ و تاز اسی دنیا کے مفاد کے حصول میں ضائع ہو گئی' یہ سب سے زیادہ نقصان میں رہے (۱۰۴-۱۰۲ : ۱۸)

۵۔ مخالفین کی تدابیر بے نتیجہ رہ گئیں۔ (۲۵ : ۴۰)۔ (۲ : ۱۰۵)

۶۔ کفار کی خفیہ تدبیریں رائیگاں جاتی ہیں۔ (۲۵ : ۴۰)۔ (۷)۔ تباہ شدہ باغ کو دیکھ کر کہا کہ انا لضالون۔ (۲۶ : ۶۸)

۸۔ کفر سے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ (۸ تا ۱ : ۴۷)۔ مقتولین فی سبیل اللہ کے اعمال رائیگاں نہیں جاتے (۴ : ۴۷)

ضلالت بمعنی غلطی

۱۔ برادرانِ یوسفؑ نے کہا کہ ہمارا باپ صریحاً غلطی پر ہے۔ (۸ : ۱۲)۔ (۳۰ : ۱۲)۔ بمعنی وہم (۹۵ : ۱۲)۔ (۲۰ : ۲۶)

۲۔ خدا نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ (۵۲ : ۲۰)

۳۔ خدا احکامِ وراثت کی وضاحت کرتا ہے تاکہ تم غلطی نہ کر جاؤ۔ (۱۷۶ : ۴)

ضلالت (بمعنی غائب ہو جانا)

۱۔ ان کے معبودانِ باطل وقت پر ان سے غائب ہو جائیں گے۔ (۳۷ : ۷)۔ (۹۷ : ۱۷)۔ (۷۴ : ۴۰)۔ (۴۸ : ۴۱)۔ (۲۸ : ۴۶)

۲۔ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی میں ضائع ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی زندہ کیے جائیں گے۔ (۱۰ : ۳۲)

متفرق

۱۔ تمہارا صاحب (رسول اللہ) نہ گمراہ ہوا نہ بھٹکا۔ (۵۳ : ۲)
۲۔ کفار کہتے کہ اس رسول نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دیا تھا۔ اگر ہم مضبوطی سے اپنے مسلک پر جمے نہ رہتے تو یہ ہمیں گمراہ کر دیتا۔ (۲۵ : ۴۲)
۳۔ اے رسولؐ! مخالفین کا ایک گروہ تہیہ کر چکا تھا کہ تجھے گمراہ کر دے لیکن وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر سکے (۳ : ۶۸)۔(۴:۱۱۳)
۴۔ اے رسول! اگر تو دنیا کی اکثریت کی اطاعت کرنے لگ جائے تو وہ تجھے خدا کی راہ سے گمراہ کر دے۔ (۶ : ۱۱۶)
۵۔ راہ گم کردہ لوگ خدا کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ (۱۵ : ۵۶)
۶۔ کفار، مومنین کو راہ گم کردہ کہتے تھے۔ (۸۳ : ۳۲)۔(۷) صراطِ مستقیم ضالین کی راہ نہیں ہوتی۔ (۱ : ۷)
۸۔ اہلِ جہنم اقرار کریں گے کہ ہم راہ گم کردہ تھے۔ (۲۳ : ۱۰۶) ۔ (۲۶ : ۹۷)
۹۔ یہاں کا اندھا آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور سخت راہ گم کردہ۔ (۱۷ : ۷۲)
۱۰۔ سردارانِ قوم نے حضرت نوحؑ سے کہا کہ تم راہ گم کردہ نظر آتے ہو۔ (۷ : ۶۰)
۱۱۔ قومِ ثمود نے کہا کہ کیا ہم ایک اپنے جیسے انسان کا اتباع کریں۔ یہ تو بڑی گمراہی کی بات ہے۔ (۵۴ : ۲۴)
۱۲۔ حضورؐ نے اپنی قوم سے کہا کہ انتظار کرو۔ نتائج بتا دیں گے کون گمراہی میں ہے۔ (۶۷ : ۲۹)
۱۳۔ خدا گمراہوں کو مہلت دیتا جائے گا۔ (۱۹ : ۷۵)

—(٠)—